ماہنامہ

ضیائے حرم

لاہور

مدیر اعلیٰ
پیر محمد کرم شاہ

حضرت صدیقِ اکبر نمبر
رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ہستیٔ او کشتِ ملّت را چو ابر

ثانیٔ اسلام و غار و بدر و قبر،

مفکّرِ اسلام
ضیاء الامت
حضرت پیر
محمّد کرم شاہ صاحب
کی خدمت میں

ماہنامہ
ضیائے حرم کا

سیّدنا
صدّیقِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ
نمبر
شائع کرنے پر

تہ دل سے ہدیۂ تبریک

منجانب السیّد شاہ منظور الھمدانی
بانی و ناظمِ اعلیٰ دارالعلوم قمر الاسلام سلیمانیہ کراچی نمبر ۶ پاکستان

سیدنا حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نمبر کی اشاعت پر

ضیاء الامت حضور غریب نواز قبلہ پیر محمد کرم شاہ صاحب مدظلہ
اور آپ کے مخلص رفقائے کار کے حضور نیک تمناؤں اور دعاؤں کا تحفہ پیش کرتے ہیں

منجانب: زاہد صدیق بوکن ضلع گجرات، صوفی صابر حسین بوکن ضلع گجرات

ماسٹر تصدق حسین بوکن ضلع گجرات، صوفی صفدر علی باہو وال ضلع گجرات

پاکستان کا کثیر الاشاعت اسلامی ماہنامہ

ضیائے حرم

حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ نمبر

قیمت :

فی پرچہ -/۳ روپے ، سالانہ -/۳۰ روپے بذریعہ رجسٹری : ۳۸ روپے

خط و کتابت اور ترسیلِ زر کا پتہ :

منیجر ماہنامہ ضیائے حرم بھیرہ (ضلع سرگودھا)

صدیق اکبر نمبر : قیمت پندرہ روپے

دفاتر

- کاشانۂ نظامی - رضوی سٹریٹ فلیمنگ روڈ ــــــ لاہور
- دار العلوم قمر الاسلام سلیمانیہ پنجاب کالونی ــــــ کراچی فون ۵۳۱۹۰۳ -
- انجمن تعلیم المسلمین غوثیہ، معرفت شاہ امیر ٹریڈرز - کوٹلی بہرام - سیالکوٹ

انگلستان آفس

صوفی محمد اکرم

۹ - ایبرو کرومبی ایونیو ہائی ویکمب بکس - فون ۳۰۱۹۱

ضیائے حرم صدیق اکبر نمبر

اس شمارے میں

اداریہ

سرِّ دلبراں — پیر محمد کرم شاہ ۱۱

ضیاء القرآن

ثانی اثنین — پیر محمد کرم شاہ ۱۹

ضیاء الحدیث

صدیقِ اکبرؓ نگاہِ رسالتؐ میں — پیر محمد کرم شاہ ۲۸

نہج البلاغۃ

صدیقِ اکبرؓ نگاہِ باب العلومؓ میں — ترجمہ پیر محمد کرم شاہ ۲۹

حیاتِ مبارکہ

صدیقِ اکبرؓ اسلام سے قبل — جی اے حق ۳۵
مثالی تاجر — ڈاکٹر بشیر احمد ۳۹
صدیقِ اکبرؓ کی گھریلو زندگی — مشتاق احمد خاں ۴۷

مثالی حکمران

صدیقِ اکبرؓ کا اوّلین خطبہ ۵۹
اسلام کا سیاسی نظریہ اور بیعت صدیقی — پیر محمد کرم شاہ ۶۱
صدیقِ اکبرؓ کا نظم مملکت — پروفیسر رحیم بخش شاہین ۸۱
صدیقِ اکبرؓ کی سیاسی حکمتِ عملی — پروفیسر شاہ فرید الحق ۹۵
صدیقِ اکبرؓ کی خارجہ پالیسی — محمود احمد غازی ۱۰۵

سپہ سالارِ اعظم

فتوحاتِ صدیقی — عبد القدوس ہاشمی ۱۲۱
صدیقِ اکبرؓ کی عسکری بصیرت — لیفٹیننٹ جنرل فضل الرحمٰن ۱۳۹

خصائل و فضائل

ذہنِ ابوبکر کا نفسیاتی جائزہ — عبد المالک عرفانی ۱۹۱
ابوبکر بحیثیت صدیقِ اکبرؓ — ضیاء الحسن فاروقی ۱۹۵
مقامِ صدیق — محمود احمد رضوی ۲۰۹
صدیقِ اکبرؓ اور عشقِ رسولؐ — ڈاکٹر بشیر احمد صدیقی ۲۲۵
صدیقِ اکبرؓ کی استقامت — پروفیسر مرزا محمد منور ۲۴۵
صدیقِ اکبرؓ کا اندازِ تعلیم و تربیت — ڈاکٹر حامد حسن بلگرامی ۲۵۷
صدیقِ اکبرؓ کے عظیم کارنامے — ڈاکٹر سید عبد اللہ ۲۶۳
صدیقِ اکبرؓ کے علمی مفاخر — پروفیسر سعید احمد ۲۶۹
صدیقِ اکبرؓ کی شعر گوئی — ڈاکٹر امین اللہ وثیر ۲۹۱

ضیائے حرم

اس شمارے میں

صدیق اکبرؓ نمبر

اس شمارے میں

مناقب جلیلہ

ثانی اثنین اذ ہما فی الغار	خواجہ غلام فخر الدین سیالوی	۵۵
جانشینِ رحمتِ عالم	محمد افضل فقیر	۵۶
جانشینِ احمد مختار	نظیر لدھیانوی	۲۹۵
برّ و کریم و عتیق	نعیم صدیقی	۲۹۸
ثانی لاثانی	عبد العزیز خالد	۲۹۹
امیرِ ملّتِ بیضا	غلام رسول ازہر	۳۰۱
جاں نثارِ رسالت	حفیظ تائب	۳۰۴
طبیب دلفگاراں	عاصی کرنالی	۳۰۵
دمساز پیغمبر	حافظ لدھیانوی	۳۰۶
قافلۂ قدس کے سالار	سرو سہارنپوری	۳۰۷
سرورِ دیں کا خلیل	علیم ناصری	۳۱۰
گلشنِ بے خار	خالد بزمی	۳۱۲
اصحاب میں نہیں کوئی صدیق کا جواب	عابد نظامی	۳۱۴
مزاج دانِ رسالت	عارف سیالکوٹی	۳۱۶
صداقت کے پیکر، یارِ غار	صابر براری، راز کاشمیری	۳۱۷
غمخوارِ نبوت، خلیل سرورِ دنیا و دیں	افتخار فخر، سلیم بابانی	۳۱۸
صدیقِ معظم، رفیقِ مصطفےٰ	بشیر ناظم، سبطین شاہجہانی	۳۱۹
جانشینِ پیغمبر، یارِ غار مجتبےٰ	ازہر کوٹلوی، سلطان فاروقی	۳۲۰
مصدق اوّل، مرتبہ دانِ محمدؐ	خضر چشتی، اصغر نثار	۳۲۱
مخزنِ تصدیق کے گوہر، آفتاب صبح ایماں	قربان نظامی، فدا الکریم کرنی	۳۲۲

اعتراف عظمت

رفیقِ نبوّت، کلامِ اقبال میں	منظور الحق صدیقی	۳۲۵
صدیقِ اکبرؓ دوسروں کی نظر میں	ارشاد احمد مرزا	۳۳۳

خانوادۂ صدّیقی

حضرت اُمِّ رومان	محمد یونس قریشی	۳۳۹
حضرت عبد اللہ بن ابوبکرؓ	طالب ہاشمی	۳۴۳
حضرت عبد الرحمٰن بن ابوبکرؓ	طالب ہاشمی	۳۴۷
حضرت صدیق اکبرؓ کی صاحبزادیاں	عذرا نسیم	۳۵۷
دنیا کے نامور صدیقی بزرگ	محمد دین کلیم	۳۶۷

اعتراضات

صدیق اکبرؓ اور مسئلہ فدک	پیر محمد کرم شاہ	۳۸۷
خلافتِ بلافصل	محمد ہاشم فاضل شمسی	۴۰۱
اعتراضات کا علمی جائزہ	پیر محمد کرم شاہ	۴۰۹

ببلی گرافی

حضرت صدیق اکبرؓ پر شائع شدہ کتابیں	ادارہ	۴۲۳

پیر محمد کرم شاہ ایم۔ اے الازہر، سجادہ نشین بھیرہ نے نثار آرٹ پریس لاہور سے باہتمام شیخ علی حسین چھپوا کر دفتر ضیائے حرم رضوی سٹریٹ فلیمنگ روڈ لاہور سے شائع کیا۔

دار العلوم امینیہ رضویہ فیصل آباد

اسلامی علوم کی معیاری درسگاہ



جشنِ میلاد

- تکمیل درس نظامی کے ساتھ فاضلِ عربی اور ایم اے تک کے امتحانات دلوائے جائیں گے۔
- طلباء کو علمی تربیت کے ساتھ ساتھ اخلاقی تربیت بھی دی جاتی ہے۔ تاکہ خود بھی سُنّت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلّم کا بے مثال و متحرک نمونہ ہوں اور دوسروں کو بھی محبّت و عظمت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلّم کا درس دے سکیں۔
- دار العلوم ھذا کے فارغ التحصیل طلباء انشاء اللہ العزیز عربی انگریزی۔ فارسی اور اُردو میں ماہر ہوں گے تاکہ باطل قوتوں کو بطریق احسن جواب دے سکیں۔
- امتحانات میں نمایاں پوزیشن حاصل کرنیوالوں کو معقول وظائف دیئے جاتے ہیں

نئے تعلیمی سال کا آغاز یکم مئی سے ہوتا ہے

فون ۳۰۶۶۶

داخلہ

کے لئے کم از کم مڈل ہونا شرط ہے

منجانب: محمد کریم سُلطانی خادم دار العلوم امینیہ رضویہ محمد پورہ فیصل آباد

کتبہ صابر فیصل آباد



ہمّتِ اُو کشتِ مِلّت را چُو ابر　　ثانیِ اِسلام و غار و بدر و قبر
(علامہ اقبالؒ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم



نحمدہ ونستعینہٗ ونستغفرہٗ ونؤمن بہ ونتوکّل علیہ ونصلّی ونسلّم وتبارک علیٰ صفوۃ الانبیاء امام الرّسل سیّدنا ومولانا محمّد المبعوث رحمۃ للعالمین وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ لا سیّما افضل البشر بعد الانبیا بالتحقیق سیّدنا ابی بکر الصدّیق، العتیق من النار والرّفیق فی الغار وعلیٰ کل من اقتفیٰ آثارہ الی یوم الدین -

ضیائے حرم کا یہ شمارہ
صدیقِ اکبر نمبر ہے - رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاہٗ عنّا

کون صدّیقِ اکبر؟

وہی جب ظلمت کدہ عالم میں رسالتِ محمّدی کا چراغ فروزاں ہوا تھا۔ تو مردوں میں سب سے پہلے جو پروانہ وار اس پر سوجان سے قربان ہونے کے لئے آگے بڑھا تھا۔ جس نے بارگاہِ جمال میں نذرانہ دل پیش کرنے سے پہلے کوئی معجزہ، کوئی دلیل طلب نہیں کی تھی۔

جس نے نگاہِ ناز کا اشارہ پاتے ہی بلا تامل نقدِ جان حاضر کر دی تھی۔

عرب کے خود سر معاشرہ میں جس کی شخصیت اپنی ذاتی خوبیوں کے باعث بڑی محترم اور انتہائی قابلِ اعتماد تھی۔

آپ کے مشرف با سلام ہونے سے مکہ کے چیدہ چیدہ لوگ خود بخود مسلمان ہو گئے تھے۔ ان میں حضرت زبیر، حضور کے پھوپھی زاد، حضرت عثمان، بنی امیہ کے رئیس اعظم، حضرت عبدالرحمٰن

بن عوف اور حضرت طلحہ جیسی عالی مرتبت ہستیاں شامل تھیں رضی اللہ عنہم وہی رحم دل اور کریم النفس جو اپنے غریب مسلمان بھائی بہنوں کو ان کے ظالم آقاؤں کی جور و ستم کی چکی میں پستے دیکھ کر بیتاب ہو جاتا، اپنی جیب سے قیمت ادا کر کے ان کو خریدتا پھر انہیں رضائے الٰہی کے لیے آزاد کر دیتا (حضرت بلال، عامر بن فہیرہ نیز کئی کنیزیں زِنیرہ، نہدیہ اس کی بچی اور ام عُبیس ان کو آپ نے ہی ان کے ظالم آقاؤں سے خرید کر آزاد کر دیا تھا۔)

وہ ابوبکر، جس نے اپنے حبیب سے پیمانِ وفا باندھا اور تا دمِ واپسیں اسے مردانہ وار نبھایا۔

جس نے ہر ضرورت کے وقت اپنے آقا کی دعوت پر اپنے گھر کا سارا اثاثہ لا کر قدموں میں ڈال دیا۔ عزیمت و مردانگی کی راہ پر جس کا ہر نقشِ قدم کاروانِ ملت کے لیے خضرِ راہ ہے۔ جرأت و یقین کی جو قندیلیں، راہِ عشق و وفا میں آج سے چودہ صدیاں پہلے اس مردِ حق آگاہ نے روشن کی تھیں، ابتلاء و آزمائش کی کٹھن اور پُرخار وادیاں آج بھی ان کی روشنی سے جگمگا رہی ہیں۔ جو سپہرِ اسلام پر آفتاب بن کر طلوع ہوا اور تا ابد ضو فشانی کرتا رہے گا۔ نگاہِ قدرت نے جس کو روزِ ازل سے اپنے محبوب کریم کی رفاقت کے لیے چن لیا تھا اسلام لانے سے پہلے بھی جس کا دامن شرک سے کبھی آلودہ نہیں ہوا۔ جس نے شراب کو کبھی ہاتھ نہیں لگایا۔

جس کے خلوص و ایثار کو بارگاہِ نبوت سے یوں داد ملی۔

عن ابی ھریرۃ قال النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مالاحد عندنا یدٌ الا وقد کافاناہ ما خلا ابابکرٍ فان لہٗ عندنا یداً یکافئہ اللہ بھا یوم القیامۃ وما نفعنی مال احد قط ما نفعنی مال ابی بکرٍ لو کنت متخذاً خلیلاً لاتخذت ابا بکر خلیلاً الا وان صاحبکم خلیل اللہ۔

ترجمہ:۔ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"کسی نے ہم پر احسان نہیں کیا اور ہم نے اس کا بدلہ اسے دیدیا۔ سوائے ابوبکر کے اس کے احسانات کا بدلہ قیامت کے دن اسے اللہ تعالیٰ دے گا۔ مجھے کسی کے مال نے اتنا نفع نہیں دیا جتنا نفع مجھے ابوبکر کے مال نے دیا ہے۔ اگر میں نے کسی کو خلیل بنایا ہوتا تو ابوبکر کو خلیل بناتا۔ خبردار تمہارا نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کا خلیل ہے۔"

جس کو زبانِ رسالت نے یہ مژدہ سنایا ہو۔

یا ابابکر انت صاحبی علی الحوض وصاحبی فی الغار

ترجمہ :۔ "اے ابوبکر! تو حوض کوثر پر بھی میرے ساتھ ہوگا اور غار میں بھی تو میرے ساتھ تھا۔"

رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک روز ارشاد فرمایا۔ نمازیوں کو جنت میں ایک خاص دروازے سے بلایا جائے گا۔ مجاہدوں کو باب جہاد سے اذن باریابی بخشا جائے گا۔ روزہ داروں کو باب ریان سے اندر آنے کی دعوت دی جائے گی۔ لیکن اے ابوبکر! تجھے جنت کے تمام دروازوں سے پکارا جائے گا۔ جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے محبوب نے فرمایا:

ارحم امتی بامتی ابوبکر

ترجمہ :۔ "میری امت میں سب سے زیادہ میری امت کے ساتھ رحم دلی کرنے والا ابوبکر ہے"

جس کو حضور نے اپنے آخری سفر جہاد (غزوہ تبوک) میں اسلام کے لشکر کا پرچم عطا فرمایا تھا جسے نبی کریم رؤف رحیم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی آخری علالت کے دنوں میں حکم دیا تھا کہ ابوبکر امامت کے فرائض انجام دے۔

مروا ابابکر فلیصل بالناس

ترجمہ: ابوبکر کو حکم دو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائے۔

وہ ابوبکر جس کے بارے میں سیدنا علی مرتضےٰ نے یہ ایمان افروز ارشاد فرمایا تھا۔

عن الحسن عن علی لقد امر النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ابابکر ان یصلی بالناس وانی لشاھد وما انا بغائب وما بی مرض ورضینا لدنیانا ما رضی النبی صلی اللہ علیہ وسلم لدیننا۔

ترجمہ :۔ حضرت امام حسن، سیدنا علی سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ابوبکر کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائے۔ جب یہ حکم ہوا تو میں بھی اس جگہ موجود تھا۔ غیر حاضر بھی نہیں تھا اور بیمار بھی نہیں تھا۔ پس جس ہستی کو نبی کریم نے ہمارے دین کی امامت کے لیے پسند فرمایا اسی کو ہم اپنی دنیا کی امامت کے لیے پسند کرتے ہیں۔

وہی ابوبکر، جس کو اسد اللہ الغالب نے اشجع الناس یعنی سب لوگوں سے زیادہ شجاع اور بہادر کہا تھا جس کی اولوالعزمی نے حضور سرور کائنات کے وصال کے بعد سفینۂ ملت کو طوفانی موجوں اور خطرناک گردابوں سے نکال کر ساحل مراد تک پہنچایا۔

جس کی ضربت قاہرانہ نے نبوت کے جھوٹے مدعیوں کو پاش پاش کر دیا تھا۔

جس کی ایک نگاہِ عتاب آلود نے شیطان کے بھڑکائے ہوئے شعلوں کو ہمیشہ کے لیے

موت کی نیند سلا دیا تھا اسی صدیقِ اکبر کی بارگاہِ رفعت پناہ میں "ضیائے حرم" اپنے اہلِ قلم معاونین کی معیت میں ہدیۂ عقیدت و محبت پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہے۔ ع۔

گر قبول افتد زہے عز و شرف

اللہ تعالیٰ کی توفیق سے آج سے پانچ سال پہلے ضیائے حرم مئی جون ۷۴ ۱۹ء کا شمارہ فاروق اعظم نمبر تھا۔ اس وقت ملک پر ایک عجیب بحرانی کیفیت طاری تھی۔ الحادی قوتیں بڑی بے دردی سے دین کے اس گلستان کو اجاڑنے پر کمر بستہ تھیں۔ سوشلزم کا طوفان امڈا چلا آ رہا تھا۔ دل کو ہر وقت یہ دھڑکا لگا رہتا تھا کہ کہیں اس طوفان کی تند و تیز موجیں اسلام کی رہی سہی قدروں کو بھی روند نہ ڈالیں۔ پاکستان کی فضاؤں میں "ایشیا سرخ ہے" کے بینر ہر سُو لہرانے لگے تھے۔ یہ ملک جس کو حاصل کرنے والوں نے اسلام کا قلعہ بنانے کے لیے حاصل کیا تھا۔ اس کی شاہراہوں پر "سوشلزم ہماری معیشت ہے" کے نعرے گونج رہے تھے۔ بدقسمتی سے ملک کی زمام حکومت ان لوگوں کے ہاتھوں میں آ گئی تھی جو دینِ اسلام کو دیگر مذاہب کی طرح فرسودہ اور از کار رفتہ خیال کرتے تھے انہیں ہر اس چیز سے چڑ تھی، جو کسی جہت سے اسلام سے متعلق تھی۔ رہ رہ کے یہ ڈراؤنا خیال آتا تھا اور دل ڈوب ڈوب جاتا تھا کہ کیا پاکستان سے اسلام کو جلا وطن کر دیا جائے گا۔ کیا یہاں قرآن کریم کے بجائے اینجلز اور کارل مارکس کا فلسفۂ حیات نافذ ہوگا۔ کیا یہاں رحمت للعالمین کی شریعت طیبہ کے بجائے لینن اور سٹالن کے افکار کو بالادستی حاصل ہوگی؟

اِن ہوشربا اور مایوس کن حالات میں حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کا ذکر پاک ہی اِن جملہ امراض کے لیے اکسیر کا کام دے سکتا تھا۔ آپ کی سیرت کی سادگی اور کردار کا جلال ہی ان فتنوں کو موت کی نیند سلا سکتا تھا۔ انہیں مقاصد کے لیے ان ناگفتہ بہ حالات میں ضیائے حرم نے فاروق اعظم نمبر اپنی ملت کے نوجوانوں کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کی تھی جسے تمام علمی حلقوں میں بے پناہ پذیرائی اور مقبولیت نصیب ہوئی۔

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ملک کی زمامِ اقتدار آج جس شخص کے ہاتھ میں ہے وہ اسلام کا سچا اور مخلص خادم ہے۔ ہمیں یہ بھی یقین ہے کہ وہ اسلام کا نام سیاسی مقاصد کے حصول کے لیے استعمال نہیں کر رہا۔ اس کا دلی ارادہ ہے کہ اسلام پورے جاہ و جلال کے ساتھ یہاں نافذ کیا جائے لیکن یہ راستہ اتنا ہموار اور آسان نہیں جتنا بادی النظر میں وہ دکھائی دیتا ہے۔ اس میں مہیب چٹانیں اور خوفناک گہرے کھڈ موجود ہیں۔ سب سے بڑی مشکل یہ ہے کہ دو صد سالہ دورِ غلامی نے ہمارے ایمان اور یقین کی بنیادوں کو ہلا کر رکھ دیا ہے۔ دین اسلام کے نفاذ کے لیے ضروری ہے کہ اسے نافذ کرنے والا بھی یقین سے سرشار ہو، دین حنیف کی برتری اور افادیت کے بارے میں

اس کے دل کے کسی گوشے میں شک وشبہ کا نشان تک نہ ہو اور جس ملک میں اس نظام کو نافذ کیا جا رہا ہے اس کے بسنے والے بھی اس نظامِ حیات کی برتری اور افادیت پر کامل یقین رکھتے ہوں۔ بیشک اسلام عمل صالح کی دعوت دیتا ہے۔ اور اسی عمل صالح کو فلاح دارین کا ضامن قرار دیتا ہے لیکن اس میں بھی شک نہیں کہ اسلام کی نگاہ میں عمل سے کہیں زیادہ ایمان کو اہمیت حاصل ہے یہی وہ قوت ہے جو عمل میں خلوص اور توانائی پیدا کرتی ہے اور اس کے رُخِ زیبا کو خود غرضی اور ریاکاری کے داغوں سے محفوظ رکھتی ہے۔

پاکستان میں بسنے والے فرزندانِ توحید کے لیے اولین اہمیت کا یہ کام ہے کہ جس دینِ برحق کا وہ اپنے آپ کو پیرو کہتے ہیں جس نبی رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی غلامی پر وہ فخر کرتے ہیں اس کی ہر بات اس کا ہر ارشاد ان کے نزدیک اطیل اور واجب الاتباع ہو۔ کسی ذاتی مفاد کو، کسی گروہی اور قومی مصلحت کو اس پر ترجیح نہ دی جائے۔ اس بات پر یقین محکم ہو کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے پیارے حبیب نے جو فرما دیا ہے اس میں ہماری دارین کی نجات اور فلاح کا راز مضمر ہے

اس جذبہ کو زندہ کرنے اور پائندہ رکھنے کے لیے اسوۂ صدیقی سے بڑھ کر کوئی دوسری چیز ہمارے لیے زیادہ اثر انگیز نہیں ہو سکتی۔ ایمان اور یقین کی پختگی کے جو روح پرور مناظر ہمیں صدیق اکبر کی زندگی کے لیل و نہار میں نظر آتے ہیں وہ اپنی شان و شوکت میں منفرد حیثیت کے مالک ہیں۔

آپ کی قوتِ ایمانی کا اندازہ لگانے کے لیے ذرا اس وقت کا تصور کیجئے جب کہ جانِ عالم، رُوحِ کائنات علیہ الطیب التحیات والتسلیمات داغِ مفارقت دے گئے۔ دل مضمحل، روح شکستہ، ماحول پر افسردگی چھاگئی۔ اردگرد سے ارتداد اور بغاوت کی روح فرسا خبریں موصول ہونے لگیں۔ حضرت صدیق اکبر حضرت اسامہ کو اس مہم پر روانہ کرتے ہیں جس کے لیے سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کو نامزد کیا تھا۔ مخلصین صحابہ، اپنے خلیفہ کے اس اقدام کو قرین دانشمندی نہیں سمجھتے۔ عرض کرتے ہیں کہ لشکر اسامہ کی روانگی ملتوی کر دی جائے۔ سارے جنگ آزما بہادر اس لشکر میں شامل ہیں۔ اگر یہ سب ایک دُور دراز مہم پر روانہ ہو گئے تو دشمنانِ اسلام، ایسا نہ ہو کہ مدینہ پر دھاوا بول دیں۔ صحابہ کا یہ مشورہ بلاشُبہ خلوص پر مبنی تھا۔ حالات بے شک ایسے ہی تھے۔ خطرات کی بجلیاں کوند رہی تھیں۔ لیکن عشقِ ایثار پیشہ کا فیصلہ، عقل مصلحت اندیش کے فیصلہ کے سراسر خلاف تھا۔ حضرت صدیق نے ان مشیروں کو جن کے خلوص اور دانشمندی میں ادنیٰ شک نہیں تھا۔ جواب دیا:

والذی نفسی بیدہٖ لو ظننت انّ السباع تختطفنی لانفذت جیش اسامۃ کما امر النّبی صلّی

اللہ تعالیٰ علیہ وسلم (الکامل)
ترجمہ: اس ذات پاک کی قسم جس کے دست قدرت میں میری جان ہے۔ اگر جنگل کے درندے بھی مدینہ میں گھس کر مجھے اُچک لیں تو پھر بھی میں اس لشکر کو روانہ کرنے سے باز نہیں آؤں گا جس لشکر کو حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے روانہ ہونے کا حکم دیا۔

لشکر میں شامل بعض لوگوں نے حضرت عمر کو صدیق اکبر کی خدمت میں بھیجا تاکہ ہم سب کی طرف سے عرض کریں کہ اگر وہ لشکر کو بھیجنے پر مصر ہیں تو کم از کم اتنا کریں کہ اُسامہ، نوخیز ناتجربہ کار نوجوان ہے اس کے بجائے کسی بزرگ تجربہ کار جرنیل کو لشکر کا قائد مقرر کریں۔ جب حضرت عمر نے آپ کی خدمت میں یہ تجویز پیش کی تو آپ غصہ سے کانپنے لگے۔ پہلے بیٹھے تھے پھر اٹھ کھڑے ہوئے اور حضرت عمرؓ کو سختی سے فرمایا:

ثکلتک امّک یا ابن خطاب استعملہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم و تامرونی ان اعزلہ

"اے خطاب کے فرزند! تیری ماں تجھے روئے! خود رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اُسامہ کو سالار لشکر مقرر فرمایا ہے۔ تم مجھے کہتے ہو کہ میں اس کے بجائے کسی اور کو مقرر کروں ناممکن"۔

یہ ہے اللہ تعالیٰ کے محبوب رسول کے ساتھ صدیق اکبر کے عشق و دلبستگی کا عالم، جو فیصلہ محبوب نے کر دیا۔ جس کو اس کی نگاہ حقیقت بین نے منتخب کر لیا کسی مصلحت کے پیش نظر صدیق اس میں ردو بدل کرنے کا روادار نہیں۔

حضرت ابوبکر صدیق اس لشکر کو الوداع کہنے کے لیے لشکر گاہ میں پہنچے۔ حضرت اُسامہ گھوڑے پر سوار تھے اور خلیفۂ رسول اللہ پا پیادہ چل رہا تھا۔ حضرت اُسامہ نے گزارش کی:

یا خلیفۃ رسول اللہ لترکبن او لانزلنّ

"اے جانشین رسول! یا تو آپ بھی سوار ہو جائیں یا پھر میں گھوڑے سے اترتا ہوں"۔
آپ نے فرمایا بخدا! نہ تم اترو گے نہ میں سوار ہوں گا۔ میرے لیے اس سے بڑی سعادت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے راستہ میں میرے قدم بھی غبار آلود ہوں۔

اتباع رسالت کا نتیجہ یہ نکلا کہ دشمنوں کے دلوں پر مسلمانوں کی قوت، کی دھاک بیٹھ گئی ان کے حوصلے پست ہو گئے انہوں نے سوچا جب یہ لوگ ان پُرخطر حالات میں اتنے طویل سفر پر اپنا بڑا لشکر بھیج رہے ہیں تو ان کی طاقت کے بارے میں ہمارے سارے اندازے غلط ہیں۔ چنانچہ ان کی سازشوں میں وہ گرمجوشی نہ رہی جو ابتدا میں تھی۔

ایمان صدیقی کی ایک اور روشن مثال سماعت فرمایئے :
چند قبائل نے کہا ہم نماز پڑھیں گے۔ روزے رکھیں گے۔ حج ادا کریں گے لیکن زکوٰۃ نہیں دیں گے۔ یہ وبا اتنی تیزی سے پھیلی کہ مدینہ طیبہ کے ارد گرد بسنے والے تقریباً سب قبائل اس کی لپیٹ میں آ گئے۔ ادھر جھوٹے مدعیانِ نبوت نے اسلامی مملکت کے دور دراز گوشوں میں بغاوت کا جھنڈا بلند کر دیا تھا۔ ان حالات میں پھر حضرت صدیق اکبر کو مشورہ دیا گیا کہ آپ سردست ان لوگوں کے ساتھ نرمی برتیں وہ کم از کم کلمہ پڑھتے ہیں، نماز ادا کرتے ہیں۔ روزے اور حج کے بھی قائل ہیں اگر ایک رکن زکوٰۃ میں وہ پس و پیش کرتے ہیں تو ان سے جنگ نہیں کرنی چاہیئے بلکہ انہیں ساتھ ملا کر نبوت کے جھوٹے مدعیوں کا پہلے قلع قمع کرنا چاہیئے۔ عقل مصلحت بیں اس رائے کی تائید کر رہی تھی۔ حالات اس کو قبول کرنے کی سفارش کر رہے تھے لیکن صدیق اکبرؓ کا ایمان اور عشق اس مداہنت فی الدین کو گوارا کرنے کے لیے تیار نہ ہوا۔ انہوں نے اپنی صدیقیت کے نور سے دیکھ لیا کہ اگر آج زکوٰۃ کے بارے میں نرمی دکھائی گئی تو یہ سلسلہ یہاں رک نہیں جائے گا۔ اسلام کے دوسرے اصول بھی اس کی دست برد سے بچ نہیں سکیں گے نیز اسلام کا یہ رکن وہ ہے جس پر اس کے معاشی نظام کا دارومدار ہے۔ اس کو نظر انداز کرنا گویا اسلام کے ایک اہم ترین گوشے کو مفلوج کر دینے کے مترادف ہے۔ دنیا اس عادلانہ اور رحیمانہ نظام معیشت سے محروم ہو جائے گی جو اللہ تعالیٰ کے محبوب نے ان کے لیے پیش کیا ہے اور یہ خسارہ حضرت صدیق کے لیے ناقابلِ برداشت تھا۔ چنانچہ حضرت صدیق اکبر نے تمام مصلحتوں کو پسِ پشت ڈالتے ہوتے عزم محکم کے ساتھ یہ اعلان کر دیا کہ جس نے نماز اور زکوٰۃ میں فرق کیا میں اس سے بھی جنگ کروں گا۔ جس نے اونٹ کی رسی کے برابر بھی زکوٰۃ دینے سے انکار کیا میں اس کے ساتھ بھی جنگ کروں گا۔

یقینِ محکم اور ایمانِ کامل ہی حضرت صدیق کا وہ سہارا تھا جس کے بل بوتے پر آپ نے ان طوفان خیز حالات میں محیر العقول کامیابیاں حاصل کیں۔ ان کے بارے میں سن کر آج بھی اہلِ دانش تصویرِ حیرت بن کر رہ جاتے ہیں۔ پھر آپ نے جس سرعت کے ساتھ دو سال اور چار ماہ کے مختصر دورِ خلافت میں ان تمام فتنوں کو جڑ سے اکھاڑ پھینکا وہ آپ کے ایمان اور یقین کا ہی اعجاز تھا۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے اس حقیقت کو بڑے دلنشیں انداز میں بیان فرمایا ہے :

لقد قمنا بعد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مقاماً کدنا نہلک فیہ لولا ان اللہ منّ علینا بابی بکر

ترجمہ: رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وصال کے بعد ہم ایک ایسے مقام پر پہنچ گئے تھے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے حضرت ابو بکر صدیق جلیسا خلیفہ عطا فرما کر ہم پر احسان نہ کیا ہوتا تو ہم برباد ہو گئے ہوتے۔

یہ ہمت، یہ اولوالعزمی ناسازگار حالات میں یہ استقامت، پھر ہر میدان میں کامیابی و سرخروئی یہ ایمان صدیقی کے معجزات ہیں۔ جہاں بھی ایمان اور یقین کا آفتاب طلوع ہو جاتا ہے وہاں اس قسم کے معجزات رونپذیر ہوتے ہی رہتے ہیں۔

حضرت اقبال نے بھی بارگاہ صدیقی میں اپنے مخصوص انداز میں ہدیہ عقیدت و نیاز پیش کیا ہے وہ بھی سماعت فرمایئے:

آں امنّ الناس بر مولائے ما   آں کلیم اوّل سینائے ما

حضرت ابو بکر ہمارے آقا و مولا پر سب لوگوں سے زیادہ احسان کرنے والے ہیں اور ہمارے کوہ طور کے سب سے پہلے کلیم ہیں۔

ہمت او کشت ملت را چو ابر   ثانی اسلام و غار و بدر و قبر

اس کی ہمت مردانہ نے ملت اسلامیہ کے کھیت کو بادل کی طرح سیراب کر دیا۔ وہ اسلام میں غار میں، بدر میں اور قبر میں اپنے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ثانی اثنین ہیں۔

صدر محترم جنرل محمد ضیاء الحق کو جو معرکہ درپیش ہے اس میں کامیابی و سرخروئی کا ایک ہی راستہ ہے کہ وہ اسوۂ صدیقی کو اپنا خضر راہ بنائیں نیز پاکستان میں بسنے والے غلامان مصطفےٰ علیہ اجمل التحیۃ واطیب الثنا کو بھی حالات کی ناساعدت سے پریشان نہیں ہونا چاہیئے۔ ہمارے حالات بیشک تشویشناک ہیں لیکن اتنے نہیں جتنے عہد صدیقی میں تھے۔ اگر یقین کامل اور عزم راسخ کے ساتھ حضرت صدیق نے ان پر فتح حاصل کر لی تھی تو آج ہم جو ان کو اپنا ہادی و راہبر یقین کرتے ہیں ہم بھی عزیمت و استقامت کی اس راہ پر چل کر منزل مراد تک پہنچ سکتے ہیں۔

میں ان الفاظ کے ساتھ محبت و عقیدت کا یہ ارمغان نونہالان امت کی خدمت میں پیش کرنے کا شرف حاصل کر رہا ہوں۔

ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم رب صل وسلم علی رسولک المجتبیٰ وحبیبک المصطفیٰ وعلی آلہ بدور الدجیٰ واصحابہ نجوم الھدیٰ الی یوم الدین۔

خاک راہ صاحبدلان: محمد کرم شاہ

دارالکرم بھیرہ شریف

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

ثانی اثنین اذ ہما فی الغار

ضیاء القرآن



ثَانِیَ اثْنَیْنِ

اِذْ هُمَا فِی الْغَارِ

اِذْ یَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ

لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا ج

اَلْقُرْاٰنِ الْکَرِیْم

ترجمہ:- آپ دوسرے تھے دو سے جب وہ دونوں غار (ثور) میں تھے جب وہ فرما رہے تھے اپنے رفیق کو کہ مت غمگین ہو یقیناً اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے۔

(التوبہ: ۴۰)

اس آیتِ پاک میں ہجرت کا واقعہ ذکر کرکے بتایا کہ اگر تم اس کے ہمراہ جہاد پر نہ گئے تو جس پروردگار نے اس نازک وقت میں اپنے حبیب کی اعانت فرمائی تھی وہ اب بھی اس کا ناصر اور معین ہے۔ ہجرت کا مختصر واقعہ یوں ہے کہ کفار نے اپنی مجلسِ شوریٰ میں طے کرلیا کہ آج رات تمام قبیلوں کا ایک ایک جوان حضور کریمؐ کے گھر کا محاصرہ کرے اور جب آپ باہر نکلنے لگیں تو سب یک بارگی حملہ کرکے حضورؐ کو شہید کردیں۔ اسی رات کو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ اے حبیبؐ! صدیقؓ کو ساتھ لو اور آج مکہ سے ہجرت کرکے مدینہ کو سدھارو۔ وامرك ان تستصحب ابابكر (تفسیر حسن عسکری) حضورؐ نے حضرت علیؓ کو اپنے بستر پر سونے کا حکم دیا اور ارشاد فرمایا کہ کوئی تمہارا بال بھی بیکا نہ کرسکے گا۔ صبح لوگوں کی امانتیں جو ہمارے پاس ہیں ان کو پہنچا دینا اور پھر تم بھی مدینہ کا قصد کرنا۔ حضورؐ باہر نکلے تو کفار محاصرہ کیے ہوئے تھے۔ سورۂ یٰسین کی ابتدائی آیتیں وجعلنا من بين ايديهم سدًا الخ تک پڑھ کر ان پر دم کیا ان پر غنودگی کی کیفیت طاری ہوگئی اور حضور بخیر وعافیت ان کے نرغہ سے نکل کر صدیق کے گھر کی طرف روانہ ہوگئے۔ ان کو ہمراہ لے کر مکہ سے نکلے اور کوہ ثور کے ایک غار میں آکر قیام فرمایا۔ اس کا منہ بہت تنگ تھا۔ صرف لیٹ کر ہی انسان اندر داخل ہوسکتا تھا۔ حضرت صدیقؓ پہلے خود اندر گئے۔ غار کو تمام خس و خاشاک سے صاف کیا۔ جتنے سوراخ تھے ان کو بند کیا ایک سوراخ باقی رہ گیا اس میں اپنے پاؤں کی ایڑی رکھ دی اور عرض کی کہ حضور اندر قدم رنجہ فرمائیں۔ حضورؐ تشریف لائے۔ صدیق کے زانو پر سرِ مبارک رکھا اور استراحت فرما ہوگئے۔ صدیقؓ کے بخت کی یاوری کا کیا کہنا بیتاب نگاہیں اور بیقرار دل اپنے محبوب کے روئے زیبا کے مشاہدہ میں مستغرق ہے نہ دل سیر ہوتا ہے اور نہ آنکھیں۔ وہ حسنِ سرمدی وہ جمالِ حقیقی جس کی دل آویزیوں نے چشمِ فطرت کو تصویرِ حیرت بنا دیا تھا آج صدیق کے آغوش میں جلوہ فرما ہے۔ اے بختِ صدیق کی رفعتو! تم پر یہ خاکِ پریشان قربان اور یہ قلبِ حزیں نثار! اسی اثنار میں حضرت صدیقؓ کی ایڑی میں سانپ نے ڈس دیا۔ زہر سارے جسم میں سرایت کرگیا لیکن کیا مجال کہ پاؤں میں جنبش تک ہوئی ہو۔ حضور بیدار ہوئے، اپنے یارِ غار کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر وجہ دریافت فرمائی۔ پھر جہاں سانپ نے ڈسا تھا وہاں اپنا لعابِ دہن لگایا جس سے درد اور تکلیف کافور ہوگئی۔ اہلِ مکہ تلاش میں ادھر ادھر مارے مارے پھر رہے تھے۔ ایک ماہر کھوجی کے ہمراہ پاؤں کے نشان دیکھتے دیکھتے اس غار کے دہانے تک پہنچ گئے۔ جب قدموں کی آہٹ سنائی دی تو حضرت ابوبکرؓ نے جھک کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ کفار کی ایک جماعت غار کے منہ پر کھڑی ہے۔ اپنے محبوب کو یوں خطرہ میں گھرا دیکھ کر بے چین ہوگئے، اور عرض کی یارسول اللہ! اگر انھوں نے جھک کر دیکھا تو یہ ہمیں پالیں گے۔ حضور رحمتِ عالمیاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: یا ابابكر ما ظنك باثنين الله ثالثهما۔ اے ابوبکر! ان دو کی نسبت تمہارا کیا خیال ہے جن کا تیسرا اللہ تعالیٰ ہو۔ نبی کی قوتِ یقین ملاحظہ ہو۔ یہ ہے توکل علی اللہ کا وہ مقام جو شانِ رسالت کے شایاں ہے اس وقت اللہ تعالیٰ نے اطمینان وتسکین کی ایک مخصوص کیفیت اپنے حبیبِ مکرم پر نازل فرمائی اور حضورؐ کے صدقے حضرت ابوبکرؓ پر بھی اس کا ورود ہوا جس سے ان کی ہر طرح کی پریشانی دور ہوگئی۔ حضورؐ تین دن تک وہاں قیام فرما رہے۔ حضرت اسماءؓ حضرت صدیقؓ کی بڑی صاحبزادی آکر کھانا پہنچا جاتیں۔ آپ کے صاحبزادے ہر روز کی نئی خبریں دے جاتے اور آپ کا چرواہا عامر بن فہیرہ رات کو ریوڑ لے آتا اور تازہ دودھ پیش کرتا۔ حضرت صدیقؓ کے کنبہ کا ہر فرد بلکہ غلام تک اتنے مخلص اور قابلِ اعتماد تھے کہ کسی نے راز کو افشا نہ کیا اور گراں قدر انعام کا لالچ ان کے غلام کے دل کو بھی نہ للچا سکا۔ کفارِ مکہ نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو شہید کرنے کی جو سازش کی تھی اس طرح ناکام ہوئی اور اللہ کی بات جو ہمیشہ بلند رہتی ہے اس موقع پر بھی بلند ہوگئی۔

سطورِ بالا کے مطالعہ کے بعد اس آیت کی تشریح کے لیے مزید کسی وضاحت کی ضرورت نہیں۔ ایک طالبِ حق کے لیے

اِس آیت کا ہر کلمہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عظمت و رفعت کا آئینہ دار ہے اور حضورؐ کے یارِ غار کے لازوال صدق اور ایثار و وفا کا شاہد عادل ہے لیکن ستیاناس ہو تعصب اور ہٹ دھرمی کا کہ یہ دل سے خلوص، عقل سے فہم، زبان سے اعترافِ حق اور قلم سے اظہارِ صداقت کی جرأت سلب کر لیتی ہے اور انسان علم و دانش کے بلند بانگ دعووں کے باوجود ایسی بہکی بہکی باتیں کرنے لگتا ہے کہ سننے والے مارے شرم کے پانی پانی ہو جاتے ہیں۔ اس آیت کی تفسیر بلکہ تحریف کرتے ہوئے بعض شیعہ علماء نے جو کچھ لکھا ہے وہ اس کی ایک دردناک مثال ہے مناسب تو یہ تھا کہ ضیاء القرآن کے صفحات ایسے بے معنی مباحث سے پاک رہتے لیکن محبت اہلِ بیت کی آڑ میں قصرِ اسلام کو منہدم کرنے کی جو ناپاک کوششیں ہو رہی ہیں ان کا تقاضا ہے کہ ان باتوں کو بھی زیرِ بحث لایا جائے تاکہ سادہ لوح عوام کسی غلط فہمی کا شکار ہو کر متاعِ ایمان کو گم نہ کر بیٹھیں۔ واللہ ولی التوفیق۔

بعض شیعہ مصنفین نے حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کی شخصیت کو داغدار کرنے کے جنون میں آیتِ طیبہ پر اس طرح طبع آزمائی کی ہے کہ دل لرز اٹھتا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ حضرت صدیقؓ کی فضیلت کو ثابت کرنے کے لیے تم اس آیتِ طیبہ کو پیش کرتے ہو اور کہتے ہو کہ آپ کو سفرِ ہجرت میں رفاقت کی سعادت حاصل ہوئی لیکن تمہارا یہ قول بے بنیاد ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کے حکم سے ابوبکرؓ نے رفاقت کی ہوتی تو اُسے وجہِ شرف کہا جا سکتا لیکن یہ تو از خود ساتھ ہو لیے تھے اور حضورؐ نے اس لیے اُن کو ساتھ چلنے سے نہیں روکا کہ مبادا وہ کفار کو مطلع کریں اور اس طرح گرفتار کرا دیں۔

جب اللہ تعالیٰ کی توفیق ساتھ چھوڑ دیتی ہے تو انسان ایسی ہی بے سروپا باتیں کرنے لگتا ہے مکہ مکرمہ سے ہجرت کا پروگرام بڑی رازداری سے طے پایا۔ جب کفار قبائل کے نوجوان حضورؐ کے کاشانۂ اقدس کا محاصرہ کیے ہوئے تھے تو حضورؐ اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں ان کی آنکھوں میں خاک ڈالتے ہوئے تشریف لے گئے۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس راز سے حضرت ابوبکرؓ کو کس نے آگاہ کیا یا حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے آگاہ کیا ہوگا اور یا علیؓ مرتضیٰ نے۔ اگر حضورؐ نے آگاہ فرمایا تو اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ حضورؐ کو حضرت صدیقؓ پر کامل اعتماد تھا ورنہ اپنے دشمن کو ایسے رازوں سے آگاہ کرنا قطعاً قرینِ دانشمندی نہیں۔ اور اگر حضرت علیؓ نے آگاہ کیا تو ماننا پڑیگا کہ آپ کو بھی حضرت صدیقؓ کے صدق و وفا پر پورا بھروسا تھا اس لیے آگاہ کیا اور اگر ان کو منافق سمجھتے ہوئے (العیاذ باللہ) آگاہ کیا تو پھر حضرت علیؓ کی وفاداری بھی مشکوک ہو جاتی ہے۔ یعنی آپ نے اس راز کو افشاء کر کے حضورؐ کو مشکلات میں مبتلا کرنے کا آغاز کر دیا اور اس لایعنی بات کو کوئی ایماندار قبول کرنے کے لیے تیار نہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ صدیق کا ایمان وہ ایمان ہے جس پر خدا کو، رسولِ خدا کو اور شیرِ خدا کو مکمل اعتماد ہے۔ اسی لیے ان کو اس راز سے آگاہ بھی کیا گیا اور شریکِ سفر ہونے کی سعادت بھی ارزانی فرمائی گئی۔ جب حضرت صدیقؓ کے ایمان کی گواہی علیم بذات الصدور خدا نے دی اور نبی کریمؐ نے دی اور علی مرتضیٰؓ نے تصدیق کی، اگر آج کا بے عمل مسلمان صدیقِ اکبرؓ پر زبانِ طعن دراز کرنے کی جرأت کرتا ہے تو وہ اپنا ہی کچھ بگاڑتا ہے، صدیقِ اکبرؓ کی شان میں کمی نہیں ہو سکتی۔ خود اس فرقہ کے علماء نے اُن کے اس زعمِ باطل کی تردید کی ہے۔ چند حوالے ملاحظہ فرمائیے:

علامہ فتح اللہ کاشانی اپنی تفسیر منہج الصادقین میں اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:۔

پس پیغمبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم شب پنجشنبہ در شہر مکہ امیر المومنین را بر جائے خود میخوابانید، و خود از خانۂ ابوبکر در رفاقتِ او بیرون آمدہ بداں غار توجہ نمود۔

ترجمہ:۔ رسولِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پنجشنبہ کی رات کو مکہ مکرمہ میں امیر المومنین کو اپنی جگہ پر سونے کا حکم دیا اور خود ابوبکر کے گھر تشریف لے گئے اور انہیں ہمراہ لے کر باہر آئے اور اس غار کا قصد فرمایا۔

مصنف حملہ حیدری، علامہ باذل نے واقعہ ہجرت کے بارے میں جو لکھا ہے وہ درج ذیل ہے۔ شاید ان دوستوں کے لیے سُرمہ چشمِ بصیرت کا کام دے۔

چنیں گفت راوی کہ سالارِ دیں چوں سالم بحفظِ جہاں آفریں
زنزدیک آں قوم پُر مکر رفت بسوئے سرائے ابوبکر رفت

راوی کہتا ہے کہ دین کے سالار اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں اس مکّار قوم کے محاصرے سے باہر نکلے اور حضرت ابوبکرؓ کے گھر کی طرف تشریف لے گئے۔

پئے ہجرت او نیز آبادہ بُود کہ سابق رسُولش خبر دادہ بُود

حضوؐر نے اُنہیں سفرِ ہجرت کی خبر دے دی تھی اس لیے وہ سازو سامان کے ساتھ تیار بیٹھے تھے۔

نبیؐ بر درِ خانہ اش چوں رسید بگوشش ندائے سفر در کشید

نبی کریمؐ جب ان کے گھر پہنچے تو انہوں نے سفر کرنے کی ندا سُنی۔

چُوں بوبکر ازاں حال آگاہ شُد زخانہ بروں رفت وہمراہ شُد

حضرت ابوبکرؓ جب اس حال سے خبردار ہُوئے تو اپنے گھر سے روانہ ہو کر حضوؐر کے ہمراہ ہو گئے۔

ان دونوں حوالوں سے یہ واضح ہو گیا کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خود حضرت صدیقؓ کو اپنے ہجرت کے ارادہ سے آگاہ کر دیا تھا اور انہیں بھی حکم دیا ہُوا تھا کہ وہ بھی اس سفر میں ہم رکاب ہونے کے لیے تیار رہیں۔ حضوؐر کفار کے محاصرہ سے بخیریت نکل کر سیدھے حضرت صدیقؓ کے گھر آئے اور انہیں ہمراہ لے کر مکہ سے مدینہ طیبہ کی طرف روانہ ہُوئے۔

آخر میں حضرت امام حسن عسکری کی روایت پیشِ خدمت ہے امید ہے آپ کے اس ارشاد سے اس تاویلِ باطل کا طلسم ٹوٹ کر رہ جائے گا۔

تفسیر حسن عسکری میں مروی ہے کہ جب کفّار نے حضوؐر کو قتل کرنے کا منصوبہ بنایا تو جبرئیل حاضرِ خدمت ہُوئے اللہ تعالیٰ کا سلام پہنچایا کفار کی ریشہ دوانیوں کی اطلاع دی اور یہ پیغامِ الٰہی بھی گوش گزار کیا وَ اَمَرَکَ اَنْ تَسْتَصْحِبَ ابابکرٍ؛ اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا ہے کہ اس پُر خطر سفر میں ابوبکرؓ کو اپنے ہمراہ لے جائیں۔

کیا اب بھی آپ قاضی نور اللہ شوستری کی بات مانیں گے یا گیارھویں امام حضرت امام حسن عسکری کے ارشاد کو تسلیم کریں گے

(۲) معترضین کی کج ادائی کے کرشمے اسی پر ختم نہیں ہوتے بلکہ ایک قدم آگے بڑھاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ مان لیا ابوبکر کو حضوؐر ساتھ لے گئے تھے اور انہوں نے راستے کی صعوبتیں بھی برداشت کیں لیکن ہمارے پاس کوئی ایسی دلیل نہیں جس سے یہ ثابت ہو کہ ان کی نیت بھی خالص تھی اور جب تک خلوصِ نیت نہ ہو کوئی بڑے سے بڑا عمل بھی مقبول نہیں ہوتا اس لیے حضرت ابوبکرؓ کا سفرِ ہجرت میں ہم رکاب ہونا ان کے لیے ہرگز باعثِ فضیلت نہیں۔

یا سُبحان اللہ! اس نُدرتِ فکر کی بلائیں لینے کو جی چاہتا ہے۔

دوپہر کے وقت اگر کوئی شخص طلوعِ آفتاب کی دلیل طلب کرے تو اس میں اتنا اچنبھا نہیں جتنا ہمارے ان دوستوں کے اس ارشاد میں ہے۔ وہ شخص جو ایک کامیاب تاجر ہے جس کے پاس مال و ثروت کی فراوانی ہے جسے ہر قسم کی عزت و آسائش میسر ہے، بچے ہیں، بچیاں ہیں، وہ ان سب چیزوں کو ٹھکرا کر ایک ایسی ہستی کا ساتھ دیتا ہے جس کو شہید کرنے کے منصوبے بن چکے ہیں عرب کا بچہ بچہ اس کے خون کا پیاسا ہے، خطرات کے مہیب بادل ہر طرف سے بڑھتے چلے آرہے ہیں جو شخص ان سنگین حالات

ہیں جان ہتھیلی پر رکھ کر اللہ تعالیٰ کے محبوب کی سنگت اختیار کرتا ہے اس کے خلوص نیت پر شک کرنے سے انسان کو شرم آنی چاہیے

مزید برآں غار میں تین چار روز قیام رہتا ہے اس عرصہ میں حضرت ابوبکرؓ کا بیٹا عبداللہ ہر روز سرِ شام حاضر ہوتا ہے اور اہل مکہ کے ارادوں سے آگاہ کرتا ہے ان کی صاحبزادی اسماء ہر روز کھانا لے کر آتی ہیں ان کا غلام عامر بن فہیرہ دن بھر ریوڑ چرا تا ہے شام کے وقت اسے ہانکتا ہوا غار کے قریب آکر ڈیرا جماتا ہے۔ دُودھ دوہتا ہے اسے گرم کرتا ہے اور خدمت اقدس میں پیش کرتا ہے ابوبکر کا سارا خانوادہ اس جاں نثاری اور خدمتگزاری کا مظاہرہ اس وقت کر رہا ہے جب مکہ والوں نے حضورؐ کو زندہ پکڑ کر لانے یا شہید کر دینے کے لیے ایک سو سُرخ اونٹوں کے انعام کا اعلان کر دیا ہے۔ عرب کے کئی طالع آزما شہسوار اس انعام کے لالچ میں اپنے سبک رفتار گھوڑوں پر سوار ہو کر حضورؐ کی تلاش میں اس علاقہ کے چپہ چپہ کو چھان رہے ہیں ادھر یہ خاندان ہے جس کا صرف ایک فرد نہیں بلکہ تمام افراد بچے، بچیاں حتیٰ کہ زر خرید غلام سب کے دل میں ایک ہی سودا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا حبیب اور ان کا محبوب بخیر و عافیت منزلِ مقصود پر پہنچ جائے۔ انسانیت اور اس کی اخلاقی قدروں پر اس سے بڑا ظلم اور کیا ہو سکتا ہے کہ ایسے شخص کی حُسنِ نیت پر شک کیا جائے اور شک کرنے والے ایسے لوگ ہوں جنہیں راہِ حق میں کبھی کانٹا تک چبھنے کی سعادت بھی نصیب نہ ہوئی ہو۔

پھر کہتے ہیں کہ لغتِ عرب میں صاحب کا معنیٰ ہے ساتھی، رفیق، ہمنشین۔ اس لفظ میں شرف و فضیلت کی کوئی وجہ نہیں۔ ایک کافر ایک مومن کا، ایک فاسق ایک پارسا کا ساتھی اور ہمنشین ہو سکتا ہے جیسے اس آیت میں ہے:

وَقَالَ لِصَاحِبِهٖ وَهُوَ يُحَاوِرُهٗٓ اَكَفَرْتَ بِالَّذِيْ خَلَقَكَ مِنْ تُرَابٍ۔ (۱۸: ۳۸)

یعنی جب اس نے اپنے صاحب (ساتھی) کو کہا جب وہ اس سے گفتگو کر رہا تھا کیا تم اس خدا کا انکار کرتے ہو جس نے تجھے مٹی سے پیدا کیا"

اِس آیت میں صاحب کا لفظ ہے اور اس سے مُراد کافر ہے۔

سُورۂ یُوسف میں یٰصَاحِبَیِ السِّجْنِ "اے قید خانہ کے دو ساتھیو" (۱۲: ۴۲)

اور وہ دونوں بھی کافر تھے بلکہ اہلِ عرب تو حیوان کو بھی انسان کا صاحب (ساتھی) کہہ دیا کرتے۔

انّ الحمار مع الحمار مطیّة

واذا خلوتَ بہٖ فبئس الصاحب

اگر ان دوستوں کی یہ بات تسلیم کر لی جائے تو پھر صرف "صاحب" کا لفظ ہی نہیں بلکہ بہت سے الفاظ اپنی عظمت و شرف سے محروم ہو جائیں گے۔ ایمان کے لفظ کو ہی لیجیے اس کا معنیٰ تصدیق کرنا ہے یہ تصدیق اللہ تعالیٰ کی توحید کی بھی ہو سکتی ہے اور طاغوت و جبت کی بھی آیت ملاحظہ ہو۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوْتِ (۴: ۵۱)

ترجمہ: "کیا نہیں دیکھا تم نے ان لوگوں کی طرف جنہیں دیا گیا حصّہ کتاب سے (وہ اب) ایمان لاتے ہیں جبت اور طاغوت پر"

اسی طرح ہجرت کا لغوی معنی ہے کسی شہر کو چھوڑ کر دوسرے شہر میں چلے جانا یہ ترکِ وطن اللہ تعالیٰ اور اس کے محبوب کی رضا کے لیے بھی ہو سکتا ہے اور کسی دنیوی منفعت کے لیے، کسی عورت سے شادی رچانے کے لیے بھی ہو سکتا ہے۔ اسی طرح عبادت اللہ تعالیٰ کی بھی ہو سکتی ہے اور معبودانِ باطل کی بھی۔ وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ "وہ اللہ کو

چھوڑ کر ایسے معبُودوں کی پُوجا کرتے ہیں جو نہ ضرر پہنچا سکتے ہیں اور نہ نفع۔

اگر وہ صاحب، اپنے لغوی معنی کے اعتبار سے باعثِ شرف نہیں تو پھر، ایمان، ہجرت، عبادت اور دیگر اسلامی مصطلحات بھی شرف وفضیلت سے بے بہرہ ہوں گے اور کسی کو مومن، مہاجر، عابد کہنے سے اس کی قطعاً عزت افزائی نہیں ہوگی۔ درحقیقت ان الفاظ میں عزت وشرف ان کے لغوی معنوں کے اعتبار سے نہیں بلکہ ان کے متعلقات سے ہے۔ ایمان جب اللہ تعالیٰ اور اس کے رسُول پر ہوگا، ہجرت جب اللہ تعالیٰ اور اس کے رسُول کے لیے ہوگی۔ عبادت جب اللہ تعالیٰ کی ہوگی تو یہ کلمات معزز وذیشان ہوں گے اسی طرح صاحب کے لفظ میں فضیلت نہیں بلکہ جس کا وہ صاحب ہے یعنی سیدنا ومولانا محمد رسُول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ذات ستودہ صفات اسی نسبت نے اِس لفظ کو بھی چار چاند لگا دیے ہیں اور جو صاحب کے لفظ کا مصداق ہے یعنی صدیقِ اکبرؓ اس کو بھی وہ رفعتیں اور سرفرازیاں بخشی ہیں جن کے سامنے فلک الافلاک کی بلندیاں بھی ادب سے سر جھکائے ہُوئے ہیں۔

ازراہِ انصاف آپ ہی بتائیے کہ کیا اللہ تعالیٰ کے محبوب کی صحبت ومعیت اور ایک کافر وفاسق کی صُحبت ومعیت یکساں ہے؟ کوئی صاحبِ ایمان ایسا کہنے کی جرأت نہیں کر سکتا نیز حضرتِ صدیقؓ کی اس سنگت اور رفاقت کو جس انداز سے بیان کیا گیا ہے وہ بھی اپنے اندر ایک خصوصی شان رکھتی ہے۔

ثانی اثنین کے دو لفظوں میں غور فرمائیے۔ اِس قسم کے عدد کا ذکر لغتِ عرب میں دو طرح سے کیا جاتا ہے۔ کہتے ہیں ثانی اثنین، ثالث ثلاثہ، رابع اربعہ وغیرہا یعنی دو میں سے دُوسرا، تین میں سے تیسرا، چار میں سے چوتھا، اس صورت میں پہلا عدد دوسرے عدد کا جزو اور حصّہ ہوتا ہے اور اس میں داخل ہوتا ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ ثالث اثنین، رابع ثلاثہ، خامس اربعہ یعنی دو کو تین بنانے والا، تین کو چار اور چار کو پانچ بنانے والا۔ اِس صورت میں یہ عدد پہلے عدد میں داخل نہیں ہوتا۔ اب اسے اس میں داخل کیا جا رہا ہے پہلے صرف دو تھے۔ اس عدد کے اضافہ سے اب وہ تین ہو گئے، پہلے صرف تین تھے۔ بعد میں اضافہ ہُوا، اب وہ تین چار بن گئے۔ اللہ تعالیٰ نے یہاں ثانی اثنین فرمایا یعنی پہلے جو دو موجود تھے ان دونوں میں سے دُوسرا، یہ یگانگت، یہ رفاقت، یہ صحبت خدا شاہد ہے حضرتِ صدیقِ اکبرؓ کا ہی حصّہ ہے۔ ان کلمات کے مفہوم کو خود زبانِ رسالت نے یُوں بیان فرمایا ہے۔ اور اس کے بعد شاید کسی قسم کی ہرزہ سرائی کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔

اسی فرقہ کے ایک فاضل علامہ فتح اللہ کاشانی اپنی تفسیر منہج الصادقین میں اس آیت کے ضمن میں لکھتے ہیں:۔

"چوں ابوبکر در غار کفار را بدید، مضطرب شد وبسیار خائف گشت وگفت یا رسُول اللہ! اگر کسے از مُشرکان در زیر قدم خود نگہ کند ہر آئینہ مارا ببیند۔ حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فرمود ما ظنك باثنين الله ثالثهما"

ترجمہ: "جب ابوبکرؓ نے غار میں سے کفار کو دیکھا تو انہیں بڑا اضطراب لاحق ہُوا اور اندیشہ پیدا ہُوا عرض کی یا رسُول اللہ! اگر مشرکین میں سے کسی نے اپنے پاؤں کی جگہ دیکھا تو وہ ہمیں دیکھ لے گا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا اے ابوبکر! ان دو کے بارے میں تیرا کیا خیال ہے جن کے ساتھ تیسرا اللہ تعالیٰ ہو"

اس سے بڑی عزت افزائی کا تصور تک نہیں کیا جا سکتا۔

ع یہ نصیب اللہ اکبر لُوٹنے کی جائے ہے

ہمارے یہ کرم فرما لاتحزن کے لفظ سے حضرت صدیقؓ پر الزامات ومطاعن کی بوچھاڑ شروع کر دیتے ہیں آپ بھی سُنیے

اور اُن کی روش بیداد کی داد دیجیے۔
کہتے ہیں کہ یہ حزن جس سے حضرت ابوبکرؓ کو منع کیا جارہا ہے یہ طاعت تھا یا معصیت، طاعت تو ہو نہیں سکتا۔ ورنہ اس سے منع نہ کیا جاتا۔ اللہ اور اُس کا رسول نیک کاموں سے نہیں روکا کرتے۔ لازماً یہ حزن معصیت ہوگا۔ اس آیت سے ابوبکرؓ کا عاصی اور گنہگار ہونا ثابت ہے نہ کہ آپ کی فضیلت۔
جواباً عرض ہے کہ قرآن کریم میں متعدد مقامات پر اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء و رُسل کو حزن اور خوف سے روکا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کو فرمایا ___ لا تخف انك انت الاعلیٰ ___ اے مُوسیٰ خوف نہ کرو تم ہی سربلند ہو گے۔ (۲۰ : ۶۹)
حضرت لُوط کو فرشتوں نے کہا۔ لا تحزن انّا منجوك واھلك۔
"اے لُوط! حزن نہ کرو ہم تمہیں اور تمہارے اہل وعیال کو نجات دینے والے ہیں"۔
خود سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا: لا یحزنك قولھم۔
"اے حبیب! کفار کی باتیں آپ کو حزین وغمگین نہ کریں"۔
دوسری جگہ ارشاد ہے:۔ قد نعلم انہ لیحزنك الّذین یقولون ... الآیۃ
"اے حبیب! ہم خُوب جانتے ہیں کہ آپ کو کفار کی باتیں غمزدہ کردیتی ہیں"۔
کیا ہم ان محققین سے یہ دریافت کرسکتے ہیں کہ ان آیات کی روشنی میں انبیاء کرام بلکہ سیّد الانبیاء والرسل علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں ان کا فتویٰ کیا ہے۔ یہ خوف اور حُزن جس سے انبیاء کو روکا جارہا ہے طاعت تھا یا معصیت۔ طاعت تو ہو نہیں سکتا کیونکہ اللہ تعالیٰ نیکی سے نہیں روکتا اور یہاں خوف وحزن سے روکا جارہا ہے لازماً معصیت ہوگا۔ اب فرمایئے انبیاء کرام کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ حزن اور خوف اُمورِ طبعیہ میں سے ہیں۔ بڑے سے بڑا آدمی بھی ان سے دوچار ہوتا رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے مقبول بندوں کی دلجوئی لاتخف اور لاتحزن کہہ کر فرماتا ہے۔ نیز حضرت صدیقؓ کو حُزن وملال اپنی ذات کے لیے ہرگز نہ تھا۔ اگر انہیں اپنی جان پیاری ہوتی اور اپنا آرام عزیز ہوتا تو وہ اس پُرخطر سفر میں سنگت ہی نہ کرتے انہیں اگر کوئی غم تھا یا اگر کوئی حزن تھا۔ اگر کوئی اندیشہ تھا تو فقط یہ کہ ان کے ہادی ومرشد محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مبادا کوئی گزند پہنچے ورنہ یہ بزمِ عالم درہم برہم ہوجائے گی گلشنِ ہستی میں خاک اُڑنے لگے گی، عروسِ گیتی کا سُہاگ لُٹ جائیگا ارض وسما کی یہ رونقیں، یہ روشنیاں، یہ بہاریں ہمیشہ کے لیے ناپید ہوجائیں گی، اپنے محبُوب کو خطرے میں گھرا دیکھ کر صدّیق کے حزن وملال کی حد نہ رہی۔ حضور پُرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انہیں تسلی دیتے ہوئے فرمایا اے میرے یارِ باوفا! غم نہ کرو بیشک اللہ تعالیٰ ہم دونوں کے ساتھ ہے جب ہمارے ساتھ ہمارا خدا ہے تو یہ کفار ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔
"معنا" کا لفظ بھی غور طلب ہے۔ معیتِ الٰہی کی کئی قسمیں ہیں۔ ایک معیت علم ہے یعنی اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جانتا ہے اور اپنے علم کے ذریعہ ہر چیز کے ساتھ ہے۔ جیسے اِس آیت میں ہے:
اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَمَا يَكُوْنُ مِنْ نَّجْوٰى ثَلٰثَةٍ اِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ وَلَا خَمْسَةٍ اِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ وَلَآ اَدْنٰى مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْثَرَ اِلَّا هُوَ مَعَهُمْ اَيْنَ مَا كَانُوْا۔ (۵۸ : ۸)
ترجمہ: "کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے۔ کوئی تین آدمی مشورہ کرنے والے نہیں ہوتے جبکہ وہ ان کا چوتھا نہ ہو اور نہ پانچ مشورہ کرنے والے ہوتے ہیں جبکہ وہ ان کا چھٹا نہ ہو اور نہ اس تعداد سے کم ہوتے ہیں نہ زیادہ، وہ ہر صورت میں اُن کے ساتھ ہوتا ہے خواہ وہ کہیں بھی

مشورہ کر رہے ہوں :

اِس آیت سے معلوم ہُوا کہ اللہ تعالیٰ ہر شخص کے ساتھ ہوتا ہے ایسی معیت میں کوئی فضیلت نہیں بلکہ اس میں تہدید اور سرزنش ہے خبردار اگر تم نے نافرمانی کی تو ہماری گرفت سے تم بچ نہیں سکتے۔ معیتِ الٰہی کی دوسری قسم وہ ہے جو متقین اور محسنین کو حاصل ہوتی ہے۔ ارشاد باری ہے :

إِنَّ اللهَ مَعَ الَّذِينَ اتَّقَوا وَالَّذِينَ هُم مُّحْسِنُونَ

بیشک اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے ساتھ ہے جو متقی ہیں اور ان کے ساتھ ہے جو نیکوکار ہیں :

اِس معیت کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی توفیق سے ان کی دستگیری کرتا رہتا ہے اور اپنے لطف سے ان کو نوازتا رہتا ہے۔

معیتِ الٰہی کی تیسری قسم وہ ہے جو انبیاء و رُسل کو میسّر ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر دشمن کے مقابلہ میں اُن کی تائید و نصرت فرماتا ہے۔ ہر میدان میں وہ کامیاب و سرفراز ہوتے ہیں اور کفر و باطل کے سرغنے ذلیل و رُسوا ہوتے ہیں اور اُن تمام اقسام سے اعلیٰ وارفع معیتِ الٰہی کی وہ قسم ہے جو سیّد الانبیاء والرسل صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کے لیے مخصوص ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام نے اپنے یارِ وفادار کو اِنَّ اللہ مَعَنَا فرما کر اس خصوصی معیت میں شرکت کی سعادت ارزانی فرمائی۔

فداك ابی وامی یا رسول الله ما اکرمك وما اجودك وجزاك الله عنا وعن سائر المومنین یا ابا بکر ما اوفاك وما اسعد حظك۔

ایک روز نبی کریم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم نے شاعرِ دربارِ نبوّت حضرت حسان سے پُوچھا کہ اَے حسان! کیا تم نے شانِ صدّیق میں بھی کچھ اشعار کہے ہیں؟ انہوں نے عرض کی ہاں یا رسُول اللہ! میں نے آپ کے یارِ غار کی مدحت سرائی بھی کی ہے۔ فرمایا سناؤ میں سُننا چاہتا ہُوں۔ حسان نے عرض کیا ؎

وثانی اثنین فی الغار المنیف وقد

طاف العدو بہ اذ صعد الجبلا

"آپ دو میں سے دُوسرے تھے اس بابرکت غار میں اور دشمن نے اس کے اردگرد چکر لگایا جب وہ پہاڑ پر چڑھا۔"

وکان حبّ رسول الله قد علموا

من البریۃ لم یعدل بہ الرجلا

"ابوبکرؓ اللہ تعالیٰ کے رسُول کے محبوب تھے اور لوگوں کو اس بات کا علم تھا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ساری مخلوق میں سے کسی کو آپ کا ہم پلہ نہیں سمجھتے۔

حسان کے یہ شعر سُن کر حضور ہنس پڑے۔ فرمایا اَے حسان تم نے سچ کہا ہے۔ ابوبکرؓ ایسے ہی ہیں۔

(ابن عساکر، ابن زہری عن انس)

اللہ تعالیٰ راہِ حق پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے اور شمعِ جمالِ مصطفوی کے پروانوں کی عزت و احترام اور پیروی کی سعادت سے بہرہ اندوز کرے۔ آمین بجاہ طٰہٰ ویٰس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم۔

ضیاء الحدیث

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالیٰ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ اِنَّہٗ قَالَ مَا لِاَحَدٍ عِنْدَنَا یَدٌ اِلَّا وَقَدْ کَافَانَاہُ مَا خَلَا اَبِیْ بَکْرٍ فَاِنَّ لَہٗ عِنْدَنَا یَدًا یُکَافِئُہُ اللّٰہُ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ وَمَا نَفَعَنِیْ مَالُ اَحَدٍ قَطُّ مَا نَفَعَنِیْ مَالُ اَبِیْ بَکْرٍ وَلَوْ کُنْتُ مُتَّخِذًا خَلِیْلًا لَاتَّخَذْتُ اَبَا بَکْرٍ خَلِیْلًا اَلَا وَاِنَّ صَاحِبَکُمْ خَلِیْلُ اللّٰہِ۔

ترجمہ :۔ روایت ہے کہ نبیِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا :۔

"کسی نے ہم پر کوئی احسان نہیں کیا مگر ہم نے اس کا بدلا اسے دے دیا۔ سوائے ابوبکر کے کہ اس کا احسان ہم پر ہے جس کا بدلہ خود اللہ تعالیٰ انہیں قیامت کے دن مرحمت فرمائے گا۔ مجھے کسی کے مال نے ہرگز اتنا فائدہ نہیں پہنچایا، جتنا فائدہ ابوبکر کے مال نے مجھے پہنچایا ہے۔ اگر میں کسی کو اپنا خلیل بناتا تو یقیناً ابوبکر کو اپنا خلیل بناتا۔ خبردار تمہارا صاحب (آقا و مولیٰ) اللہ تعالیٰ کا خلیل ہے۔"

بارگاہ حسن وجمال سے اپنے عاشق دلفگار پر تحسین و آفرین کے جو مہکتے ہوئے پھول نچھاور کئے گئے ہیں، ان کی رنگت اور نکہت پر فردوسِ بریں کی ساری بہاریں نثار!

اے حبیب اللہ! دلجوئی، دلنوازی اور قدر شناسی کا یہ انوکھا اور تیکھا انداز فقط تیری ذاتِ کریم ہی کو زیب دیتا ہے۔

اے پروانۂ شمعِ نبوّت! تیرے مقامِ بلند کی رفعتوں پہ یہ جانِ حزیں قربان!

اے رفیقِ شبِ ہجرت! یہ مشتِ خاک تیرے قدموں سے اٹھنے والے غبار پر سو بار تصدّق!

اے صدّیق کے بختِ ارجمند! اپنے محبوب کی نگاہ میں یہ پذیرائی مبارک! صد مبارک!!

رضی اللہ تعالیٰ عنہ احسن الرضا۔ ورضی عنا بجاہہ عندہٗ وعند حبیبہ المکرّم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم۔

مسکین : محمد کرم شاہ

۱۹ جمادی الثانی ۱۳۹۹ھ
۱۶ مئی ۱۹۷۹ء

بارگاہِ صدیقی

میں باب مدینۃ العلم کا ہدیۂ عقیدت و تحسین

لما توفی ابوبکر سجوہ ثوبا وارتجت المدینۃ بالبکاء ودھش الناس کیوم قبض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، جاء علی بن ابی طالب مسرعاً باکیاً مسترجعاً وھو یقول: "الیوم انقطعت خلافۃ النبوۃ"

حتی وقف علی باب البیت الذی فیہ ابوبکر ثم قال:-

"رحمک اللہ ابابکر. کنت اول القوم اسلامًا واخلصھم ایمانًا واکثرھم واعظمھم غنیً واحدھم علی الاسلام واحوطھم علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وآمنھم علی اصحابہ واحسنھم صحبۃ واعظمھم مناقب واکثرھم سوابق وارفعھم درجۃ واقربھم من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واشبھھم بہ ھدیا وسمتا وخلقا ودلا واشرفھم منزلۃ واکرمھم علیہ واوثقھم عندہٗ فجزاک اللہ عن الاسلام وعن رسولہ وعن المسلمین خیرا اصدقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حین کذبہ الناس فسماک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صدیقا قال اللہ تعالیٰ جاء بالصدق یعنی محمد ——— تکلفونیہ وصدق بہ یعنی ابابکر واسیتہ حین بخلوا وکنت معہ حین قعدوا وصحبتہ فی الشدۃ، اکرم صحبۃ ثانی اثنین فی الغار والمنزل رفیقہ فی الھجرۃ وموطن الکرہ خلفتہ فی امتہ باحسن الخلافۃ حین ارتد الناس وقمت بدین اللہ قیاما لم یقمہ خلیفہ نبی قبلک قویت حین ضعف اصحابہ وبرزت حین استکانوا ونھضت حین وھنوا ولزمت منھاج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وکنت خلیفتہٗ حقًا لم تنازع برغم المنافقین وطعن الحاسدین وکرہ الفاسقین وغیظ الکافرین فقمت بالامر حین فشلوا ومضیت بنور اللہ حین وقفوا واتبعوک فھدوا وکنت اخفضھم صوتا وأعلاھم فوقًا وأقلھم کلامًا وأصوبھم منطقًا، واشدھم یقینا واشجعھم قلبا واحسنھم عقلا واعرفھم بالامور کنت واللہ للدین یعسوبا اولا حین تطرق الناس عنہ وآخرا حین قلوا کنت للمؤمنین أبا رحیما اذصاروا علیک عیالا فحملت أثقالاً عنھا ضعفوا وحفظت ما أضاعوا

ورعيت ما أهملوا وشمرت اذ منعوا وصبرت اذ جزعوا فادركت اوثار ماطلبوا ونالوا بك مالم يحتسبوا كنت على الكافرين عذابا صبا وللمؤمنين غيثًا وخصبا ذهبت بفضائلها وأحرزت سوابقها لم تفلل حجتك ولم تضعف بصيرتك ولم تجبن نفسك ولم تخن كنت كالجبل لا تحركه العواصف ولا تزيله الرواجف كنت كما قال رسول الله صلى الله عليه وسلم أمنّ الناس فی صحبتك وذات يدك وكما قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ضعيفا فی بدنك قويا فی أمر الله متواضعا فی نفسك عظيما عند الله كبيرا فی الارض جليلا عند المؤمنين ثم لم يكن لاحد فيك مهمز ولا لقائل فيك مغمز ولا لاحد عندك هوادة ولذليل عندك قوی عزيز حتی تأخذ له الحق والقوی العزيز عندك ضعيف حتی تأخذ منه الحق القريب والبعيد عندك فی ذلك سواء شأنك الحق والصدق وقولك حكم وحتم وأمرك عنم وعزم ثبت الاسلام وسبقت والله سبقا بعيدا وأتعبت من بعدك تعبا شديدا وفزت بالخير فوزا مبينا نجللت عن البكاء وعظمت رزيتك فی السماء وهدت مصيبتك الانام والله لايصاب المسلمون بعد رسول الله صلى الله عليه وسلم بمثلك كنت للدّين عزا وكهفا وللمسلمين حصنا وأنسا وعلى المنافقين غلظة وغيظا وكظما فالحقك الله بنبيّك صلى الله عليه وسلم ولاحرمنا أجرك ولا أضلنا بعدك وانا لله وانا اليه راجعون ۝

ترجمہ

حضرت اُسید بن صفوان رضی اللہ عنہ، جو رسول کریم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جلیل القدر صحابی ہیں، روایت کرتے ہیں:

"جب حضرت صدّیق اکبر رضی اللہ عنہ نے رحلت فرمائی تو آپ کے جسدِ اطہر پر ایک چادر ڈال دی گئی اور مدینہ طیبہ کی فضا نالہ وفغاں سے لرز اٹھی۔ لوگوں پر وہی دہشت طاری ہوگئی جو سرورِ کائنات، جانِ عالم صلّے اللہ علیہ وسلم کے سانحۂ ارتحال پر طاری ہوئی تھی۔ سیدنا علی بن ابی طالب کرّم اللہ وجہہ تیزی سے قدم اٹھاتے ہوئے، آنسوؤں کا مینہ برساتے ہوئے اِنّا لِلّٰہ واِنّا اِلیہ رَاجعون کا ورد کرتے ہوئے یہ کہہ رہے تھے۔ صد حیف! آج نبوت کی خلافت ختم ہوگئی۔ سیدنا علیؓ اُس مکان کے دروازے پر آکر کھڑے ہوگئے جس میں حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ کا جسدِ اطہر رکھا ہوا تھا اور یوں بارگاہِ صدّیقی میں زبانِ فصاحت سے ہدیۂ عقیدت ومحبّت پیش کیا:۔

"اے ابوبکر! اللہ تعالیٰ آپ پر رحمت فرمائے۔ آپ ہماری قوم سے پہلے اسلام لے آئے۔ آپ کا ایمان سراپا خلوص تھا۔ آپ یقین میں سب سے زیادہ تھے۔ غنیٰ میں آپ کا کوئی ثانی نہ تھا اور اسلام کے بارے میں آپ سب سے زیادہ تیز تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کے حق میں آپ از حد محتاط تھے اور حضور کے صحابہ کے بارے میں آپ بہت امین تھے۔ صحبت اور سنگت کے لحاظ سے سب سے بہترین تھے۔ آپ کے مناقب سب سے بڑے تھے۔ نیکیوں میں آپ سب پر سبقت لے جانے والے تھے۔ آپ کا درجہ سب سے بلند تھا اور اللہ تعالیٰ کے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے آپ سب سے زیادہ قریب تھے۔ سیرت، صورت، خُلق، کردار میں آپ حضور سے سب سے زیادہ مشابہت رکھتے تھے، بارگاہِ رسالت میں آپ کی قدر و منزلت بڑی عظیم تھی۔ حضور کی نگاہوں میں آپ سب سے زیادہ قابلِ اعتماد تھے۔"

پس اے ابوبکر! اللہ تعالیٰ آپ کو اسلام کی طرف سے، اُس کے رسُولِ مکرم کی طرف سے تمام فرزندانِ اسلام کی طرف سے جزائے خیر عطا فرمائے۔

آپ نے اللہ تعالیٰ کے پیارے حبیب کی اس وقت تصدیق کی جب لوگوں نے جھٹلایا۔ پس نبی کریم صلے اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم نے آپ کا نام صدیق رکھا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ جاء بالصّدق یعنی محمد وصدّق بہٖ یعنی ابُوبکر حضورؐ صدق لے کر آئے اور ابوبکرؓ نے اس کی تصدیق کی۔

جب لوگوں نے بخل سے کام لیا تو آپ نے دل کھول کر اعانت کی۔ جب لوگ لاتعلّق ہو کر الگ بیٹھے تھے آپ حضُور کے ساتھ تھے۔ مشکل وقت میں بھی آپ نے محبّت کا حق ادا کیا۔ غار اور منزل میں آپ دو میں سے دوسرے تھے ہجرت اور دیگر مشکل مقامات پر آپ حضُور کے رفیق تھے۔ آپ نے حضُور کے بعد، حضُور کی اُمّت میں حضُور کی نیابت کا حق ادا کر دیا۔ جب لوگ دین سے مُرتد ہونے لگے تو آپ دین کا جھنڈا لے کر یوں مردانہ وار کھڑے ہوئے کہ آپ سے پہلے کسی نبی کا خلیفہ یوں کھڑا نہیں ہوا تھا۔ جب دُوسرے ساتھیوں نے کمزوری دکھائی تو آپ قوی ثابت ہوئے۔ جب انھوں نے بُزدلی کا مظاہرہ کیا تو آپ میدان میں نکل آئے۔ جب انہوں نے سُستی کا اظہار کیا تو آپ اُٹھ کھڑے ہوئے۔ آپ نے حضُور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے طریقہ کو مضبوطی سے پکڑے رکھا۔ آپ حضُور کے برحق خلیفہ تھے۔ منافقین کی ریشہ دوانیوں، حاسدوں کی طعنہ زنیوں

فاسقوں کی ناپسندیدگی اور کافروں کے غیظ وغضب کے باوجود آپ کی ہستی ہر نزاع سے بالاتر تھی۔ آپ تکمیلِ حکم کے لیے کھڑے ہو گئے۔ جب لوگوں نے بزدلی دکھائی، آپ اللہ تعالیٰ کے نور کی روشنی میں آگے بڑھتے چلے گئے۔ جب لوگ ٹھٹک کر کھڑے ہو گئے، جب انہوں نے آپ کی پیروی کی تو انھیں ہدایت نصیب ہوئی۔ آپ کی آواز ان سب سے دھیمی تھی اور اثر میں سب سے زیادہ بلند تھی۔ آپ کی گفتگو مختصر لیکن پُرمغز ہوتی تھی۔ آپ کا یقین سب سے زیادہ پختہ، آپ کا دل سب سے بہادر، آپ کی عقل سب سے زیادہ معاملہ فہم اور سب سے زیادہ سمجھنے والی تھی، بخدا! آپ دین کے سب سے بڑے راہنما تھے۔ اس وقت بھی جب لوگ دین سے ہٹے ہوئے تھے اور بعد میں بھی جب اُن کی تعداد قلیل تھی۔ آپ مومنوں کے لیے مہربان باپ تھے۔ وہ سب آپ کے بال بچے تھے۔ آپ نے ان کے وہ بوجھ اُٹھائے جنھیں اُٹھانے سے وہ عاجز تھے۔ جو چیزیں انہوں نے ضائع کیں آپ نے ان کی حفاظت کی۔ جن چیزوں کو انہوں نے نظر انداز کیا، آپ نے ان کا لحاظ رکھا۔ جب انھوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کیا تو آپ نے ان کے خلاف جہاد کے لیے کمر ہمّت باندھ لی۔ جب وہ گھبرا گئے تو آپ نے صبر کا دامن تھامے رکھا۔ جس انتقام کا انہوں نے مطالبہ کیا، آپ نے اسے پورا کیا۔ آپ کے طفیل انھیں وہ سعادتیں نصیب ہوئیں جن کا اُن کو گمان بھی نہ تھا۔ آپ کافروں کے لیے سخت عذاب تھے اور مومنوں کے لیے موسلادھار بارش اور زرخیزی۔ آپ ساری فضیلتیں لے گئے۔ آپ نے ساری نیکیاں سمیٹ لیں۔ کبھی آپ کی دلیل کند نہیں ہوئی۔ آپ کی بصیرت میں کبھی ضعف نہیں آیا۔ آپ کے نفس نے نہ بزدلی دکھائی اور نہ خیانت کی۔ آپ پہاڑ کی مانند تھے جسے تند وتیز جھکڑ جنبش نہ دے سکے اور زلزلے اپنی جگہ سے ہٹا نہ سکے۔ آپ اس طرح تھے جس طرح نبی کریم صلے اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے آپ کے بارے میں فرمایا:۔

"اے ابوبکر! تو اپنی محبت میں اور میرے لیے اپنا مال خرچ کرنے میں سب لوگوں سے زیادہ مجھ پر احسان کرنے والا ہے۔" نیز جس طرح اللہ تعالیٰ کے پیارے رسولؐ نے فرمایا:۔

"اے ابوبکر! تو بدن میں تو کمزور ہے لیکن اللہ کے دین میں طاقتور ہے۔ اپنے نفس میں تو اضع کرتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی جناب میں تیری شان بلند ہے۔ زمین میں تو بڑا ہے اور مومنوں کی نگاہوں میں تو جلیل القدر ہے۔ تجھ پر کوئی زبان طعن دراز نہیں کر سکتا۔"

"اے ابوبکر! آپ کسی کی طرفداری نہیں کرتے تھے۔ ہر کمزور آپ کے نزدیک قوی اور طاقتور ہوتا تھا۔ جب تک اس کا حق اس کو لے کر دے نہ دیتے اور طاقتور آپ کی نگاہوں میں کمزور ہوتا تھا یہاں تک کہ آپ اس سے حق لے لیتے اس معاملہ میں قریب اور بعید، آپ کے نزدیک یکساں تھے۔ آپ سراپا حق و صداقت تھے۔ آپ کا قول حکمت سے لبریز اور اٹل ہوا کرتا تھا اور آپ کا فیصلہ غنیمت اور عزیمت ہوتا۔ آپ نے اسلام کی بنیادوں کو مستحکم کر دیا۔ اللہ کی قسم! آپ سب سے آگے نکل گئے اور آپ نے اپنے پیچھے آنے والوں کو سخت درماندہ کر دیا۔ آپ خیر و برکت کے ساتھ کامیاب ہوئے۔ آپ آہ و فغاں سے بالاتر ہیں۔ آپ کی مصیبت اہل آسمان میں بہت بڑی ہے۔ آپ کی رحلت کے غم نے لوگوں کو ہلا ڈالا ہے خدا کی قسم! حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی وفات حسرت آیات کے بعد جیسی تکلیف آج پہنچی ہے مسلمانوں کو پھر نہیں پہنچے گی۔ آپ مسلمانوں کے لیے ایک مضبوط قلعہ اور مونسِ جاں تھے۔ آپ منافقین پر سخت غیظ و غضب تھے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو آپ کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ملائے اور ہمیں آپ کے اجر سے محروم نہ کرے اور آپ کے بعد ہمیں صراطِ مستقیم پر ثابت قدم رکھے!

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیہِ رَاجِعُون۔

کنز العمال برحاشیہ مسند احمد بن حنبل جلد چہارم صفحہ ۳۶۶-۷

ترجمہ: پیر محمد کرم شاہ

اطلاعِ عام

فون لاہور شوروم :- ٦١٤٠٧

فون راولپنڈی فیکٹری :- ٦٢٧١٩ / ٦٧٣٣١

ٹیلیکس راولپنڈی فیکٹری :- ٥٧٨٨

ہم مسرت سے اعلان کرتے ہیں کہ ہم نے اپنی مصنوعات کی بکری کے واسطے ۱۳ بیڈن روڈ نزد ریجنٹ سینما میکلوڈ روڈ لاہور میں شوروم کھول دیا ہے۔ اب لاہور کے خریدار حضرات ہمارے مندرجہ بالا شوروم سے رجوع فرمائیں !!

ہماری مصنوعات مندرجہ ذیل ہیں !

۱۔ کمرشل پلائی وڈ ۳/۳۲" تا ۱۹/۳۲" موٹائی مختلف سائز

۲۔ شیشم " " " " " " "

۳۔ ساگوان " " " " " " "

۴۔ شیشم ون بورڈ ½" و ¾" " " " "

۵۔ کمرشل " " " " "

۶۔ ساگوان " " " " "

کمرشل شیشم، ساگوان دروازے مطلوبہ سائز میں بھی دستیاب ہیں !

المشتہر بمبئی پلائی وڈ انڈسٹریز پشاور روڈ راولپنڈی

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اسلام سے قبل

جی، اے حق

سیدنا ابوبکر صدیق اکبرؓ حضرت سید کونین صلی اللہ علیہ وسلم سے دو سال اور چند ماہ بعد پیدا ہوئے۔ آپؓ کے والد گرامی شرفائے مکہ میں شمار کیے جاتے تھے۔ آٹھویں پشت پر جا کر آپ کا نسب حضرت خاتم الانبیاء کے نسب پاک سے جا ملتا ہے۔ آٹھ پشت تک ان کا نسب نامہ اس طرح ہے۔ ابوبکر الصدیق بن ابو قحافہ بن عامر بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم بن مرہ اور سید الرسلؐ کا نسب نامہ اس طرح ہے۔ محمدؐ بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قصی بن کلاب بن مرہ۔ اس لئے صدیق اکبرؓ اسلام سے قبل سرداران قریش میں شمار ہوتے تھے۔ آپؓ کے اسلام قبول کرنے سے قبل آپ کو عبدالکعبہ کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ جب آپ مسلمان ہوئے تو آنحضرتؐ نے آپ کا نام عبداللہ رکھا۔[1] آپ العتیق کے لقب سے مشہور تھے اس کی کئی وجوہ ہیں۔ جناب صعب زبیری جو اپنے وقت میں علم نسب میں سب سے زیادہ ماہر تھے فرماتے ہیں کہ حضرت صدیق اکبرؓ کو عتیق اس لئے کہا جاتا ہے کہ آپؓ کے نسب میں کوئی بھی ایسی بات نہیں جس کو بہانہ بنا کر ان پر کوئی عیب لگایا جا سکتا۔ استیعاب میں بھی آپ کے عتیق کہلائے جانے کی یہی وجہ لکھی ہے[2] حضرت زبیر بن بکار کا کہنا ہے کہ سیدنا ابوبکر صدیقؓ ان دس اشراف قریش میں سے تھے جن کی بزرگی اور جاہ و منزلت عہد جاہلیت اور زمانہ اسلام دونوں ہی میں برقرار رہی۔ اسی لئے آپ العتیق کے لقب سے مشہور ہوئے اس کی اور وجوہ بھی بتلائی گئی ہیں مثلاً یہ کہ آپ کی والدہ کے ہاں کوئی بچہ زندہ نہ بچتا تھا تو انہوں نے نذر مانی کہ اگر ان کا بچہ زندہ بچ گیا تو اس کا نام عبدالکعبہ رکھیں گی اور اس کو کعبہ کے لئے وقف کر دیں گی۔ حضرت ابوبکرؓ زندہ بچ گئے۔ اس لئے آپ کو عتیق کہا جانے لگا۔ یعنی موت سے بچ نکلنے والا۔ کچھ راویوں کا کہنا ہے کہ آپؓ کا رنگ چٹا گورا تھا اس لئے آپ کو عتیق کہا جانے لگا۔ اس سلسلہ میں ایک اہم روایت ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہؓ کی ہے۔ فرماتی ہیں ایک بار آنحضرتؐ نے آپ کی طرف نظر کی اور فرمایا "اس کو اللہ تعالیٰ نے آگ سے

۱۔ ابوبکر الصدیق از محمد حسنین مطبوعہ مصر صفحہ ۳۱۔ ۲۔ ازالۃ الخفا از شاہ ولی اللہ جلد دوم

آزاد کر دیا ہے"۔ آپؐ کے الفاظ یوں ہیں۔ ھٰذا عتیق اللّٰہ من النار ۔ اسی دن سے آپ کا لقب عتیق پڑ گیا۔ آپ کی کنیت ابوبکر صدیقؓ کیوں پڑی۔ محمد حسنین ہیکل بعض متاخرین کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ آپ کا سب سے پہلے اسلام قبول کرنا اس کی وجہ ہے۔

آپ کا ذریعہ معاش کپڑے کی تجارت تھا۔ آپ عہد جاہلیت میں بھی شراب نوشی سے متنفر تھے۔ حالانکہ اہل مکہ کے لئے یہ محبوب مشروب تھا۔ اسلام سے قبل کی زندگی میں بھی آپ کی عظمت کردار کے کئی ثبوت ملتے ہیں۔ اہل عرب میں آپ کا اثر ورسوخ اس قدر تھا کہ دیت اور تاوان جیسے مقدمات کا فیصلہ آپ ہی کے سپرد تھا۔ انسان فطرتاً کچھ ایسا واقع ہوا ہے کہ جان اور مال سے بہت پیار رکھتا ہے۔ اس لئے وہ معاملات جن میں یہی دو چیزیں بحث کا مرکزی نقطہ ہوں بہت مشکل اور پیچیدہ شکل اختیار کر لیتے ہیں۔ ایسے معاملات میں جس کسی کا نقصان ہوتا ہے۔ وہ اکثر اوقات بغاوت پر اتر آتا ہے۔ اس لئے ایسے معاملات کے فیصلہ کے نفاذ کے لئے ایک طاقت کا وجود ضروری سمجھا جاتا ہے۔ مگر اسلام سے قبل عرب میں کوئی باقاعدہ حکومت قائم نہ تھی جو قوت نافذہ کا کردار ادا کرتی مگر صدیق اکبرؓ کے فیصلوں کے خلاف کسی کو لب کشائی کی ہمت نہ ہوتی تھی۔ ان کا ذاتی کردار اس قدر پختہ تھا کہ وہ تنہا آج کی حکومت کا کردار بخوبی ادا کر سکتے تھے۔ اسلامی حکومت کے قیام سے قبل چونکہ عرب کا معاشرہ قبائلی نظام پر مشتمل تھا۔ ان کا اپنا ایک بین الاقوامی قانون موجود تھا مگر اس میں اتنی قوت نہ تھی کہ قبائلی جنگوں کی روک تھام کے لئے کوئی موثر کردار ادا کر سکتا۔ ایسے حالات میں جبکہ پورا معاشرہ بدامنی کا شکار تھا۔ سیدنا صدیق اکبرؓ کو یہ مقام حاصل تھا کہ قاتل و مقتول ان کے سامنے حاضر ہوتے۔ اگر وہ قاتل کی طرف سے دیت کی ضمانت دیدیتے تو معاملہ رفع دفع ہو جاتا اور امن و امان بحال ہو جاتا۔ کہا جا سکتا ہے کہ عرب میں مروجہ نظام نے صدیق اکبرؓ کو یہ مرتبہ دیا تھا اور وہ خاندانی طور پر اس عہدہ پر فائز تھے۔ مگر جب ہم دیکھتے ہیں کہ اگر کوئی دوسرا قبائلی سردار کسی کی طرف ضمانت دیتا تو امن بحال نہ ہوتا تھا یا تو خود اس سردار پر اعتماد نہ کیا جاتا تھا یا اس میں اتنی قوت نہ ہوتی تھی کہ اس کے ڈر سے قاتل دیت دینے پر آمادہ ہو جائے۔ آخر یہ خصوصیت صدیق اکبرؓ ہی میں کیوں تھی؟۔ لازماً خاندانی شرف کے ساتھ ان کے ذاتی کردار کی عظمت نے ان کو یہ عظیم مرتبہ بخشا تھا۔

علم نسب صدیق اکبرؓ کی ایک اور خوبی علم نسب میں ان کی مہارت تھی۔ اس وقت انساب قریش سے متعلق جو کچھ بھی موجود ہے اس کی روایت زبیر بن بکار نے کی ہے۔ وہ اپنے تمام علم کی نسبت مصعب زبیری کی طرف کرتے ہیں۔ انہوں نے یہ علم جبیر بن مطعم سے حاصل کیا اور اس بزرگ نے یہ فیض صدیق اکبرؓ سے پایا۔ آنحضرتؐ نے حضرت حسانؓ بن ثابت کو فرمایا تھا کہ علم نسب کے حصول کے لئے تم حضرت ابوبکر صدیقؓ کے پاس جایا کرو۔

انداز بیان ایک اور خصوصیت جس نے حضرت صدیق اکبرؓ کو عہد جاہلیت ہی میں خصوصی مقام عطا کیا

ان کا انداز بیان ہے۔ آپ مختصر بات کرتے مگر اس قدر جامع اور پختہ کہ کسی سے جواب نہ بن پڑتا تھا۔ ہذلی شاعر ابوذویب سقیفہ بنی ساعدہ کے واقعات بیان کرتے ہوئے کہتا ہے کہ یہ ناممکن بات تھی کہ حضرت صدیقؓ تقریر کریں اور حاضرین ہمہ تن گوش نہ بن جائیں۔

ایک بار جبکہ امہات المومنین نے حضرت عائشہ صدیقہؓ کے بارے میں کچھ شکایت کا اظہار کیا اور سیدہ عائشہؓ نے اس کا جواب دے کر سب کو خاموش کرا دیا تو آنحضرتؐ نے فرمایا کہ ”آخر ابوبکر کی بیٹی ہے“ یہ بھی ثبوت ہے کہ صدیق اکبرؓ کا اندازِ بیان منفرد مقام رکھتا تھا۔

اسلام سے قبل آنحضرتؐ سے عشق حضرت صدیق کو اعلان نبوت سے قبل ہی آنحضرت کے ساتھ قلبی رابطہ اور عشق تھا۔ اس کے ثبوت کے لئے ایک واقعہ کافی ہے کہ جب آنحضرتؐ اپنے چچا بزرگوار حضرت ابوطالب کے ہمراہ بغرض تجارت سفرِ شام کے لئے روانہ ہوئے تو آپ نے حضرت بلالؓ کو کرایہ پر لے کر آنحضرت کی خدمت کے لئے ساتھ روانہ کیا۔ اس وقت چونکہ حضرت بلالؓ غلام تھے۔ اس لئے ان کی خدمات معاوضہ دے کر حاصل کی گئیں۔

عبداللہ بن عثمان ابوبکر الصدیق الاکبرؓ میمون بن مہران کی روایت کے مطابق حضرت علی مرتضیٰؓ کی ولادت سے بھی قبل اس وقت سید کائناتؐ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے تھے۔ جب بحیرا راہب نے آپؐ کے رسول برحق ہونے کی بشارت دی تھی۔ (الاصابہ)

اس کی تفصیل حضرت کعب بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق بغرض تجارت شام جایا کرتے تھے۔ وہاں ایک بار خواب دیکھا اور اس کی تعبیر معلوم کرنے کے لئے بحیرا راہب کے پاس گئے۔ اس نے پوچھا تم کہاں کے رہنے والے ہو۔ آپ نے جواب دیا مکہ کا باسی ہوں۔ پھر پوچھا کس خاندان سے ہو؟ فرمایا ”قریش سے“ پھر پوچھا تمہارا پیشہ کیا ہے؟ فرمایا ”تاجر ہوں“ بحیرا نے کہا۔ اللہ نے تمہیں سچا خواب دکھایا ہے۔ ایک عظیم الشان رسول تمہاری قوم میں پیدا ہوگا۔ تم اس کی زندگی میں اس کے وزیر اور وفات کے بعد خلیفہ ہو گے۔ (ابن عساکر)

آپ ایک مرتبہ صحن کعبہ میں کھڑے تھے۔ اتنے میں امیہ بن صلت وہاں آیا اور پوچھا کہ جس نبی کی آمد کا انتظار ہے وہ ہم اہل طائف میں مبعوث ہوگا یا تم قریش میں؟ حضرت ابوبکرؓ نے لاعلمی کا اظہار کیا اور پھر ورقہ بن نوفل کے پاس آنا ہوا۔ ان سے دریافت کیا۔ ورقہ نے کہا۔ ہاں بھائی مجھے علوم سماوی پر عبور حاصل ہے۔ وہ نبی جس کی آمد کا انتظار ہے وسط عرب کے ایک خاندان میں ظاہر ہوگا اور چونکہ میں علم نسب کا بھی ماہر ہوں اس بنا پر کہتا ہوں کہ تمہاری قوم قریش نسب کے لحاظ سے وسطی عرب ہے

ایک بار آپ نے خواب دیکھا کہ ایک چاند ہے جو کہ معظمہ پر نازل ہو کر مختلف اجزا میں تقسیم ہو گیا ہے اور اس کا ایک ایک ٹکڑا ایک ایک گھر میں داخل ہوا ہے اور پھر تمام اجزا باہم مل کر پورا چاند ان کی گود میں آگیا ہے۔ آپ نے ایک اہل کتاب عالم سے اس کی تعبیر پوچھی۔ اس نے بتلایا کہ تم نبی آخرالزمان کی پیروی کرو گے جس کا انتظار کیا جا رہا ہے۔ (الروض الانف)

صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بحیثیت مثالی تاجر

ڈاکٹر بشیر احمد صدیقی پنجاب یونیورسٹی

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی گرامی شخصیت کو تاریخ اسلام میں جو اہم اور نمایاں مقام حاصل ہے وہ محتاجِ بیان نہیں آپ کی حیثیت خلیفۃ الرسول ﷺ، خلیفہ اول، یارِ غار اور عاشقِ رسول ہونے کے اعتبار سے اس قدر ممتاز و منفرد ہے کہ سیرت نگاروں نے اکثر و بیشتر آپ کی سیرت کے انہی پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے۔ آپ کا بحیثیت تاجر ہونے کا تذکرہ تاریخ و سیرت کی کتابوں میں بہت کم دستیاب ہے۔ غالباً آپ کے محاسن جمیلہ کے بیان میں آپ کے تاجر ہونے کے ذکر کو مبسوط طور پر پیش کرنے کی طرف توجہ نہیں دی گئی۔ تاہم آپ رضی اللہ عنہ کے تذکرے میں بعض اشارات ایسے ضرور ملتے ہیں جن سے آپ کا کردار بحیثیت ایک مثالی تاجر کے بھی بڑا نکھرا ہوا اور تابناک نظر آتا ہے اور ایک اچھے اور مثالی تاجر میں جو خصوصیات متوقع ہو سکتی ہیں وہ منتہائے کمال پر آپ کی ذات میں جلوہ گر نظر آتی ہیں۔

ایک اچھے اور مثالی تاجر کا ذرا تصوّر کیجئے آپ کے آئینۂ خیال میں فوری ایک جاذب اور پُرکشش شخصیت کی تصویر ابھر آئے گی جو خلیق و نیک سیرت ہے۔ فراخدل ہے۔ ایک ایسا شخص ہے جو بات کا پکا اور قول کا سچا ہے اس کی ساکھ قابلِ رشک ہے۔ لوگ اس پر گہرے اعتماد کا اظہار کرتے ہیں۔ تجارت کے معاملے میں وسیع تجربے اور صلاحیت کا حامل ہے۔ اندرون ملک اور بیرون ملک اس کی شخصیت جانی پہچانی ہے۔ ایسا بے لوث متوکل اور صاحب فہم و ادراک ہے کہ دوسرے لوگ کامل اطمینان سے اپنے ذاتی و تجارتی امور میں اس سے مشورے لیتے ہوں۔ کسی ضمانت کے مسئلے میں اس کے نام کا آنا ہی فریقین کی تشفی کے لئے کافی و وافی ہے۔ المختصر مثالی تاجر وہ ہے جو ذاتی کردار کے اعتبار سے خلیق، نیک سیرت اور دیانتدار ہو اور ذہنی صلاحیت کے اعتبار سے ماہر، پختہ کار اور صاحب فہم و فراست ہو

اب ہم آپ کے کردار کے اس پہلو یعنی بحیثیت تاجر کا جائزہ حقائق کی روشنی میں لیتے ہیں۔ شاہ ولی اللہ

محدث دہلویؒ آپ کے تذکرے میں رقم طراز ہیں :-

"آپ تجارت بھی کیا کرتے تھے اور خلیق و نیک سیرت تھے۔ آپ کی قوم کے لوگ آپ سے نہایت اُنس رکھتے تھے اور اپنے اُمور میں آپ سے مدد لیا کرتے تھے اس لیئے کہ آپ خوش مجلس تاجر تھے اور قریش کے معاملات سے آگاہ و واقف تھے" [1]

آپ کے تابناک کردار کا ذکر کرتے ہوئے شاہ صاحبؒ زبیر بن بکار کے حوالے سے لکھتے ہیں :

"حضرت صدیق ان دس اشراف قریش سے تھے جن کی شرافت و منزلت جاہلیت و اسلام دونوں میں برابر قائم رہی زمانہ جاہلیت میں دیات و تاوان کے فیصلے آپ ہی کیا کرتے تھے۔" [2]

تجارت کا یہ سلسلہ اچانک شروع نہیں کیا گیا تھا بلکہ یہ آپ کے قبیلے میں مدت سے چلا آرہا تھا۔ تجارت اگر صاف ستھری ہو تو انسان کی عادات کو نکھار بخشتی ہے اور اس میں نرم خوئی پیدا کرتی ہے۔ عباس محمود العقاد نے آپ کے قبیلے کا ذکر کرتے ہوئے کیا خوب لکھا ہے :

"یہ قبیلہ مدتوں پہلے سے تمدنی انوار و برکات سے فیض یاب ہوتا رہا تھا۔ تجارت اس خاندان کا آبائی پیشہ اور مخصوص مشغلہ تھی ظاہر ہے کہ یہ کام حسنِ سلوک، نرم مزاجی، محبت و ہمدردی اور لین دین میں صفائی کی ہی بدولت کامیابی سے چل سکتا ہے۔ تجارت کا مزاج تند مزاجی، بدمعاملگی اور بد اطواری سے میل نہیں کھاتا۔" [3]

حضرت صدیق اکبرؓ اسلام سے پہلے بقول معین الدین ندوی "ایک متمول تاجر کی حیثیت رکھتے تھے۔ اور ان کی دیانت راستبازی اور امانت کا خاص شہرہ تھا۔ اہل مکہ ان کو علم، تجربہ اور حسنِ خلق کے باعث نہایت معزز سمجھتے تھے۔ ایام جاہلیت میں خون بہا کا مال آپ ہی کے یہاں جمع ہوتا تھا اگر کبھی کسی دوسرے شخص کے یہاں جمع ہوتا تو قریش اس کو تسلیم نہیں کرتے تھے۔" [4]

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ، لوگوں کے آپؓ پر اعتماد کی کیفیت، اور آپ کی ساکھ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں :- "جب کوئی واقعہ قتل ہوتا تو قاتل و مقتول کے قبیلوں میں لڑائی جھگڑے ہونے لگتے۔ حضرت صدیق قاتل کی طرف سے دِیت کے ضامن ہوتے تب یہ فساد فرو ہوتا اور اگر حضرت صدیقؓ کے سوا کوئی اور شخص دِیت کا ضامن ہوتا تب یہ فتنہ و فساد فرو نہ ہوتا۔ محمد بن اسحٰق کہتے ہیں کہ حضرت صدیق محبوب قوم اور اپنی قوم کی تالیفِ قلوب کرنے والے شخص تھے۔" [5]

سرورِ دو عالم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل چونکہ حضرت صدیق اکبرؓ اپنی فطرتِ سلیمہ کی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دامنِ عاطفت سے وابستہ ہو گئے تھے اور شرفِ رفاقت کے حصول کو سرمایۂ فخر جانتے تھے۔ اس لیئے آپ نے پہلا تجارتی سفر حضورؐ کی معیت میں ۱۸ برس کی عمر میں کیا [6] اور بسلسلہ تجارت شام روانہ ہوئے اسوقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک ۲۰ برس تھی۔ [7]

عہد جاہلیت میں آپ بڑے پیمانے پر کپڑے کی تجارت کرتے تھے۔ اس سلسلے میں شام اور یمن کے متعدد سفر بھی کئے تھے۔ ۵ آپ کو لکھنا پڑھنا بھی آتا تھا اور آپ عرب قبائل کے انساب کے بھی ماہر تھے ۹

المختصر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت پر آپ ایک معروف و متمول تاجر کی حیثیت سے مشہور تھے طبقات ابن سعد میں اسامہ بن زید بن اسلم کے والد کی روایت کے الفاظ یہ ہیں:۔

"کان ابوبکر معروفاً بالتجارۃ، لقد بُعِثَ النبیّ صلی اللہ علیہ وسلم وعندہٗ اربعون الف درھم"

(حضرت ابوبکرؓ مشہور و معروف تاجر تھے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تو آپ کے پاس چالیس ہزار درہم کا سرمایہ تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد شمع رسالت کے اس پروانے کا سرمایہ اکثر و بیشتر امور خیر میں خرچ ہونے لگا۔ ابن سعد کی تصریح کے مطابق:

فکان یُعتق منھا ویُقوّی المسلمین حتی قدم المدینۃ بخمسۃ آلاف درھم ثمّ کان یفعل فیھا ما کان یفعل بمکۃ" ۱۰

(پس آپ اس مال سے غلاموں کو آزاد کراتے مسلمانوں کی تقویت کے لیئے خرچ کرتے۔ حتیٰ کہ آپ مدینہ تشریف لے آئے اس وقت آپ کے پاس پانچ ہزار درہم کا سرمایہ فرع رہا تھا جس سے آپ نے تجارت کا وہ سلسلہ جاری رکھا جو مکہ مکرمہ میں جاری تھا)

یہاں اس بات کا ذکر مناسب ہوگا کہ تجارت کے سلسلے میں مختلف مقامات کی آمد و رفت کے باعث مکے سے باہر کے بہت سے لوگوں سے بھی آپ کو واقفیت حاصل تھی اور وہ لوگ آپ کو خوب پہچانتے تھے چنانچہ بخاری شریف میں، سفر ہجرت کے بیان میں حضرت انس بن مالک کی روایت سے اس امر کا اشارہ ملتا ہے:۔ "اقبل نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الی المدینۃ وھو مُردف ابا بکر وابوبکر شیخ یُعرف والنبیّ صلی اللہ علیہ وسلم شابٌ لا یُعرف قال فیلقی الرجل ابابکر فیقول یا ابابکر من ھٰذا الرجل الذی بین یدیک فیقول ھٰذا الرجل الذی یھدینی السبیل قال فیحسب الحاسب انہ انما یعنی الطریق وانما یعنی سبیل الخیر" ۱۱

(نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب مکے سے مدینے کو روانہ ہوئے تو ابوبکرؓ کو اپنے پیچھے بٹھائے ہوئے تھے، ابوبکرؓ بوڑھے نظر آتے تھے۔ (آپ کے بال جلد سفید ہو گئے تھے۔ حالانکہ عمر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دو سال چھوٹے تھے) ابوبکرؓ کو لوگ پہچانتے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جوان نظر آتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو رستے میں کوئی پہچانتا نہ تھا۔ رستے میں کوئی شخص ابوبکرؓ سے ملتا تو پوچھتا ابوبکرؓ یہ تمہارے آگے کون شخص بیٹھا ہے؟ وہ کیا عمدہ جواب دیتے۔ "ایک شخص ہے جو مجھے رستہ بتلاتا ہے" پوچھنے والا یہ سمجھتا کہ مدینے کا یا شام کا راستہ بتلانے والا ہے اور ابوبکرؓ کا مطلب اس کلام سے یہ تھا کہ دین اور ایمان کا راستہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بتلاتے ہیں)

،ہجرت مدینہ کے بعد بھی آپ کو بسلسلہ تجارت بُصریٰ وغیرہ جانے کا اتفاق ہوا [۱۳] جیسا کہ طبقات کا حوالہ اوپر آچکا ہے آپ نے مدینہ آکر بھی کپڑے کی تجارت کو جاری رکھا۔ یہ کاروبار خوب نفع آور ثابت ہوا چنانچہ آپ خاصے دولت مند ہوگئے اس کی شہادت خود قرآن مجید میں موجود ہے:۔

ولا یاتل اولو الفضل منکم والسعۃ ان یؤتوا اولی القربیٰ والمسٰکین والمھٰجرین فی سبیل اللہ۔ ولیعفوا ولیصفحوا ۔ الا تحبون ان یغفر اللہ لکم ۔ واللہ غفورٌ رحیمٌ۔ [۱۴]

(تم میں سے جو لوگ صاحب فضل اور صاحب مقدرت ہیں وہ اس بات کی قسم نہ کھا بیٹھیں کہ اپنے رشتہ دار مسکین اور مہاجر فی سبیل اللہ لوگوں کی مدد نہ کریں گے ۔ انہیں معاف کر دینا چاہیے اور درگزر کرنا چاہیے کہ تم نہیں چاہتے کہ اللہ تمہیں معاف کرے؟ اور اللہ کی صفت یہ ہے کہ وہ بخشنے والا مہربان ہے)

علامہ ابن کثیر اس آیت کی تشریح میں اس امر کی وضاحت کرتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کے سلسلے میں نازل ہوئی: "الآیۃ نزلت فی الصدیق" [۱۵] ابن کثیر حضرت ابوبکرؓ کے صاحب فضل ہونے کی تصریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔ "وکان الصدیق رضی اللہ عنہ معروفاً بالمعروف لہ الفضل والایادی علی الاقارب والأجانب۔"

(اور صدیق اکبرؓ بھلائی کرنے کے لیے مشہور و معروف تھے ۔آپ کا فضل و احسان رشتہ داروں اور بیگانوں دونوں پر ہوتا تھا۔

سیّد قطب لکھتے ہیں:۔

"نزلت فی ابی بکر رضی اللہ عنہ بعد نزول القرآن ببرأۃ الصدّیقہ ۔ وقد عرف ان مسطح ابن اثاثۃ کان ممن خاضوا فیہ وھو قریبہ وھو من فقراء المھاجرین۔ وکان ابوبکرؓ ینفق علیہ فآلیٰ علی نفسہ لا ینفع مسطحاً بنافعۃ ابداً" [۱۶]

(یہ آیت کریمہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے بارے میں حضرت عائشہ صدیقہؓ کی براءت بصورت وحی نازل ہونے کے بعد اُتری اور یہ معروف بات ہے کہ مسطح بن اثاثہ ان لوگوں میں شامل تھا جنہوں نے تہمت لگائی تھی اور وہ آپ کا قریبی بھی تھا ۔اور نادار مہاجرین میں سے تھا اور حضرت ابوبکرؓ ان پر خرچ کیا کرتے تھے۔ پس آپؓ نے قسم کھائی کہ اب مسطح کو کبھی نفع رسانی نہیں کریں گے)

علامہ قرطبی لکھتے ہیں:۔

"وقیل اسمہ عوف ومسطح لقب .... وکان من المھاجرین البدریین المساکین.... وکان ابوبکرؓ ینفق علیہ لمسکنتہ وقرابتہ" [۱۸]

(اور بعض نے ذکر کیا ہے کہ ان کا اصل نام عوف تھا اور مسطح لقب تھا اور وہ بدری مہاجرین نادار لوگوں

میں سے تھا۔ اور حضرت ابوبکر صدیقؓ اِن کی ناداری اور قرابت کی بنا پر ان کی مالی امداد فرمایا کرتے تھے)

چنانچہ اس آیت کے نازل ہونے پر حضرت ابوبکر صدیقؓ پر رقت طاری ہوگئی ان کے قلب و روح کا اضطراب رفع ہوگیا اور اس کی جگہ ایک طمانیت اور نورانیت نے لے لی اور ان کی زبان سے بے ساختہ یہ الفاظ نکلے:

"بلی واللہ انی لاحب ان یغفر اللہ لی"۔ (کیوں نہیں خدا کی قسم میں اس بات کا متمنی ہوں کہ اللہ تعالیٰ مجھے اپنی رحمت و مغفرت سے نوازے) اور آپؓ نے مسطح کی امداد بحال کردی۔

اس آیت کریمہ سے یہ بات اچھی طرح واضح ہوجاتی ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ جو صرف پانچ ہزار درہم سے مدینے میں کاروبار کا آغاز کرسکے تھے۔ مشغلہ تجارت کی بنا پر آپ بفضلہ تعالیٰ اچھے خاصے دولت مند تھے اور اقارب و اجانب کی کھلے دل سے مالی امداد فرمایا کرتے تھے۔ تجارت کا یہ سلسلہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حیاتِ مبارکہ میں جاری و ساری رہا۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال پر حضرت ابوبکر صدیقؓ پر بارِ خلافت ڈال دیا گیا۔ ابن سعد نے طبقات میں عطاء بن السائب کے حوالے سے بیان کیا ہے:۔

"لما استخلف أبوبکر أصبح غادیًا الی السوق وعلی رقبتہ أثواب یتجر بھا فلقیہ عمر بن الخطاب و أبو عبیدہ بن الجراح فقالا لہ: أین ترید یا خلیفۃ رسول اللہ؟ قال: السوق، قالا: تصنع ماذا وقد ولیت أمر المسلمین۔ قال فمن این اطعم عیالی؟ قالا لہ: انطلق حتی نفرض لک شیئًا" [۲۰]

(جب حضرت ابوبکرؓ خلیفہ ہوئے تو صبح کے وقت دوش پر کپڑوں کے تھان رکھ کر تجارت کے لیئے بازار کی طرف چلے۔ چنانچہ راستے میں حضرت عمر بن الخطاب اور حضرت ابوعبیدہ بن الجراح سے ملاقات ہوئی۔ انہوں نے (حیرت سے) پوچھا: اے خلیفہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم! کدھر کا ارادہ ہے! آپ نے فرمایا! بازار جا رہا ہوں۔ انہوں نے کہا: آپ کو مسلمانوں کا والی بنایا جاچکا ہے اور آپ اِدھر مشغول ہیں؟ آپ نے فرمایا: تو میں اپنے بال بچوں کو کہاں سے کھلاؤں گا؟ انہوں نے کہا: آپ ہمارے ساتھ چلیں تاکہ ہم آپ کے لیئے کچھ روزینہ مقرر کردیں"۔

ابن سعد نے اسی مضمون کی معمولی تغیر و اختلاف کے ساتھ مختلف روایتیں بیان کی ہیں۔ عمرو بن میمون کے والد کے حوالے سے آپ کے وظیفے کی جو مقدار سامنے آتی ہے حسب ذیل ہے۔

"لما استخلف أبوبکر جعلوا لہ ألفین فقال زیدونی فان لی عیالا وقد شغلتمونی عن التجارۃ قال فزادوہ خمسمائۃ"۔ [۲۱]

(جب ابوبکرؓ خلیفہ ہوئے تو صحابہ کرام نے آپ کا سالانہ دو ہزار درہم وظیفہ مقرر کیا آپ نے فرمایا: اس میں اضافہ کیجئے کیونکہ میرے بال بچے ہیں اور تم نے مجھے تجارت کرنے سے بھی روک دیا ہے۔ عمرو بن

میمون کہتے ہیں کہ انہوں نے پانچ سو درہم کا اضافہ کر دیا)

اس روایت سے جہاں اس امر کی صراحت ہوتی ہے کہ ایک جلیل القدر، متمول صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف ۲۵۰۰ درہم یا تقریباً سو روپے ماہوار گذارے کے لیے لینا منظور کیے وہاں یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ آپ نے بارِ خلافت اٹھانے کے بعد تجارت کو خیرباد کہہ دیا۔ خورشید احمد فارق کے الفاظ میں :۔

"خلافت کا عہدہ سنبھال کر ابوبکر صدیقؓ کی مصروفیات اتنی بڑھیں کہ اپنا پرانا پیشہ یعنی تجارت جاری نہ رکھ سکے۔ بڑے صحابہ نے اسی پچاسی روپے ماہوار (۲۰۰۰ ہزار درہم سالانہ) ان کے لیے مقرر کر دیئے"

اس ساری بحث سے جہاں اس امر کی صراحت ہوتی ہے کہ صدیق اکبرؓ کی گرامی ذات میں ایک اچھے اور مثالی تاجر کی تمام خصوصیات اپنے منتہائے کمال پہ منعکس نظر آتی ہیں وہاں صدیق اکبرؓ نے آنے والے مسلمان تاجروں کے لیے ایک روشن مثال بھی قائم کی ہے کہ تجارت سے حاصل کردہ نفع کو ملی اور قومی مفاد میں کس جوش و جذبے سے خرچ کرنا چاہیئے۔

حاشیے

۱۔ ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفا (اُردو) مقصد دوم، مطبوعہ کراچی صـ۲۰

۲۔ ایضاً صـ۱۹

۳۔ صدیق کامل اردو ترجمہ از منہاج الدین اصلاحی۔ لاہور ۱۹۵۷ء صـ۲۰

۴۔ خلفائے راشدین

۵۔ ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء۔ مقصد دوم صـ۲۰۔ خورشید احمد فاروق نے استیعاب ابن عبدالبر کے حوالے سے آپ کی اس قابل رشک ساکھ کا ذکر کیا ہے: حضرت ابوبکرؓ کے سرکاری خطوط صـ۶

۶۔ دائرہ معارف اسلامیہ اُردو۔ دانشگاہ پنجاب۔ آرٹیکل: "ابوبکر"

۷۔ خورشید احمد فاروق: حضرت ابوبکرؓ کے سرکاری خطوط۔ دہلی ۱۹۶۰ء صـ۶

۸۔ مولانا سعید احمد اکبر آبادی، صدیق اکبر، دہلی ۱۹۵۷ء صـ۳

۹۔ دائرہ معارف اسلامیہ۔ اُردو۔ آرٹیکل "ابوبکر"

۱۰۔ الطبقات الکبریٰ۔ بیروت ۱۹۵۷ء المجلد الثالث۔ صـ۱۷۲

۱۱۔ ایضاً، نیز دیکھئے انسائیکلوپیڈیا آف اسلام (انگریزی) لیدن ۱۹۱۳ء صـ۸۰-۸۱

۱۲۔ الجامع الصحیح، طبع لیدن، ج ۳ صـ۴۲

۱۳۔ دائرہ معارف، اسلامیہ۔ اردو آرٹیکل "ابوبکرؓ"

۱۴۔ القرآن المجید، ۲۴ : ۲۲

۱۵۔ تفسیر القرآن العظیم، مصر ۱۹۳۸ء، الجزء الثالث، ص ۲۶

۱۶۔ ایضاً

۱۷۔ فی ظلال القرآن، مصر الطبعۃ الاولیٰ، الجزء الثامن عشر ص ۸۳

۱۸۔ الجامع الاحکام القرآن، القاہرہ ۱۹۶۷ء الجزء الثانی عشر ص ۲۰۷

۱۹۔ فی ظلال القرآن، الجزء الثامن عشر، ص ۸۴

۲۰۔ الطبقات الکبریٰ، طبع بیروت، ۱۹۵۷ء المجلد الثالث، ص ۱۸۴

۲۱۔ ایضاً ص ۱۸۵

۲۲۔ حضرت ابوبکرؓ کے سرکاری خطوط، دہلی ۱۹۷۰ء ص ۱۰۱

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی گھریلو زندگی

از نواب مشتاق احمد خاں

جسطرح ماہتاب کے گرد ستاروں کا جھرمٹ کرۂ ارض کو روشن کرتا ہے۔ اسی طرح مرکز نور ہدایت ماہتاب رسالت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اپنے آقا اور مولا سے اکتساب ضیاء کر کے وا حدانیت کی روشن کرنوں سے چار دانگ عالم میں ضوا فشانی کرتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کا بلاشبہ سب سے بڑا معجزہ یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے احکام الہی اور اسوہ حسنہ سے عرب کے صحرا نوردوں اور سنگلاخ چٹانوں میں بسنے والے بدوؤں کے ذہن یکسر بدل ڈالے ایک روحانی اور مادی انقلاب برپا کر دیا اور ایک ایسی سرزمین کو جہاں اخلاقی اقدار بالکل ناپید تھیں تمام عالم انسانی کے لئے ان اقدار کا علمبردار بنا دیا۔ بقول مولانا حالی

وہ بجلی کا کڑکا تھا یا صوت ہادی،
عرب کی زمیں جس نے ساری ہلا دی

یہ کیسا انقلاب تھا جس نے غلام اور لونڈیاں رکھنے والے معاشرے میں مساوات کا ایک انمول درس دیا اور ایک حبشی غلام رضی اللہ عنہ کو وہ عروج اور مرتبہ عطا کیا کہ بڑے بڑے لوگوں کو ان پر رشک آنے لگا۔

فاروق رضی اللہ عنہ یہ کہتے ہیں وہ آقا ہیں ہمارے
دیکھے تو کوئی اوج بلال حبشی رضی اللہ عنہ کا

آخر وہ کیا چیز تھی جس نے "عبدالکعبہ" کو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور عمر ابن خطاب کو فاروق اعظم رضی اللہ عنہ بنا دیا۔ یہ سب فیضان نبوت تھا جسے جس کسی نے چھوا یا اس کے پاس سے گذرا وہ پارس بن گیا۔ یوں تو سب صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے انوار رسالت سے مستفیض ہو کر بلند مراتب حاصل کئے۔ مگر خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کا امت کی نظر میں جو مقام

اور مرتبہ ہے اسکی رفعت اور بلندی تصورات کی دنیا سے بھی ماوراء ہے ۔ وہ بلاشبہ اسلام کے آسماں کے درخشندہ ترین ستارے ہیں ۔ اِن عظیم المرتبت بزرگوں میں خلیفۂ اوّل حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کا مرتبہ سب سے بلند ہے ۔ آپ کو نبوت سے پہلے ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دوستی کا شرف حاصل تھا ۔ نبوت کا اعلان ہوا تو مردوں میں سب سے پہلے دعوتِ حق کو لبیک کہا ۔ معراج نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا واقعہ پیش آیا تو بلا توقف اس کی تصدیق کر دی اور صدیق کا لقب پایا ۔ سفر و حضر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمرکابی کی نعمت سے مالا مال ہوئے ۔ غارِ ثور میں رفاقت کی سعادت حاصل کی ۔ کیا کہنے ایسی رفاقت کی عظمت کے جس کی شہادت خود کلام الٰہی دے ۔ غزوات میں ساتھی رہے ۔ اس نماز کی امامت کی جس میں مقتدیوں میں خود حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم بھی رہے ۔ پھر رفیقِ قبر بن کر ابدالآباد تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قربت حاصل کر لی ۔ اللہ اکبر کیا بلند مقام اور مرتبہ ہے ۔ حضرت صدیق اکبرؓ کا ۔

؎ ایں سعادت بزورِ بازو نیست !

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ سچی اور حقیقی بڑائی یونہی نہیں مل جاتی ایسی بزرگی حاصل کرنے والوں کو قدرت کی طرف سے خاص صلاحیتیں ودیعت ہوتی ہیں جن کو بروئے کار لا کر وہ اپنے مقام تک پہنچتے ہیں حضرت ابوبکرؓ کو اللہ تعالیٰ نے اعلیٰ صلاحیتوں سے نوازا تھا ۔ اسلام لانے سے پہلے وہ اپنی قوم اور قبیلے میں بڑی عزت اور احترام سے دیکھے جاتے تھے اور عام شہرت یہ تھی کہ وہ نہایت پاکباز ، صادق القول اور دیانتدار تھے ۔ صلۂ رحمی مہمان نوازی مساکین کی امداد اور یتیموں کی دلدہی جیسے اوصاف حمیدہ انکی شخصیت کے نمایاں پہلو تھے ۔ ایام جاہلیت میں عوام الناس کو شراب نوشی کی ایسی لت پڑی ہوئی تھی کہ وہ اسے پانی کی طرح پیتے تھے ۔ مگر صدیق اکبرؓ کی فطری پاکبازی کا یہ بین ثبوت ہے کہ ان حالات میں بھی وہ ہمیشہ اس سے محترز رہے ۔ اسی معاشرے میں جہاں گھر گھر بتوں کی پوجا ہوتی تھی وہ ان سے متنفر تھے ۔ اس طرح حضرت صدیق اکبرؓ کا قلب مطہر انجذاب ہدایت کے لیئے تیار تھا ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت مبارکہ کیا حاصل ہوئی کہ وہ کندن بن گئے ۔ اسلام لانے سے پہلے ہی آپ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس سے بے حد انس تھا اس کے بعد شب و روز اٹھتے بیٹھتے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ۲۰ سالہ رفاقت نے انہیں اس ارفع مقام پہ پہنچا دیا جو مشیتِ خداوندی سے آپ کے لیئے مقدر ہو چکا تھا ۔ اس لیئے یہ محض اتفاق ہی نہیں کہ مردوں میں سب سے پہلے صدیق اکبرؓ نے ایمان کی دولت کو اپنے دامن میں سمیٹ لیا ۔ ذاتی اوصاف اور جذبہ ایمانی سے آپ کے متعلقین کا متاثر ہونا ایک فطری بات تھی یہ آپ کے خلوص اور حسن تربیت کا فیضان تھا کہ حضرت صدیقؓ کا جذبہ ایمانی اور عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے گھرانے کے ہر فرد کے رگ و ریشہ میں سرایت کر گیا ۔ بلکہ یوں کہیئے کہ صدیق اکبرؓ نے اپنے گھرانے کے ہر فرد کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کے لیئے بطور خاص تیار کیا تھا جیسا کہ ان کے گھر کے ہر فرد کی زندگی کے حالات سے واضح ہے ۔ حضرت صدیق اکبرؓ نے اپنا تمام

گھرانہ اور اپنے اہل وعیال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کے لیئے وقف کر دیئے تھے۔ جب ہجرت کا حکم ہوا اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دوپہر کے وقت آپ کے گھر تشریف لائے اور فرمایا "جو لوگ اس وقت تمہارے پاس ہیں ان کو ہٹا دو"، تو صدیق رضؓ نے جواب دیا "حضور یہاں آپ کا غیر کون ہے؟" اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم مطمئن ہو گئے۔ گویا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی معلوم تھا کہ ابوبکر رضؓ کا گھرانہ میرا اپنا گھرانہ ہے۔

حضرت صدیق اکبر رضؓ کا تعلق قبیلہ قریش سے تھا سلسلہ نسب چھٹی پشت میں حضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے جا ملتا ہے۔ پیدائش کے وقت والدین نے "عبد الکعبہ" نام رکھا جسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام لانے کے بعد عبد اللہ میں بدل دیا۔ ابوبکر رضؓ آپ کی کنیت اور صدیق اور عتیق آپ کے لقب ہیں آپ زیادہ تر اپنی کنیت اور صدیق کے لقب سے مشہور ہیں۔ حضرت ابوبکر رضؓ اپنے والدین کا بہت احترام کرتے تھے ایک روایت ہے کہ ایک مرتبہ آپ اونٹنی پر سوار باہر سے گھر آئے تو آپ کے والد ابو قحافہ رضؓ دروازے پر انتظار میں بیٹھے تھے۔ آہٹ سن کر فرطِ محبت سے کھڑے ہو گئے۔ آپ یہ دیکھ کر اونٹنی پر سے کود پڑے اور دوڑ کر باپ سے لپٹ گئے اور فرمایا والد بزرگوار آپ اس طرح کھڑے ہو کر مجھے شرمندہ کرتے ہیں۔ آپ کے والد ابو قحافہ رضؓ فتح مکہ تک اپنے آبائی عقائد پر قائم رہے اور اپنے بیٹے کے دین سے والہانہ لگاؤ اور دینی مصروفیتوں سے نالاں رہتے تھے۔ چنانچہ جب حضرت ابوبکر رضؓ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت میں ہجرت کے لیئے مکہ سے روانہ ہوئے تو باپ بے چینی میں بیٹے کو ڈھونڈنے نکلا راستہ میں ایک جگہ حضرت علی رضؓ کو گذرتے دیکھ کر شکایتاً کہا ان بچوں نے میرے بیٹے کو بھی خراب کر دیا ہے۔ انہیں اپنے بیٹے کی دریا دلی اور جاں نثاری سے اس بات کا خدشہ تھا کہ وہ سارا مال واسباب اپنے ساتھ لے گئے ہوں گے۔ ان کے اس خدشہ کو دور کرنے کے لیئے حضرت اسماء رضؓ نے ایک طاق میں جہاں حضرت ابوبکر رضؓ درہم رکھا کرتے تھے کچھ کنکریاں رکھ دیں اور انہیں ایک کپڑے سے ڈھانپ دیا۔ پھر دادا کو جن کی بینائی بہت کمزور ہو چکی تھی۔ ہاتھ پکڑ کر لے گئیں اور کہا کہ آپ خود ٹٹول کر دیکھ لیجئے۔ دادا بزرگوار نے ہاتھ پھیر کر اپنا اطمینان کر لیا۔ حالانکہ صدیق اکبر رضؓ سفر کی ضروریات کے پیش نظر سب کچھ اپنے ساتھ لے گئے تھے۔ سوچ اور فکر کے اتنے شدید اختلافات کے باوجود بیٹے نے باپ کی ہر طرح خدمت کی اور یہ گوارا نہ کیا کہ باپ نورِ ہدایت سے محروم رہے۔ چنانچہ فتح مکہ کے بعد انہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے گئے حضورؐ نے فرمایا۔ ابوبکر رضؓ تم نے انہیں ناحق تکلیف دی میں خود ان کے پاس چلا آتا۔ اس کے بعد وہ حلقہ بگوشانِ اسلام میں شامل کر لیئے گئے۔ ابو قحافہ رضؓ نے بہت بڑی عمر پائی اور حضرت صدیق رضؓ کے بعد بھی وہ کچھ عرصہ زندہ رہے اور حضرت ابوبکر رضؓ اپنی دینی مصروفیتوں اور بعد میں خلافت کی ذمہ داریوں کے باوجود اپنے باپ کی خدمت گذاری کرتے رہے۔

حضرت صدیق رضؓ کی والدہ محترمہ ام الخیر سلمیٰ صخرا ایسے حالات میں مسلمان ہوئیں جب مسلمانوں کی تعداد بہت قلیل تھی اور اپنے دین اور عقائد کے علی الاعلان کے اظہار کا ابھی وقت نہیں آیا تھا۔ صدیق اکبرؓ کا دینی جذبہ اس رکاوٹ کو برداشت نہ کر سکا۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے خصوصی اجازت لیکر ایک مجمع عام میں اعلان حق کیا۔ اس پر ان پر تشدد ہوا اور بری طرح زخمی ہو گئے۔ قبیلہ کے چند لوگ بے ہوشی کے عالم میں آپ کو گھر لے آئے۔ وہاں جب بھی آپ ہوش میں آتے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں دریافت فرماتے۔ اس حالت میں بیٹے کے عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بے تابانہ اظہار اور وارفتگی سے ماں کی مامتا تڑپ اٹھی اور وہ اتنی متاثر ہوئیں کہ اگلے ہی روز بیٹے کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر کلمہ پڑھ لیا۔

حضرت ابوبکر صدیق رضؓ اسلام لانے سے پہلے ایک بڑے کامیاب تاجر تھے آپ کی دیانت اور امانت کا اتنا شہرہ تھا کہ ایام جاہلیت میں خون بہا بھی آپ کے پاس ہی جمع ہوتا تھا۔ اسلام لانے کے بعد آپ نے اپنی تمام صلاحیتیں، اپنا وقت اور سارا مال و متاع دین کی خدمت کے لیئے وقف کر دیا۔ اسلام کے ابتدائی دور میں تو مسلمانوں پر بے پناہ مظالم کیئے جاتے تھے۔ غلاموں کی حالت سب سے زیادہ قابل رحم تھی۔ صدیق اکبرؓ کا دل درد مند دل بھلا کیسے برداشت کرتا کہ کلمہ حق کہنے والے بے بس و بیکس بندے ظلم و ستم کا شکار بنتے ہیں۔ چنانچہ آپ نے اللہ کے کئی نیک بندوں کو جو غلامی کا طوق پہنے ہوئے تھے رہائی دلائی۔ ان رہا ہونے والوں میں سب سے نمایاں شخصیت مؤذن رسول حضرت بلال حبشیؓ کی تھی۔

خدمت دین میں اپنے مالی وسائل کو وقف کرنے کا یہ عالم تھا کہ ہر موقع پر وہ سب سے پیش پیش ہوتے تھے۔ جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ تبوک کے موقع پر مسلمانوں سے مالی امداد کی اپیل کی تو صدیق اکبرؓ نے گھر کا سب مال و اسباب نچھاور کر دیا۔ جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ گھر والوں کے لیئے کیا چھوڑ آئے۔ تو آپ نے جو جواب دیا۔ اُسے علامہ اقبالؒ کے الفاظ میں سنئے ؎

پروانے کو چراغ ہے بلبل کو پھول بس
صدیقؓ کے لیئے ہے خدا کا رسولؐ بس

چونکہ سب سے پہلے خانہ صدیقؓ ہی دین حق کی روحانی شعاعوں سے روشن ہوا تھا۔ اس لیئے آپ کے گھر کے بیشتر افراد کے کانوں میں کبھی کفر و شرک کی آواز نہیں پڑی تھی۔ یہ اس خاندان کے لیئے بہت بڑی سعادت تھی۔ حضرت عائشہ رضؓ سے روایت ہے کہ جب سے میں نے ہوش سنبھالا ہے میں نے اپنے والدین کو مسلمان ہی پایا۔ اس گھرانے کے پاکیزہ ماحول اور صالح تربیت کا ہی اثر تھا کہ کم سنی ہی میں دین حق کی روشنی حضرت عائشہ رضؓ کے رگ و ریشہ میں سرایت کر گئی۔ حضرت عائشہ رضؓ کی یہ بھی روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے گھروں میں ایک

دو بار ضرور تشریف لاتے تھے۔ پھر بھلا یہ کیسے ممکن تھا کہ صدیق اکبرؓ کے تربیت یافتہ خاندان کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فیضانِ صحبت کندن نہ بنا دیتا۔ اس لیئے جب ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کو شرف زوجیت حاصل ہوا تو وہ کم عمری ہی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مزاج شناسی کے علاوہ محرم اسرار و رموز نبوی صلی اللہ علیہ وسلم بن گئیں اور دین کے فہم اور علوم دینیہ میں اُنکا درجہ اتنا بلند ہو گیا کہ بڑے بڑے صحابہ کرام دینی مسائل میں اُن سے رجوع فرماتے تھے۔ حضرت عائشہؓ کے علاوہ دوسری اولاد کو بھی صالح تربیت اور فیضانِ نبوت سے ایسا ہی جذبہ عطا ہوا تھا۔ حضرت اسماءؓ کی والدہ جو کافرہ تھیں اور جنہیں صدیق اکبرؓ نے اسلام لانے سے پہلے ہی طلاق دے دی تھی اپنی بیٹی کے لیئے کچھ تحائف لے کر آئیں۔ حضرت اسماءؓ کو کافرہ ماں سے ان تحائف کو قبول کرنے میں ہچکچاہٹ محسوس ہوئی اور جب تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت حاصل نہیں کر لی انہیں قبول نہیں کیا۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ کو اپنی اولاد سے بہت محبت تھی مگر باپ کی محبت کبھی اپنے عقائد اور دین کے راستہ میں رکاوٹ نہیں بنی۔ آپ کی تربیت کا انداز ہی کچھ اس قسم کا تھا کہ وہ کسی حالت میں بھی کسی نامناسب رویہ کو پسند نہیں فرماتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ آپ کے بیٹے عبدالرحمٰن نے مہمانوں کو کھانا کھلانے میں ذرا سی تاخیر کر دی۔ آپ نے اس کو مہمانداری کے تقاضے کے منافی سمجھا اور بیٹے کی سختی سے سرزنش کی۔ حضرت عائشہؓ شادی کے بعد بھی باپ سے بہت ڈرتی تھیں۔ ایک مرتبہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ذرا بلند آواز میں گفتگو کر رہی تھیں کہ اتنے میں حضرت ابوبکرؓ آ گئے اور گفتگو کے انداز کو دیکھ کر برہم ہو گئے اور مارنے کے لیئے ہاتھ اٹھایا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے روک دیا اور حضرت عائشہؓ کو مخاطب کر کے فرمایا دیکھو میں نے تمہیں بچا لیا۔ اولاد سے محبت کا رشتہ حضرت صدیقؓ کو یقیناً بہت عزیز تھا مگر آپ کی نظر میں اسلام کا رشتہ سب رشتوں سے اولیٰ تھا۔ چنانچہ غزوۂ بدر میں آپ کا بیٹا عبدالرحمٰن جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوا تھا کفار کے لشکر میں شامل تھا۔ مسلمان ہونے کے بعد اس نے باپ سے کہا ابا جان آپ بدر میں دو تین مرتبہ میری تلوار کی زد میں آ گئے تھے مگر میں نے ہاتھ روک لیا۔ صدیق اکبرؓ نے جواب دیا۔ بیٹے اگر تم میری تلوار کی زد میں آ جاتے تو میں کبھی نہ چھوڑتا۔

آپ کو یوں تو سب اولاد سے محبت تھی مگر ام المؤمنین حضرت عائشہؓ آپ کو خاص طور پر بہت عزیز تھیں۔ آپ نے انہیں تحفہ محبت کے طور پر کچھ جائیداد وقف کر دی تھی۔ دم نزع بیٹی سے پوچھا کہ کیا وہ یہ جائیداد اپنے بھائی بہنوں کو نہیں دینگی۔ حضرت صدیقؓ کی تربیت یافتہ سعادتمند بیٹی نے بلا توقف کہا بسر وچشم۔ چنانچہ یہ جائیداد سب بھائی بہنوں میں تقسیم ہو گئی۔ حضرت صدیق اکبرؓ کی اولاد کو بھی اپنے محترم باپ سے بہت لگاؤ تھا اور ان کا بڑا احترام کرتے تھے۔ مدینہ پہنچنے کے بعد حضرت صدیقؓ شدید بخار میں مبتلا ہو گئے۔ حضرت عائشہؓ بہت بے چین اور پریشان ہو گئیں۔ فوراً

حضرت سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر دعا کرنے کے لیئے عرض کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا سے نہ صرف حضرت صدیق اکبرؓ صحتیاب ہوئے بلکہ اللہ تبارک تعالیٰ نے مدینہ کی آب وہوا کو مہاجرین کے لیئے ہمیشہ کے لیئے ساز گار بنا دیا۔ اس بیماری میں حضرت عائشہؓ نے جس جانفشانی اور لگن سے باپ کی خدمت اور تیمارداری کی وہ امتِ مسلمہ کی نوجوان نسل کے لیئے ایک لازوال مثال ہے۔

جس طرح اپنے ذاتی اوصاف اور فضائل کیوجہ سے حضرت صدیق اکبرؓ کا درجہ بہت بلند ہے اسی طرح اسلام کی سربلندی کی خاطر جان ومال کی قربانی دینے اور اس خارزار راستہ میں مصائب برداشت کرنے میں بھی آپ سب سے آگے تھے۔ اور آپ کی اولاد بھی الحمداللہ اسی جذبہ سے سرشار تھی چنانچہ ہجرت کا حکم ملتے ہی جس جاں نثاری۔ فدائیت اور بے پناہ لگاؤ سے سارا گھرانہ اس مقدس سفر کی تیاری میں لگ گیا اس کی مثال ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملتی۔ اس بات کا پہلے سے ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اشارہ مل چکا تھا کہ یہ سفر جلد ہی درپیش آنے والا ہے۔ صدیق اکبرؓ پروانہ وار۔ عواقب اور نتائج سے بے پرواہ اور مادی رشتوں سے بے تعلق ہو کر فوری طور پر تیار ہو گئے۔ آپ نے پیش بندی کے طور پر اس سفر کے لیئے دو اونٹنیاں پال رکھی تھیں حکم ملتے ہی ان میں سے ایک آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دی جو اس شرط سے قبول کر لی کہ اس کی قیمت ادا کر دی جائے گی۔ روانگی سے قبل حضرت اسماءؓ نے ساتھ لے جانے کے لیئے ناشتہ تیار کیا ان کے جذبہ کا یہ عالم تھا کہ ان کو باندھنے کے لیئے جب کوئی چیز نہ ملی تو اپنے ٹپکے کو پھاڑ کر اس سے باندھنے کا کام لیا۔ اس واقعہ کی نسبت سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ذات النطاقین، کا خطاب دیا۔ جب سفر کا آغاز ہوا۔ تو ہر قسم کی مشقت اٹھانے اور ہر نوع کے خطرہ کا سامنا کرتے ہوئے حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت میں تین دن غارِ ثور میں قیام فرمایا۔ ان تین دنوں میں یہ انتظام تھا کہ بیٹا عبداللہ صبح سویرے مکہ جا کر وہاں کے حالات پر نظر رکھتا تھا اور غارِ ثور کے محترم مہمانوں کو وہاں کے ارادوں اور منصوبوں سے آگاہ کرتا تھا۔ عامر بن فہیرہؓ جو حضرت صدیقؓ کے آزاد کردہ غلام تھے رات کے اندھیرے میں غار ثور کے دہانے پر بکریوں کا ریوڑ لے آتے۔ تاکہ معزز مہمانوں کے لیئے دودھ کی فراہمی ہو سکے۔ سب سے اہم فریضہ حضرت اسماءؓ کے ذمہ تھا کہ وہ کھانا پکا کر رات کو وہاں پہنچا دیا کریں۔ دنیا کا عام قاعدہ ہے کہ انسان خطرہ سے گھبراتا ہے اور جب اس سے نبٹنا ناگزیر ہو جاتا ہے تو پھر وہ چاہتا ہے کہ کم از کم اپنی اولاد کو اس آزمائش سے بچائے۔ سلام ہو حضرت صدیق اکبرؓ کی عظمت پہ کہ آپ نے اس موقعہ پہ نہ صرف اپنی جان کی پروا نہیں کی بلکہ اپنے بیٹے اور بیٹی کی زندگی اور عزت کی بھی اس اعلیٰ مقصد کے لیئے بازی لگا دی اور اللہ کریم رحمتیں نازل کرے اس محترم بیٹی پر جس نے لق ودق جنگل میں ہر قسم کے خطرہ کا سامنا

کرکے اپنے مقدس فرض کو انجام دیا۔ ایسا جذبہ رکھنے والی خاتون ہی کی گود میں عبداللہ بن زبیرؓ جیسا جری مرد پروان چڑھ سکتا تھا۔

ہر بڑے آدمی میں کوئی نہ کوئی ایسی خصوصیت ہوتی ہے جو اُسے دوسروں سے ممتاز بنا دیتی ہے۔ حضرت ابوبکرؓ بھی بعض اوصاف سے خاص طور پہ متصف تھے ایک نرم دلی اور دوسری ارادہ کی مضبوطی اور قوت ایمانی۔ آپ اپنے سب ساتھیوں اعزا اور احباب کے ساتھ بہت نرمی کا برتاؤ کرتے تھے۔ اور جیساکہ اوپر بیان ہو چکا ہے اپنے والدین اولاد اور لواحقین کے لئے سراپا محبت اور شفقت تھے دوسروں کی تکلیف کو دیکھ کر بے قرار ہو جاتے تھے اس طرح وہ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ کے صحیح معنوں میں مصداق تھے۔ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار فرمایا تھا کہ میری امت میں ابوبکرؓ سب سے زیادہ رحمدل ہیں۔ شاید یہی وجہ تھی کہ اپنے غلاموں کی حالت زار کو دیکھ کر انہیں ننگ انسانیت برتاؤ سے نجات دلوائی۔ اس فطری نرم دلی اور خلق خدا سے ہمدردی کے ساتھ ساتھ وہ اسلام کے بنیادی عقائد اور اصول کے معاملہ میں نیز کفار کے خلاف چٹان کی طرح مضبوط تھے یعنی اشدّ اعلیٰ الکفار کی عملی تفسیر تھے۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد فتنہ ارتداد اور انکار زکوٰۃ جیسے مسائل کا جس بلند ہمتی اور مستقل مزاجی سے مقابلہ کیا اس نے اسلامی تاریخ کا رُخ ہی بدل دیا۔ اسوۂ صحابہؓ کا ایک نمایاں پہلو یہ تھا کہ وہ اپنی ضرورت کے وقت بھی کبھی کسی کے سامنے دست سوال دراز نہیں کرتے تھے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ اس اصول کی اتنی سختی سے پابندی کرتے تھے کہ کبھی معمولی کام میں بھی کسی سے درخواست نہیں کرتے تھے۔ اونٹنی کی سواری میں اگر آپ سے لگام گر جاتی تھی تو اونٹنی کو روک کر خود اُتر کر اسے اٹھاتے تھے جب لوگ کہتے تھے کہ آپ نے ہم سے کیوں نہیں کہا تو فرماتے تھے کہ میرے حبیبؐ نے فرمایا ہے کہ کسی سے کچھ نہ مانگ۔

حضرت ابوبکرؓ کے انفاق مال کا اعتراف خود حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ابوبکرؓ کے مال نے جو مجھ کو نفع پہنچایا وہ کسی اور کے مال نے نہیں پہنچایا۔ وہ ان محترم بزرگوں میں سے تھے جو قوم اور ملت کا ایک پیسہ بھی اپنی ضرورت سے زائد وصول کرنا مناسب نہیں سمجھتے تھے۔ ایک روایت ہے کہ ایک مرتبہ آپ کی اہلیہ نے حلوہ کھانے کی خواہش کا اظہار کیا۔ آپ نے فرمایا اس کی لاگت کی رقم میرے پاس نہیں۔ بیوی نے کہا کہ وہ اپنے نفقہ میں سے بچا کر اس کا انتظام کر لیں گی۔ آپ نے فرمایا کہ ایسی بچت جو آپ کے اخراجات سے زیادہ ہو بیت المال میں جمع کرا دی جائے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ بلکہ آئندہ کے لئے بھی اسی نسبت سے نفقہ میں کمی کرا دی۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی عظمت کی دلیل اس سے بڑھ کر کیا ہو سکتی ہے کہ انتقال سے پہلے آپ نے دریافت فرمایا کہ خلافت کے زمانہ میں آپ نے کتنی رقم بطور وظیفہ وصول کی یہ بہت تھوڑی رقم بنتی تھی مگر آپ نے ہدایت کی کہ

ان کی مملوکہ زمین کو فروخت کر کے یہ رقم بیت المال کو واپس کی جائے اسی طرح یہ بھی دریافت فرمایا کہ خلیفہ ہونے کے بعد آپ کے ذاتی مال میں کتنا اضافہ ہوا ہے۔ جواب دیا گیا کہ ایک غلام جس کا کام مسلمانوں کی تلواروں کو صیقل کرنا تھا۔ ایک اونٹنی جو غریبوں اور بیواؤں کے لیئے پانی لانے کے کام آتی تھی اور ایک چادر فرمایا کہ مجھے ان چیزوں کو رکھنے کا کوئی حق نہیں اس لیئے میری وفات کے بعد یہ تینوں چیزیں میرے جانشین کے حوالے کی جائیں۔ جب حضرت عمرؓ کو یہ چیزیں پہنچائی گئیں تو انکی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور فرمایا ابوبکرؓ تم اپنے جانشین کے لیئے کام بہت سخت کر گئے ہو۔ یہ واقعہ ہمارے معاشرے کے ہر دور میں حکمرانوں کے لیئے ایک انمول درس ہے۔

کسی انسان کے کردار کا صحیح اندازہ اس کی گھریلو زندگی سے ہوتا ہے۔ گھر سے باہر اس کا اصل کردار ظاہرداری اور تصنع کے پردہ میں چھپا رہتا ہے۔ اس لیئے کسی شخص کی سیرت اور کردار کی جانچ کے لیئے اس کی گھریلو زندگی کا بغور مطالعہ بہت ضروری ہے۔ خلیفہ اولؓ کی گھریلو زندگی آپ کی سرکاری زندگی کی طرح اعلیٰ وارفع ہے اور ہر قدم پر امت کو درس حیات دیتی ہے یہ گھریلو زندگی حضور سرور کائنات کے اسوۂ حسنہ کے مطابق استوار ہوئی تھی اس میں والدین کا احترام۔ اولاد سے محبت اور شفقت کا اظہار۔ غلاموں سے ہمدردی۔ ہمسایوں سے موانست کا سلوک۔ خدمت خلق کا جذبہ اور مہمان نوازی یہ سب باتیں ملتی ہیں۔ ان سب اوصاف کے ساتھ قوت ایمانی۔ خدا خوفی۔ اصول پسندی۔ ایثار۔ انکسار و عاجزی آپ کی حیاتِ طیبہ کے نمایاں پہلو ہیں جو رہتی دنیا تک امت کے لیئے خضرِ راہ ثابت ہونگی۔

ثانی اثنین اِذ ہما فی الغار

سرورِ صادقاں، شہِ ابرار
بے گماں افضلِ صحابہ کبار

بر شہِ دوسرا امنّ النّاس
معدنِ جود و مخزنِ اسرار

پیشوائے گروہِ جانبازاں
مقتدائے مہاجر و انصار

تاجدارِ ولایتِ عرفاں
شہریارِ دیارِ عشق شمار

بر بلندیٔ کوہِ ثور چو رفت
کرد آں شاہ را بدوش سوار

ذکرِ خیرش خدا بقرآں کرد
ثانی اثنین اذ ہما فی الغار

فخرؔ آں جانِ صدق پیشِ نبیؐ
کرد جملہ متاعِ خویش نثار

حضرت خواجہ غلام فخر الدین سیالویؒ

جانشینِ رحمتِ عالم

الٰہی جانم از وا ماندگیہا در فشار ستے
کرم فرما بر آں بے مایہ کز خود شرمسار ستے

ز استیلائے حیرت راہِ عرفاں ناپدید آمد
سراب اندر سراب ستے، غبار اندر غبار ستے

ہمہ تشبیبِ من از درد و داغ نارسائیہا
گریز از ہرچہ آئینِ سخن در روزگار ستے

کشیدم ناقۂ افکار را سوئے حجاز آخر
کہ درمانِ دلِ بیتاب خاکِ آں دیار ستے

چناں می بینم آنجا حضرتِ بوبکرؓ در صحرا
بہ محبوبِ حجازی سوئے طیبا رہسپار ستے

نوشتم نامِ صدّیق از قلم لرزید لرزید
ثنا گر را دریں جا با ادب بودن شعار ستے

زبانِ خامہ را یارائے توصیفش نمی باشد
کہ پیشِ زورقِ جاں بحرِ ناپیدا کنار ستے

نسازد فکرِ شاعر با جنونِ ہرزہ گرد اینجا
کہ شہبازِ سخن پیکانِ حسرت را شکار ستے

مقامش ثَانِیَ اثْنَیْنِ است بنگر سرفرازیہا
تعالی اللہ ختم المرسلینؐ را یارِ غار ستے

بزیرِ گنبدِ خضرا، جوارِ سیّدِؐ عالم
بہر جانب نزولِ رحمتِ پروردگار ستے

بہ پہلوئے رسولِ ہاشمیؐ آسودہ آں جانے
کہ نورش در ازل ہادیٔ دیں را پردہ دار ستے

گدازد گرمیٔ آیاتِ قرآں شیشۂ جانش
ولے عزمش بہ حفظِ سطوتِ دیں کوہسار ستے

بہ عالم اتّباعِ فخرِ موجودات را مظہر
نیازِ باطن از سطرِ جبینش آشکار ستے

بدونِ ہمّتِ او عظمتِ کردار نتواں یافت
صفائے سینہ اش اہلِ محبت را عیار ستے

متاعِ خود نثارِ سرورِؐ دیں کرد و جانِ ما
وجودِ حضرتِ صدّیقِ اکبرؓ را نثار ستے

از و ارکانِ اسلام آب و تابِ جاوداں دارد
زمینِ امّتِ ما از جمالش لالہ زار ستے

قیامِ شرعِ پیغمبرؐ بہ دہر از حسنِ تدبیرش
بہ فیضانِ نبوّت اولیا را تاجدار ستے

خود آگاہے کہ دین و ملّت و ایمان و حکمت را
جمالستے، جلالستے، نگارستے، وقار ستے

بود در حشر ہمدوشِ رسولِ پاکؐ و در جنت
بہ بینی تا ابد شانِ رفاقت برقرار ستے

شبِ ہجرت عتیقِ ما رفیقِ مصطفیٰ آمد
چہ محبوبے کہ دمسازِ حبیبِ کردگارستے

زصورت سوئے معنی باز گردیدن بود ہجرت
زہجرت آبروئے بندۂ طاعت گزارستے

رمیدن از علائق، آرمیدن با خدا ہجرت
کہ ہم در مرگ ہجرت از حیاتِ مستعارستے

سرِ احمدؐ بہ زانوئے رفیقش بنگر ایثارے
ابوبکرؓ است و زیرِ پاشنہ دندانِ مارستے

بہ استقبالِ سرورؐ نغمہ ہائے شوق می ریزد
بہ دیدارِ پیمبرؐ جذبہ ہا بے اختیارستے

نفوسِ قدسیہ را بر ثنیات الوداع ایں جا
دلِ ہر ذرہ بیتابانہ وقفِ انتظارستے

خس و خاشاکِ راہِ پاکبازاں بود مے یارب
خس و خاشاک راہم نسبتے با رہگزارستے

بہ شانش آیۂ وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ آمد
زخاصانِ جنابِ احمدؐ استے و زخیارستے

پیمبرؐ اللہ اعترافِ منتش کردہ
چہ حسنِ امتنانستے، چہ شانِ افتخارستے

بہ اخلاصِ عمل در دہر برہانِ خداوندی
چمن زارِ صفا و صدق را ابرِ بہارستے

نگاہِ عظمتش را امتدادِ عالمِ امکاں
دوامش بے نیاز از گردشِ لیل و نہارستے

بہ ظلِّ آں تعین کادستے، منزلے دارد
خدا دانے کہ ادراکش زعجز و انکسارستے

بہ تقدیرِ الٰہی بستہ پیماں نورِ ایمانش
رسولِ پاکؐ را در کارِ امت مستشارستے

امیرِ زائرین و مقتدائے اہلِ دیں آمد
نہالِ شوکتِ اسلامیاں را برگ و بارستے

شہادت می دہد ہم عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰی
کہ از اخلاصِ باطن خستگاں را غمگسارستے

حصارِ دیں مصون باشد زسیلِ فتنہ گاری ہا
بنائے ملتِ ما از نگاہش استوارستے

بہ عالم نورِ احفادش امامِ جعفر صادقؓ
بہ اجداد از جنابِ سیدِؐ عالی تبارستے

بنیک خیرِ ابوبکرؓ است تنویرِ کمالاتش
عمرؓ را گر فضائل مثلِ انجم بے شمارستے

دمِ تیغش دمار از فتنہ پردازاں برآوردہ
زضربِ کاریِ اش خوار و زبوں ہر نابکارستے

دلِ حرماں نصیب از وحشتِ غم لخت لخت آمد
قبائے عظمتِ دیں بر تنِ ما تار تارستے

نگاہِ التفات اے جانشینِ رحمتِ عالم
کہ امت در کشاکش ہائے موجِ اضطرارستے

○

حافظ محمد افضل فقیر

خلیفۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کا اوّلین خطبہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قَالَ رَضِیَ اللہُ عَنْہُ بَعْدَ اَنْ حَمِدَ اللہَ وَاَثْنٰی عَلَیْہِ اَمَّا بَعْدُ اَیُّھَا النَّاسُ :

فَاِنِّی قَدْ وُلِّیْتُ عَلَیْکُمْ وَلَسْتُ بِخَیْرِکُمْ فَاِنْ اَحْسَنْتُ ، فَاَعِیْنُوْنِیْ وَاِنْ اَسَأْتُ فَقَوِّمُوْنِیْ اَلصِّدْقُ اَمَانَۃٌ وَالْکَذِبُ خِیَانَۃٌ ۔ وَالضَّعِیْفُ فِیْکُمْ قَوِیٌّ عِنْدِیْ حَتّٰی اُرِیْحَ عَلَیْہِ حَقَّہٗ اِنْ شَاءَ اللہُ تَعَالٰی وَالْقَوِیُّ فِیْکُمْ ضَعِیْفٌ عِنْدِیْ حَتّٰی اٰخُذَ الْحَقَّ مِنْہُ اِنْ شَاءَ اللہُ لَا یَدَعُ قَوْمٌ اَلْجِھَادَ فِیْ سَبِیْلِ اللہِ اِلَّا ضَرَبَھُمُ اللہُ بِالذُّلِّ وَلَا تَشِیْعُ الْفَاحِشَۃُ فِیْ قَوْمٍ اِلَّا عَمَّھُمُ اللہُ بِالْبَلَاءِ اَطِیْعُوْنِیْ مَا اَطَعْتُ اللہَ وَرَسُوْلَہٗ فَاِنْ عَصَیْتُ اللہَ وَرَسُوْلَہٗ فَلَا طَاعَۃَ لِیْ

عَلَيْكُمْ۔ قُوْمُوْا اِلٰى صَلَاتِكُمْ يَرْحَمُكُمُ اللّٰهُ۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا بحیثیت خلیفہ پہلا خطبہ:۔ (اردو ترجمہ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جب سب لوگوں نے آپ کی بیعت کر لی اور آپ مسند خلافت پر متمکن ہو گئے تو سب سے پہلا خطبہ جو آپ نے ارشاد فرمایا۔ اس کا ترجمہ درج ذیل ہے۔ حمد و صلوٰۃ کے بعد آپ نے کہا:۔

"اے لوگو! میں تمہارا سربراہ مملکت بنایا گیا ہوں۔ میں اپنے آپ کو تم سے افضل نہیں سمجھتا پس اگر میں نیک کام کروں تو تم میری اعانت کرو اور اگر میں بُرا کام کروں تو تم مجھے درست کر دو۔ سچائی امانت ہے اور جھوٹ خیانت ہے تم میں جو ضعیف ہے وہ میرے نزدیک اس وقت تک قوی ہے جب تک میں اسے اس کا حق نہ دلا دوں اور تم میں جو قوی ہے وہ میرے نزدیک ضعیف ہے جب تک میں اس سے دوسرے کا حق نہ لے لوں۔ انشاء اللہ۔ جو قوم راہ خدا میں جہاد ترک کر دیتی ہے اللہ تعالیٰ اس پر ذلت و نکبت مسلط کر دیتا ہے۔ جس قوم میں بے حیائی عام پھیل جاتی ہے اللہ تعالیٰ ان کو مصائب و آفات میں مبتلا کر دیتا ہے۔ تم میری اطاعت کرو جب تک میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتا رہوں اور اگر میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی نافرمانی کروں تو میری اطاعت تم پر لازم نہیں۔ اٹھو نماز ادا کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ تم پر رحم فرمائے۔"

اسلام کا سیاسی نظریہ اور بیعتِ صدیقی

پیر محمد کرم شاہ

آفتابِ نبوت کے طلوع ہونے سے پہلے جہاں کہیں کوئی حکومت قائم تھی وہاں ملوکیت کا نظام اپنی جملہ خرابیوں کے ساتھ نافذ تھا۔ بعض ممالک میں فوجی قوت اور مادی طاقت بادشاہوں کا سہارا تھی اور بعض ممالک میں بادشاہ نے اپنے بارے میں اپنی رعایا کے قلوب واذہان پر یہ تصور قائم کر رکھا تھا کہ ان کے بادشاہ، ان کے معبودوں کی اولاد ہیں اور ان کے احکام کا بجالانا اپنے خداؤں کے احکام بجالانے کی طرح ان پر لازم ہے۔ ایران، چین، جاپان اور کئی دیگر ممالک میں رعایا اپنے حکمرانوں کو صرف خراج ہی ادا نہیں کرتی تھی بلکہ ان کی بندگی اور پرستش کو بھی اپنے لئے اخروی نجات کا ذریعہ یقین کرتی تھی۔

مقصد یہ تھا کہ ان کی رعایا صبر اور سکون کے ساتھ ان کے جور وستم کو برداشت کرتی رہے، انکی لوٹ کھسوٹ کے سامنے دم تک نہ مارے، ان کے شبستانِ عیش ونشاط کی رونقوں میں اضافہ کرنے کے لئے کسی قربانی سے دریغ نہ کرے، ان بادشاہوں کے صرف حقوق تھے، جن کی ادائیگی ان کی رعایا پر ضروری تھی۔ ان پر اپنے عوام کی طرف سے کوئی فرائض عائد نہ ہوتے تھے۔ جن کے بارے میں وہ ان سے باز پُرس کر سکیں۔ رعایا تنگ آکر ایک ظالم اور ستم شعار بادشاہ کے خلاف تو بغاوت کر سکتی ہے لیکن اپنے معبود کے خلاف سرکشی کا تصور کسی پرستار کے ذہن میں پیدا نہیں ہو سکتا۔

شرق وغرب میں جتنی شہنشاہیاں قائم تھیں۔ ان میں تین چیزیں بطور قدرِ مشترک تھیں۔

(۱) بادشاہ کے منہ سے نکلی ہوئی ہر بات ایک قانون ہے۔ جس کی خلاف ورزی جرم ہے۔

(۲) بادشاہ ہر قسم کے قانونی مؤاخذہ سے بالاتر ہے۔ وہ بے گناہوں کے کشتوں کے پشتے لگا دے، وہ لوگوں کے مال و دولت پر ڈاکے ڈالتا رہے، وہ لوگوں کی عصمتوں کو برباد کرتا رہے اس سے کوئی بھی باز پُرس نہیں کر سکتا۔

(۳) بادشاہ کا جانشین اس کا بیٹا یا اس کا قریبی وارث ہی ہو سکتا ہے۔ شاہی خاندان کے علاوہ کوئی شخص بھی قصر شاہی پر نہیں بیٹھ سکتا۔ خواہ علم وفضل، معاملہ فہمی، عاقبت اندیشی میں وہ اپنی نظیر نہ رکھتا ہو۔ اس غلط نظام کے باعث کروڑوں لوگ ایک آدمی کے رحم وکرم پر اپنی زندگیاں بسر کرتے۔ وہ اس نظام کی سنگدلیوں سے شکوہ بلب ضرور تھے، لیکن انہوں نے اسے ایک ناگزیر حقیقت کے طور پر قبول کر لیا تھا۔ ان کے ذہن میں اس نظام سے رستگاری حاصل کرنے کا کبھی حوصلہ ہی پیدا نہیں ہوا تھا۔

اسلام نے جہاں زندگی کے دوسرے شعبوں میں خوش آئند تبدیلیاں برپا کیں وہاں ملوکیت کے نظام کو بھی درہم برہم کر کے رکھ دیا۔ اس نے اپنے سیاسی نظام سے مَلِک اور بادشاہ کا لفظ ہی خارج کر دیا کیونکہ ان لفظوں سے بھی خودسری، مطلق العنانی اور حاکم حقیقی ہونے کی بُو آتی ہے۔ اس نے خلیفہ کا لقب، سربراہ مملکت کے لئے پسند فرمایا جو ان تمام غلط تصورات سے بالاتر ہے۔ جس کا معنی نائب ہے اور نائب وہ ہوتا ہے جو اپنے مالک کے منشا اور مرضی کے مطابق اپنے اختیارات کو استعمال کرے۔ اس لفظی تبدیلی میں ہی حکمران طبقہ کے ناروا اور غیر محدود اختیارات پر ضرب کاری لگا دی اور ان سے وہ تمام حقوق سلب کر لئے جن کے بل بوتے پر وہ مخلوقِ خدا پر مشق ستم کیا کرتے تھے۔

دوسری تبدیلی یہ کی کہ حکم، سلطانِ وقت کا نہیں چلے گا بلکہ اللہ تعالیٰ کا چلے گا جو سب کا خالق و مالک ہے۔ خلیفہ کا کام بادشاہ حقیقی، رب العالمین کی منشا کے مطابق ملک میں امن وامان برقرار رکھنا عدل وانصاف کی بالادستی قائم کرنا حقوق وفرائض میں ہم آہنگی کو ہر لحظہ پیش نظر رکھنا۔

تیسری تبدیلی یہ ہوئی کہ مسند حکومت کسی کی ذاتی جاگیر نہیں کہ اس کے بعد اس کا بیٹا یا دوسرا کوئی قریبی وارث اس پر متمکن ہو جائے بلکہ یہ منصب لوگوں کا حق ہے۔ اپنے میں سے جس کو وہ ان فرائض کی انجام دہی کے لئے موزوں خیال کریں اُسے اپنا امیر اور سربراہ مملکت چن سکتے ہیں۔

حضور رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نظام حکومت میں بر دُور رس انقلابی تجاویز اور پھر ان کو عملی جامہ اس وقت پہنایا جبکہ شرق وغرب میں کوئی مفکر اور دانشور ایسی تبدیلی کے بارے میں سوچنے کی جرأت نہیں کر سکتا تھا۔ نبی برحق علیہ الصلوٰۃ والسلام نے لاقیصر و لاکسریٰ کا لرزہ خیز اعلان اس وقت کیا۔ جب مشرق میں وسیع وعریض ممالک پر کسریٰ کی شہنشاہی کا پرچم لہرا رہا تھا اور مغرب میں قیصر کی عظمت کے ڈنکے بج رہے تھے۔ کیا کوئی انسان اس وقت یہ سوچ بھی سکتا تھا کہ بہت جلد وہ دن طلوع ہونے والا ہے جبکہ نہ قیصریت رہے گی اور نہ کسرویت۔ نبی رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے دلنشین ارشادات سے اور اپنی تئیس سالہ پاکیزہ زندگی سے اپنے ماننے والوں کے دلوں میں ان نقوش کو راسخ کر دیا۔ انہیں اپنے آقا کے ارشادات پر یقین محکم تھا۔ ان کا یہ ایمان تھا کہ سیاست کی پہلی بساط الٹ دی جائیگی اب انسانوں کو بھیڑوں بکریوں کا ریوڑ سمجھنے والے بادشاہ ان پر حکومت نہیں کریں گے۔ بلکہ جس کو اب وہ

مناسب سمجھیں گے اس منصب پر فائز کردیں گے۔

سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی موجودگی میں ہی ایک اسلامی ریاست معرضِ وجود میں آچکی تھی جو حجاز، یمن اور دیگر ملحقہ علاقوں پر مشتمل تھی۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ (پیرس) کی تحقیق کے مطابق اس اسلامی سلطنت کا رقبہ دس لاکھ مربع میل تھا۔ حضور نے اپنی جانشینی کے لئے نام لے کر کسی کو نامزد نہیں کیا بلکہ وَاَمۡرُهُمۡ شُوۡرٰى بَيۡنَهُمۡ کے فرمانِ الٰہی کے مطابق امیر کے انتخاب کو مسلمانوں کی صوابدید پر چھوڑ دیا کہ وہ جس کو اس منصب کا اہل خیال کریں اسے منتخب کرلیں۔

نظامِ حکومت کے بارے میں مسلمانوں میں دو مختلف مکتبِ فکر قدیم زمانہ سے موجود ہیں۔ ایک مکتبِ فکر اہلسنت کا ہے جو امت کا سوادِ اعظم ہے اور ایک دو ممالک کے علاوہ تمام اسلامی ممالک میں ان کی غالب اکثریت ہے۔ دوسرا مکتبِ فکر شیعہ حضرات کا ہے جنہیں ایران میں عددی کثرت میسّر ہے۔ عراق میں بھی ان کی تعداد نصف کے لگ بھگ ہے دیگر تمام اسلامی ممالک میں وہ اقلیت میں ہیں۔

اہلسنت کا مسلک وہی ہے جو اسلام کی انقلابی روح کا آئینہ دار ہے اس میں ریاست کی ذمہ داری اس شخص کو سونپی جاتی ہے جس کو امتِ مسلمہ اپنی سربراہی کے لیے پسند کرے اس میں سیدنا علی اور حضرت سیدہ کی اولاد میں سے ہونا ضروری نہیں۔ اس میں میراث کا نظام بھی جاری نہیں ہوتا، یہی وہ چیز ہے جو اسلامی نظامِ سیاست کو دیگر سیاسی نظاموں سے ممتاز کرتی ہے لیکن شیعہ حضرات کا یہ نظریہ ہے کہ خلافت مصالحِ عامہ میں سے نہیں تاکہ اسے عوام کے غور و تدبر کے سپرد کر دیا جائے اور اسکی تعیین کا اختیار امت کو دیا جائے بلکہ یہ دین کا ایک رکن ہے اور اسلام کا ایک بنیادی مسئلہ ہے اور نبی کے لئے جائز نہیں کہ خلیفہ کے تقرر سے غفلت برتے یا اس کے تقرر کی ذمہ داری عوام کے سپرد کر دے بَلْ يَجِبُ عَلَيۡهِ تَعۡيِيۡنُ الۡاِمَامِ لَهُمۡ، وَيَكُوۡنُ مَعۡصُوۡمًا مِنَ الۡكَبَائِرِ وَالصَّغَائِرِ۔ یعنی نبی پر واجب ہے کہ وہ امام کا تعین کرے اور امام ایسا ہونا چاہیئے جو کبائر و صغائر ہر قسم کے گناہوں سے معصوم ہو۔ اور یہ ہستی سیدنا علی المرتضیٰ کی ہے۔ پھر یہ بطور ورثہ حضرت سیدہ کی اولاد میں منتقل ہوتی چلی جاتی ہے۔ اور ہر امام نص سے مقرر ہوتا ہے۔

اس نظریہ کے عملی پہلو کو چند لمحوں کے لئے رہنے دیجئے۔ اس کے نظری پہلو پر غور فرمایئے آپ کو ماننا پڑے گا کہ اگر یہ نظریہ اسلام کا نظریہ ہے تو یہ قطعاً کوئی جدید اور انقلاب آفرین نظریہ نہیں بلکہ اسی پرانے نظامِ ملوکیت کی ایک نئی شکل ہے اسی ملوکیت کو مذہبی تقدس کا لباس پہنا کر پیش کیا گیا ہے۔ اگر وہاں قیصر کی اولاد، قیصر کی جانشین ہو سکتی ہے اور دوسرا کوئی نہیں ہو سکتا، تو یہاں بھی سیدنا علی اور حضرت سیدہ کی نسل سے ہی کوئی شخص اس مرتبہ پر فائز ہو سکتا ہے کسی غیر کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ خود اس مسند پر متمکن ہو جائے یا قوم، زمامِ اقتدار اس کے ہاتھوں میں پکڑا دے۔

اس نظریہ کا عملی پہلو شیعہ کے لئے بھی بڑی پریشانیوں اور ہولناک نتائج کا باعث ثابت ہوا۔
بہت جلد ان میں مذہبی تفرقہ بازی کا دروازہ کھل گیا۔ ہر فرقہ، دوسرے فرقہ کو گمراہ بلکہ خارج از اسلام قرار دینے لگا۔ اس طرح یہ مسلک مختلف متضاد اور متحارب گروہوں میں بٹتا چلا گیا۔ ان کا پہلا اختلاف تو خود سیدنا علی کے بارے میں ہے۔ ایک فرقہ کہتا ہے کہ جن نصوص سے آپ کی امامت ثابت ہے ان میں آپ کے ایسے اوصاف بیان ہوئے ہیں جو بجز آپ کے کسی میں نہیں پائے جاتے۔ اس رائے کے قائلین زیدیہ کہلاتے ہیں۔ جن لوگوں نے آپ کو چھوڑ کر شیخین کو اپنا خلیفہ مقرر کیا ہے ان کے بارے میں وہ کہتے ہیں کہ نصوص کے سمجھنے میں اور ان کی تطبیق میں ان سے غلطی ہوئی ہے زیدیہ، نہ شیخین سے برأت کا اظہار کرتے ہیں اور نہ ان کی امامت پر زبان طعن دراز کرتے وہ کہتے ہیں کہ سیدنا علی سب سے افضل اور شیخین مفضول۔ لیکن افضل کی موجودگی میں مفضول امام مقرر ہو سکتا ہے۔ دوسرا فریق کہتا ہے کہ جن نصوص سے آپ کی جانشینی ثابت ہے اس میں آپ کا نام لے کر تعیین کی گئی ہے اس لئے آپ کو چھوڑ کر کسی دوسرے کو خلیفہ مقرر کرنا ضلالت و گمراہی ہے۔ سیدنا علی کے بعد پھر وہ بٹ گئے۔ بعض کہتے ہیں کہ امامت سیدہ طاہرہ رضی اللہ عنہا کی اولاد میں منحصر ہے اور ہر امام کا نام نصاً ثابت ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ سیدہ طاہرہ کی نسل سے امام کا ہونا تو ضروری ہے لیکن ہر ایک کا منصوص ہونا ضروری نہیں بلکہ اس خاندان کے شیوخ اپنے میں سے کسی ایسے شخص کو منتخب کر سکتے ہیں جو عالم، زاہد، سخی اور شجاع ہو۔ ساتھ ہی یہ بھی ضروری ہے کہ وہ لوگوں کو اپنی امامت قبول کرنے کی اعلانیہ دعوت بھی دے یہ نظریہ حضرت زید کا ہے جو حضرت امام علی زین العابدین کے فرزند ہیں اور امام محمد باقر کے برادر گرامی ہیں۔ حضرات حسنین کریمین کے بعد امام منصوص کون ہے اس میں پھر ان کا باہمی اختلاف ہے۔ بعض نے ان کے بھائی حضرت محمد بن حنفیہ کو امام مانا ہے۔ جیسے جیسے یہ سلسلہ دراز ہوتا گیا ان میں بھی امام کے بارے میں اختلاف پیدا ہونے لگے اور یہ بھی کئی فرقوں میں بٹ گئے، اسی طرح زیدیہ میں بھی باہمی انتشار پیدا ہو گیا۔

اب رہے امامیہ تو ان کی کہانی بھی کسی سے کم عبرتناک نہیں۔ ان کے نزدیک سیدنا علی کی وصیت سے حضرت حسن، پھر امام حسین، پھر امام زین العابدین پھر امام محمد باقر پھر آپ کے صاحبزادے جعفر صادق، اس کے بعد پھر یہ دو حصوں میں بٹ گئے۔ بعض نے آپ کے فرزند حضرت اسماعیل کو اور بعض نے حضرت موسیٰ کاظم کو امام منصوص مانا ہے۔ امامیہ اثنا عشریہ جو بڑی سختی سے اس عقیدہ پر قائم تھے کہ امام منصوص اور معصوم ہونا چاہیئے وہ بھی بمشکل گیارہویں امام حضرت حسن عسکری تک پہنچے۔ آگے وہ بھی اس سلسلہ کو دراز نہ کر سکے اور آخر کار انہیں امام غائب کا سہارا لینا پڑا جو بقول ان کے پانچ سال کی عمر میں اپنے دشمنوں کے خوف سے ایک غار میں پناہ گزیں ہو گئے۔ یہ واقعہ ۲۶۰ھ کا ہے۔ اس وقت سے لے کر آج تک وہ روپوش ہیں۔ ان کی تشریف آوری کی مختلف تاریخیں وقتاً فوقتاً مقرر کی جاتی رہیں لیکن

امام تشریف نہ لائے۔ شیعہ حضرات صدہا سال تک مغرب کے وقت اس مزعومہ غار کے دہانے پر اکٹھے ہوتے رہے، فریادیں کرتے رہے، منتیں مانتے رہے لیکن بے سود۔

ہمیں ان کے عقیدہ پر اعتراض کا حق نہیں وہ جو چاہیں عقیدہ اختیار کر لیں کیونکہ ہر شخص اپنے عقیدہ کی جزا و سزا کا خود ہی متحمل ہوتا ہے لیکن یہ سوچنے کا حق تو ہمیں بہرحال ہے کہ جن اغراض عالیہ اور مقاصد رفیعہ کی تکمیل کے لیے منصوص اور معصوم خلیفہ کا بالفعل وجود لازمی قرار دیا گیا تھا۔ تقریباً گیارہ صدیوں سے امام غائب ہیں۔ کیا ان اغراض و مقاصد کی تکمیل ہو رہی ہے۔ جن نصوص کا سہارا لے کر اس عقیدہ کی عمارت تعمیر کی گئی تھی کیا وہ اب منسوخ یا معطل ہو گئی ہیں۔ اتنے اہم اور ضروری کام کو قدرت نے یوں مسلسل کیوں نظر انداز کر رکھا ہے۔ ان کی غیر موجودگی میں امت گمراہی کے گڑھے میں گرتی چلی جا رہی ہے اس کا ذمہ دار کون ہے۔ کیا امام منتظر امت مسلمہ کی خستہ حالی کا مشاہدہ فرما رہے ہیں اور روٹھے بیٹھے ہیں۔ ہمیں تو یہ گتھی سلجھتی نظر نہیں آتی۔

پھر غور طلب امر یہ ہے کہ ہر زمانہ میں ایک منصوص اور معصوم امام کی ضرورت کیوں محسوس کی گئی کیا حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دین کا کام ادھورا اور نامکمل چھوڑا تھا جس کی تکمیل کے لئے سیدنا علی تشریف لائے؟ کیا علی مرتضیٰ سے کوئی کمی رہ گئی تھی العیاذ باللہ جس کی تکمیل سیدنا امام حسن مجتبیٰ نے کی۔ ہمارا تو یہ ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ کا محبوب کریم دین کی تکمیل کرنے کے بعد شریعت مطہرہ کا محل مضبوط بنیادوں پر تعمیر کرنے کے بعد رفیق اعلیٰ کی طرف مراجعت فرما ہوا۔ اس کی تصدیق خود رب السموات والارضین نے حجۃ الوداع کے موقع پر میدان عرفات میں یہ آیہ کریمہ نازل کر کے فرما دی۔

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا

یہ دین قیامت تک کے لئے اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ دین ہے۔ باقی رہا ہر لحظہ پھیلتی ہوئی اسلامی دنیا میں اس کا نفاذ، ہر داخلی انتشار اور بیرونی یلغار سے اس کا تحفظ، یہ امت کی اجتماعی ذمہ داری ہے اور جس کو وہ موزوں اور اہل خیال کرے یہ خدمت انجام دینے کے لئے اس کو منتخب کرے اگر وہ عزم و یقین کے ساتھ اپنے فرائض انجام دیتا رہتا ہے تو فبہا۔ ورنہ اس کو معزول کر کے کسی دوسرے شخص کو یہ خدمت سپرد کی جا سکتی ہے۔ اگر ایران کے شیعہ نظام اسلام کے نفاذ کے لئے جناب آیۃ اللہ خمینی کو اپنا راہنما اور امام مقرر کر لیتے ہیں اور ان کی جاندار اور دیدہ ور قیادت میں شہنشاہی کی لعنت سے نجات حاصل کر لیتے ہیں اور اسلامی بنیادوں پر ایک پاکیزہ معاشرہ قائم کرنے کا آغاز کر سکتے ہیں حالانکہ خمینی کی امامت کسی نص سے بھی ثابت نہیں وہ معصوم بھی نہیں۔ اور وہ دامان سعادت سے بھی نہیں اور ابھی امام منتظر غار میں ہی قیام فرما ہیں۔ اگر آج کل ایک شخصیت امام کی غیر موجودگی میں یہ کارنامہ انجام دے رہی ہے تو ۲۶۰ھ سے لے کر ۱۳۹۹ھ تک اسلامی معاشرہ اتنا بنجر اور بانجھ تھا کہ ان میں کوئی مرد کار اس فریضہ کو انجام دینے کے لیے ظاہر نہیں

ہوا۔ دل اس کو تسلیم کرنے کے لئے ہرگز تیار نہیں۔

واقعات کی روشنی میں اگر ان آراء و افکار کا دقتِ نظر سے تجزیہ کیا جائے تو ماننا پڑتا ہے کہ تقرر خلیفہ کے بارے میں جمہور امت (اہلسنت) کا نظریہ ہی صحیح ہے۔ دین فطرت کے اصول و قواعد اسی کی تصدیق کرتے ہیں۔

سرور عالمیاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی امت کو ایک کتاب مبین، ایک جامع نظام حیات اور ایک نوخیز مملکت عطا فرمائی جس میں پھیلنے کی بے پناہ قوتیں موجود تھیں۔ جس مقصد گرامی کی تکمیل کے لئے اللہ تعالیٰ نے حضور کو مبعوث فرمایا تھا۔ اس کی تکمیل ہو چکی تھی۔ رفیقِ اعلیٰ کی طرف رجوع کرنے کی گھڑی قریب آرہی تھی۔ بظاہر مصلحت کا تقاضا تو یہ تھا کہ حضور کسی کو اپنا جانشین مقرر فرمادیتے۔ حضور جسے بھی مقرر فرمادیتے سب صدق دل سے اسے قبول کر لیتے لیکن اگر ایسا کیا جاتا تو سیاست کی سنگلاخ اور اداس وادیوں میں روح پرور تبدیلیوں اور خوش آئند انقلابات کے جو گلشن نگاہِ مصطفوی نے سجائے تھے ان کا حسن ماند پڑ جاتا، جس عمل کو سند بناتے ہوئے ہر حاکم جس کو چاہتا اپنا جانشین بنا لیتا۔ یوں جمہوریت کی روح نشو و نما پانے سے پہلے ہی کچل دی جاتی اس لئے رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی امت پر بلکہ ساری نوع انسانی پر کرم فرماتے ہوئے کسی کو نامزد نہیں کیا۔ لیکن ایسے اشارات ضرور فرمادیئے جن سے ہر ذی فہم حضور کا مدعا بآسانی سمجھ سکتا۔ چنانچہ آخری علالت میں جب نقاہت زیادہ ہو گئی اور مسجد میں جا کر امامت کرنا مشکل ہو گیا تو کریم آقا نے ارشاد فرمایا۔ مُرُوْا اَبَا بَکْرٍ فَلْیُصَلِّ بِالنَّاسِ۔ یعنی ابوبکر کو حکم دو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔

حضرت صدیقہ نے عرض کی یارسول اللہ! ابوبکر بڑے نرم دل ہیں جب وہ آپ کے مصلّی پر کھڑے ہوں گے تو ان پر گریہ و رقت طاری ہو گی اور لوگ ان کی قرأت کو نہ سن سکیں گے۔ قَالَ مُرُوْا اَبَا بَکْرٍ فَلْیُصَلِّ بِالنَّاسِ فَاِنَّکُنَّ صَوَاحِبُ یُوْسُفَ۔ حضور نے سختی سے حکم دیا کہ ابوبکر کو کہو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائے۔ بیشک تم وہی عورتیں ہو جنہوں نے یوسف کو بہکانا چاہا تھا۔

حضور کے اس ارشاد سے اہل فہم کے لئے یہ سمجھنا دشوار نہ رہا کہ اس موقع پر صدیق کو خصوصی طور پر اپنے مصلّی پر کھڑا کرنا اور تمام حلقہ بگوشانِ اسلام کو جن میں سیدنا علی اور خاندان بنی ہاشم کی دوسری عظیم المرتبت ہستیاں بھی تھیں ان سب کو آپ کی اقتدا میں نماز ادا کرنے کا حکم دینا اس بات کی طرف اشارہ ہے۔ اور یہ نیابت ایک دفعہ یا دو دفعہ نہیں بلکہ حضور کی موجودگی میں سترہ نمازوں میں آپ نے امامت کرائی اور حضور اس منظر کو دیکھ دیکھ کر خوش ہوتے رہے۔

حضرت صدیقہ سے ہی مروی ہے

لَمَّا ثَقُلَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دَعَا عَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ اَبِیْ بَکْرٍ

وَقَالَ ائْتُونِي بِكَتِفٍ حَتَّى اَكْتُبَ لِاَبِي بَكْرٍ كِتَابًا لَا يُخْتَلَفُ عَلَيْهِ فَذَهَبَ عبد الرحمن لِيَقُومَ فَقَالَ اِجْلِسْ اَبَى اللّٰهُ والمومنون اَنْ يُخْتَلَفَ عَلٰى ابى بكر (طبقات ابن سلام)

(ترجمہ :۔ جب حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طبیعت زیادہ ناساز ہوئی تو حضور نے عبدالرحمن بن ابی بکر کو حکم دیا کہ وہ کندھے کی ہڈی لے آئیں تاکہ ابوبکر کے لئے میں لکھ دوں تاکہ کسی کو مجالِ اختلاف نہ رہے ۔ عبدالرحمن اٹھنے لگے ، فرمایا بیٹھ جاؤ لکھنے کی ضرورت نہیں اللہ تعالیٰ اور مسلمان انکار کرتے ہیں کہ ابوبکر کے بارے میں اختلاف کیا جائے ۔)

آخر وہ جان فرسا لمحہ آ ہی گیا جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام دلوں کو سوگوار ، روحوں کو بے قرار اور دیدہ ہائے شوق کو اشکبار چھوڑ کر عالم فانی سے منہ موڑ کر عالم بقا کی طرف روانہ ہوئے ۔ مسلمانوں کے لئے یہ لمحے قیامت سے کم نہ تھے ۔ جس کو ایک لمحہ دیکھے بغیر ان کو قرار نہیں آتا تھا ۔ کیا وہ روئے زیبا انہیں پھر کبھی نظر نہ آئے گا ۔ یہ تصور کر کے وہ کانپ جاتے ان کے دلوں پر کلہاڑے چلنے لگتے ۔ بعض اپنے ہوش و حواس بھی فرطِ غم سے کھو بیٹھے تھے ۔ سنح ، مدینہ طیبہ کے نواح میں ایک چھوٹی سی بستی ہے ، حضرت صدیق اپنے اہل خانہ کے ساتھ وہاں رہائش پذیر تھے ۔ بارہ ربیع الاول ۱۱ھ صبح کی نماز مسجد نبوی میں ادا کی ۔ اس روز حضور کا مزاج گرامی سنبھلا ہوا تھا آپ واپس سنح چلے گئے ۔ چاشت کے وقت سانحہ ارتحال پیش آیا ۔ ایک صحابی دوڑتے ہوئے گئے اور جا کر آپ کو اس روح فرسا حادثہ کی اطلاع دی ۔ آپ فوراً واپس لوٹے وہاں پہنچے تو دیکھا صحابہ کی حالت غیر ہے ۔ حضرت عمر خصوصاً اپنے آپ میں نہیں ، حجرہ مبارکہ میں حاضر ہوئے جہاں رحمتِ عالم کا جسد اطہر رکھا ہوا تھا ۔ چہرہ مبارک سے چادر ہٹائی ، جبین سعادت پر بوسہ دیا ، دل نیاز کیش کی طرف سے بارگاہ جمال میں ہدیہ نیاز و عقیدت پیش کیا اور باہر آ گئے ۔ صحابہ کے مجمع میں ایک مختصر سی تقریر فرمائی جس سے صحابہ کرام کو کچھ صبر و قرار نصیب ہوا ۔ دین کے غیر محفوظ مستقبل کے بارے میں جو اندیشے انہیں پریشان کر رہے تھے ۔ ان میں تخفیف ہو گئی ۔ اسی اثناء میں ایک آدمی دوڑتا ہوا آیا جس نے آ کر یہ خبر سنائی کہ سقیفہ بنی ساعدہ میں انصار جمع ہیں اور وہ سعد بن عبادہ (رئیس قبیلہ خزرج) کو اپنا امیر بنانے کا فیصلہ کر چکے ہیں اور اب سب ان کی بیعت کرنے والے ہیں ۔ آپ ہی بتائیے کیا ابوبکر اور عمر یہ سن کر بھی وہاں بیٹھے رہتے اور سقیفہ میں نہ جاتے اور انصار کو اپنی من مانی کرنے دیتے ۔ اگر اس فیصلہ کو عملی جامہ پہنا دیا جاتا اور حضرت سعد کے ہاتھ پر انصار بیعت کر لیتے تو اس کے نتائج کتنے تباہ کن ہوتے شاید آپ میں یہ ہمت ہو کہ آپ باد صرصر کے تند جھونکوں کو گلشن اسلام کی بیخ کنی کی اجازت دے دیں اور اس منظر کا بخوشی مشاہدہ کرتے رہیں لیکن ابوبکر و عمر یقیناً ایسا نہیں کر سکتے تھے ۔ یہ باغ ، انکے محبوب آقا نے لگایا تھا ۔ اپنے خون ناب سے ، اپنے پاک آنسوؤں سے اس کی آبیاری کی تھی اور اسے جوان کیا تھا ۔ اپنے مرشد کی معیت میں انھوں نے بھی اپنی زندگیاں ، اپنی توانائیاں اور جملہ صلاحیتیں

اس دین حق کو پروان چڑھانے میں صرف کی تھیں - ان کا ایمان، انہیں مجبور کر رہا تھا کہ یہاں مت بیٹھو بلکہ ایک لمحہ ضائع کئے بغیر اس خطرے کے مقام پر پہنچو جہاں نوزائیدہ اسلام کو خطرہ درپیش ہے۔ اسلام سے قلبی تعلق اور اپنے آقا سے جو عہد وفا انہوں نے باندھا تھا۔ دونوں کو کشاں کشاں وہاں لے گیا۔ آپ کا قطعاً ارادہ نہ تھا کہ آپ اپنی خلافت کی بیعت لوگوں سے لیں۔ آپ نے تو ایک فتنہ کی آگ بھڑک اٹھنے کی وحشت ناک خبر سنی تھی اس کو بجھانے کے لئے وہاں تشریف لے گئے تھے۔ حالات نے اچانک ایسا رُخ اختیار کیا کہ اس کے بغیر کوئی چارہ کار نہ رہا کہ آپ لوگوں کی بیعت کو قبول کریں۔ ایک لمحہ کی تاخیر حشر بپا کر سکتی تھی۔

چودہ صدیوں کے بعد آج یہ الزام لگانا کہ آپ حضور کو یوں ہی چھوڑ کر چلے گئے، انہیں خلافت کا لالچ تھا۔ حضور سے محبت نہ تھی، یہ الزام انتہائی غیر ذمہ دارانہ ہے۔ جس شخص نے اپنا تن، من، دھن سب کچھ اپنے ہادی برحق کے قدموں پر نثار کر دیا ہو، جس نے ہر پُر خطر موقع پر اپنے آقا کا ساتھ دیا ہو، دنیا کی صحبت میں کوئی بھی جس کے صدق و وفا کا مقابلہ نہ کر سکتا ہو ایسی ہستی کے بارے میں اس قسم کا تصور بھی دل میں پیدا ہو تو اسے شیطان کی وسوسہ اندازی یقین کرنا چاہیے۔

سقیفہ بنی ساعدہ میں جو کچھ ہوا، حالات نے جس تیزی سے کروٹ لی، اور اس پر جو انمٹ نتائج مرتب ہوئے ان کی تاریخی اہمیت ناقابل انکار ہے، اور اس تاریخی حیثیت نے اس واقع کو ایک چیستان بنا کر رکھ دیا ہے۔ طرح طرح کی روایات کا ایک طومار ہے۔ جس میں حق کو باطل سے جدا کرنا بڑے دل گردے کا کام ہے۔ یہاں سنبھل سنبھل کر قدم اٹھاتے ہوئے ہم آگے بڑھیں گے۔ ہر قول وحکایت کو روایت و درایت کی کسوٹی پر پرکھیں گے۔ تاکہ حقیقت کا رخِ زیبا نکھر کر سامنے آجائے۔ ربنا علیک توکلنا۔

اس بحث کو شروع کرنے سے پہلے ایک حقیقت کی طرف آپ کی توجہ مبذول کرانا چاہتا ہوں۔

ہر زمانہ کا تالیف و تصنیف کا انداز جدا جدا ہوتا ہے اگر ان خصوصیات کو پیش نظر نہ رکھا جائے تو ان کتب سے صحیح استفادہ نہیں کیا جا سکتا۔ بلکہ طرح طرح کی غلط فہمیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ دیگر علوم کی کتب کی طرح تاریخ کی کتب جو مختلف زمانوں میں مرتب کی گئیں ان کا اسلوبِ نگارش بھی جدا جدا ہے آج کل تاریخ کی کتب لکھنے کا طریقہ یہ ہے کہ اگر ایک واقعہ کے بارے میں مختلف اقوال مروی ہوں تو مصنف ان میں سے اپنا پسندیدہ قول نقل کر دیتا ہے اور دیگر اقوال نقل کرنا اپنی ذمہ داری نہیں سمجھتا لیکن قدماء مؤرخین کا یہ اسلوب نہ تھا۔ انہیں ایک واقعہ کے بارے میں جتنے اقوال ملتے وہ ان سب کو ضبط تحریر میں لاتے اور اس کو وہ اپنی علمی دیانت سمجھتے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ وہ ہر روایت کی سند بھی بتمامہ نقل کر دیتے اور قاری سے یہ توقع رکھتے کہ وہ خود فیصلہ کرے۔ کہ ان میں سے کون سا قول صحیح ہے اور کون سا غلط۔ ہمارے طلبہ جو آج کل کے مؤرخین کی تصنیفات کے

مطالعہ کے عادی ہیں وہ اس صورت حال سے واقف نہیں ہر قول جو وہ کسی کتاب میں دیکھتے ہیں اسے مصنف کے سر تھوپ دیتے ہیں کہ طبری نے اپنی تاریخ میں یا ابنِ اثیر نے الکامل میں یا ابن کثیر نے البدایہ والنھایہ میں یوں لکھا ہے، بیشک لکھا ہے لیکن ساتھ اس کی سند بیان کر کے اس نے اپنی مؤرخانہ ذمہ داری پوری کر دی۔ اب یہ فرض ہم پر عائد ہوتا ہے کہ ہم سوچیں اور صحیح و سقیم میں امتیاز کریں۔

اب چلئے ہم آپ کو سقیفہ بنی ساعدہ کی طرف لے چلتے ہیں، وہاں جو واقعات رونما ہوئے ان کے بارے میں مختلف روایات آپ کے گوش گزار کرتے ہیں۔ پھر آپ کی عقل سلیم کو زحمت دیں گے کہ وہ خود فیصلہ کرے کہ ان میں سے کون سی بات قابلِ اعتماد ہے۔

پہلے ہم آپ کی خدمت میں طبری کی اس روایت کا خلاصہ پیش کرتے ہیں جس کی ابتدا انہوں نے یوں کی ہے۔

حدثنا ھشام بن محمد عن ابی مخنف یعنی یہ واقعہ بیان کیا ہم سے ہشام بن محمد نے اس نے ابو مخنف سے روایت کیا (جس کا خلاصہ درج ذیل ہے)

سقیفہ بنی ساعدہ میں انصار کا اجتماع ہوا۔ جس میں حضرت سعد بن عبادہ نے بھی شرکت کی۔ بیماری کے باعث اپنے بیٹے کو اپنا متکلم بنایا۔ تقریر میں انصار کی خدمات کے طویل تذکرے کے بعد بتایا کہ انصار خلافت کے سب سے زیادہ حقدار ہیں۔ حضور ان کی خدمات سے ہمیشہ خوش ہوئے اور جب یہاں سے رخصت ہوئے تو بھی ان سے خوش تھے۔ سب نے ان کی تائید کی اور فیصلہ کن انداز میں کہا ہم تمہیں اپنا خلیفہ مقرر کرتے ہیں۔ ابھی گفتگو کا سلسلہ شروع تھا تو اس امکان پر بحث چھڑ گئی کہ اگر مہاجرین نے اسے نہ مانا تو پھر کیا ہوگا۔ بعض نے کہا اس صورت میں ہم کہیں گے اِذًا مِنَّا امیرٌ و منکم امیرٌ۔ کہ ایک امیر ہم میں سے اور ایک تم میں سے ہو۔ سعد نے سُن کر کہا۔ یہ پہلی کمزوری ہے۔ ایک آدمی بھاگا ہوا حضرت عمر کے پاس آیا اور سارا ماجرا کہہ سنایا۔ انہوں نے حضرت صدیق کو باہر بلایا اور سقیفہ کے حالات سے آگاہ کیا۔ دونوں بڑی سرعت سے ادھر روانہ ہوئے۔ راستہ میں ابو عبیدہ بھی مل گئے ان کو بھی ہمراہ لے لیا۔ وہاں پہنچے تو حضرت عمر نے تقریر کرنا چاہی لیکن حضرت صدیق نے فرمایا پہلے مجھے کچھ کہہ لینے دو۔ آپ نے مہاجرین کے حقوق کا تذکرہ کیا۔ انصار کے مناقب بھی بیان کئے آخر میں فرمایا فنحن الامراء و انتم الوزراء یعنی ہم مہاجرین امیر ہیں اور تم ہمارے وزیر ہو۔ یہ سُن کر حضرت حُباب بن منذر اٹھ کھڑے ہوئے اور گویا ہوئے۔ انہوں نے انصار کو خوب اکسایا، کہ وہی امامت کے مستحق ہیں انہیں چاہیئے کہ اپنے مؤقف پر ڈٹے رہیں یہ شہر ان کا ہے، ان زمینوں، باغات کے وہ مالک ہیں۔ یہاں تعداد میں وہ زیادہ ہیں،..... مہاجرین غریب الدیار ہیں تم نے انہیں اپنے ہاں پناہ دی ہے اور اگر یہ اقتدار میں حصہ دار بننے پر اصرار کریں تو مِنّا امیرٌ و منھم امیرٌ، تو پھر ایک امیر ہم میں سے اور ایک ان میں سے۔ حضرت فاروق اعظم نے فرمایا

دو تلواریں ایک نیام میں نہیں سماسکتیں۔ بخدا! اہل عرب تمہاری امامت کو ہرگز تسلیم نہیں کریں گے جبکہ ان کے رسول قریش سے ہیں۔ حضرت حُباب پھر اٹھے اور انصار کو مہاجرین کے خلاف خوب بھڑکایا اور یہاں تک کہہ دیا کہ اگر مہاجرین نے تمہارے اس دعویٰ کو تسلیم نہ کیا تو انہیں مدینہ طیبہ سے جلاوطن کر دیں۔ حضرت فاروق نے بھی جواباً دھمکی دی۔ حضرت ابوعبیدہ نے فرمایا یا معشر الانصار انکم اوّلُ مَنْ نَصَرَ و آزر فلا تکونوا اوّل مَنْ بدّل و غیّر۔ اے گروہ انصار! تم نے سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کے رسول کی مدد اور اعانت کی پس اب اس کو تبدیل کرنے اور اسمیں تبدیلی کرنے کا آغاز تم سے نہیں ہونا چاہیئے۔ یہ سن کر بشیر بن سعد کھڑے ہوئے۔ کہنے لگے اے گروہ انصار! ہم نے جو خدمات انجام دی ہیں ہم اس سے دنیاوی مفاد ہرگز حاصل کرنا نہیں چاہتے۔ ہمارا ارادہ تو فقط یہ ہے کہ ہمارا پروردگار ہم پر راضی ہو جائے اور حضور کے حکم کی اطاعت کی توفیق مل جائے۔ یہاں یہ بھی ذکر کیا کہ اوس نے خزرج کی برتری سے بچنے کے لئے آپ کی بیعت کی۔

انہی دو صاحبان (ہشام اور ابی مخنف) نے ایک دوسری روایت میں کہا ہے کہ حضرت سعد اپنی ہٹ پر پکے رہے اور کہا بخدا! میں بیعت نہیں کروں گا جب تک میری ترکش کا آخری تیر بھی ختم نہ ہو جائے۔ یہاں یہ بھی مذکور ہے وکان سعد لا یُصلّی بصلوتھم ولا یجمع معھم و یحج و لا یفیض معھم (طبری صفحہ ۲۱۰ جلد ۳) یعنی سعد، مسلمانوں کے ساتھ نماز بھی نہیں پڑھتے تھے نہ ان کے ساتھ جمعہ ادا کرتے تھے۔ حج کرتے تھے لیکن ان کے ساتھ افاضہ نہ کرتے۔

ان روایات کے مطالعہ سے قارئین کے دل میں انصار کے بارے میں بالعموم اور حضرت سعد بن عبادہ اور حُباب بن منذر کے بارے میں بالخصوص طرح طرح کی غلط فہمیوں کا پیدا ہو جانا بعید از قیاس نہیں یعنی سب صحابہ اقتدار کے بھوکے تھے اس کے لئے وہ مرنے، مارنے پر آمادہ ہو گئے۔ حباب نے مہاجرین کو مدینہ طیبہ سے نکال باہر کرنے کی بھی بار بار دھمکیاں دیں۔ اور اپنی قوم کو ان کے خلاف خوب بھڑکایا۔ حضرت سعد نے بھی پورا پورا زور لگایا کہ وہ خلیفہ بن جائیں اور جب اس مقصد میں کامیاب نہ ہوئے تو ساری عمر الگ تھلگ بسر کر دی۔ غصہ اور ناراضگی کا یہ عالم تھا کہ مسلمانوں کے ساتھ مل کر باجماعت نماز ادا کرنے اور جمعہ پڑھنے کے بھی روادار نہ تھے۔ قبیلہ اوس نے بیشک حضرت صدیق کی بیعت کی لیکن اس لئے نہیں کہ وہ اس منصب جلیل کے اہل ہیں بلکہ بنو خزرج کے حسد کے باعث انہیں یہ گوارا نہ تھا کہ خلافت کا منصب انہیں ملے۔ اسی طرح کے کئی وسوسے دل میں پیدا ہو سکتے ہیں اور اگر صورت حال درحقیقت ایسی ہی تھی تو پھر ان لوگوں کو تلاش کرنے میں ہماری مدد کیجئے جن کے مناقب رفیعہ اور اوصاف جمیلہ سے قرآن کے صفحات بھرے پڑے ہیں جن کی للّٰہیت، جن کی خدا شناسی، جن کے جذبہ ایثار و خلوص پر نہ صرف امت مسلمہ کو بلکہ پوری انسانیت کو ناز ہے۔

لیکن جو اہل علم، علامہ ابن جریر اور ان کے ہم عصر مؤلفین کے انداز تالیف کو جانتے ہیں وہ اس قسم کی غلط فہمیوں کا شکار نہیں ہوتے انہیں علم ہے کہ ابن جریر نے اس روایت کو سند کے ساتھ ذکر کیا اب یہ ہمارا کام ہے کہ ہم ان راویوں کے بارے میں تحقیق کریں کہ ان کی مرویات پر کہاں تک اعتماد کیا جا سکتا ہے اس روایت کے پہلے راوی ہشام بن محمد ہیں۔ یہ کون ہیں اور ان کے استاد مکرم ابو مخنف کون بزرگوار ہیں۔ یہ علم ہو جائے تو غلط فہمی کی بدلیاں از خود چھٹ جائیں گی اور حقیقت عیاں ہو جائے گی۔

حافظ شمس الدین الذھبی اپنی کتاب میزان الاعتدال فی نقد الرجال میں لکھتے ہیں کہ اس کا پورا نام ہشام بن محمد بن السائب الکلبی ہے۔ علماء جرح و تعدیل نے ان کے بارے میں یوں اظہار خیال کیا ہے۔

قال احمد بن حنبل انما کان صاحب سمر ونسب ما ظننت ان احدا یحدث عنہ قال الدارقطنی وغیرہ متروک قال ابن عساکر رافضی لیس ثقۃ

(میزان الاعتدال ج ۳)

(یعنی امام احمد بن حنبل کہتے ہیں کہ وہ قصہ گو اور نسب بیان کرنے والا تھا۔ میں یہ خیال نہیں کرتا کہ کوئی شخص اس سے حدیث روایت کرتا ہے۔ دار قطنی کہتے ہیں کہ وہ متروک ہے ابن عساکر کی رائے ہے کہ وہ رافضی ہے غیر ثقہ ہے۔

اب ان کے استاد کے بارے میں سنئے۔

ابو مخنف کا نام لوط بن یحیٰی ہے۔ وقد کان شیعیاً وھو ضعیف عند الائمۃ۔

(البدایہ والنھایۃ)

یہ شیعہ تھا۔ ائمہ فن کے نزدیک یہ ضعیف الحدیث ہے۔

جس روایت کے دو راوی اس قسم کے ہوں وہ روایت کیونکر قابل اعتنا ہو سکتی ہے۔

اسی کتاب کے صفحہ ۱۹۹ پر ایک دوسری روایت ہے جو صورت حالات کا بالکل نیا نقشہ پیش کرتی ہے۔ روایت کی ابتدا میں تقریباً وہی حالات مذکورہ ہیں جب حضرت ابو بکر کو سقیفہ بنی ساعدہ میں انصار کے اجتماع کی خبر ملی تو آپ، حضرت عمر اور حضرت ابو عبیدہ کی معیت میں فوراً وہاں پہنچے حضرت عمر اس مجمع سے خطاب فرمانا چاہتے تھے لیکن حضرت صدیق خود گویا ہوئے۔ آپ نے اپنے اس خطاب میں انصار کے حق میں جو آیات نازل ہوئی تھیں اور جو ارشادات حضور کی زبان فیض ترجمان سے نکلے تھے انہیں ذکر کیا اور فرمایا۔ کہ تمہیں علم ہے کہ ایک بار رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ اگر سارے لوگ ایک وادی میں چلیں اور انصار دوسری وادی میں چلیں تو میں انصار کی وادی کو اختیار کروں گا۔ پھر کہا۔ لقد علمت یا سعد ان رسول اللہ قال وانت قاعد۔ قریش ولاۃ ھذا الامر فبر الناس تبع لبرھم وفاجرھم تبع لفاجرھم۔

اے سعد! تم خوب جانتے ہو، تم اس وقت وہاں بیٹھے ہوئے تھے جب رسول اللہ نے یہ ارشاد فرمایا کہ خلافت کے حقدار قریش ہیں۔ نیک لوگ، قریش کے نیک لوگوں کے فرمانبردار ہونگے اور بدکار لوگ قریش کے بدکاروں کے تابعدار ہوں گے۔

یہ سنتے ہی جیسے حضرت سعد کو ہوش آگیا ہو اور ان کی آنکھیں کھل گئی ہوں۔ آپ نے کہا صدقت فنحن الوزراء وانتم الامراء۔ اے ابوبکر، جو قول رسالتماب تونے سنایا ہے۔ یہ سچا ہے۔ میں اپنے دعوے سے دستکش ہوتا ہوں تم امراء ہو اور ہم تمہارے وزراء ہیں

(تاریخ طبری صد ۱۹۹ ج ۳)

اس روایت میں نہ حضرت حُباب کی دھمکیاں ہیں اور نہ حضرت سعد کی ہٹ دھرمی اور ضد کا کہیں ذکر ہے۔ ابتدا میں انصار کو یہ خیال گزرا کہ وہ خلافت کے زیادہ حقدار ہیں اسی لئے یہ اجتماع انعقاد پذیر ہوا لیکن حضرت صدیق کی بروقت مداخلت سے یہ شرر، شعلہ بننے سے پہلے ہی بجھ گیا جب انصار نے اور سعد نے اپنے آقا کا ارشاد سنا کہ خلیفہ قریشی ہونا چاہیئے اسی وقت وہ اپنے ہر قسم کے مطالبہ سے دست بردار ہو گئے نہ تُو تو نہ مَیں میں، نہ کوئی جھگڑا، نہ اظہار انانیت، اللہ تعالیٰ کے محبوب نے بڑی جانفشانیوں سے جو امت تیار کی تھی اس سے اسی قسم کے رویہ کی توقع کی جا سکتی تھی۔ جس امت کے سر پر خود خداوند عالم نے خیر الامم کا تاج سجایا اس کی یہی شان ہونی چاہیئے تھی، جس امت کی تعریف میں قرآن کے صفحات جگمگا رہے ہیں اس سے اس کے بغیر کسی چیز کا تصور تک نہیں کیا جا سکتا۔

علامہ ابن خلدون نے بھی اس رائے کی بایں الفاظ تائید کی۔

لما قبض رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وکان امر السقیفۃ کما قدمناہ اجمع المهاجرون والانصار علےٰ بیعۃ ابی بکر ولم یخالف الا سعد ان صح خلافہ فلم یلتفت الی شذوذہ (صد ۸۵۶ ج ۳ ابن خلدون)

یعنی اللہ تعالیٰ کے رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جب رحلت فرمائی اور سقیفہ کا واقعہ ہوا جیسے ہم نے پہلے بیان کیا ہے تو تمام مہاجرین اور تمام انصار نے حضرت ابوبکر صدیق کی بیعت پر اتفاق کیا اور سعد کے بغیر کسی نے مخالفت نہیں کی بشرطیکہ سعد کا اختلاف صحیح سند سے ثابت ہو جائے۔

امام احمد بن حنبل نے اپنی مسند میں یہی روایت اپنی مخصوص سند کے ذریعہ سے نقل کی ہے حضرت صدیق نے انصار کی تعریف کے بعد حضرت سعد کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا۔

ولقد علمت یا سعد ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال وانت قاعد۔ قریش ولاۃ ھذا الامر فبر الناس تبع لبرھم، وفاجرھم تبع لفاجرھم فقال لہ سعد صدقت

نحن الوزراء و انتم الامراء۔

یہ بعینہٖ وہی الفاظ ہیں جو اوپر مذکور ہوئے ان کا ترجمہ وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

طبقات ابن سعد میں جو روایت ہے اس میں بھی ان امور کا تذکرہ تک نہیں جو ہشام اور ابومخنف کی مہربانی سے اس روایت کا حصّہ بن گئے ہیں۔

سقیفہ بنی ساعدہ میں انصار کے دونوں قبیلوں اوس اور خزرج نے، نیز جو مہاجرین وہاں جمع ہو گئے تھے ان سب نے حضرت صدیق اکبر کے دست مبارک پر خلافت کی بیعت کر لی پھر آپ مسجد نبوی میں واپس آئے جن لوگوں نے سقیفہ میں بیعت نہیں کی تھی۔ انہوں نے یہاں حاضر خدمت ہو کر بیعت کا شرف حاصل کیا۔ اس طرح حضرت صدیق اکبر، حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جانشین اور امتِ مسلمہ کے سربراہ چن لئے گئے۔ اس طرح سیاست کے میدان میں جن انقلاب آفرین تعلیمات کا ذکر حضور نے بار بار فرمایا تھا۔ آج وہ لباسِ مجاز میں دعوت نظارہ دے رہا تھا۔

یہاں یہ امر تصفیہ طلب ہے کہ کیا سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے بیعت کی یا نہیں۔ اگر بیعت کی تو برضا و رغبت یا جبر و اکراہ سے، اسی وقت کی یا کچھ عرصہ گزرنے کے بعد۔ ان استفسارات کا جواب سننے کے لئے ہر شخص بے چین ہے۔

اگر ایک لمحہ کے لئے ہم ہر قسم کی روایات سے صرف نظر کر لیں، محض سیرت مرتضوی کی روشنی میں ان سوالات کا جواب تلاش کریں تو ہم بڑی آسانی سے اس فیصلہ پر پہنچ جائیں گے کہ آپ نے بیعت کی، اپنی خوشی سے کی اور اسی وقت کی۔ آپ کی للّٰہیت، دین کے لئے آپ کا خلوص، امت مسلمہ کیلئے آپ کا جذبہ خیر اندیشی آپ کی بے عدیل شجاعت، مزید برآں آپ کی ہمہ صفت موصوف شخصیت ان تمام خرافات کے ابطال کے لئے کافی ہے۔ لیکن ہم ان روایات سے کلیتہً صرف نظر بھی نہیں کر سکتے روایات کے اس ڈھیر سے نجات حاصل کرنے کا واحد ذریعہ یہ ہے کہ ہر قول کو روایت و درایت کی کسوٹی پر پرکھا جائے جو بات کھری ثابت ہو اُسے قبول کر لیا جائے اور جو پایۂ اعتبار سے ساقط ہو اس کو نظر انداز کر دیا جائے۔ سب سے پہلے ناظرین کرام کی خدمت میں وہ روایت پیش کرتا ہوں جس کو شیعہ مصنفین نے بڑی شد و مد سے اپنی کتب میں بیان کیا ہے اور ہر ایک نے اُسے مزید رنگین بنانے کے لئے پوری سعی کی ہے۔ بخدا جی نہیں چاہتا کہ ایسے خرافات کے ذکر سے ضیائے حرم کے صفحات آلودہ ہوں۔ اپنا وقت بھی ضائع کروں اور قارئین کے اوقات عزیز کو بھی غارت کروں لیکن محبت کا نقاب اوڑھ کر ناموس اہلبیت کو پامال کرنے والوں نے جو اودھم مچا رکھا ہے اس کا تقاضا یہ ہے کہ حقیقت حال خواہ وہ انتہائی تلخ اور کربناک ہو قارئین کو اس سے باخبر رکھا جائے۔

ناسخ التواریخ کے حصّہ تاریخ الخلفاء کی جلد اول صفحہ ۸۳ سے یہ حکایت شروع ہوتی ہے۔ جو

کئی صفحات تک پھیلتی چلی گئی ہے۔ خلاصہ درج ذیل ہے۔

"دوسرے روز مسجد نبوی صحابہ کرام سے کھچا کھچ بھری ہے۔ حضرت عمر کے کہنے پر حضرت ابوبکر قنفذ کو بھیجتے ہیں کہ وہ حضرت علی کو حاضر دربار کریں۔ وہ جاتا ہے پیغام پہنچاتا ہے۔ حضرت علی اسے جھڑک دیتے ہیں وہ واپس آجاتا ہے۔ اسے دوبارہ سختی سے حکم دیا جاتا ہے کہ وہ حضرت علی کو پکڑ کر لے آئے۔ حضرت پھر اسے دھتکار دیتے ہیں۔ حضرت عمر ایک جتھہ آپ کو پکڑنے کے لئے روانہ کرتے ہیں وہ بھی ناکام لوٹتا ہے حضرت عمر غصہ سے بے قابو ہو کر خود جاتے ہیں اور خاتون جنت کے دروازہ پر کھڑے ہو کر باآواز بلند کہتے ہیں یا علی بیرون شو و با خلیفہ رسول خدا بیعت کن وگرنہ این خانہ را باتش پاک بسوزم فاطمہ برخاست وقالت یاعمر مالنا ولك وقال افتحی الباب والا احرقنا علیکم بیتکم فقالت یا عمر اما تتقی اللہ تدخل علی بیتی۔

(ترجمہ) اے علی باہر آؤ اور خلیفہ رسولِ خدا کی بیعت کرو ورنہ اس گھر کو جلا کر راکھ کر دوں گا حضرت سیدہ اٹھیں فرمایا اے عمر! ہمارا تیرا کیا واسطہ ہے۔ آپ نے کہا دروازہ کھولو۔ ورنہ تمہارے گھر کو تم پر جلا کر راکھ کر دوں گا۔" حضرت عمر نے جب دیکھا کہ حضرت علی دروازہ نہیں کھولتے تو حکم دیا کہ آگ اور لکڑیاں لائی جائیں آپ نے دروازہ کو آگ لگا دی جب کچھ حصہ جل گیا تو پاؤں کی ٹھوکر مار کر اسے گرا دیا اور گھر میں گھس آئے۔ حضرت سیدہ نے فریاد کرنا شروع کی اور کہا یا ابتاہ یا رسول اللہ ابسرِ خطاب نے سیدہ کے پہلو پر تلوار سے ٹھوکر لگائی۔ آپ نے دوبارہ فریاد کی حضرت عمر نے آپ کے بازو مبارک پر زور سے تازیانہ مارا۔

حیرت ہے کہ شیرِ خدا یہ سب کچھ دیکھتے رہے اور چپ رہے ٹس سے مس نہیں ہوئے اتنی توہین اور ضرب شدید کو دیکھ رہے ہیں اور ذوالفقار حیدری کو جنبش نہیں دیتے اپنے اوپر تو انسان سختیاں برداشت بھی کر لیتا ہے۔ لیکن اپنی اہلیہ کے بارے میں ناممکن ہے۔ خصوصاً جبکہ وہ حضور کی لختِ جگر سیدۃ النساءؑ ہو۔ حضرت سیدہ پھر التجا کرتی ہیں اب حضرت علی کی آتش غضب بھڑک اٹھتی ہے اور آپ حضرت عمر کو گریبان سے پکڑ کر زمین پر پٹخ دیتے ہیں۔ حضرت ابوبکر کو پتہ چلتا ہے وہ آپ کی امداد کے لئے چند آدمی بھیج دیتے ہیں۔ آتے ہی یہ لوگ حضرت علی کے ہاتھ سے تلوار چھین لیتے ہیں پھر ان کو دبوچ لیتے ہیں پھر آپ کے گلے میں رسی ڈال لیتے ہیں اور آپ کو کشاں کشاں حضرت صدیق کی خدمت میں لے جاتے ہیں حضرت سیدہ مدافعت کے لئے اٹھ کھڑی ہوتی ہیں۔ قنفذ آپ پر حملہ کرتا ہے اور تازیانہ کی ایک ایسی ضرب بازو پر لگاتا ہے کہ اس کا سیاہ داغ وفات کے بعد بھی بازو مبارک پر باقی رہتا ہے۔ حضرت علی کو پکڑ کر حضرت صدیق کی خدمت میں پیش کیا جاتا ہے۔ اس وقت آپ بصد حسرت کہتے ہیں کہ اگر میری

تلوار میرے ہاتھ سے گر نہ پڑتی تو تم مجھے یوں کھینچ کر نہ لا سکتے۔ خدا اس قوم پر لعنت کرے جنہوں نے میری بیعت کی پھر میرا ساتھ چھوڑ دیا۔ (العیاذ باللہ ثم العیاذ باللہ)

(خلاصہ منقول از ناسخ التواریخ صہ ۸۳ ج اول)

خطرہ کے وقت تو بزدلوں کے ہاتھ کانپتے ہیں اور ان کی تلواریں گر پڑتی ہیں۔ سیدنا علی تو شیر خدا ہیں جن کی ضربت حیدری سے خیبر کی سنگین دیواریں پاش پاش ہو گئیں، جن کی گرج سے بڑے بڑے بہادروں کے دل پھٹ جایا کرتے تھے۔ احد، اور حنین کے مشکل اوقات میں ان کے ہاتھ سے تلوار نہ گری، خندق کے دن عمرو بن عبدود کا مقابلہ کرتے ہوئے آپ گے ...... ہاتھ سے تلوار نہ گری آپ کی تلوار نے مرحب کے دو ٹکڑے کر دیئے، آج اس اللہ اور رسول کے شیر پر یہ الزام لگایا جاتا ہے کہ ان کے ہاتھ سے تلوار گر پڑی گویا دوسرے لفظوں میں آپ کو بزدلی کا طعنہ دیا جا رہا ہے۔ پھر آپ کی زبان سے آپ کے دوستوں پر جنہوں نے آپ کی بیعت کی تھی ان پر لعنت بھجوائی جا رہی ہے۔ ایسی باتیں گھڑتے وقت اور آپ کی ذات والاصفات کی طرف منسوب کرتے وقت کچھ تو خدا کا خوف کرنا چاہیئے۔ اسی پر بس نہیں تین جانثار ابوذر غفاری، مقداد، سلمان فارسی رضی اللہ عنہم کی زبان سے ایسے جملے کہلواتے ہیں جنہیں سن کر بچے بھی ہنسی ضبط نہ کر سکیں یوں اس دوستی کے رنگ میں اسلام دشمنی کا حق ادا کیا جا رہا ہے اور ان سب نفوس قدسیہ کی عظمت کو داغدار کرنے کا منصوبہ بنایا جا رہا ہے، لکھتے ہیں۔

اس وقت ابوذر نے کہا۔ لیت السیوف قد عادت بایدینا ثانیۃ

اے کاش! دوبارہ تلواریں ہمارے ہاتھوں میں لوٹ آتیں۔

مقداد نے کہا۔ لوشاء دعا علیہ ربہ عزوجل۔

اگر علی مرتضیٰ چاہتے تو ابوبکر کے لئے بددعا مانگتے۔

سلمان نے کہا۔ مولای اعلم بما ھو فیہ

میرا آقا جن مشکلات میں مبتلا ہے وہ خود ہی ان کو بہتر سمجھتا ہے۔

یہ کردار تو بنی اسرائیل کے حیلہ سازوں کے کردار سے بھی زیادہ مضحکہ خیز ہے۔ یہ تین بزرگ جو بقول ان کے ایمان پر ثابت قدم رہے ان کی قوت ایمانی کا تو یہ حال ہے۔ باقی رہے دوسرے صحابہ تو ان کو بیک جنبش قلم مرتد قرار دے کر خارج از اسلام کر دیا گیا۔

از ابی جعفر حدیث کنند قال کان الناس اھل ردۃ بعد النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم الا ثلاثۃ۔

ترجمہ:۔ حضرت امام باقر سے مروی ہے کہ حضور کے وصال کے بعد ان تین حضرات کے علاوہ باقی سب لوگ مرتد ہو گئے۔ اسی پر دل کی حسرت پوری نہیں ہوئی بلکہ مزید رقمطراز ہیں:۔

کہ رات کی تاریکی میں حضرت علی نے حضرت سیدہ کو گدھے پر سوار کیا اور حسنین کریمین کی انگلیاں اپنے ہاتھ میں پکڑے ہوئے ہر انصاری کے گھر لے جاتے ہیں ان سب سے بیعت کرنے کی درخواست کرتے ہیں لیکن کہیں کامیابی نہیں ہوتی۔ مایوس ہو کر خانہ نشین ہو جاتے ہیں یہاں تک کہ آپ کو زبردستی گھر سے نکال کر جبراً بیعت کے لئے پیش کر دیا جاتا ہے۔

(منقول از ناسخ التواریخ)

سبحان اللہ ہذا بہتان عظیم۔

معلوم ہوتا ہے شیعہ محققین بھی ان ہرزہ سرائیوں کو اچھی نظر سے نہیں دیکھتے۔ نہج البلاغۃ کے شارح علامہ میثم بن علی بن میثم بحرانی لکھتے ہیں:

واعلم اَنَّہٗ قد اختلف الناقدون بکیفیۃ حالہ بعد وفات رسول اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وروی المحدثون من الشیعۃ وغیرھم اخبار کثیرۃ ربما خالف بعضھا بعضاً بحسب اختلاف اھوائھم۔

ترجمہ: جان لو۔ کہ سیدنا علی کی حالت کے بارے میں نقل کرنے والوں کے اقوال میں بڑا اختلاف ہے شیعہ محدثین اور غیر شیعہ محدثین نے متضاد روایات بکثرت نقل کی ہیں۔ جن سے ان کی ذاتی خواہشات جھلک رہی ہیں۔

علامہ مذکور نے جہاں یہ واقعہ ذکر کیا ہے وہاں ان خرافات کو بیان نہیں کیا صرف یہ کہا ہے کہ

وبایع معھم علیٌّ اکراھاً (ص۲۶ ج ۲ شرح نہج البلاغۃ ابن میثم)

یعنی جب بنو ہاشم نے صدیق اکبر کی بیعت کی تو حضرت علی نے بھی بیعت کی لیکن مجبوراً۔

اور دوسرا قول یہ منقول ہے:

ان علیاً اعتصم ببیت فاطمۃ فعلموا اَنَّہٗ مفرد و ترکوہٗ (ص۲۶ ج ۲)

حضرت علی نے حضرت سیدہ کے گھر میں پناہ لے لی۔ صحابہ کو معلوم ہوا کہ وہ تنہا ہیں تو انہوں نے آپ کو اپنے حال پر چھوڑ دیا۔

فروع کافی میں بھی صرف اتنا ہے۔

جاء وا بامیر المومنین مُکرھاً فبایع (کتاب الروضہ ص۸۵ ج ۲)

کہ امیر المومنین کو جبراً پکڑ کر لے آئے تو آپ نے حضرت صدیق کی بیعت کر لی۔

بہر حال علامہ میثم اور علامہ کلینی کی تصریحات سے یہ بات تو ثابت ہو گئی کہ آپ نے صدیق اکبر کی بیعت فرمائی۔ ان کا یہ اضافہ کہ حالت مجبوری میں آپ نے بیعت کی کم از کم ہر اس شخص کے لئے ناقابل تسلیم ہے جو حضرت اسد اللہ الغالب کی جرأت، بسالت اور آئین جوانمردی کی حقیقت کو سمجھتا بھی

ہے اور صدق دل سے اسے تسلیم بھی کرتا ہے۔ ان خود ساختہ روایات کے ابطال کے لئے یہ واقعہ کافی ہے کہ جب تمام لوگ حضرت صدیق اکبر کی بیعت پر متفق ہو گئے تو ابوسفیان بن حرب کو یارائے صبر نہ رہا اور اس نے حضرت علی اور حضرت عباس کو طعن و تشنیع سے بھڑکانا چاہا۔ کہنے لگا۔

فیم البوبکر من امرکم این المستضعفان این الاذلان یعنی علیا والعباس مابال ھذ الامر فی اقل حی من قریش۔

ترجمہ: یعنی ابوبکر کو کیا حق پہنچتا ہے کہ وہ تمہارا سربراہ اور امیر بنے وہ دونوں کمزور کہاں ہیں، وہ دونوں ذلیل کہاں ہیں، یعنی علی اور عباس۔ کیا وجہ ہے کہ قریش میں جو سب سے چھوٹا قبیلہ ہے اس کا ایک فرد تمہارا حاکم بن جائے۔

پھر وہ حضرت علی کے مکان پر آیا اور آکر کہنے لگا۔ کہ ہاتھ آگے بڑھایئے میں آپ کی بیعت کرتا ہوں۔ واللہ اِن شئتَ لَاَملأنّھا علی ابی فصیل یعنی ابابکر خیلا و رجلا

اگر آپ حکم دیں تو میں ابوبکر سے مقابلہ کرنے کے لئے اس میدان کو شہسواروں اور پیادہ سپاہیوں سے بھر دوں۔ سیدنا علی نے اس کی یہ باتیں سن کر اسے جھڑکتے ہوئے کہا۔

یا اباسفیان ہرگز تو بے غرضِ جنبش نہ کنی و جز بر ضرر اسلام کوشش نہ فرمائی من ہرگز بکلمات تو مغرور نشوم و ہرگز فریب تو در من نگیرد۔

ترجمہ: اے ابوسفیان تو بغیر غرض کے حرکت نہیں کرتا۔ تیرا مقصد صرف اسلام کو ضرر پہنچانا ہے۔ میں تیری باتوں سے ہرگز مغرور نہیں ہوں گا۔ اور تو مجھے اپنے دامِ فریب میں پھنسا نہیں سکتا۔

آپ کا ابوسفیان کی اس پیشکش کو مسترد کر دینا اور اس کی اس حرکت کو اسلام دشمنی پر محمول کرنا اس امر کا کھلا ثبوت ہے کہ آپ نے صدق دل سے حضرت ابوبکر صدیق کی بیعت فرمائی تھی۔ سید امیر علی جو مشہور قانون دان، مسلمہ مورخ اور بنگال ہائی کورٹ کے سب سے پہلے مسلمان جج تھے اپنی شہرۂ آفاق کتاب میں رقمطراز ہیں:

With his usual magnanimity and devotinn to the faith, scrupulously anxious to avoid the least discard among the disciples of the Master, Ali atonce gave in his adhesion to Abu-Bakr, Three times was he set aside, and on every occasion he accepted the choice of the electors without demur. He himself had never stood-forth as a candidate for the sufferages of the electors, and whatever might have been feelings of

his partisans, he had never refrained from giving to the first two Caliphs his help and advice in the governance of the commonwealth, and they on their side had always deferred to his counsel and his exposition of the Master's teachings.

(THE SPIRIT OF ISLAM BY JUSTICE SAYYED AMIR ALI)

ترجمہ: حضرت علی مرتضیٰ نے اپنی اولوالعزمی، اور دین سے بے پناہ وابستگی اور اپنے آقا کے ماننے والوں کو ہر قسم کے انتشار سے بچانے کے لئے آپ نے فوراً حضرت ابوبکر صدیق کی بیعت کر لی۔ آپ کو تین بار نظر انداز کیا گیا اور آپ نے ہر بار کسی اغراض کے بغیر رائے دہندگان کے انتخاب کو صدق دل سے قبول کر لیا۔ آپ نے اپنے آپ کو کبھی بھی خلافت کے امیدوار کی حیثیت سے پیش نہیں کیا۔ آپ کے احباب کے جذبات کچھ بھی ہوں آپ نے اسلامی مملکت کے کاروبار حکمرانی کو چلانے میں پہلے دو خلیفوں کی ہر طرح امداد بھی کی اور انہیں بہترین مشوروں سے بھی نوازا۔ خلفاء نے بھی ہمیشہ آپ کے مشورے کو عزت اور قدر کی نگاہ سے دیکھا اور احادیث نبوی کی جو تشریح آپ نے کی اس کو تسلیم کیا۔

(سپرٹ آف اسلام ص ۲۹۳ مصنفہ سید امیر علی)

قارئین کو یہ علم تو ہوگا کہ سید موصوف شیعہ فرقہ سے تعلق رکھتے ہیں ان کی اس وضاحت کے بعد ہر قسم کے شکوک و شبہات کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ اور ان روایات کی لغویت آشکارا ہو جاتی ہے۔ جن میں رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صحابہ کرام کی عظمت کو داغدار کرنے کے لئے دانستہ یا نادانستہ ناپاک کوششیں کی گئی ہیں۔

کتب اہلسنت میں جو روایات ثقہ اسناد سے مروی ہیں۔ میں اس مقالہ کا اختتام ان کے ذکر پر کرتا ہوں۔ ان کو پڑھ کر دل بیساختہ تسلیم کرتا ہے کہ یہی حق ہے اور یہی بات سیدنا علی مرتضیٰ کی شانِ رفیع کے شایاں ہے

عن حبیب بن ابی ثابت قال کان علیؓ فی بیتہٖ اِذ اُتی وقیل لہٗ قد جلس ابوبکر للبیعۃ فخرج فی قمیص ما علیہ ازارٌ ولا رداء عجلاً کراھیۃ ان یُبطئ عنھا فی بایعہٗ ثم جلس الیہ وبعث الیٰ ثوبہ فاُتاہ فتجللہٗ ولزم مجلسہٗ۔　(طبری ص ۲۰۱ ج ۳)

ترجمہ:- یعنی حبیب بن ابی ثابت سے مروی ہے کہ علی مرتضیٰ اپنے گھر میں تشریف فرما تھے ایک آدمی آیا اس نے عرض کی کہ حضرت ابوبکر بیعت لینے کے لئے مسجد میں تشریف فرما ہیں۔ اس

وقت آپ نے صرف لمبی قمیص زیب تن فرمائی ہوئی تھی۔ جلدی اٹھ کھڑے ہوئے مبادا بیعت کرنے میں تاخیر ہو جائے۔ آکر بیعت کی اور وہیں بیٹھ گئے، کسی آدمی کو کپڑے لانے کے لئے بھیجا وہ گھر سے کپڑے لے آیا، آپ نے انہیں پہن لیا۔ اور اسی مجلس میں تشریف فرما ہو گئے۔

اس سے بھی واضح وہ روایت ہے جو حافظ ابوبکر البیہقی نے اپنے جلیل القدر اساتذہ حدیث کے واسطہ سے حضرت ابوسعید الخدری سے روایت کی ہے۔

وصعد ابوبکر المنبر و نظر فی وجوہ القوم ولم یر الزبیر قال دعا بالزبیر فجاء۔ قال۔ قلت ابن عمۃ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وحواریہ اردت ان تشق عصا المسلمین فقال لا تثریب یا خلیفۃ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وقام فبایعہ۔ ثم نظر فی وجوہ القوم ولم یر علیاً فدعا بعلی بن ابی طالب فجاء فقال قلت ابن عم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وختنہ علی ابنتہ اردت ان تشق عصا المسلمین قال لا تثریب یا خلیفۃ رسول اللہ و بایعہ۔ (البدایہ والنہایہ ص۲۴۹ ج ۵)

ترجمہ: حضرت ابوبکر منبر پر تشریف فرما ہوئے۔ حاضرین میں اکابر قوم کا جائزہ لیا۔ حضرت زبیر نظر نہ آئے انہیں بلانے کے لئے آدمی بھیجا جب وہ آئے تو فرمایا۔ اے اللہ کے رسول کی پھوپھی کے فرزند اور اے اللہ کے رسول کے حواری کیا تم مسلمانوں کے اتحاد کو پارہ پارہ کرنا چاہتے ہو۔ آپ نے عرض کی اے خلیفہ رسول اللہ ناراض نہ ہوں۔ آپ اٹھے اور بیعت کرلی۔ حاضرین پر دوبارہ نظر دوڑائی۔ سیدنا علی دکھائی نہ دیئے آپ کی خدمت میں بلانے کے لئے آدمی بھیجا آپ فوراً تشریف لائے۔ ابوبکر صدیق نے فرمایا اے اللہ کے رسول کے چچا کے فرزند اور اے حضور کے پیارے داماد! کیا آپ مسلمانوں کے اتحاد کو پارہ پارہ کرنا چاہتے ہیں۔ آپ نے بھی جواب میں کہا کہ اے اللہ تعالیٰ کے رسول کے خلیفہ اس تاخیر پر آپ ناراض نہ ہوں۔ اٹھے اور آپ نے بھی بیعت کرلی۔

علامہ ابن کثیر نے اس مفہوم کی کئی اور روایات بھی یہاں نقل کی ہیں۔ پھر لکھتے ہیں۔

وھذا حق فان علی بن ابی طالب لم یفارق الصدیق فی وقت من الاوقات و لم ینقطع فی صلوٰۃ من الصلوات خلفہ وخرج معہ الی ذی القصہ لما خرج الصدیق شاھراً سیفہ یرید قتال اھل الردۃ۔

ترجمہ: یہی حق ہے کیونکہ سیدنا علی مرتضیٰ ایک لمحہ کے لیے بھی صدیق اکبر سے کسی وقت جدا نہیں ہوئے۔ ساری نمازیں آپ کی اقتدا میں ادا کرتے رہے اور جب مرتدین کے ساتھ جنگ کرنے کے لئے حضرت صدیق اکبر اپنی تلوار لہراتے ہوئے نکلے تو علی مرتضیٰ آپ کے ساتھ تھے۔ اور ذی القصہ کے مقام

تک ساتھ رہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں صراطِ مستقیم پر ثابت قدمی سے چلنے کی توفیق عطا فرمائے اور شیطان کی وسوسہ اندازیوں اور ہوا و ہوس کی چیرہ دستیوں سے اپنی حفاظت میں رکھے۔ آمین ثم آمین بجاہ حبیبہ محمد النبی الامین

صَلَّی اللہ تعالیٰ عَلَیۡہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ

رحیم بخش شاہین ایم اے

صدیق اکبرؓ کا نظم مملکت

حضرت ابو بکرؓ کے زمانے میں اسلامی ریاست نے وہ منظم صورت اختیار نہیں کی نہ حکومت کے مختلف شعبے اور محکمے قائم ہوئے تھے جو کہ بعد میں آنے والے خلفاء کی کوششوں سے اس ابھرتی ہوئی مملکت کی توسیع اور تقویت کا باعث بنے اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت ابو بکرؓ کا دور خلافت بے حد مختصر تھا اور پھر اس کا اکثر حصہ حضورؐ کی وفات سے پیدا ہونے والے زبردست مسائل کے حل میں صرف ہو گیا، یہ ایک ایسی ہنگامی صورت حال تھی جس میں اسلامی ریاست کا وجود ہی معرض خطر میں پڑ چکا تھا، قبائلی تعصبات، جھوٹی نبوتوں اور ارتداد و بغاوت کے فتنوں نے اسلام کو ایک زبردست چیلنج دے دیا تھا۔ اس عالم میں صدیق اکبرؓ کی اولیں ذمہ داری ان فتنوں کا استیصال کرنا اور اسلام کی عسکری و سیاسی قوت کی دھاک بٹھانا تھی۔ آپؓ نے انتہائی تدبر، جرأت اور مستقل مزاجی سے یہ مقصد حاصل کر لیا۔ وہ مملکت جس کا شیرازہ حضورؐ کی وفات کے ساتھ ہی بکھرتا نظر آ رہا تھا۔ صدیق اکبرؓ کے تاریخی اقدامات کی بدولت از سر نو ایک ناقابلِ تسخیر قوت کی صورت میں منظم ہو گئی۔ مسلمانوں نے صدیق اکبرؓ کی پکار پر متحد ہو کر ناممکن کو ممکن بنا دیا۔ عساکر اسلام نے نہ صرف مملکت کے اندر منظم ہونے والے باغیوں اور سرکشوں کا قلع قمع کر دیا بلکہ وہ روم و ایران ایسی عظیم سلطنتوں کے دروازوں پر بھی دستک دینے لگے۔ آپؓ کے عہدِ خلافت میں" ملکوں کی فتح عظیم" کا آغاز ہوا۔

ملت اسلامیہ پر صدیق اکبرؓ کا یہ اتنا بڑا احسان ہے کہ اگر آپ مزید کوئی خدمت سرانجام نہ بھی دیتے تو بھی آپ کی عظمت کا انکار محال تھا لیکن آپ نے صرف اسلامی مملکت کے تحفظ ہی کا فریضہ سرانجام نہیں دیا بلکہ عملاً دنیا کے سامنے حکمرانی کا ایک ایسا نمونہ پیش کیا جس کی مثال تلاش کرنا جوئے شیر لانے کے مترادف ہے۔ صدیق اکبرؓ کا عہد حکومت خلافت علیٰ منہاج نبوت کا بہترین نمونہ تھا۔ آپ کو لوگوں نے شروع شروع میں خلیفۃ اللہ کہہ کر پکارا تو آپ نے فرمایا۔ "میں رسول اللہ کا خلیفہ ہوں اور اسی لقب سے مسرور ہوں"۔ حضورؐ کے خلیفہ اوّل کی حیثیت سے آپ کا مشن بھی غلبہ اسلام تھا یہی وجہ ہے کہ آپ کی حکومت بادشاہت یا شخصی آمریت کے برعکس سیاست کی اصطلاح میں ایک مکمل

دستوری حکومت تھی جس میں اقتدار کا سرچشمہ کوئی شخص، خاندان، گروہ یا جمہور نہیں بلکہ اللہ کی ذات تھی، رعایا اور حکمران دونوں خدا کے قانون کے پابند تھے، صدیق اکبر کے سامنے ایک ایسا معاشرہ قائم کرنے کا مقصد تھا جس میں بلند انسانی اقدار کو فروغ حاصل ہو، انسان کے بنیادی حقوق محفوظ ہوں، تنقید و محاسبہ کی مکمل آزادی ہو، اخوت و مساوات جس کی روح ہو اور عدل اجتماعی، امن اور مسرت و خوشحالی جس کا طرۂ امتیاز ہو، لہٰذا آپ کی حکومت کا نظام اپنے تمام شعبوں کے ساتھ اسی اعلیٰ مقصدیت کا آئینہ دار تھا۔ محمد حسین ہیکل آپ کے طرزِ حکمرانی پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ابو بکرؓ کی حکومت کا نظام نہایت سادہ اور بدویانہ طرز کا تھا۔ اپنے عہد کی منظم اور متمدن سلطنتوں کا رنگ انہوں نے بالکل قبول نہ کیا۔ عہد رسالت سے اتصال کے باعث ان کا عہد رسول اللہ کے عہد سے بڑی حد تک مشابہ ہے۔ ابو بکرؓ بھولے سے بھی وہ کام نہ کرتے تھے جو رسول اللہ ناپسند کرتے تھے اور وہ کام کرنا سعادت سمجھتے تھے جو آپ نے کیا تھا۔ لیکن وہ جامد مقلدین کی طرح نہ تھے بلکہ رسول اللہ کا کامل نمونہ اختیار کرنے کی وجہ سے ان کے لئے اجتہاد کا دروازہ کھل چکا تھا۔ یہی اجتہاد تھا جس کے باعث اللہ نے ان کے ذریعے سے عراق اور شام فتح کرائے اور ان کے ہاتھ سے ایسی متحدہ سلطنت کی بنیاد رکھوائی جس کا دستور العمل احکام الٰہی اور شوریٰ پر مبنی تھا وہ افراط و تفریط سے ہمیشہ پاک اور اللہ کے نور سے حصہ لے کر ہمیشہ صراط مستقیم پر گامزن رہے۔ یہ خیال ہر وقت ان کے دل میں جاگزیں رہتا تھا کہ جہاں وہ بندوں کے سامنے جوابدہ ہیں وہاں اللہ کے سامنے بھی جوابدہ ہیں۔ اور وہ قیامت کے دن ان سے ان کے تمام اعمال کا حساب لے گا اور بندوں کے سامنے جوابدہی کا یہی تصور تھا جس نے ہمیشہ آپ کو صراط مستقیم پر گامزن کئے رکھا اور ان کا قدم ایک لمحے کے لئے بھی جادۂ استقامت سے ہٹنے نہ پایا۔"

شورائی طرز حکومت :-

حضورؐ کے خلیفہ اوّل نے جس طرز حکمرانی کو رائج کیا وہ ایک جمہوری یا شورائی نظام تھا جس میں قرآنی احکام کی روشنی میں صحابہ کرامؓ سے مشورہ لازمی تھا۔ آپ کی خلافت بھی عوام کے مشورے سے منعقد ہوئی تھی۔ پہلے مہاجرین و انصار کے ایک اعلیٰ سطحی اجلاس میں آپ کے انتخاب کی توثیق کی گئی اور پھر عوام نے اس کی تائید و حمایت کی یہی وجہ ہے کہ آپ کے عہد میں کسی مسئلہ کا مشاورت کے بغیر فیصلہ نہیں کیا جاسکتا تھا۔ جیش اسامہؓ ہو یا منکرین زکوٰۃ کی سرکوبی مرتدین کا استیصال ہو یا جمع و تدوین قرآن ـــــ آپ نے ہر اہم معاملہ میں شوریٰ کے اصول پر عمل کیا۔ لیکن یاد رہے کہ اس اصول کا موجودہ دور کی جمہوریت سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ اس میں نہ تو جماعتی اور گروہی عصبیت کو کوئی مقام حاصل تھا اور نہ محض عددی اکثریت کو کوئی اہمیت حاصل تھی۔ حضرت ابوبکرؓ کے سامنے جب کوئی معاملہ آتا تھا تو آپ سب سے پہلے اس کے بارے میں قرآنِ حکیم سے رہنمائی چاہتے تھے۔ اگر وہاں کوئی حکم یا اشارہ نہ ملتا تو حدیث نبوی سے رجوع کرتے۔ اگر حدیث نبویؐ میں کچھ نہ ملتا تو مسلمانوں سے پوچھتے کہ اس خاص معاملے کے بارے میں کیا کسی کو حضورؐ کی سنت کا علم ہے۔ اگر

کوئی بتا دیتا تو آپ مطمئن ہو جاتے کہ سنت رسولؐ کو جاننے والے ان کی رہنمائی کے لئے موجود ہیں۔ اگر آپ کو سعیٔ بسیار کے باوجود کوئی حدیث نہ ملتی تو پھر آپ اہل الرائے کو طلب فرماتے۔ آپؓ بڑی کشادہ دلی سے اُن کو مشورہ کی دعوت دیتے اور صبر و تحمل سے ان کی گفتگو سنتے۔ کامل غور و فکر کے بعد جب آپ کسی کی رائے سے اتفاق فرماتے یا اپنی رائے کو مبنی بر صواب سمجھتے اور ایک فیصلہ کر لیتے پھر پوری قوت سے اس پر ڈٹ جاتے۔ ادھر کی دنیا اُدھر ہو جائے صدیق اکبرؓ اپنے فیصلے سے سر مو انحراف نہ کرتے اور اس کو ہر حالت میں نافذ کر کے رہتے تھے۔

مجلس شوریٰ :-

ابن سعد کا بیان ہے کہ ابوبکر صدیقؓ کو جب کوئی معاملہ پیش آتا تھا جس میں اہل رائے اور اصحابِ فقہ سے مشورہ کی ضرورت ہوتی تھی اور اس مقصد کے لئے وہ مہاجرین اور انصار میں سے کچھ لوگوں کو بلاتے تھے تو حضرت عمرؓ، عثمانؓ، علیؓ، عبدالرحمٰنؓ بن عوف، معاذؓ بن جبل، ابیؓ بن کعب اور زیدؓ بن ثابت کو بلاتے تھے[۵] گویا ان معاملہ فہم اور اہل الرائے صحابہ کبارؓ پر مشتمل آپ نے ایک مجلس شوریٰ قائم کر رکھی تھی جو اجتماعی معاملات میں صدیق اکبرؓ کو مشورہ دیتی اور جن کی مدد سے خلیفہ اوّل اپنی سیاسی حکمت عملی کو متعین فرماتے تھے۔ بعض وقتی اور فوری مصالح کے تحت آپ ان ارکان شوریٰ کی تعداد میں حسب ضرورت اضافہ کر دیتے تھے مثلاً جب حروب شام کا سلسلہ در پیش آیا اور حضرت خالدؓ کے خط سے ہرقل کی تیاریوں کا علم آپ کو ہوا تو آپ نے ماہ صفر ۱۳ھ میں ایک مجلس مشاورت طلب کی جس میں مذکورہ حضرات کے علاوہ حضرت زبیرؓ، سعدؓ بن ابی وقاص اور دیگر اکابر مہاجرین و انصار کو بھی شامل فرمایا۔

تقسیم مملکت اور صدیقی گورنر :-

چونکہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اسلامی مملکت کا رقبہ وسیع تر ہوتا جاتا تھا اس لئے حضرت ابوبکرؓ نے اس کے نظم و نسق کو بہتر بنانے کے لئے اس کو مختلف صوبوں اور ضلعوں میں تقسیم کر دیا اور ان میں سے ہر ایک کے لئے جُدا جُدا حاکم مقرر کر دئے۔ ان کی تفصیل یہ ہے :-

علاقہ	صدیقی حکام
۱۔ مکہ (حجاز)	حضرت عتاب بن اُسید
۲۔ طائف "	حضرت عثمان بن ابی العاص
۳۔ صنعاء (یمن)	حضرت مہاجر بن اُمیہ
۴۔ حضرموت "	حضرت زیاد بن لبید انصاری
۵۔ خولان	حضرت یعلی بن منیہ
۶۔ زبید و رمع (یمن)	حضرت ابوموسیٰ اشعری

علاقہ	صدیقی حکام
۷۔ جند	حضرت معاذ بن جبل
۸۔ بحرین	حضرت علاء بن الحضرمی
۹۔ نجران	حضرت جریر بن عبداللہ الجبلی
۱۰۔ دومۃ الجندل	حضرت عیاض بن غنم
۱۱۔ عراق	حضرت مثنیٰ بن حارثہ
۱۲۔ جرش	حضرت عبداللہ بن ثور
۱۳۔ حمص (شام)	حضرت ابو عبیدہ بن الجراح
۱۴۔ اُردن 〃	حضرت شرحبیل بن حسنہ
۱۵۔ دمشق 〃	حضرت یزید بن ابی سفیان
۱۶۔ فلسطین 〃	حضرت عمرو بن العاص

اِس مملکت کا مرکز مدینہ تھا جو براہ راست خلیفہ کے ماتحت تھا۔

گورنروں کے فرائض:۔

اسلام کے عہد اول میں گورنر خود مختار ہوتے تھے مگر بعد میں ان کے اختیارات محدود کر دئے گئے۔[۱۵]
عہد صدیقی کے گورنروں کے فرائض کی تفصیل کچھ اس طرح تھی:۔

(۱) مسجد میں جماعت کی امامت اور جمعہ کی خطابت
(۲) فوج کی نگرانی اور انتظام
(۳) جملہ محصولات کا جمع کرنا
(۴) درآمد و برآمد اشیاء کی نگرانی
(۵) امن عامہ کا قیام
(۶) عوام کی اخلاقی و مذہبی حالت کی نگرانی اور اصلاح
(۷) جرائم کا انسداد، منکرات و فواحش کا سدِ باب
(۹) حدود اللہ کا اجراء
(۱۰) فتنہ پرور عناصر کی سرکوبی
(۱۱) مال غنیمت کو حسب قاعدہ تقسیم کرنا اور خمس مرکز کو بھیجنا
(۱۲) حجاج کے کاروانوں کی حفاظت

(۱۳) ضعیف العمر فوجیوں کی معاشی ضروریات کی تکمیل کا انتظام

(۱۴) زرعی ترقی اور کسانوں کی فلاح کی کوشش

(۱۵) قاضیوں کا تقرر

حکام کا انتخاب :

حکام کے انتخاب میں انتہائی احتیاط برتتے تھے۔ اس سلسلہ میں آپ کا معیار یہ تھا کہ جس شخص کو حضورؐ جس کام کے لئے مقرر فرما گئے تھے آپ اس میں ہرگز ردو بدل نہ فرماتے تھے۔ مثلاً حضورؐ نے حضرت اُسامہؓ کو سالار لشکر مقرر فرمایا تھا۔ بعد ازاں بعض لوگوں نے مصلحت کے پیش نظر کسی بزرگ صحابی کو اس عہدے پر متمکن کرنے کا مشورہ دیا لیکن آپؓ نے حضرت اسامہؓ کو برقرار رکھا۔ اسی طرح آپ یہ بھی دیکھتے تھے کہ کس شخص نے حضورؐ سے زیادہ سے زیادہ فیض حاصل کیا ہے یہی وجہ ہے کہ آپ اکثر و بیشتر مختلف ذمہ داریاں ان لوگوں کے سپرد کیا کرتے تھے جو فتح مکہ سے قبل مسلمان ہوئے تھے۔ اس سلسلہ میں آپ نے کبھی قبائلی عصبیت یا اقربا نوازی کا رویہ اختیار نہیں کیا۔ اسی سخت اصول اور بلند معیار کا نتیجہ تھا کہ آپ کے مقرر کردہ عمال و حکام نے ہمیشہ اپنی بہترین صلاحیتیں اسلام اور مسلمانوں کی خدمت کے لئے استعمال کیں۔ حضرت یزید بن ابی سفیان کو شام کی امارت پر روانہ کیا تو فرمایا :۔

"اے یزید! وہاں تمہارے اعزا و اقارب ہیں ممکن ہے کہ تم ان کو امارت دینے میں ترجیح دو۔ یہ وہ سب سے بڑی چیز ہے جس کا میں تم سے اندیشہ کرتا ہوں۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص مسلمانوں کے کسی کام کا ذمہ دار ہو اور وہ محض رشتہ کی وجہ سے ان پر کسی شخص کو امیر بنا دے تو اس پر اللہ کی لعنت ہوگی اور اللہ اس کی طرف سے کسی فدیہ اور کفارہ کو قبول نہیں کرے گا حتیٰ کہ اس کو جہنم میں بھیج دے گا۔"[۵]

حکام کی تربیت :۔

جب کسی شخص کو حاکم کی حیثیت سے منتخب فرماتے تو اس کی ذمہ داری کی مناسبت سے اس کو ضروری ہدایات دیتے اور اس کے دل میں ذمہ داری کے احساس کی جوت جگانے کے لئے نہایت عمدہ نصیحتیں فرماتے۔ عمروؓ بن العاص اور ولیدؓ بن عقبہ کو جب قبیلۂ بنو قضاعہ پر عامل صدقات مقرر کر کے روانہ فرمایا تو ان کی مشایعت کے لئے کچھ دُور تک گئے اور رخصت کرتے ہوئے یہ ہدایت کی :۔

"باطن و ظاہر میں اللہ سے ڈرو۔ کیونکہ جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے اللہ اس کے لئے سہولتیں پیدا کر دیتا ہے اور جہاں سے اس کا گمان بھی نہیں ہوتا وہاں سے اس کو رزق دیتا ہے جو شخص

اللہ سے ڈرتا ہے اللہ اس کے گناہ معاف کر دیتا ہے اور اس کا اجر بڑھا دیتا ہے۔ بلاشبہ اللہ سے تقویٰ بندگان خدا کی آپس میں بہترین نصیحت ہے تم اللہ کے ایسے راستہ میں ہو جس میں افراط و تفریط اور مداہنت کی گنجائش نہیں ہے۔ جس میں دین کا استحکام اور خلافت کی حفاظت کا راز مضمر ہے۔ پھر تم سستی اور کاہلی مت اختیار کرو۔"[۸]

حکام کی تنخواہ

عمالِ حکومت کی تنخواہ کا سلسلہ حضورؐ کے زمانہ ہی سے شروع ہو گیا تھا۔ تنخواہ کا تعین عہدہ کی حیثیت اور ضروریاتِ زندگی کے پیش نظر ہوتا تھا۔

آپ عمال و حکام کی ایک ایک حرکت پر نظر رکھتے تھے چونکہ یہ لوگ حضورؐ کا فیض صحبت حاصل کر چکے تھے اس لئے حضرت عمرؓ کے برعکس حضرت ابوبکرؓ ان کی معمولی بھول چوک سے درگزر فرماتے تھے۔ طبری میں ہے:۔

"ابوبکرؓ اپنے عمال اور آدمیوں کو قید نہیں کرتے تھے"[۹]

لیکن جب کوئی سخت غلطی کرتا تو آپؓ اس کو مناسب تنبیہ ضرور فرماتے تھے خواہ وہ عہدہ کے اعتبار سے کتنا بڑا کیوں نہ ہو؛ حضرت مہاجر بن اُمیہ کے بارے میں آپ کو معلوم ہوا کہ انہوں نے ایک ایسی عورت کے دانت اکھڑوا دیے جو مسلمانوں کی ہجو کرتی تھی۔ اس پر آپ نے فوراً حضرت مہاجر کو سرزنش کا خط لکھا جس میں دلائل سے اس جرم کا سراسر ظلم ہونا ثابت کیا[۱۰] حتی کہ اگر آپؓ کو حضرت خالدؓ کی کسی کوتاہی کا علم ہوتا تو آپ ان کو بھی سرزنش کرنے میں تامل نہ فرماتے تھے۔

محکمہ قضا

اس دور میں اگرچہ محکمہ قضا کو باقاعدہ طور پر منظم نہیں کیا گیا تھا۔ تاہم آپ نے قضا کا محکمہ حضرت عمرؓ کے سپرد کر رکھا تھا۔ طبری کا بیان ہے کہ جب ابوبکرؓ خلیفہ ہوئے تو عمرؓ نے کہا "میں آپ کی طرف سے عدالت کی خدمات انجام دوں گا" عمرؓ دو سال تک انتظار کرتے رہے اس عرصے میں کوئی اور آدمی بھی آپ کے پاس اپنا مقدمہ لے کر نہیں آئے اور بعض لوگوں کا بیان یہ ہے کہ ابوبکرؓ نے اپنے زمانہ خلافت میں عمرؓ کو قاضی بنا دیا تھا۔ عمرؓ ایک سال منتظر رہے اس عرصے میں ایک شخص بھی آپؓ کے پاس قضیہ لے کر نہیں آیا[۱۱]۔ محکمہ قضا کے سربراہ کی حیثیت سے حضرت عمرؓ کی مدد حضرت علیؓ، حضرت معاذ بن جبلؓ، حضرت ابی بن کعبؓ، حضرت زیدؓ بن ثابت اور حضرت عبداللہؓ بن مسعود ایسے بلند پایہ فقہا کرتے تھے۔ یہ اصحاب عہدۂ محکمہ افتاء پر بھی فائز تھے۔ جب کوئی اہم دینی مسئلہ پیش آتا تو ان سے مشورہ کیا جاتا[۱۲]

مالی نظام

عہد صدیقی میں سرکاری آمدنی کے بڑے بڑے ذرائع حسب ذیل تھے:۔

(۱) عشر:۔ مسلمانوں کی مملوکہ اراضی کے ایک بڑے حصے کی سالانہ مالگزاری۔
(۲) خراج:۔ ذمیوں کی اراضی کی سالانہ مالگزاری۔
(۳) جزیہ:۔ ذمیوں پر سالانہ مقررہ ٹیکس۔
(۴) زکوٰۃ:۔ مسلمانوں کے اموال نقود، اموال تجارت اور چوپایوں کے ریوڑوں پر مقررہ شرح سے لازمی انفاق۔
(۵) صدقات:۔ مسلمانوں کے اموال وغیرہ میں سے غیر مقررہ شرح سے انفاق۔
(۶) فئ:۔ جنگ کے بغیر حاصل شدہ مال غنیمت۔
(۷) خمس:۔ جنگ کے ذریعے حاصل ہونے والے مال غنیمت کا مقررہ حصہ اور معدنیات اور پوشیدہ خزانہ (رکاز) کی مقررہ رقم۔
(۸) تجارتی اموال پر محصول۔

خمس، صدقات، زکوٰۃ، عشر وغیرہ ذرائع سے حاصل ہونے والی آمدنی فقراء، مساکین، عاملین، مولفۃ القلوب، رقاب، غارمین، سبیل اللہ اور ابن سبیل کے لئے خرچ ہوتی تھی جیسا کہ سورۂ انفال اور سورۂ توبہ میں تصریح کی گئی ہے۔

خراج، جزیہ، فئ وغیرہ ہر قسم کے وظائف، انتظامی ضروریات وغیرہ کے لئے خرچ ہوتے تھے۔

گویا صدیقی عہد میں سرکاری آمدنی صرف ان مصارف کے لئے وقف تھی جن کی تصریح قرآن وسنت میں کر دی گئی تھی اور اس سلسلہ میں خلیفہ کی حیثیت محض امین کی تھی وہ اپنی مرضی سے داد و دہش کرنے کا مجاز نہ تھا۔ وہ اپنے آپ کو بیک وقت خود اللہ عوام دونوں کے سامنے جواب دہ تصور کرتا تھا۔

حضرت ابوبکرؓ آنے والے اموال کو اسلامی حکومت کے نظم ونسق پر ہونے والے اخراجات مثلاً عمال کی تنخواہیں، فوج کے لئے سازو سامان کی فراہمی، دینی خدمات، رفاہی امور وغیرہ میں صرف کرنے کے بعد لوگوں میں تقسیم فرما دیتے۔ ایک مرتبہ آپکے پاس کچھ مال آیا تو آپنے فرمایا "جس کسی سے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ وعدہ فرمایا ہو وہ آجائے"۔ چنانچہ جابر بن عبدالملک آپ کے پاس آئے اور اپنی دونوں ہتھیلیاں ملا کر کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے فرمایا تھا۔ "اگر بحرین کا مال آیا تو میں تجھے اس طرح اس طرح دوں گا۔ یہ سُن کر ابوبکرؓ نے ان سے کہا "لے لو" انہوں نے دونوں ہاتھوں سے سکے اٹھائے پھر انہوں نے شمار کیا تو وہ پانچ سو درہم تھے آپ نے ان سے کہا "ایک ہزار اور لے لو"۔ چنانچہ انہوں نے ایک ہزار اور لے لئے اس کے بعد آپ نے ہر اس شخص کو دیا جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ دینے کا وعدہ کیا تھا۔ اس کے بعد بھی کچھ مال بچ رہا۔ اس کو آپ نے تمام لوگوں میں چھوٹے بڑے، آزاد و غلام، مرد و عورت کا لحاظ کئے بغیر یکساں تقسیم کر دیا۔ اسی طرح ہر آدمی کے حصہ میں سات درہم اور ایک تہائی درہم (۷⅓ درہم) آئے۔"[۱۳]

آئندہ سال بہت سا مال آیا جو اس سے زیادہ تھا اس مال کو بھی آپؓ نے سب لوگوں کو تقسیم کر دیا ہر آدمی کے حصے میں بیس[۲] درہم آئے۔[۱۴]

کچھ لوگوں نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا:۔

"اے رسولِ خدا کے نائب! آپ نے اس مال کی تقسیم میں تمام لوگوں کو مساوی رکھا ہے، حالانکہ ان لوگوں میں بعض لوگ وہ ہیں جنہیں دوسروں پر شرف حاصل ہے، وہ دعوتِ اسلام پر لبیک کہنے میں سبقت رکھتے ہیں اور قدیم الاسلام ہیں۔ بہتر ہوتا کہ آپ اپنے اصحابِ فضل و سبقت اور پیش قدمی کرنے والے افراد کو دوسروں سے زیادہ دیتے۔"

اس پر صدیق اکبرؓ نے فرمایا:-

"تم نے سابقیت، اولیت اور فضیلت کا جو ذکر کیا ہے تو میں اس سے اچھی طرح واقف ہوں۔ یہ ایسی چیزیں ہیں جن کا ثواب اللہ جل ثناؤہٗ دے گا۔ مگر یہ (تقسیم مال کا معاملہ) معاملاتِ دنیا میں سے ہے اور اس میں ترجیح و امتیاز کے بجائے مساوات بہتر ہے۔" [۱۵]

آپ کے دور میں اگرچہ آمدنی میں بے حد اضافہ ہو گیا تھا لیکن بعض لوگوں کے خیال میں آپ نے بیت المال قائم ہی نہیں کیا تھا یہ کام حضرت عمرؓ نے کیا[۱۶]۔ حالانکہ انہی لوگوں نے عہدِ صدیقی میں حضرت ابو عبیدہ کے بیت المال کے منتظم کی حیثیت سے تقرر کا تذکرہ بھی کیا ہے[۱۷]۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بیت المال تو قائم ہو گیا تھا لیکن آپ اموال کی تقسیم فرما دیا کرتے تھے۔ شاہ معین الدین احمد ندوی صدیق اکبرؓ کے مالی انتظام کے بارے میں رقمطراز ہیں:-

"آخر عہدِ خلافت میں بیت المال کے لئے ایک عمارت تعمیر کرائی تھی لیکن اس میں کوئی رقم جمع کرنے کی نوبت نہ آئی اسی لئے اس کی حفاظت کا بھی کوئی انتظام نہ تھا، ایک مرتبہ کسی نے کہا آپ بیت المال کی حفاظت کے لئے کوئی محافظ کیوں نہیں مقرر فرماتے جواب دیا۔" اس کی حفاظت کے لئے ایک قفل کافی ہے اکثر ایسا ہوتا کہ روپیہ تقسیم کر دینے کے بعد بیت المال میں جھاڑو پھروا دیتے۔ اس کا نتیجہ تھا کہ وفات کے بعد جب بیت المال کا جائزہ لیا گیا تو اس میں صرف ایک درہم نکلا۔" [۱۸]

بیت المال کی اس کیفیت کے باوجود طبری کا بیان ہے کہ جب ابو بکرؓ خلیفہ ہوئے تو ابو عبیدہؓ نے کہا کہ میں آپ کی طرف سے محکمہ مال کی خدمت انجام دوں گا[۱۹]۔ ممکن ہے کہ حضرت ابو عبیدہ صرف آمد و خرچ کی تفصیلات محفوظ کرتے اور بعض مالی معاملات میں حضرت ابو بکرؓ کو ضروری مشورے دیتے ہوں۔

فوجی نظام

جنگ و جدل عربوں کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی اس کے باوجود ان کے ہاں کوئی باقاعدہ فوجی نظام نہیں تھا۔ سب سے پہلے حضورؐ نے اس شعبۂ حیات کی تنظیم کی۔ صدیق اکبرؓ نے حضورؐ کے بتائے ہوئے اصولوں کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے اسلامی افواج کی تنظیم کی۔ اسی تنظیم کی مدد سے آپؓ نے نہ صرف اندرونِ ملک سر اٹھانے والے فتنوں کو فرو کیا بلکہ اس زمانے کی طاقتور ترین حکومتوں روم و ایران کی فوجوں کو شکست دی۔

صدیقی سپہ سالار

خلیفہ منتخب ہونے کے فوراً بعد صدیق اکبرؓ کو متعدد قبائل کی سرکوبی کا انتظام کرنا پڑا اس لئے آپ نے مندرجہ ذیل گیارہ سپہ سالاروں کے الگ الگ دستے مقرر فرمائے اور ہر ایک دستہ کا عَلم بھی الگ الگ بنایا۔

(۱) حضرت خالدؓ بن ولید (۲) حضرت عکرمہؓ بن ابو جہل (۳) حضرت مہاجرؓ بن اُمیہ
(۴) حضرت خالد بن سعید بن العاصؓ (۵) حضرت شرحبیلؓ بن حسنہ (۶) حضرت عمروؓ بن العاص
(۷) حضرت حذیفہ بن محصن (۸) حضرت عرفجہؓ بن ہرثمہ (۹) حضرت طریفہؓ بن حاجز
(۱۰) حضرت سویدؓ بن مقرن (۱۱) حضرت علاءؓ بن حضرمی[۲۰]

اس دور میں کسی ایک کو ان سب دستوں پر سپہ سالار مقرر نہیں فرمایا لیکن بعد ازاں جب توجہ مخصوص محاذوں پر مرکوز ہوئی اور منتشر دستے اور افواج کو یکجا کرنے کی ضرورت پیش آئی تو صدیق اکبرؓ نے کمانڈر انچیف یا قائد القواد کا عہدہ قائم کیا۔ جو پورے میدان جنگ کا سب سے بڑا افسر ہوتا تھا اور فوج میں شامل تمام دستوں کے سالار اس کے ماتحت ہوتے تھے

فوج کی تمام نقل وحرکت صرف اس کے حکم پر ہوتی تھی۔ شام کے محاذ پر جنگ آزما اسلامی افواج میں مختلف دستوں کی کمان ابو عبیدہؓ بن الجراح، عمروؓ بن العاص اور شرحبیل بن حسنہ وغیرہم کے ہاتھوں میں تھی لیکن ان تمام کمانڈروں پر حضرت خالدؓ بن ولید کو مقرر کیا گیا تھا۔ جنہوں نے صورت حال کا جائزہ لے کر اپنے نقطۂ نظر کے مطابق فوج کو مرتب کیا[۲۱]۔ حالت امن میں سپہ سالار کے فرائض فوج کی تعلیم وتربیت اور سامان جنگ کی فراہمی تک محدود تھے[۲۲]۔

عرب میں عام طور پر فوج پانچ حصوں میں تقسیم ہوتی تھی اسی بنا پر فوج کو عربی میں خمیس بھی کہتے ہیں جو خمس (پانچ) سے مشتق ہے۔ فوج کا اگلا حصہ مقدمۃ الجیش یا طلیعہ اور پچھلا حصہ ساقہ کہلاتا تھا۔ دائیں حصے کو میمنہ اور بائیں حصے کو میسرہ کہتے تھے۔ ان سب حصوں کے درمیان جو فوج ہوتی تھی اس کو قلب کہا جاتا تھا اس میں سالار فوج ہوتا تھا[۲۳]۔

فوج کی ترتیب دو طرح کی ہوتی تھی۔ (۱) تعبیہ:۔ اس ترتیب میں فوج کے سب حصے قریب قریب رکھے جاتے تھے (۲) بعید:۔ اس ترتیب میں لشکر کے مختلف حصے ایک دوسرے سے فاصلے پر ہوتے تھے۔ اس میں ہر حصہ فوج کو "کردوس" کہتے تھے۔ حضورؐ کے دور میں تعبیہ کا رواج تھا اور صدیق اکبرؓ کے زمانے میں دونوں ترتیبوں سے کام لیا گیا[۲۴]۔

حضرت خالدؓ بن ولید نے شام پہنچ کر جب دیکھا کہ دشمن کی تعداد دو لاکھ چالیس ہزار ہے اور اس کے مقابلے میں مسلمانوں کی تعداد صرف چھتیس ۳۶ ہزار ہے تو آپ نے اسلامی فوج کو چھتیس سے چالیس کرادیس (دستوں) میں تقسیم کر دیا اور ہر دستہ کا ایک ایک امیر مقرر کر دیا۔ قلب کے دستوں کے امیر ابو عبیدہؓ بن الجراح میمنہ کے دستوں کے امیر عمروؓ بن العاص اور شرحبیلؓ بن حسنہ، میسرہ کے دستوں کے امیر یزیدؓ بن ابو سفیان تھے اور پھر ہر دستہ کا ایک ایک امیر بھی تھا مثلاً قعقاعؓ بن عمرو۔ عبداللہ بن مسعود وغیرہم[۲۵]

اسلامی لشکر میں سوار بھی ہوتے تھے اور پیادہ بھی۔ دشمن کی نقل و حرکت کی اطلاع دینے والا عملہ بھی مصروف کار رہتا تھا۔ اور مرکز خلافت اور محاذ جنگ پر مصروف افواج میں رابطہ برقرار رہتا تھا۔ دونوں طرف سے پیغام رسانی کا بہترین انتظام تھا۔

فوجی تربیت

عہد صدیقی میں فوجی تعلیم و تربیت کا کوئی انتظام نہ تھا بلکہ ہر مسلمان مجاہد بھی تھا۔ ضرورت کے وقت لوگ رضاکارانہ طور پر اپنی خدمات پیش کرتے تھے ان کو لے لیا جاتا تھا یہ لوگ فن حرب سے واقف ہوتے تھے۔ اس سلسلہ میں صدیق اکبرؓ اتنی احتیاط ضرور کرتے تھے کہ شروع شروع میں فوج میں وہ لوگ شامل نہ ہونے پائیں جو کبھی مرتدین کی حمایت میں مسلمانوں سے لڑ چکے تھے[۲۶]

طریقِ جنگ

ڈاکٹر حسن ابراہیم حسن صدر اسلام میں عربوں کے طریقِ جنگ کے بارے میں لکھتے ہیں:۔

"عرب جاہلیت میں لڑنے کے دو طریقے یعنی کرّ و فرّ رائج تھے عرب اپنے دشمن پر جارحانہ حملہ کرتے یہ "کرّ" تھا اور جب وہ اپنے اندر کچھ ضعف اور تھکن محسوس کرتے تھے تو پیچھے ہٹ آتے اور پھر ستانے کے بعد دشمنوں پر ٹوٹ پڑتے۔ یہ "فرّ" کہلاتا تھا۔ عہد جاہلیت میں عربوں کا یہی طریقہ جنگ تھا جو کسی نظام کے بغیر رائج تھا۔

اسلام کے بعد عرب جرنیلوں نے اس طریقہ کو ناکافی خیال کیا اور تجربات سے معلوم ہوا کہ یہ طریقہ ایک منظم فوج کے لئے مناسب نہیں ہے قرآن نے ان الفاظ میں طریقہ جنگ میں اصلاح کی طرف اشارہ فرمایا۔ "بلا شبہ خدا اُن لوگوں سے محبت کرتا ہے جو خدا کے راستہ میں "بنیانٌ مرصوص" کی طرح لڑتے ہیں چنانچہ مسلمان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں نماز کی طرح صف باندھ کر لڑنا شروع کرتے تھے اور برابر سب دشمن کی طرف بڑھتے اور ایک انچ بھی آگے پیچھے نہ ہوتے"[۲۷]

اسلحہ

زرہ، تلوار، رمح (بڑا نیزہ)، حربہ (چھوٹا نیزہ)، تیر کمان، منجنیق، اسبور وغیرہ اسلامی فوج کے مخصوص ہتھیار تھے۔ یہ ہتھیار عوام اور حکومت دونوں کی طرف سے مہیا کئے جاتے تھے۔

حفاظ و خواتین

میدان جنگ میں فوج کو جوش دلانے کے لئے حفاظ و قراء بھی موجود رہتے تھے اسی طرح خواتین بھی مختلف

امدادی سرگرمیوں میں مصروف رہتی تھیں۔

وردی:۔ فوج کا مخصوص لباس کیا تھا اس کی تفصیل معلوم نہیں ہو سکی البتہ یہ ضرور ثابت ہے کہ یہ لباس مخصوص قسم کا ہوتا تھا۔

جنگی ہدایات

خلیفہ کی طرح سپہ سالار کی اطاعت بھی ضروری تھی کیونکہ وہ خلیفہ کا قائمقام ہوتا تھا اور اسی حیثیت سے نماز کی امامت بھی کرتا تھا[۲۸]۔

اسلامی فوج کے سپہ سالاروں کو موقع محل کے مطابق فوج کی ترتیب اور بعض دیگر معاملات میں مکمل اختیارات حاصل تھے لیکن بعض اوقات مرکز خلافت سے اس کی نقل وحرکت کا مکمل نقشہ مرتب کر دیا جاتا تھا جس کی پابندی اس کے لئے لازمی ہوتی تھی۔ مرتدین کے استیصال کے لئے حضرت ابوبکرؓ نے حضرت خالدؓ کو روانہ کرتے وقت حکم دیا:۔

"پہلے وہ اکناف پر طے سے شروع کریں اور پھر بزاخہ کا رخ کریں اور وہاں سے آخر میں بُطاح تک جائیں اور جب وہ دشمن سے فارغ ہو جائیں تو تا وقتیکہ ان کو جدید احکام موصول نہ ہوں وہ اور قصد نہ کریں۔"[۲۹]

جب خالدؓ بن ولید مرتدین کے استیصال میں کامیاب رہے تو حضرت ابوبکرؓ نے انہیں یمامہ سے عراق کی طرف کوچ کرنے کا حکم دیا۔ جہاں نیا محاذِ جنگ کھلنے والا تھا۔ اس موقع پر صدیق اکبرؓ نے انہیں یہ فرمان بھجوایا:

"(اے خالدؓ) اب عراق کی طرف کوچ کیجئے اور مقام فرج الہند کہ اُبلہ کے نام سے مشہور ہے اسے پہلے فتح کیجئے۔ اہل فارس اور ان کے ہاں کے غیر ملکی باشندوں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آیئے۔"[۳۰]

جنگ اجنادین میں مسلمانوں کو شاندار فتح حاصل ہوئی۔ تو حضرت خالدؓ بن ولید نے حضرت ابوبکرؓ کو خط لکھا جب یہ خط عبدالرحمٰنؓ بن حمید لے مدینہ میں آکر حضرت ابوبکرؓ کی خدمت میں پیش کیا تو آپؓ بے حد مسرور ہوئے اور اس خط کے مندرجات سے لوگوں کو مطلع کیا۔ بعد ازاں آپ نے خالدؓ بن ولید کو جو خط لکھا اس میں فتح پر مبارکباد دینے کے علاوہ بعض جنگی ہدایات بھی دیں۔ آپؓ نے لکھا:۔

"تم اپنی سواریوں پر یہاں تک چلو کہ انتہائے ملک کفار کو طے کر لو اور باغہائے شام میں پہنچو تاکہ اللہ تعالیٰ اس کی فتح کا تمہارے ہاتھ پر حکم دے۔ پھر حمص اور محرات کی طرف جاؤ اور انطاکیہ فتح کرو۔ .... جب تم بڑے پہاڑ یعنی حوالی شہر انطاکیہ پر اُترو اور بادشاہ وہاں ہو تو اگر وہ تم سے مصالحت کرے تو تم بھی اس سے مصالحت کر لو وہ لڑے تو تم بھی اس سے لڑو اور تم بغیر میری اطلاع کے پہاڑوں کے دروں میں مت جاؤ۔"[۳۱]

علاوہ ازیں نائب رسولؐ کی حیثیت سے حضرت ابوبکر صدیقؓ اپنے امرائے عساکر کو ہمیشہ اس بات کی تاکید کرتے

تھے کہ ان کی جنگ محض اللہ کی رضا کے لئے ہونی چاہیئے اس لئے قتل و خونریزی کی بجائے امن اور اصلاح کی کوشش کی جانی چاہئے۔ فوج اور اس کے سپہ سالار دونوں کو خدا و رسول کے احکام کی مکمل تعمیل کرنا چاہیئے۔ فتنہ ارتداد فرو کرنے کے لئے جب آپ نے مختلف اطراف میں فوجیں روانہ کیں تو آپ نے ان فوجوں کے سالاروں کو ایک جامع فرمان کے ذریعے جو ہدایات دیں وہ اسلامی جہاد کو سمجھنے کا قیمتی ذریعہ ہیں آپ نے فرمایا:۔

"ہم نے ان امراء کو اس شرط پر یہ منصب دیا ہے کہ وہ دل میں اور اعلانیہ جہاں تک ہو سکے اللہ سے ڈرتے رہیں گے اور مرتدین کے مقابلے میں خلوص نیت کے ساتھ پوری سعی کریں گے اور ان سے اللہ کے لئے لڑیں گے ہاں مگر اس سے پہلے وہ ان کو اپنی اصلاح کا موقع دیں گے اور اسلام کی دعوت دیں گے تاکہ اگر وہ اسے قبول کرلیں ان سے کوئی تعرض نہ کیا جائے گا اور اگر انکار کریں تو ان پر یورش کردی جائے یہاں تک کہ وہ پھر اسلام لے آئیں تب ان کو ان کے حقوق اور فرائض بتائے جائیں۔ جو ان پر واجب الادا ہو وہ وصول کیا جائے اور جس کے وہ مستحق ہوں وہ ان کو دیا جائے ....."[۳۲]

حضرت اسامہ بن زیدؓ کی قیادت میں آپ نے جو لشکر عرب و شام کی سرحد پر روانہ فرمایا جب وہ چلنے لگا تو آپ نے اس کو یوں خطاب کیا:۔

"ذرا ٹھہر جاؤ تاکہ میں دس باتوں کی تم کو نصیحت کردوں ان کو اچھی طرح یاد رکھو:۔

(۱) خیانت نہ کرنا

(۲) نفاق نہ برتنا

(۳) بدعہدی نہ کرنا

(۴) مُثلہ نہ کرنا (اعضائے جسم کو قطع نہ کرنا)

(۵) کسی چھوٹے بچے کو، پیر مرد کو اور عورت کو قتل نہ کرنا

(۶) کسی کھجور کے درخت کو نہ کاٹنا اور نہ جلانا اور کسی ثمر دار درخت کو قطع نہ کرنا

(۷) سوائے کھانے کی ضرورت کے بیکار کسی بکری، گائے اور اونٹ کو ذبح نہ کرنا

(۸) تم کو ایسے لوگ بھی ملیں گے جو ترک دنیا کرکے خانقاہوں میں بیٹھ گئے ہیں ان سے کوئی تعارض نہ کرنا

(۹) بعض لوگ تمہارے لئے کھانوں کے خوان لائیں گے اگر تم اس میں سے کچھ کھانا چاہو تو اللہ کا نام لے کر کھانا۔

(۱۰) ایسے لوگوں سے تمہارا مواجہہ ہوگا جن کے سر کی چندیا صاف ہوگی اور اس کے گرد بالوں کی پٹیاں جمی ہوں گی، ایسے لوگوں کی خبر تلوار سے لینا"[۳۳]

غیر مسلم رعایا

اسلام نے غیر مسلموں سے رواداری کی خاص طور پر تلقین کی ہے حضورؐ نے اپنے عمل سے غیر مسلموں

کے دل موہ لئے تھے ۔ صدیق اکبرؓ نے بھی حضورؐ کی اتباع میں غیر مسلموں سے حسن سلوک کی عمدہ مثال قائم کی ۔ آپ نے ان کے ان تمام حقوق کو برقرار رکھا جن کی ضمانت حضورؐ نے دی تھی ۔ آپؓ نے نہ صرف غیر مسلموں کے ساتھ کئے ہوئے حضورؐ کے عہد و پیمان کی تجدید و توثیق فرمائی بلکہ نئے ذمیوں کو بھی وہی حقوق عطا فرمائے ۔ چنانچہ حیرہ کے عیسائی باشندوں کو از روئے معاہدہ یہ حقوق عطا کئے :۔

"ان کی خانقاہیں اور گرجے منہدم نہ کئے جائیں گے ، ان کا کوئی ایسا قصر گرایا جائے گا جس میں وہ ضرورت کے وقت دشمنوں کے مقابلہ میں قلعہ بند ہوتے ہیں ۔ ناقوس بجانے کی ممانعت نہ ہوگی اور نہ تہوار کے موقع پر صلیب نکالنے سے روکے جائیں گے"۔[۳۴]

جزیہ کی شرح بہت تھوڑی تھی پھر بکثرت ذمیوں کو اس سے مستثنیٰ قرار دے دیا جاتا تھا ۔ چنانچہ حیرہ کے سات ہزار باشندوں میں ایک ہزار بالکل مستثنیٰ تھے اور باقی ذمیوں سے دس دس درہم سالانہ لیا جاتا تھا اور معذور اور نادار ذمیوں کی کفالت حکومت کے ذمے تھی"۔[۳۵]

حاشیہ جات

(۱) اُردو دائرہ معارف اسلامیہ ، جلد اول ، ص : ۷۵۵ (۲) تاریخ الخلفا ، ص : ۹۴ (۳) ابوبکر صدیق اکبر ص : ۳۴۰ (۴) شارٹ ہسٹری آف دی سارا سینز ، ص : ۵۷ (۵) صدیق اکبر ، ص : ۳۱۸ (۶) مسلمانوں کا نظمِ مملکت ، ص : ۱۸۰ (۷) صدیق اکبرؓ ، ص : ۳۲۱ (۸) صدیق اکبر ، ص : ۳۳۳ (۹) تاریخِ طبری ، دوم ، ص : ۹۷ (۱۰) تاریخ الخلفاء ، ص : ۱۱۵ (۱۱) تاریخِ طبری ، دوم ، ص : ۲۷۲ (۱۲) صدیق اکبر ، ص : ۳۲۸ - ۳۲۹ (۱۳) کتاب الخراج ، ص : ۲۰۱ (۱۴) کتاب الخراج ، ص : ۲۰۱ (۱۵) کتاب الخراج ص : ۲۰۲ (۱۶) ، (۱۷) تاریخ الخلفاء ، ص : ۹۶ (۱۸) تاریخ اسلام ، حصہ اول ، ص : ۱۵۱ (۱۹) طبری ، دوم ، ص : ۲۷۲ (۲۰) سیاسی وثیقہ جات ، ص : ۲۰۷ - ۲۰۸ (۲۱) طبری ، دوم ، ص : ۲۳۷ (۲۲) مسلمانوں کا نظمِ مملکت ، ص : ۲۱۲ (۲۳) ، (۲۴) صدیق اکبر ، ص : ۳۵۴ ..... (۲۵) صدیق اکبر ، ص : ۳۵۴ (۲۶) صدیق اکبر ، ص : ۳۵۸ (۲۷) مسلمانوں کا نظمِ مملکت ، ص : ۲۱۲ - ۲۱۳ (۲۸) مسلمانوں کا نظمِ مملکت ، ص : ۲۱۲ (۲۹) تاریخ طبری (اُردو) دوم ، صفحہ : ۷۰ (۳۰) سیاسی وثیقہ جات (اُردو) ، ص : ۲۲۹ (۳۱) جہادِ صدیق ، ص : ۱۲۵ ..... (۳۲) تاریخ طبری (اُردو) ، دوم ، ص : ۶۸ - ۶۹ (۳۳) تاریخ طبری ، دوم ، ص : ۳۸ - ۳۹ (۳۴) تاریخِ اسلام ، حصہ اول ، ص : ۱۵۳ (۳۵) تاریخِ اسلام ، حصہ اول ، ص : ۱۵۳

کتابیات

صدیق اکبرؓ، سعید احمد اکبر آبادی، ندوۃ المصنفین دہلی، ستمبر ۱۹۶۱ء
تاریخ طبری، دوم، (اردو ترجمہ) ابی جعفر محمد بن جریر الطبری، نفیس اکیڈیمی کراچی، جون ۱۹۶۷ء
ابو بکر صدیقِ اکبرؓ (اردو ترجمہ) محمد حسین ہیکل، مکتبہ جدید لاہور، ۱۹۶۱ء
تاریخ اسلام، اوّل، شاہ معین الدین احمد ندوی، ایچ ایم سعید کمپنی کراچی، جون ۱۹۷۴ء
کتاب الخراج (اردو ترجمہ)، قاضی ابو یوسفؒ، مکتبہ چراغ راہ کراچی، ستمبر ۱۹۶۶ء
تاریخ الخلفاء (اردو ترجمہ)، جلال الدین سیوطی، نفیس اکیڈیمی کراچی، مارچ ۱۹۶۳ء
سیاسی وثیقہ جات (اردو ترجمہ) ڈاکٹر محمد حمید اللہ، مجلس ترقی ادب لاہور، ۱۹۶۰ء
مسلمانوں کا نظم مملکت (اردو) ڈاکٹر حسن ابراہیم حسن، دار الاشاعت کراچی، ۱۹۷۵ء
اردو دائرہ معارف اسلامیہ جلد اوّل، پنجاب یونیورسٹی لاہور، ۱۹۶۴ء
جہادِ صدیقؓ، میجر جنرل محمد اکبر خان (رنگروٹ)، فیروز سنز لاہور، بار اوّل
اے شارٹ ہسٹری آف دی سارا سینز (انگریزی)، نیشنل بک فاؤنڈیشن پاکستان، ۱۹۷۵ء

پروفیسر شاہ فرید الحق

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی سیاسی حکمت عملی

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام میں سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جو اولیت اور خصوصی اہمیت حاصل ہے اس سے مسلمانوں کے قلوب آشنا ہیں۔ بلکہ غیر مسلمین اور مخالفین کے یہاں بھی ان کے کارناموں کو خصوصی اہمیت حاصل ہے۔ اسلامی تاریخ میں رسالت مآب ختمی مرتبت حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ وہ واحد شخصیت نظر آتے ہیں جنہوں نے دین متین کی ایسی آبیاری کی کہ رہتی دنیا تک اس کے پھول اور پھل سے مسلمان عالم مستفیض ہوتے رہیں گے۔ دراصل خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد، یہی ذات بابرکات سرچشمہ ہدایت نبی کرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت اور پھر نیابت کا جو حق اس ذات نے ادا کیا اس پر ساری دنیا کو اگر حیرت ہے تو تعجب کی بات نہیں۔ ایمان و ایقان، ہمدردی، جان نثاری نیز الفت و محبت کا جو معیار صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پیش کیا وہ عام تو عام خواص کے بس کی بات نہیں ہے۔ اگر کسی کو مزاج شناس رسول کہا جاسکتا ہے تو اس کے مستحق بدرجہ اولیٰ صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہو سکتے ہیں۔ دنیا کے سارے پیغمبروں کے ساتھیوں میں ایسے کسی ساتھی کی مثال نہیں ملتی جس نے اپنا سب کچھ جان و مال، اہل و عیال پیغمبر پر قربان کر دیا ہو اور اس کے باوجود انتہائی مطمئن اور بے فکر ہو۔ ایمان و جان نثاری کی ایسی مثال ملنی مشکل ہے کہ محبت رسول میں چہیتے جوان بیٹے کے سامنے باپ قتل کرنے کے لئے تلوار لے کر کھڑا ہو۔

یہ بھی قدرت کا عطیہ ہے کہ یہی وہ شخصیت ہے جس کے کردار اور اعمال میں اگر بالکل نہیں تو کافی حد تک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مماثلت پائی جاتی ہے۔ اسلام لانے کے بعد جو تغیر و تبدل ہوا وہ تو الگ بات ہے کمال یہ ہے کہ اسلام لانے سے پہلے بھی صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان تمام لغویات اور خرافات سے مبرا تھے جو ایام جاہلیت میں ذائع اور شائع تھے۔ امانت و دیانت۔ ہمدردی۔ پریشان

حالوں کی امداد ۔ متانت اور سنجیدگی بعثت نبوی سے پہلے بھی ان کا طرہ امتیاز تھا ۔ شراب و بت پرستی ۔ دغا فریب ، بد کلامی اور لڑائی جھگڑے سے اللہ تعالیٰ نے صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پہلے ہی بچا رکھا تھا۔

اس ایک واقعہ سے اس کا اندازہ لگائیے کہ جب پہلی دفعہ ہجرت حبشہ کا حکم ہوا تو صدیق اکبر بھی مکہ چھوڑنے کے لئے تیار ہو گئے ابھی راستہ ہی میں تھے کہ ابن الدغنہ رئیس قارہ سے ملاقات ہوئی اس نے جانے کا سبب پوچھا تو قوم کی ایذا رسانی کا ذکر کیا۔ ابن الدغنہ نے کہا یہ نہیں ہو سکتا تم تو مفلس اور بے نوا کی دستگیری کرتے ہو قرابت داروں کا خیال رکھتے ہو مہمان نوازی کرتے ہو ، مصیبت زدوں کی اعانت کرتے ہو میرے ساتھ واپس چلو اور اپنے ہی وطن میں خدا کی عبادت کرو ۔

آپ کو شرفائے مکہ میں بڑی عزت اور تکریم کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ اس مضمون میں ہمیں صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایک خصوصی پہلو پر روشنی ڈالی ہے ورنہ اگر ہر جہت سے اس عظیم شخصیت کا مختصراً بھی احاطہ کیا جائے تو ایک ضخیم کتاب بن جائے گی ۔ ان کی زندگی اور عمل کا ہر گوشہ ایک پورا دفتر ہے ۔ پھر یہ کہ رفاقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں جو خصوصی حیثیت انہیں حاصل ہے وہ کسی دوسرے کو نہیں نبوت تو ایک بحرِ بے پایاں ہے ، صدیقیت اس کا کنارہ ہے ۔ کنارے تک پہنچنے ہی میں بڑے دشوار گذار راستوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے ۔ نبوت کے بحر بیکراں میں کس کو غوطہ لگانے کا یارا ہے ۔

نبوت کے ہر کٹھن مرحلہ پر صدیقیت کا جلوہ نظر آتا ہے ۔ خواہ وہ مکی زندگی کے جانگداز دن ہوں یا ہجرت کی کٹھن رات ۔ غار ثور کا جانکاہ قیام ہو یا مدینہ منورہ کے سفر کی آبلہ پائی ۔ غزوات بدر ۔ احد ۔ حنین اور خندق کے معرکے ہوں یا صلح حدیبیہ اور فتح مکہ کے واقعات ہوں ۔ نبوت کی شان و شوکت کے ساتھ ساتھ صدیقیت بھی پیش پیش نظر آتی ہے ۔

آئیے اب ہم دیکھتے ہیں کہ اس عظیم الشان شخصیت کی سیاسی حکمت عملی اور تدبیر نے کیا کارہائے نمایاں انجام دئے ہیں ۔ سیاسی حکمت عملی سے مراد کسی ریاست اور حکومت کے معاملہ میں حاکم وقت کا سنگین اور بحرانی حالات میں ریاست اور حکومت کے کاموں کو حسن و خوبی انجام دینا ۔ رعایا کے حقوق کو بحال رکھنا ۔ قوانین کی بالادستی قائم کرنا ۔ دشمنوں کی کامیابی سے سرکوبی کرنا اور فتنہ اور فساد کو حسن تدبیر سے ختم کر دینا ۔ اور سب سے بڑھ کر نظریہ اور اصول پر سختی سے قائم رہنا ہے ۔

سقیفہ بنی ساعدہ میں حکمتِ عملی کا اعلیٰ مظاہرہ :

آفتاب نبوت کے پردہ فرماتے ہی مختلف فتنوں نے سر اٹھایا ۔ بالخصوص منافقین کو کھل کھیلنے کا موقع ہاتھ لگا ۔ سب سے پہلا کام انہوں نے یہ کیا کہ خلافت اور جانشینی کے لئے لوگوں کو آپس میں

دست وگر بیاں کرنے کی سعی کی۔ انصار سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع ہو گئے۔ اور اس بات پر تقریریں شروع کر دیں کہ کسے امیر اور خلیفہ ہونا چاہیئے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو معلوم ہوا۔ وہ فوراً سارا کام چھوڑ کر صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ساتھ لے کر موقع پر پہنچے۔ اگر بروقت یہ لوگ نہ پہنچتے تو حالات نہ جانے کیا رُخ اختیار کر جاتے۔ وہاں پہنچ کر یہ دیکھا کہ انصار اپنی امارت اور خلافت کے لئے تقریریں کر رہے ہیں۔ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ انصار کے فضائل و مناقب بیان فرما رہے ہیں۔ بات جب زیادہ بڑھی تو یہ مطالبہ ہو گیا کہ ایک امیر انصار سے اور ایک قریش سے۔ انصار کی تقریر کے بعد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کھڑے ہوئے لیکن صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انہیں بٹھا دیا اور خود تقریر کرنے کھڑے ہو گئے۔ فرمایا:

"بیشک اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی خلقت کی طرف رسول اور اپنی امت پر گواہ بنا کر بھیجا تاکہ بندے اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں اور اس کی توحید کا اقرار کریں۔ حالانکہ لوگ کتنے ہی ایسے معبودوں کی جو لکڑی اور پتھر سے بنائے گئے تھے محض اس خیال سے پوجا کرتے تھے۔ کہ وہ اللہ تعالیٰ کے یہاں ان کی سفارش کریں گے اور ان کو نفع پہنچائیں گے جیسا کہ حق سبحانہٗ کا ارشاد ہے 'یہ لوگ اللہ کے سوا ایسے خداؤں کو پوجتے ہیں جو ان کو نہ تو کوئی نقصان پہنچا سکتے ہیں اور نہ کسی قسم کا نفع اور پھر کہتے ہیں کہ ہم بتوں کو اس لئے پوجتے ہیں تاکہ بارگاہ الٰہی میں قرب بڑھائیں'۔

"یہ بات عربوں کو نہایت ناگوار گذری کہ وہ اپنے آباؤ اجداد کا دین چھوڑ دیں اور اس نئے مذہب کو قبول کریں مگر اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کی قوم میں سے مہاجرین اولین کو اپنے رسول کی تصدیق کی توفیق بخشی اور آپ کی اقتداء اور خدمت کے لئے تیار ہو گئے اور جو ایذائیں ان کی قوم نے انہیں دیں اور ان کی تکذیب کی اس پر انہوں نے صبر و تحمل کیا حالانکہ اس وقت تمام لوگ ان کے مخالف تھے اور شیر کی طرح ان پر حملہ کرتے تھے، مگر باوجود اپنی قلت تعداد کے اور لوگوں کی دشمنی کے آپ سے ہرگز جُدا نہ ہوئے اس لیے یہی لوگ ان میں سب سے اول ہیں جنہوں نے روئے زمین پر اللہ تعالیٰ کی عبادت کی اور اللہ اور اللہ کے رسول پر ایمان لائے اور یہی لوگ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اولیاء اور قرابت دار اور کنبے دار ہیں اور آپ کے بعد امیر خلافت کا اختیار اپنے ہاتھ میں لینے کے لئے زیادہ حقدار ہیں اس معاملہ میں ظالم آدمی ہی ان سے جھگڑا کر سکتا ہے اور اے گروہ انصار آپ لوگوں کی دین جو فضیلت ہے اور اسلام لاتے ہیں جو آپ لوگوں نے سبقت کی ہے اس سے کون انکار کر سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی مرضی سے اپنے دین کا اور اپنے رسول کا انصار تمہیں بنایا ہے اور رسول کو تمہاری طرف ہجرت کرائی ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ازواج اور اصحاب اکثر آپ لوگوں میں سے ہیں اس لئے مہاجرین اولین کے بعد ہمارے نزدیک تمہاری منزلت کا اور

کوئی شخص نہیں اس وجہ سے امیر ہم میں سے ہوں اور وزیر تم میں سے۔ تم لوگ اپنے مشورہ پر ضد نہ کرو۔ میں ان دونوں میں سے حضرت عمر فاروقؓ اور حضرت ابو عبیدہ ابن الجراح رضی اللہ تعالیٰ عنہما جس ایک کو تم پسند کرلو منتخب کرتا ہوں۔"

اس پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فوراً صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف ہاتھ بڑھا دیا اور فرمایا کہ ان سے بڑھ کر بزرگ شخص کوئی نہیں ہے۔ آپ ہی ہمارے سردار ہیں اور ہم لوگوں میں سب سے بہتر اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو سب سے زیادہ عزیز رکھتے تھے۔

ساری خلقت بیعت کے لئے ٹوٹ پڑی اور یوں ایک بہت بڑا فساد جو امت مسلمہ میں رونما ہونے والا تھا ٹل گیا۔ سیاسی حکمتِ عملی کا تقاضا یہی تھا کہ سب سے پہلے خلافت کا مسئلہ طے کیا جائے اور امورِ سلطنت کی انجام وہی کے لئے کسی کا حکم مانا جائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم اقدس کو دفنانے کا مسئلہ کھڑا ہو گیا۔ صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی دینی بصیرت سے مسئلہ کو حل کر دیا۔ ورنہ منافقین ایک نیا فتنہ لے کر کھڑے ہو گئے تھے۔

خلافت کی ذمہ داری سنبھالنے کے بعد اس مردِ باصفا نے جس تدبر اور دُور اندیشی کا ثبوت دیا اس کی مثال دنیا کی تاریخ میں نہیں ملتی۔ فطرتِ انسانی کا تقاضا ہے کہ جب انسان میں اتنی خوبیاں جمع ہو جائیں اور لوگ اس کی خوبیوں کو بیان کرنے لگیں تو ذہن میں عجیب وغریب قسم کے خیالات آنا شروع ہو جاتے ہیں اور کہیں نہ کہیں اپنی اہمیت کا اندازہ ہونے لگتا ہے جس کا اظہار کسی نہ کسی طرح قول و فعل سے ہو جاتا ہے۔ اور پھر ایسی شخصیت کو اگر سلطنت کی امارت مل جائے تو کیا ہو؟ ایسے وقت میں بڑے سے بڑے متقی اور پرہیزگار کا قدم بھی ڈگمگا سکتا ہے۔ لیکن کیا شخصیت ہے۔ کیسی تربیت ہے نفس پر کیسا کنٹرول ہے کہ سب کچھ ہونے کے باوجود صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں سرِ مُو کوئی فرق نہیں آیا۔ سریر آرائے حکومت ہونے کے بعد پہلا ہی خطبہ سیاسی حکمتِ عملی اور تدبر کا اعلیٰ شاہکار ہے اور دنیا بھر کے حاکموں کے لئے مثال ہے۔

فرماتے ہیں۔ "اے لوگو خدا کی قسم مجھ کو ہرگز ہرگز امیر بننے کی خواہش نہ تو کبھی دن میں ہوئی اور نہ کبھی رات کو اور نہ میرا میلان اس کی جانب تھا اور نہ میں نے اللہ تعالیٰ سے اعلانیہ یا پوشیدہ کبھی امارت کے لئے دعا کی البتہ مجھ کو یہ خوف ہوا کہ کوئی فتنہ نہ اٹھ کھڑا ہو مجھ کو حکومت میں کسی قسم کی خوشی نہیں بلکہ مجھ کو ایک ایسے امرِ عظیم کی تکلیف دی گئی ہے جس کے برداشت کی طاقت مجھ میں نہیں اور میں اللہ تعالیٰ کی مدد کے بغیر اس پر قابو نہیں حاصل کر سکتا۔ میری خواہش تھی کہ میری جگہ مجھ سے بہتر اور قوی آدمی ہوتا جو اس بارگراں کا متحمل ہو سکتا۔ میرے کمزور کندھے ہرگز اس بوجھ

کو نہیں برداشت کر سکتے۔ میں تمہارا سردار بنایا گیا ہوں حالانکہ میں تم سے بہتر نہیں ہوں۔ پس اگر میں بھلائی کروں تو تم میری مدد کرنا اور اگر میں برائی کروں تو مجھ کو متنبہ کرنا۔ سچائی امانت ہے اور جھوٹ خیانت ہے اور تم میں جو ضعیف ہے وہ میرے نزدیک قوی ہے یہاں تک کہ میں اس کا حق نہ دلا دوں اور قوی میرے نزدیک ضعیف ہے یہاں تک کہ اس سے حق نہ لے لوں انشاء اللہ تعالیٰ تم لوگ جہاد ترک نہ کرنا۔ کیونکہ اس کو کسی نے ترک نہیں کیا مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو ذلیل کر دیا ہے اور جس قوم میں بدکاری عام ہو جاتی ہے خدا اس کی مصیبت کو بھی عام کر دیتا ہے۔ میں خدا اور رسول کی اطاعت کروں تو میری اطاعت کرو لیکن جب خدا اور رسول کی نافرمانی کروں تو تم پر میری اطاعت واجب نہیں۔ اچھا اب نماز کے لئے کھڑے ہو جاؤ خدا تم پر رحم کرے۔"

یہ اُس سیاسی حکمت عملی کا مظاہرہ تھا جس سے دشمن بھی دوست بن گئے اور ساری قوم آپ کی امامت اور خلافت پر متفق ہو گئی۔

خلافت کے بارگراں کو سنبھالنے کے بعد جو بیرونی اور اندرونی شورش برپا ہوئی اس کی مفصل روئداد تاریخ و سیر کی کتابوں میں موجود ہے۔ لیکن جس حکمت عملی سے تمام فتنوں اور شورشوں پر صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قابو پایا وہ تاریخ اسلام کا ایک درخشاں باب ہے۔ ولیم میور جیسا متعصب بھی اپنی کتاب اینلس آف دی ارلی کیلیفیٹ (ANNALS OF THE EARLY CALIPHATE) میں یہ کہے بغیر نہیں رہ سکا۔ "جب میں ابوبکر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کی طرف غور کرتا ہوں جو بڑا دانا، ذی فہم معاملات دُنیا کے پُرپیچ حالات سے واقف تھا اور اپنی قوم میں سب سے زیرک تھا اور پھر اس شخص کی صاف عقیدت اور سچی اور بے ریا ارادت کو دیکھتا ہوں جو اس کو رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت تھی تو خواہ مخواہ مجھے شک پڑتا ہے کہ رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم کا دعویٰ شاید صحیح ہے۔"

جن حالات میں سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے زمام حکومت سنبھالی یہ انہیں کا مقام تھا۔ اللہ تعالیٰ کی مصلحتیں عجیب بھی ہوتی ہیں اور عظیم بھی۔ چونکہ دین اسلام کو سربلندی ملنی تھی اسلئے صدیق جیسے بردبار، متحمل مزاج، تجربہ کار اور محترم شخصیت کو نیابت اور جانشینی رسول صادق صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے منتخب کیا۔ اور ساتھ ہی ساتھ دنیا کو یہ بھی دکھانا مقصود تھا کہ مسلمان کسی بڑی سے بڑی طاقت اور سلطنت سے مرعوب نہیں ہو سکتے بشرطیکہ وہ ایمان صادق اور اخلاص عمل کے ساتھ اسلامی نظریات اور معتقدات پر قائم رہیں اور یہ کہ اللہ کا یہ فرمان ولا تھنوا ولا تحزنوا وانتم الاعلون ان کنتم مؤمنین (نہ سستی کرو اور نہ خوف کھاؤ تمہیں سربلند رہو گے اگر تم مومن ہو) اس آیت کا عملی مظاہرہ صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کیا۔ کیا اب کسی کو اس میں شک وشبہ کی گنجائش

باقی ہے؟

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اس دنیا سے تشریف لے جانا کوئی معمولی سانحہ نہیں تھا۔ مسلمانوں کے دل غم واندوہ سے نڈھال تھے۔ منافقین فساد پر آمادہ تھے۔ اطراف مدینہ میں دشمنوں نے سر اُٹھانا شروع کر دیا۔ بہت سے قبیلے جو ایمان میں پختہ نہیں تھے دین سے پھرنے لگے۔ جھوٹے مدعیانِ نبوت نے لوگوں کو ورغلانا شروع کر دیا۔

غور کا مقام ہے کیا حالات رونما ہوئے۔ اسے مختصراً یوں بیان کیا جاسکتا ہے۔

۱۔ دین اسلام کا محور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ظاہری دنیا سے منتقل ہو کر آنکھوں سے اوجھل ہو گیا۔

۲۔ انصار اور مہاجرین کی اخوت اور محبت یکایک وقتی طور پر خلافت اور امارت کے مسئلہ میں اُلجھتی ہوئی نظر آئی۔

۳۔ ہاشمی خاندان کے افراد انتہائی صدمہ اور رنج والم کی وجہ سے فکر میں مبتلا ہو گئے اور ایک جگہ جمع ہو کر مستقبل سوچنے لگے۔

۴۔ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین کے حواس بھی گم تھے۔ حضرت عمرؓ جیسے جلیل القدر صحابی کے پائے استقامت میں وفور جذبات محبت کی وجہ سے لغزش پیدا ہونے لگی۔

۵۔ سلطنت کا شیرازہ بکھرنے کا خطرہ پیدا ہو گیا۔

۶۔ منافقین نے فتنہ وفساد برپا کرنا شروع کر دیا۔

۷۔ مختلف قبائل جو نیا نیا اسلام لائے تھے مرتد ہونے لگے۔

۸۔ جھوٹے مدعیان نبوت کا فتنہ کھڑا ہو گیا۔

۹۔ زکوٰۃ دینے والوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا۔

۱۰۔ مدینہ کی حفاظت کے لئے کوئی باضابطہ فوج نہیں تھی۔
حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک فوج تیار کر کے حضرت اُسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سربراہی میں روم کی طرف روانگی کا حکم دے دیا تھا۔ لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کی وجہ سے وہ رُکی ہوئی تھی۔

۱۱۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی میراث کا مسئلہ زیر بحث آگیا۔

۱۲۔ یہود و نصاریٰ کی ریشہ دوانیاں زور وشور سے شروع ہو گئیں۔

ان حالات میں بڑے سے بڑا مدبر اور سیاست دان بھی وقتی طور پر حواس کھو بیٹھتا ہے۔ اور ایسے اقدامات کرنے لگتا ہے جو بجائے درستگی حالات کے خرابی اور بد سے بدتر حالات پیدا کرنے کا موجب بن جاتے ہیں۔

ایسے ہی وقت میں سیاسی حکمت عملی کا امتحان ہوتا ہے۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی دور اندیشی۔ حکمت عملی اور کمال استقامت سے ساری مشکلات پر قابو پانے میں اس طرح کامیاب ہوئے کہ دنیا کے مدبر بھی آج ششدر رہیں۔ سرِ مو اپنے اصولوں اور نظریات سے پیچھے نہیں ہٹے اور سنت نبوی پر عمل پیرا ہونے کے لئے سخت سے سخت حالات کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہو گئے۔

ملک خطرات میں گھرا ہوا ہے دشمن گھات میں بیٹھا ہے لیکن جو فوج حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اُسامہ کی سربراہی میں روانہ کی تھی۔ اسے روانہ کر رہے ہیں باوجود اس کے کہ جلیل القدر صحابہؓ اس کے خلاف مشورہ دے رہے ہیں۔

خود حضرت اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس نازک موقعہ پر مدینہ چھوڑنا نہیں چاہتے تھے، سب یہ خیال کرتے ہیں کہ خود مدینہ کی حفاظت اس وقت انتہائی ضروری ہے۔ ان تمام کے باوجود ارشادِ صدیقؓ سنیئے" اُسامہ کے لشکر کو تیار ہو جانا چاہیئے۔ تاکید کی جاتی ہے کہ جو لوگ اس مہم میں نامزد ہیں ان میں سے ایک آدمی بھی مدینہ میں نہ رہے اور سب کے سب اپنے پڑاؤ بہ مقام جرف جمع ہو جائیں۔" جب کہ حالت کی سنگینی کا اندازہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ان الفاظ سے لگایئے۔" عرب قبائل مرتد ہو گئے یا پورے قبیلہ کا قبیلہ یا ہر قبیلہ میں سے خاص لوگ اور منافق جن کا وجود ابھی باقی تھا ظاہر ہو گئے اور یہودیت اور نصرانیت نے سر ابھارا اور مسلمان اپنے نبی کے وصال فرمانے اور اپنی قلت اور دشمنوں کی کثرت کی وجہ سے بے یارو مددگار رہ گئے جیسے بکریوں کا ریوڑ اندھیرے اور بارش کی رات میں بغیر چرواہے کے رہ جاتا ہے۔"

لیکن صدیق امت کا پھر ارشاد سنیئے " اگر بھیڑیے بھی مجھ کو اُچک لے جائیں میں تب بھی اس لشکر کو ضرور روانہ کروں گا اور جو فیصلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما چکے ہیں اس کو پورا کروں گا اگر ان بستیوں میں میرے سوا کوئی بھی نہ رہے تب بھی اس لشکر کو روانہ کروں گا۔" جب حضرت اُسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سربراہی پر ان کی کم عمری کی وجہ سے تشویش کا اظہار کیا گیا تو جواب میں فرماتے ہیں" قسم ہے وحدہٗ لاشریک کی اگر رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کے پاؤں کتے گھسیٹیں تو جس لشکر کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھیجا ہے ہرگز نہ لوٹاؤں گا اور جس جھنڈے کو خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے باندھا ہے اس کو کبھی نہ کھولوں گا۔"

لشکر گیا اور چالیس روز کے بعد کامیاب اور کامران واپس آیا۔ ہر طرف خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ صحابہ کرام کو صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دور اندیشی، تدبر اور سیاسی حکمت عملی پر رشک آیا۔ دشمنانِ اسلام کے دلوں پر اس لشکر کے بھیجنے سے دھاک بیٹھ گئی۔ کسی کو مدینہ کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھنے کی

جرأت نہ ہوئی۔

سیاسی حکمت عملی کا یہ تقاضا نہیں ہے کہ صرف اقتدار اور اپنی حاکمیت کو مضبوط کیا جائے خواہ اس کے لئے نظریات اور اصولوں کی قربانی ہی کیوں نہ دینی پڑے۔ یہ حکمت عملی نہیں ہے بلکہ کمال درجہ کی کمزوری اور بزدلی کا مظاہرہ ہے۔ ایک طرف نظریات اور اصولوں پر ڈٹے رہنا۔ دوسری طرف دشمنوں پر اپنی طاقت اور قوت کی دھاک بٹھانا۔ بڑے سے بڑے خطرات کا دُور اندیشی اور تدبر سے بغیر خون و خرابہ اور تباہی اور بربادی کے حل تلاش کر لینا۔ حقانیت کو واضح کرنے کے لئے نڈر اور بے خوف ہو کر اللہ کے بھروسہ پر جہاد کرنا ہی کامیاب سیاسی حکمت عملی کہی جا سکتی ہے۔

صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حکمت عملی انہیں خصوصیات کی حامل تھی۔ آپ کے زمانے میں جب جھوٹے مدعیان نبوت نے سر اٹھایا تو ان کا ڈٹ کر مقابلہ کیا گیا۔ اگرچہ ان کی سرکوبی میں کافی جانی اور مالی نقصان اٹھانا پڑا۔ مسیلمہ کذاب کی سرکوبی میں تو ہزاروں مسلمان جن میں کافی حفاظ قرآن شامل تھے شہید ہو گئے۔ لیکن فتح و نصرت مسلمانوں ہی کو ملی اور اس طرح عقیدہ ختم نبوت کو دوام حاصل ہو گیا۔ قیامت تک جھوٹے نبیوں کو درس عبرت مل گیا۔ امت مسلمہ صدّیق کی سنت پر عمل کرتے ہوئے کسی بھی جھوٹے نبی کو کبھی بھی برداشت نہیں کرے گی۔ اس کارروائی میں یہ مثال قائم کر دی گئی اور مسلمان حکمرانوں کو یہ بتایا گیا کہ دین کے بنیادی عقائد اور معاملات میں کسی قسم کی مصلحت پسندی اور رواداری کی اجازت نہ دی جائے۔ دین کو اس کی صحیح بنیادوں پر قائم کرنا اور اس پر عمل پیرا ہونا ہر مسلمان حاکم کے لئے ضروری ہے۔

مانعین زکوٰۃ کے مسئلہ میں بھی صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رو رعایت نہیں برتی اور نہ کسی مصلحت کا شکار ہوئے۔ حالانکہ صحابہ کرام جن میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی شامل تھے تالیف قلوب کی سفارش فرما رہے تھے اور کہہ رہے تھے "جو لوگ توحید و رسالت کا اقرار کرتے ہیں اور صرف زکوٰۃ دینے کے منکر ہیں ان پر کس طرح تلوار اٹھائی جا سکتی ہے۔" صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا۔ "خدا کی قسم جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں بکری کا ایک بچہ زکوٰۃ میں دیتا تھا اگر وہ اس کے دینے سے انکار کرے گا تو میں اس کے مقابلہ میں جہاد کروں گا۔" اسی ضمن میں مزید فرمایا اگر آج ان کو زکوٰۃ نہ دینے پر چھوڑ دیا جائے تو کل یہ نماز اور روزہ کا انکار کر دیں گے اور اس طرح دین ایک تماشہ بن کر رہ جائے گا۔

"غرض حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نہایت مستعدی کے ساتھ تمام منکر زکوٰۃ قبائل کے مقابلے میں فوجیں بھیجیں آپ کو اِس معاملہ میں اتنا غلو تھا کہ بنی عبس اور بنی ذبیان کے مقابلہ میں خود گئے اور انہیں زیر کیا۔ آپ کی اس مستعدی اور استقامت کی وجہ سے چند دنوں میں

تمام منکرین زکوٰۃ نے زکوٰۃ ادا کردی، بعضوں نے خود مدینہ آکر بیت المال میں داخل کی۔ اس طرح صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مذہبی بصیرت۔ اصابتِ رائے اور استقلال اور استقامت سے وہ تمام فتنے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد دفعتہً بپا ہوگئے تھے دب گئے۔"

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی سیاسی حکمتِ عملی اور تدبّر سے نہ صرف یہ کہ مختلف فتنوں کو کچل کر رکھ دیا بلکہ اسلام کے علم کو فتوحات کے معاملہ میں بلند رکھا۔ حضرت خالد بن ولید یزید بن ابی سفیان، عبیدہ بن جراح، شرحبیل بن حسنہ، عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور دیگر سالاروں کی سرکردگی میں مختلف مقامات پر فوجیں بھیجی گئیں۔ بالخصوص عراق اور شام کی مہم کو سر کیا گیا۔ ایران میں فوج کشی کر کے ان کے قلعوں پر قبضہ کیا گیا۔

اللہ تعالیٰ مسلم حکمرانوں کو ان کا طرزِ عمل اور سیاسی حکمتِ عملی اختیار کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ یہ اسی وقت ممکن ہے کہ نیک۔ صالح اور عشقِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور محبتِ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے سرشار قلوب حکومت میں آئیں اور مکمل طور پر اس نظام کو رائج کریں جسے خود مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے خلفائے راشدین نے رائج کیا۔

محمود احمد غازی

صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خارجہ پالیسی

خاندانی اعتبار سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا تعلق بنی تیم بن مرہ سے تھا۔ یہ قبیلہ اسلام سے قبل مکّہ کی شہری سیاست میں نہ صرف بھرپور حصہ لیتا تھا بلکہ ریاست کے مختلف عہدوں میں بعض موروثی عہدے بھی اس خاندان کو حاصل تھے۔ اشناق (دیات و مغارم) کا شعبہ آپ کے خاندان بنو تیم بن مرہ کے سپرد تھا۔ زمانہ جاہلیت میں جناب صدیق اکبرؓ اپنے خاندان کے نمائندہ مجاز کی حیثیت سے اس منصب کے حامل تھے۔ یہ منصب ایک نیم سیاسی اور نیم عدالتی منصب تھا اور اس کی انجام دہی ایک نہایت ہی نازک ذمہ داری تھی دوسرے قبائلی معاشروں کی طرح عرب میں بھی ایک بار کوئی قتل ہو جاتا تھا تو برسوں انتقامی کارروائی یعنی قتل اور جوابی قتل کا لامتناہی سلسلہ چل پڑتا تھا۔ اس سلسلہ کو روکنے اور فریقین کو دیت، خون بہا اور تاوان وغیرہ پر راضی کر کے پرامن مصالحت کرا دینا اس منصب کے ذمہ تھا۔ یہ بات یقیناً نہایت عمدہ ذہانت اور اعلیٰ ڈپلومیسی کی متقاضی ہوتی تھی۔ ایسے نازک مواقع پر جبکہ فریقین کے جذبات بھڑے ہوئے ہوں اور دونوں طرف جذبات کی آگ بھڑک رہی ہو مصالحت کی راہ تلاش کر کے اس کو فریقین سے منوا لینا ہر کس و ناکس کے بس کی بات نہیں ہوا کرتی۔ اسطرح کے موقعوں پر مصالحت کنندہ کے لئے نہایت سوجھ بوجھ اور عقل و دانش کے ساتھ معاملہ فہمی بھی ضروری ہوتی ہے۔ پھر یہ کہ مصالحت کنندہ کے لئے ضروری ہے کہ وہ گفتگو اور دلیل کے فن پر بھی عبور رکھتا ہو۔ اور مخاطب سے اپنی بات منوا لینے کی بھی اہلیت رکھتا ہو۔ علاوہ ازیں صاحب اشناق کیلئے علم الانساب کا ماہر ہونا بھی ضروری ہوتا تھا۔ اس لئے خون بہا یا تاوان طے کرنے میں قاتل اور مقتول کی خاندانی، مالی پوزیشن اجتماعی رتبہ پیش نظر رکھا جاتا تھا۔ اور ان سب امور سے واقفیت کے لئے علم الانساب سے محض سرسری واقفیت درکار نہ ہوتی تھی۔ ماہرانہ درک ضروری تھا۔ یہ سب صفات صدیق اکبرؓ میں بدرجہ اتم پائی جاتی تھیں۔ مؤرخین نے تصریح

کی ہے۔ کان نسابۃ حسن الحدیث لطیف المعاشرہ۔ وہ نہایت اعلیٰ نسب جاننے والے بہت عمدہ گفتگو کرنے والے اور لوگوں سے میل جول رکھنے والے، رہن سہن اور لین دین میں بہت اچھے تھے۔ عرب کی بین الریاستی اور بین القبائلی سیاست میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا عالی خاندان الگ تھلگ اور لاتعلق نہ تھا۔ وہ عرب کی بین القبائلی سیاست میں بھرپور حصہ لیتا تھا۔ عدل وانصاف اور حق وصداقت کا ساتھ دینے کے معاملہ میں بنی تیم بن مرہ کو عرب میں خصوصی شہرت حاصل تھی۔ جزیرۂ عرب کے مشہور حاکم اور بادشاہ المنذر بن ماء السماء نے ایک بار کسی وجہ سے مشہور عرب شاعر اور سردار امرؤ القیس بن حجر الکندی کو گرفتار کرنا چاہا۔ امرؤ القیس نے تیم بن مرہ کے ہاں پناہ چاہی۔ اس قبیلہ کے ایک سردار معلی نے اس کو المنذر کے خلاف پناہ دے دی جس کے شکریہ کے طور پر شاعر اعظم نے ایک قطعہ کہا کہ جس میں بنی تیم کو مصابیح الظلام (تاریکی کے چراغ) قرار دیا۔ غالباً یہ واحد مدحیہ قطعہ تھا جو عرب جاہلیہ کے اس اشعر الشعراء نے کسی کی تعریف میں کہا۔ ورنہ اس سے قبل یا اس کے بعد اس نے کسی کی مداح نہیں کی بنی تیم کا یہ لقب پورے عرب میں مشہور ہو گیا اور قبائل عرب دیر تک اس قبیلہ کے لوگوں کو "مصابیح الظلام" کہتے رہے۔ حضرت صدیق اکبرؓ نے اپنے آباؤ اجداد اور اہل خاندان کی ان صفات حسنہ سے پورے طور پر حصہ پایا۔ خاص طور پر مصباح الظلام کی صفت تو ایسی ہے کہ وہ مکمل طور پر صرف حضرت ابوبکر صدیق پر ہی صادق آتی ہے۔ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے حادثۂ فاجعہ سے دنیائے اسلام پر بے پناہ مصائب ومشکلات کی جو تاریکیاں پھیلیں ان میں روشنی دکھانے والی ذات صرف حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تھی۔

شخصیت اور ذاتی اوصاف

مذکورہ صفات کے علاوہ ایک کامیاب مدبر اور سفارت کار میں جو خصوصیات ہونی چاہئیں وہ سب کی سب حضرت ابوبکر صدیقؓ میں موجود تھیں۔ امور خارجہ کے بڑے ماہر اور ڈپلومیٹ کے لئے ضروری ہوتا ہے کہ وہ ان علاقوں اور لوگوں کی تاریخ، جغرافیہ، تجارت، معاشی حیثیت اور دوسرے تمام حالات سے واقف ہو جن کے ساتھ اس کو خارجی اور سفارتی تعلقات رکھنے ہیں جس ملک سے جتنے قریبی یا جتنے اہم تعلقات ہوتے ہیں اس سے اتنی ہی گہری اور تفصیلی واقفیت ضروری ہوتی ہے۔ عربوں کے ہاں ایک فن تاریخ ایام العرب کہلاتا ہے۔ اس سے مراد عرب قبائل کے آپس میں تعلقات اور ان کے امن وصلح اور جنگ وجدل کی تاریخ ہوتی تھی۔ جناب صدیق اکبرؓ ایام العرب کے بڑے ماہرین میں سے سمجھے جاتے تھے جو لوگ ان کے ساتھ رہے ان کو بھی اس فن میں درک حاصل ہو گیا۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ کو باپ کے گھر رہنے کا بہت کم موقع ملا تھا کیونکہ بچپن میں شادی ہو گئی تھی پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے

لے۔ ملاحظہ ہو دیوان امراءُ القیس مع شرح طبع قدیم

پاس رہیں لیکن اس کے باوجود ان کو بھی اپنے والد کی صحبت سے ایام العرب میں اتنی مہارت ہو گئی تھی کہ وہ اپنے زمانہ میں اس فن کے آئمہ میں شمار ہوتی تھیں"!

حضرت صدیق اکبرؓ چونکہ پیشہ کے لحاظ سے تاجر تھے۔ اس لئے تجارت کے سلسلہ میں ان کو عرب اور اس کے قرب و جوار میں گھومنے کا خوب موقع ملا۔ ان کا شمار عرب کے اعلیٰ درجہ کے تاجروں میں ہوتا تھا آپ نے لڑکپن ہی سے بیرون ملک اور اندرون ملک اپنا تجارتی کاروبار منظم کر لیا تھا۔ اس خداداد موقعہ سے آپ کو دو بڑے فائدے خود بخود حاصل ہو گئے جن سے آپ نے بعد میں مسلمانوں کی خدمت میں خوب کام لیا۔ خصوصاً اسلامی ریاست کی خارجہ پالیسی کو چلانے میں ان سے بڑی مدد ملی۔ ایک تو آپؓ کو، ان دوروں سے ان ممالک سے اچھی طرح واقفیت حاصل ہو گئی یعنی ان کے جغرافیائی حالات، ان کے باشندوں کی عادات و خصائص اور وہاں کے راستوں اور موسموں کی مکمل معلومات، دوسرا فائدہ یہ ہوا کہ بہت سے قبائلی سرداروں اور با اثر لوگوں سے ذاتی تعلقات قائم ہو گئے جن سے آپ نے بعد میں بہت سے مواقع پر کام لیا۔ ظاہر ہے کہ یہ دونوں خوبیاں کسی ڈپلومیٹ کو حاصل ہوں تو اس کی ڈپلومیسی کی کامیابی کا کیا کہنا۔ عرب کی بین القبائلی اور بین الریاستی سیاست میں شعر و شاعری کو بڑی اہمیت اور تاثیر حاصل تھی جیسے آج کل صحافت اور دوسرے ذرائع ابلاغ کو ہے۔ رائے عامہ کو بنانے اور بگاڑنے میں شاعروں کا بہت بڑا حصہ ہوتا تھا۔ ایسی بہت مثالیں کلاسیکی عربی ادب کی تاریخ میں موجود ہیں کہ محض ایک شاعر کے ایک قصیدے کے اثر سے بہت سے ایسے کام ہو گئے جو ویسے نہ ہوتے۔ بہت سی لڑائیاں شاعروں کی وجہ سے ہوئیں، کتنی ہی مصالحتیں شاعروں کی مرہون منت تھیں۔ حضرت صدیق اکبرؓ گو بڑے شاعر نہ تھے لیکن عرب کے بین الاقوامی محاذ پر اسلامی کیمپ کے شعراء کو فکری غذا فراہم کرنے والوں میں نمایاں اہمیت رکھتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بارہا اسلامی شعراء حضرت حسانؓ بن ثابت، حضرت عبداللہؓ ابن رواحہ وغیرہ کو ہدایت فرمائی کہ وہ مخالف اسلام قوتوں کے خلاف، شعری و ادبی، گویا صحافتی اور اطلاعاتی، محاذ کے سلسلہ میں حضرت ابوبکر صدیقؓ سے مشورہ لیں کہ آپ کی نسب دانی ضرب المثل تھی۔ اور عربی تفاخر و تنافس میں نسب کو خصوصی مقام حاصل تھا۔ قریش کی ہجو میں حضرت حسانؓ بن ثابت وغیرہ کے لکھے ہوئے قصائد جب عرب میں مشہور ہوتے تو لوگ پکار اٹھتے کہ ان کی تیاری میں اصل دماغ حضرت صدیق اکبرؓ کا کام کر رہا ہے"!

مکہ میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبائل عرب میں تبلیغ کے لئے نکلتے تو حضرت ابوبکر صدیقؓ عموماً آپکے ساتھ ہوتے اور اپنی نسب دانی سے ہر قبیلہ کے حسب و نسب کا اتا پتہ چلا لیتے۔ پھر اس قبیلہ کے متعلق کچھ واقعات قصے اور لطائف سناتے۔ اس سے ایک اچھا دوستانہ ماحول پیدا ہو جاتا اور اس سے تبلیغی کام اور دعوت پہنچانے میں بڑی مدد ملتی۔ لوگ اگر بات نہ بھی مانتے تو کم از کم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی گفتگو سننے

۱۔ سیرت عائشہؓ مولانا سلیمان ندوی مطبوعہ اعظم گڑھ ۲۔ الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب ابن عبدالبر ذکر حسانؓ بن ثابت

کے لئے تیار ہو جاتے!

دنیا کی ہر قوم میں بالعموم اور عرب جاہلیت میں بالخصوص ایک کامیاب مدبر کی بڑی صفت اس کی خطابت بھی سمجھی جاتی رہی ہے۔ حضرت صدیق اکبرؓ کا شمار نہ صرف اپنے زمانہ کے بلکہ پوری انسانی تاریخ کے عظیم ترین خطباء میں ہوتا ہے۔ ایک خطیب کی حیثیت سے حضرت صدیق اکبر کے مقام کا اندازہ کرنے کے لئے آپؓ کی سقیفہ بنی ساعدہ میں کی جانے والی تقریر اور بیعت خلافت کے فوراً بعد کی تقریر کا مطالعہ ہی کافی ہے۔ لیکن دنیائے خطابت کا اصل شاہکار حضرت صدیق اکبرؓ کی وہ مختصر اور جامع تقریر ہے جو آنجنابؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے فوراً بعد کی۔ ایسے موقع پر جب فاروق اعظم جیسے قوی اعصاب اور مضبوط قوت ارادی کے مالک انسان بھی شدت غم سے نڈھال اور متاثر تھے۔ جناب صدیق اکبرؓ نے نہ صرف اپنے اعصاب اور دل و دماغ پر کنٹرول رکھا بلکہ تن تنہا کھڑے ہو کر مسلمانوں میں نئی روح پھونک دی۔ اس موقع پر بقول محمد الخضری بک اگر اللہ کی نصرت و تائید کے بعد حضرت ابوبکر صدیق کی مضبوط قوت ارادی اور شان عزیمت نہ ہوتی تو آج اسلامی تاریخ وہ نہ ہوتی جو اب ہے۔[۲] خلیفۂ اوّل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کی اس تقریر کی مثال انسانی تاریخ پیش کرنے سے قاصر ہے۔[۳]

صدیق اکبرؓ بحیثیت مشیر رسالت مآبؐ

حضرت صدیق اکبرؓ زندگی بھر رسول اللہ صلی اللہ کے ہمراہ رہے کوئی اہم اور بڑا موقعہ نبوت سے لے کر وفات تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ایسا نہیں آیا جس میں حضرت صدیق اکبرؓ ایک رفیق، دوست، وزیر و مشیر کی حیثیت سے ساتھ نہ رہے ہوں۔

اسلامی ریاست اپنے مقاصد و ہدایت کے اعتبار سے ایک بین الاقوامی بلکہ بین الانسانی ریاست ہے۔ اس کا قیام بھی اس ہستی کے ہاتھوں ہوا جو تمام کائنات کے لئے رحمت ہے۔ اب بھی اگر دنیا میں حضور کی رحمۃ للعالمین کا فیض واقعی نسل انسانی کے لئے عام ہو سکتا ہے تو صرف اس صورت میں کہ رحمۃ للعالمینی معاشرہ اور رحمۃ للعالمینی ریاست کا از سرِ نو احیاء ہو۔ حضرت صدیق اکبرؓ کو یہ فخر حاصل ہے کہ وہ اس سراپا رحمت و برکت ریاست کے قیام میں حضور کے دستِ راست رہے۔ جب اس بین الانسانی ریاست کا آغاز ہونے والا تھا اور اسلامی تحریک اپنے دورِ بین الاقوامیت میں قدم رکھنے کے لئے سواری کس رہی تھی تو جس ہستی کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رفاقت اور ہمراہی کا شرف حاصل ہوا وہ صرف اور صرف حضرت ابوبکر صدیقؓ کی ہستی تھی۔ یہ رفاقت اس قدر اہم، یادگار اور تاریخ ساز تھی کہ اسلامی زبانوں کو یارِ غار کا مستقل محاورہ دے گئی۔

پھر کفر و اسلام اور حق و باطل کی جو پہلی آویزش ہوئی تو اس میں حضور کی قریب ترین رفاقت کا

۱۔ العقد الفرید از ابن عبد ربہ جلد سوم، صفحہ ۲۷۵۔ ۲۔ محاضرات تاریخ الامم الاسلامیہ جلد اول۔ ۳۔ آنجناب نے یہ تقریر حضورؐ کے وصال کے فوراً بعد ۱۲ ربیع الاوّل ۱۱ھ بمطابق ۸ جون ۶۳۲ء کو دوشنبہ کے دن مسجد نبویؐ میں تقریباً دس گیارہ بجے صبح کے وقت فرمائی تھی۔

منصب بھی حضرت صدیق اکبرؓ کو حاصل ہوا۔ سپہ سالار اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے سیکنڈ ان کمانڈ اور مشیر خاص بلکہ وزیر اعظم کی حیثیت سے صدیق اکبرؓ حضورؐ کے ہمراہ عریش میں رہے اور پورے معرکہ کے دوران انکو حضورؐ نے برابر ہمراہ رکھا۔ ایک آدھ بار انہوں نے حملہ میں حصہ لینا بھی چاہا تو حضورؐ نے روک لیا اور فرمایا تمہارا یہاں رہنا میرے لئے زیادہ ضروری اور مفید ہے۔

حج ایک ایسی عبادت ہے جو اسلام کی بین الاقوامیت کی مظہر ہے۔ اس عبادت کو بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں پہلے پہل حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اپنی سربراہی میں قائم کیا۔ ۹ھ میں فتح مکہ کے بعد جب پہلی بار سرکاری اہتمام و انتظام میں اس عظیم الشان عبادت کا انعقاد ہونے لگا تو حضورؐ کی طرف سے جس شخصیت کو امیر حج بنا کر بھیجا گیا وہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی شخصیت تھی۔ یہ اسلامی تاریخ میں پہلی امارت حج تھی اور جو خطبہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے دیا وہ پہلا خطبہ تھا جو فرضیت حج کے بعد اسلامی طریقہ پر دیا گیا۔

ان مواقع کے علاوہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بارہا حضرت ابوبکر صدیقؓ کے مقام و منصب کو واضح فرمایا ایک بار صحابہ کبار کی شوریٰ میں یہ مسئلہ زیر بحث تھا کہ بعض عرب قبائل میں تعلیم قرآن اور تدریس دین کے لئے کن صحابہ کو بھیجا جائے۔ بہت سے نام پیش ہو رہے تھے۔ کسی نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپؐ ابوبکرؓ و عمرؓ میں سے کسی کو بھیج دیجئے۔ آپؐ نے فرمایا یہ لوگ تو دین کے آنکھ اور کان ہیں۔ میں ان کو کیسے بھیج سکتا ہوں!۔ ایک اور موقعہ پر آپؐ نے ان دونوں اصحاب کو مخاطب کر کے فرمایا کہ اگر تم دونوں کسی مشورہ پر متفق ہو جاؤ تو میں اس کی مخالفت نہیں کروں گا۔[۱]

پھر صرف مسلمان ہی نہیں بلکہ کفار بھی جماعت اسلام میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت ابوبکر کا ہی مرتبہ سمجھتے تھے۔ جنگ احد کے خاتمہ پر جب مسلمان ایک پہاڑ پر اور کفار دوسرے پہاڑ پر جمع ہو گئے تو ابوسفیان نے جو اس وقت لشکر کفار کے سردار تھے آواز دی! کیا تم میں محمدؐ ہیں؟ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا جواب نہ دو۔ پھر ابوسفیان نے آواز دی کہ تم میں ابوبکر ہیں! حضورؐ نے پھر جواب دینے سے منع فرمایا۔ اب کی بار پھر ابوسفیان نے کہا! اچھا تم میں عمر ہیں؟! اس دفعہ بھی مسلمانوں نے حضور کی ہدایت کے مطابق خاموشی اختیار کی تو ابوسفیان نے کہا شکر ہے کہ یہ سب مر گئے۔ حضرت عمرؓ سے اب ضبط نہ ہو سکا، بولے او دشمن اسلام اللہ کا شکر ہے ہم تینوں زندہ ہیں۔ اس مکالمہ سے یہ بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے کہ تمام اہل عرب مسلمانوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد دوسری شخصیت ہمیشہ ہی سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ کو سمجھتے تھے۔ یاد رہے کہ غزوۂ احد ۳ھ میں ہوا تھا۔[۲]

۱۲ ربیع الاول سنہ ۱۱ھ مطابق ۷ مئی ۶۳۲ء کو رسول اللہ صلی اللہ کے وصال کے فوراً بعد آپؐ کو بالاتفاق

۱۔ مستدرک حاکم جلد سوم صفحہ ۷۴۔ (۲) صدیق اکبرؓ از سعید احمد اکبر آبادی صفحہ ۱۲۱۔ (۳) آنجناب کے اس مقام و مرتبہ اور اس عنبر متنازعہ حیثیت سے اس گروہ کی تردید ہو جاتی ہے کہ جس نے آنجناب کی خلافت کے بارے میں نامعقول شبہات پیدا کرنے کی ناکام کوشش کی۔

خلیفہ منتخب کیا گیا۔ اگلے روز آپ نے عامۃ المسلمین سے بیعت لی اور پھر خطبہ ارشاد فرمایا۔ یہ آپ کا پالیسی بیان تھا جو آپ نے منصب خلافت سنبھالنے کے بعد جاری فرمایا۔ اس بیان میں آپ نے پہلے نظام اسلام میں امیر کی صحیح حیثیت، اس کی قانونی پوزیشن، عوام اور امیر ریاست کے باہمی تعلق کی نوعیت پر روشنی ڈالی۔ پھر آپ نے اپنی حکومت کی خارجی سیاست اور اس کی حکمت عملی کے بنیادی اصولوں کو واضح فرمایا۔ آپؓ نے اعلان کیا کہ جہاد فی سبیل اللہ کی بنیاد پر آپ کی سیاست خارجی کی عمارت کھڑی ہوگی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے فوراً بعد کے سیاسی، دینی اور بین الاقوامی حالات پر نگاہ ڈالیے تو اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا یہ بیان نہایت ہی دانشمندانہ اور دور بینی کی حامل خارجہ پالیسی پر مبنی تھا۔ اس پالیسی کی حکمت بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ ملت اسلامیہ کی فلاح و کامرانی اور بین الاقوامی وقار و دبدبہ اس وقت تک قائم رہ سکتا ہے جب تک پوری ملت جہاد پر کاربند رہے۔ جب امت جہاد کو ترک کر دیتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس سے فلاح و کامرانی اور رعب و دبدبہ سلب کر کے اس پر ذلت و خواری کو مسلط کر دیتا ہے۔[1]

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے جب زمام خلافت اپنے ہاتھ میں لی تو امت اسلامیہ اور اسلامی ریاست اپنی پوری تاریخ کے نازک ترین اور خطرناک بحران میں مبتلا تھی۔ سب سے بڑا اور تازہ صدمہ تو خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مفارقت کا تھا۔ یہ کس قدر بڑی مصیبت تھی۔ اس کا اندازہ آج کرنا ممکن نہیں۔ یہ ایک ایسا کوہ شکن واقعہ تھا کہ حضرت عمر فاروقؓ جیسے اصحاب بھی اپنے دل و دماغ پر پوری طرح قابو نہ رکھ سکے۔

دوسری بڑی مصیبت منافقین کی پیدا کردہ تھی۔ ان لوگوں نے ایک تازہ اور خطرناک فتنہ کھڑا کر کے مسلمانوں کی مشکلات و مصائب میں اور بھی اضافہ کر دیا۔ یوں تو یہ گروہ ہجرت کے بعد ہی سے مدینہ میں موجود تھا لیکن حضورؐ کی زندگی میں اس کو کھل کھیلنے کی ہمت نہ ہوتی تھی۔ حضورؐ کی آنکھ بند ہوتے ہی ان لوگوں نے فتنہ انگیزیاں کرنے کا تہیہ کر لیا۔ ایسے مواقع پر افواہوں اور سرگوشیوں کی مہم ازحد خطرناک اور تباہ کن ہوتی ہے۔

تیسرا ہنگامہ مدعیان نبوت کا پیدا کردہ تھا۔ یوں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہی میں عرب کے کئی طالع آزماؤں نے یہ حرکت کی لیکن اس کو کوئی اہمیت حاصل نہ ہوئی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے فوراً بعد عرب بھر میں مدعیان نبوت کا سیلاب اٹھ کھڑا ہوا۔ یمن میں اسود عنسی، نجد میں طلیحہ اسدی، بنو تغلب میں سجاح اور بنو حنیفہ میں مسیلمہ نے اپنی اپنی جھوٹی نبوت کا علم بلند کر دیا۔ ان لوگوں نے قبائلی عصبیت، دھوکہ دہی اور جھوٹے پراپیگنڈے کے ہتھیاروں سے کام لے کر اچھی خاصی جمعیتیں فراہم کر لیں اور اسلامی ریاست کے لئے بڑے مسائل اور خطرات پیدا کر دیئے![2]

مدعیان نبوت کے فتنہ سے بڑھ کر ارتداد کا فتنہ تھا جو جنگل کی آگ کی طرح پھیل گیا اور ایک وقت تو ایسا آیا کہ مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ کے دو شہروں کے علاوہ سارا عرب ارتداد کے فتنہ کی نذر ہو گیا۔ ارتداد کا شکار ہونے والوں میں وہ قبائل پیش پیش تھے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے کچھ ہی قبل مسلمان

۱۔ یہ پوری تقریر البدایہ والنہایہ جلد پنجم میں صفحہ ۲۴۸ پر موجود ہے۔ ۲۔ ان مدعیان نبوت کے حالات پر اردو میں مولانا ابوالقاسم رفیق دلاوری کی بہت عمدہ تصنیف آئمہ تلبیس کے نام سے موجود ہے۔ حال ہی میں اس کا ایک ایڈیشن لاہور سے بھی نکلا ہے۔

ہوئے تھے۔ اور جن کو نہ تو رسول اللہ صلی اللہ کی صحبت کیمیا اثر سے مستفید ہونے کا موقعہ ملا تھا اور نہ اسلام نے ان کے دلوں میں گھر کیا تھا۔ اس ارتداد اور بغاوت میں قبائلی عصبیت کو بڑا دخل تھا۔ بہت سے حوصلہ مند اور طالع آزما سرداروں نے قریش کے خلاف اپنے اپنے قبیلہ کے جذبات کو بھڑکا کر ان کو اسلام کے خلاف استعمال کیا۔ ایک صحابی اس فتنۂ ارتداد کے زمانہ کی کیفیت کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ان دنوں مسلمانوں کی کیفیت اس لاوارث بکری کی سی تھی جو موسم سرما کی کسی رات میں بارش میں بھیگ رہی ہو۔

رہی سہی کسر مانعین زکوٰۃ نے پوری کر دی۔ یہ وہ لوگ تھے جو اسلام کے تو منکر نہ تھے لیکن زکوٰۃ ادا کرنے سے انکاری تھے ان میں ایسے لوگ تو بہت کم تھے جو زکوٰۃ کی فرضیت کا انکار کرتے تھے، اکثریت ان کی تھی جو زکوٰۃ کی فرضیت کے تو قائل تھے لیکن حکومت کو دینے میں انہیں تامل تھا۔ یہ لوگ زکوٰۃ ادا کرنے کو اپنی روایتی قبائلی آزادی (بلکہ سرکشی) کے منافی سمجھتے تھے۔ بعض لوگوں نے تو یہ بھی کہا کہ ہم خود ہی زکوٰۃ نکال کر آپس ہی میں اپنے عزیزوں میں تقسیم کر لیتے ہیں۔

یہ حالات تھے جن میں حضرت ابو بکر صدیقؓ مسند آرائے خلافت ہوئے۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے ایک بار فرمایا تھا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی تو میرے والد پر ایسے مصائب ٹوٹ پڑے کہ اگر بڑے بڑے مضبوط پہاڑوں پر آتے تو ان کو ریزہ ریزہ کر دیتے۔

مصائب کے اس سمندر میں جناب صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک چٹان کی طرح کھڑے ہو گئے۔ آپؓ نے نہایت بالغ نظری، بصیرت اور دوربینی کے ساتھ حالات کا گہرا جائزہ لیا اور بہت جلد ان سے نمٹنے کے لئے پالیسی وضع کر لی۔ اور پھر اس قدر مناسب ترین اقدامات کئے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود کہہ اٹھے کہ آنحضرتؐ کی وفات کے بعد ہم مسلمانوں کو ایسے حالات سے سابقہ پڑا کہ اللہ تعالیٰ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ہمیں عطا کر کے ہم پر احسان نہ کرتا تو ہم ہلاک ہو جاتے۔ اور حقیقت بھی یہی ہے کہ ان حالات میں جناب صدیق اکبرؓ کے ایک ایک اقدام نے ان کی عظمت اور بالغ نظری پر اتنی تصدیقی مہریں لگا دی ہیں کہ جو کبھی بھی مٹ نہ سکیں گی یہی ایک کامیاب مدبر اور بڑے ڈپلومیٹ کی خصوصیت ہوتی ہے کہ وہ مشکلات سے نہیں گھبراتا۔ بلکہ اسکی صلاحیتیں مشکلات و مصائب میں مزید نکھرتی ہیں۔ ایک ڈپلومیٹ کا قول ہے کہ "بڑا ڈپلومیٹ ہمیشہ بحرانوں کا آدمی ہوتا ہے"[1] اگر اس رائے میں صداقت کا کوئی پہلو ہے تو اس اعتبار سے بھی حضرت صدیق اکبرؓ دنیا کے عظیم ترین ڈپلومیٹ ہیں۔

صدیق اکبرؓ نے ان نامساعد اور جان گسل حالات میں کس طرح اسلامی ریاست کی خارجہ پالیسی کو چلایا اس کو ہم دو حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔

۱۔ پہلا مرحلہ !۔ مرحلۂ استحکام

[1] A Great Diplomat is always a man of Crisis.

۲۔ دوسرا مرحلہ۔ مرحلۂ توسیع دعوت وحکومت

مرحلۂ استحکام

زمامِ خلافت سنبھالنے کے بعد آپ نے جو سب سے پہلے اقدام کیا وہ جیش اسامہ کی روانگی کا حکم تھا جیش اسامہ کی روانگی صدیق اکبرؓ کی خارجہ پالیسی کا شاہکار ہے۔ بالکل اسی طرح جس طرح صلح حدیبیہ عہدِ نبوی کی سیاستِ خارجہ کا شاہکار ہے۔ اس کی طرح اس کو بھی فتح مبین کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ ہمارے مؤرخین عام طور پر اس واقعہ سے سرسری طور پر یہ کہہ کر گزر جاتے ہیں کہ حضرت صدیق اکبرؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دیئے ہوئے حکم کو ٹالنا مناسب نہ سمجھا۔

حضرت صدیق اکبرؓ نے اس دور کی بین الاقوامی سیاست اور اس میں اسلامی ریاست کی پوزیشن اور کردار کا بالکل صحیح اندازہ لگایا۔ مناسب ہوگا کہ صدیق اکبرؓ کے اس اقدام کی معنویت اور اثرات کا اندازہ کرنے کے لئے جیش اسامہ کا مختصر تاریخی پس منظر بیان کیا جائے۔

صلح حدیبیہ کے بعد جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عرب اور اطراف عرب کے حکمرانوں کو تبلیغی خطوط لکھے تو شرجیل بن عمرو جو حدود شام پر رومی سلطنت کی طرف سے وائسرائے تھا۔ آنحضرتؐ کے خط کو پاکر سخت برہم ہوا اور اس کو اپنی اور اپنے آقاؤں کی سلطنت کے خلاف ایک ممکنہ خطرہ قرار دیتے ہوئے فوج کو تیاری کا حکم دے دیا۔ اس شخص نے دربار نبویؐ کے سفیر حضرت حارث بن عمیر کو بھی شہید کر ڈالا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مسلّمہ بین الاقوامی ضابطہ کی خلاف ورزی کرنے پر اس کو سرزنش کرنے اور اس کے ممکنہ حملہ کی حوصلہ شکنی کرنے کے لئے از خود ایک فوج حضرت زیدؓ بن حارثہ کی قیادت میں روانہ کی۔ یہ تین ہزار مسلمانوں کا ایک مختصر سا لشکر تھا جس کو موتہ کے مقام پر قیصرِ روم کی ایک لاکھ فوج کا مقابلہ کرنا پڑا۔ بہر حال یہ فوج جنگی اہمیت کی کچھ کامیابیاں حاصل کر کے واپس آگئی۔ اس مہم نے رومیوں کو اسلامی قوت سے اچھا خاصا خوفزدہ کر دیا۔ ان لوگوں نے اب مدینہ پر باقاعدہ حملہ کر کے اسلامی ریاست کو ختم کر دینے کی تیاریاں شروع کر دیں۔ رومیوں کی ان تیاریوں کی اطلاعات حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک بھی پہنچتی رہتی تھیں۔ آپؐ نے فیصلہ کیا کہ رومیوں کو پیش قدمی کا موقعہ دیئے بغیر از خود حملہ کا آغاز کیا جائے۔ اس حملہ کی کامیابی پر مسلمانوں اور اسلام کی بقاء کا انحصار تھا۔ پہلی بار مسلمان بیرون عرب کی ایک عالمی طاقت (Super Power) سے برسرِ آزما ہونے والے تھے۔ زمانہ قحط اور گرمی کی شدت کا تھا۔ یہی وہ موقعہ تھا جب صدیق اکبرؓ نے گھر کا سارا اثاثہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدموں میں ڈھیر کر کے فرمایا تھا۔ صدیق کے لئے اللہ کا رسول بس ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تیس ہزار صحابہ کا لشکر لے کر تبوک کی طرف روانہ ہوئے۔ تبوک میں آپؐ نے ۲۰ روز تک قیام کیا۔ اس مہم میں اگرچہ جنگ کی نوبت نہ آئی لیکن اس کے باوجود مسلمانوں کو بہت سے سیاسی اور سفارتی فوائد

حاصل ہوئے۔ علاوہ ازیں اس کی ضرورت ابھی باقی تھی کہ رومیوں کے اپنے علاقے میں اسلامی فوج ان سے دو دو ہاتھ کرے۔ تاکہ ان کو اپنا علاقہ بچانے کی فکر رہے اور وہ عرب میں جارحانہ پیشقدمی نہ کریں۔ اس مقصد کے لئے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت اسامہ کی سربراہی میں ایک لشکر اپنے مرض وفات میں تیار کیا۔ یہ لشکر ابھی تیار ہوا ہی تھا اور مقام جرف (مدینہ سے چند میل) میں تھا کہ حضور علیہ السلام ملأ اعلیٰ میں تشریف لے گئے۔

حضورؐ کا وصال ہونا تھا کہ وہ سارے مصائب آن پڑے جن کی طرف مختصراً اشارہ کیا جا چکا ہے۔ اس موقعہ پر بہت سے صحابہ کی رائے ہوئی کہ ان حالات میں جیش اسامہ کو بھیجنے میں جلدی نہ کی جائے۔ پہلے دیگر بڑے بڑے مسائل سے نمٹ لیا جائے۔ تو پھر جیش اسامہ کے مسئلہ کو لیا جائے۔ ان حضرات کا خیال تھا کہ اس وقت مسلمان نہایت کسمپرسی کی حالت میں ہیں۔ عرب قبائل روز بروز ٹوٹتے جا رہے ہیں۔ مدعیان نبوت کی طاقت بھی روز بروز بڑھ رہی ہے۔ اس لئے اس موقعہ پر مسلمانوں کی اور خاص طور پر مردان جنگ کی اتنی بڑی تعداد کو ایک دور دراز علاقہ میں بھیج دینا سخت تدبیری غلطی ہو گی۔ لیکن صدیق اکبرؓ کی رائے اس سے قطعی مختلف تھی۔ آپؓ کی نگاہیں اس مہم کی اہمیت اور اس کے دور رس اثرات کو دیکھ رہی تھیں۔ آپؓ اس بات کو خوب سمجھ رہے تھے کہ گرم جنگ اور سرد جنگ دونوں میں رعب اور وقار کو بڑی اہمیت حاصل ہوتی ہے۔

یہ بات عرب کے بچہ بچہ کے علم میں تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رومیوں پر حملہ کے لئے حضرت اسامہ کی سربراہی میں ایک لشکر روانہ کیا ہے۔ اور یہ لشکر مدینہ سے کوچ کیا ہی چاہتا ہے۔ اب اس لشکر کا روک لینا گویا ببانگ دہل اس بات کو تسلیم کر لینا تھا کہ ہماری پوزیشن اب نازک ہو گئی ہے اور ہم کسی فوج کو دار الحکومت سے اتنی دور بھیجنے کے متحمل نہیں ہو سکتے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے لشکر اسامہ کو روانہ کر کے عرب اور اطراف عرب کے بین القبائلی اور بین الاقوامی حلقوں میں بالکل ایک دوسرا تاثر پیدا کر دیا۔ لوگوں نے سمجھا کہ جب یہ لوگ اس قدر نازک حالات میں اتنی دور فوج بھیجنے کے متحمل ہو سکتے ہیں تو یقیناً ان کی پوزیشن انتہائی مستحکم ہے اور یہ اپنے خلاف اٹھنے والی ہر قوت کا سر کچلنے کے لئے پوری طرح تیار ہیں۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ایسا کوئی معمولی سا بھی اقدام نہیں کیا جس سے ذرا بھی کوئی پریشانی مترشح ہوتی ہو۔ بعض صحابہ حتیٰ کہ حضرت عمرؓ تک نے یہ رائے دی کہ حالات کی نزاکت کے پیش نظر اسامہؓ کی بجائے کسی معمر اور تجربہ کار شخص کو افسر بنایا جائے لیکن حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت اسامہؓ ہی کی سرداری پر اصرار کیا۔

اسامہ کے اس لشکر کے کیا سیاسی اور سفارتی اثرات پیدا ہوئے ان کا اندازہ قیصر روم کی اس تقریر سے ہوتا ہے جو اس نے اپنے ملک کے بڑے بڑے مذہبی سرداروں کے اجتماع میں کی تھی۔ یہ اجتماع لشکر اسامہ سے پیدا ہونے والی صورت حال پر ہی غور کرنے کے لئے بلایا گیا تھا۔ قیصر روم نے کہا کہ دیکھو! یہ وہی لوگ ہیں جن سے میں تم کو خبردار کیا کرتا تھا لیکن تم لوگ نہ مانتے تھے۔ دیکھو ان کی جرأت اور ہمت کا یہ عالم ہے کہ ایک ماہ

کی مسافت پر آکر تمہارے علاقہ میں چھاپہ مارتے اور صحیح سلامت واپس چلے جاتے ہیں اور ہم لوگ ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔

رومیوں کی اس حوصلہ شکنی کے علاوہ ایک اور اہم بات خود جزیرۂ عرب میں اپنی پوزیشن کو مستحکم رکھنے کی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دس سال کی جان گسل جدوجہد اور محنت شاقہ کے بعد عرب میں سپر پاور پوزیشن (Super power position) حاصل کی تھی۔ اس کے باقی رہنے پر ہی اب اسلام کی بقاء کا انحصار تھا۔ اگر مسلمان عرب کی واحد (unchallenged) سپر پاور کی حیثیت کو برقرار نہ رکھتے تو ایک طرف تو عرب و شام کی سرحدوں پر واقع عرب قبائل بنو تغلب وغیرہ فوراً ہی بغاوت کر دیتے جو حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی وفات کی خبر سنتے ہی بغاوت کے لئے تیار بیٹھے تھے جیش اسامہ نے ان کے حوصلے پست کر دیئے۔ دوسری طرف عرب کے باغی قبائل کو زیر کرنا ممکن نہ تھا۔

جیش اسامہ کی یہی گوناگوں اہمیت اور دوررس نتائج تھے جن کے پیش نظر حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اس مسئلہ پر اتنا سخت موقف اختیار کیا۔ جیش اسامہ کی روانگی پر جب بعض صحابہ نے زیادہ تأمل کا اظہار کیا تو آپ نے فرمایا، قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر مدینہ اس طرح خالی ہو جائے کہ میں اکیلا رہ جاؤں اور درندے مجھے بھنبھوڑ کر کھا جائیں تو بھی میں اسامہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق روانہ کر کے رہوں گا۔

لشکر اسامہ کی روانگی میں جو نکتہ پوشیدہ تھا وہ حضرت صدیق اکبرؓ کی دوسری جنگی اور سفارتی کارروائیوں میں بھی کارفرما نظر آتا ہے۔ مدینہ کے اطراف میں آباد بعض قبائل عرب مثلاً عبس و ذبیان وغیرہ نے جب زکوٰۃ کی ادائیگی میں انکار کیا اور جناب صدیقؓ نے ان کے خلاف جہاد کرنے کا تہیہ کر لیا تو یہ لوگ ایک وفد لے کر خلیفۂ رسولؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ سے معاملہ میں کچھ رعایت کرنے کی درخواست کی۔ آپؓ نے سختی سے ان لوگوں کے اس نامعقول مطالبہ کو مسترد کر دیا۔ ان لوگوں نے مدینہ جاکر مدینہ پر حملہ کی تیاریاں شروع کر دیں۔ مدینہ اس وقت مردان جنگی سے قریب قریب خالی تھا۔ صحابہ کی بڑی تعداد جیش اسامہ اور مرتدین و مدعیان نبوت کے خلاف بھیجے جانے والے لشکروں کے ساتھ جا چکی تھی۔ اس کے باوجود صدیق اکبرؓ نے زکوٰۃ کے معاملہ میں معمولی سی رعایت دینے سے بھی صاف انکار کر دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ ایک روز کے اندر اندر ان لوگوں نے ایک بڑا جتھا بنا کر مدینہ پر چڑھائی کر دی۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ بنفس نفیس ایک مختصر سا دستہ لے کر مدینہ سے نکلے۔ آپ نے حملہ آوروں کے خلاف از خود پیش قدمی کر کے ان کو زبردست شکست دی اور ذوالقصہ تک مار بھگایا۔ مؤرخین نے لکھا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وفات کے بعد یہ پہلی کامیابی تھی جو مسلمانوں کو حاصل ہوئی۔ اس سے قرب وجوار کے لوگوں پر اچھے اثرات پڑے۔ نہ صرف مسلمانوں کے حوصلے بے انتہا بلند ہو گئے بلکہ جو لوگ اب تک بین بین تھے

وہ بھی اپنے ایمان پر مضبوط ہو گئے۔ اس کے بعد آپ نے ایسے دوسرے قبائل کے خلاف بھی کامیاب کارروائیاں کیں اور مدینہ میں خوشخبریوں کا تانتا بندھ گیا۔ بہت جلد دوسرے مانعین زکوٰۃ بھی مجبوراً راہِ راست پر آگئے۔

مانعین زکوٰۃ کے خلاف حضرت صدیق اکبرؓ نے یہ سخت مُوقف کیوں اختیار کیا، یہ بات بھی اس موقعہ پر سمجھ لینا حضرت صدیق اکبرؓ (اور ایک اسلامی ریاست) کی مجموعی پالیسی کی روح کو سمجھنے میں مفید ہو گا۔ دراصل ایک اسلامی ریاست کی بنیادی حیثیت ایک نظریاتی اور داعی ریاست کی ہے۔ اس کا بنیادی فرض یہ ہے کہ وہ دنیا میں اللہ کی حجت تمام کرے اور دین حق کو مکمل طور پر نافذ کر کے اس کا نمونہ دنیا کے سامنے پیش کرے تاکہ شہادتِ حق کا فریضہ جو ساری دنیا و امتِ مسلمہ کا فریضہ ہے پورے طور پر ادا ہو سکے۔ اسلامی ریاست کا فرض ہے کہ وہ ایسے اقدامات کرے جن سے دین حق ایک مکمل و مربوط نظام حیات کے طور پر دنیا کے سامنے پیش کیا جا سکے اور ہر ایسی کوشش کا بزور سدِباب کرے جو دین کو ناقص اور نامکمل نظام کی حیثیت دینا چاہتی ہو۔ یہی وجہ ہے کہ جناب صدیق اکبرؓ نے ان تمام طاقتوں کے خلاف بھی پوری قوت سے جہاد کیا جو زکوٰۃ کی ادائیگی کو فرد کا ذاتی معاملہ قرار دینا چاہتی تھیں۔ تاریخ سے ثابت ہے کہ کئی قبائل زکوٰۃ کی فرضیت کے منکر نہ تھے۔ وہ اس کو صرف ریاستی کنٹرول سے آزاد کرانا چاہتے تھے لیکن چونکہ اس سے دین کے معاشی اور مالیاتی پہلو پر حرف آتا تھا۔ اس لئے رسولؐ اور رسالت کا مزاج شناس اس کی اجازت کیسے دے سکتا تھا اسی لئے آپ نے یہ تاریخ ساز اعلان فرمایا۔

وَاللّٰہِ لَاُقَاتِلَنَّ مَنْ فَرَّقَ بَیْنَ الصَّلٰوۃِ وَالزَّکٰوۃِ ، وَاللّٰہِ لَوْمَنَعُوْنِیْ عِقَالًا کَانُوْا یُؤَدُّوْنَہٗ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَقَاتَلْتُھُمْ عَلَیْہِ

خدا کی قسم میں ان لوگوں سے جنگ کر کے رہوں گا۔ جو نماز اور زکوٰۃ کے درمیان فرق کرتے ہیں۔ خدا کی قسم اگر یہ لوگ ایک رسی کا ٹکڑا بھی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بطور زکوٰۃ ادا کرتے تھے مجھ کو ادا کرنے سے انکار کریں گے تو میں ان سے جنگ کروں گا۔ اسی موقعہ پر ایک بار جب حضرت عمرؓ آپؓ سے مانعین زکوٰۃ کے بارے میں اقدامات کو ذرا مؤخر کر دینے کے سلسلہ میں گفتگو کر رہے تھے اور ان مشکلات کا بھی ذکر کر رہے تھے جو مسلمانوں کو درپیش تھیں تو صدیق اکبرؓ نے نہایت سختی سے فرمایا۔ أَجَبَّارٌ فِی الْجَاهِلِيَّةِ خَوَّارٌ فِی الْاِسْلَامِ۔ یہ کیا تم جاہلیت میں تو بڑے زبردست تھے اب بزدل بن رہے ہو؟

آنجناب کی اس مضبوطی سے دوسرے صحابہ کو بھی اس معاملہ میں مکمل شرح صدر حاصل ہو گیا۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ فَمَا هُوَ اِلَّا اَنْ رَأَیْتُ اللّٰہَ قَدْ شَرَحَ صَدْرَ اَبِیْ بَکْرٍ۔ جلد ہی یہ بات مجھ پر کھل گئی کہ اللہ ہی نے اس معاملہ میں ابوبکرؓ کو شرح صدر عطا فرمایا ہے۔

اس ضمن میں آخری بڑی مہم (بلکہ سلسلہ مہمات) مرتدین اور مدعیان نبوت کے خلاف تھی۔ مدعیان نبوت کا ساتھ دینے والوں میں بڑی تعداد بھی اسلام سے پھرنے والوں کی تھی۔ ان لوگوں کے خلاف مہمات کا آغاز کرتے

وقت حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ایک منشور اعظم تمام لوگوں کے نام جاری کیا۔ اس کی بہت سی نقلیں ہر لشکر کو دی گئیں (یہ کل ۱۱ لشکر تھے)، اور حکم دیا گیا کہ اس منشور اعظم کو ہر جگہ جنگ سے قبل پڑھ کر سنا دیا جائے۔ اس منشور میں اسلام کی دعوت کو نہایت جامعیت کے ساتھ بیان کر کے اس بین القبائلی اور بین الاقوامی پراپیگنڈے کی دلائل و براہین کے ساتھ پر زور تردید کی گئی کہ نبی کا وفات پا جانا اس کی صداقت و نبوت کے خلاف ہے۔ اس کے بعد ان تمام مرتدین اور پیروان کذب و دجل و افترا کو دوبارہ اسلامی برادری میں پر خلوص دعوت دی گئی۔ آخر میں تنبیہہ کی گئی کہ اگر تم لوگ اپنی سرکشی پر قائم رہے تو ہم انتہائی اسخت اقدام کرنے پر مجبور ہوں گے۔

یہ گویا اسلامی ریاست کی جنگی پالیسی کے بارے میں ریاست کے سب سے ذمہ دار فرد کی طرف سے جاری کردہ سرکاری بیان تھا۔ اس عام فرمان کے علاوہ ایک اور فرمان تمام فوجی افسران اور سالاران عساکر کے نام جاری کیا گیا۔ یہ فرمان اسلامی احکام و جنگ و صلح کے علاوہ اسلامی حکومت کی جنگی پالیسی اور متفرق سیاسی و سفارتی ہدایات پر مشتمل تھا۔ عسکریات کے ممتاز ماہر میجر جنرل محمد اکبر خاں لکھتے ہیں کہ ان ہدایات سے حضرت ابوبکر صدیقؓ کی دور اندیشی، بلند خیالی اور قابلیت کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ جب ہم بیسویں صدی کے جرنیلوں کی آپ بیتی پڑھتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ حضرت ابوبکر کس قدر مستقل مزاج، نڈر اور قابل ترین سپہ سالار اور صدرِ سلطنت تھے۔

یہ سب ہدایات جاری کرنے کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ نے تمام اسلامی افواج کو گیارہ گروپوں میں تقسیم کیا اور ہر گروپ کا الگ الگ کمانڈر مقرر کیا گیا۔ ان کمانڈروں میں خالد بن ولید، عکرمہ بن ابی جہل، مہاجر بن امیہ، خالد بن سعید عمرو بن العاص، شرجیلؓ بن حسنہ، سوید بن مقرن اور علاء بن الحضرمی جیسے ماہرین حرب و سیاست شامل تھے۔ ان دستوں کو بیک وقت تمام دشمن اسلام قوتوں پر عقاب کی طرح جھپٹ پڑنے کی ہدایات جاری کی گئیں ہر دستہ کے فرائض اور اہداف بھی تفصیل سے سمجھا دیئے گئے۔ مجاہدین اسلام کے یہ دستے آناً فاناً سارے ملک میں پھیل گئے اور پھر بہت جلد فتوحات کی خوشخبریاں خلیفۂ رسول کی خدمت میں آنی شروع ہو گئیں۔ جب بھی کسی فتح یا کامیابی کی کوئی اطلاع آتی تو آپ فرطِ مسرت سے خود بھی کئی بار پڑھتے اور مجمع عام میں بھی بار بار سنواتے اتنی مختصر فوج نے اس قدر کم وسائل کے ساتھ اتنی کم مدت میں اور اتنے وسیع علاقہ میں پھیلی ہوئی اپنے سے سینکڑوں گنا گوناگوں قوتوں کو کیسے زیر کر لیا۔ ضیائے حرم میں اس کی تفصیل بیان کرنا اس خوش نصیب کا حصہ ہے جس کو حضرت صدیق اکبرؓ کی سپہ سالاری، عسکری عظمت اور قائدانہ جلالتِ شان پر کچھ لکھنے کی سعادت حاصل ہو۔

۲۔ مرحلہ توسیع دعوت و حکومت

اسلام کے خلاف جاہلیت عرب کی یہ آخری کوشش تھی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات طیبہ کے موقع پر اسلامی نظامِ حکومت و معاشرت کو درہم برہم کرنے کے لئے کی گئی۔ عرب جاہلیہ کی ان مرکز گریز قوتوں پر

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے تقریباً ایک سال کے اندر اندر مکمل طور پر قابو پا کر ان کی کمر توڑ دی۔ اب مرحلہ توسیع دعوت و حکومت کا تھا جس سے اسلام کے دور شان و شکوہ کا آغاز ہونے والا تھا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اب خارجی اور دفاعی سیاست کی ایسی تنظیم کی کہ جس نے اسلام کے عہد شوکت کے آغاز کے لئے بنیادیں فراہم کر دیں گو اس کے لئے وسیع پیمانہ پر کام تو حضرت فاروق اعظمؓ کے دور میں ہوا اور بنی امیہ کے عظیم الشان دور حکومت میں یہ سلسلہ اپنی انتہا کو پہنچا لیکن اس کے لئے بنیادی کام (Spade Work) حضرت ابوبکر صدیقؓ ہی کے آخری زمانہ میں ہو چکا تھا۔

اس زمانہ کے بعض واقعات سے صاف پتہ چلتا ہے کہ خود حضرت ابوبکر صدیقؓ اور ان کے رفقاء کرام اپنی پالیسیوں میں ان بدلے ہوئے حالات کی رعایت کو ملحوظ رکھتے تھے۔ عہد صدیقیؓ میں حضرت عمرؓ اپنی دوسری ذمہ داریوں کے ساتھ قضاء کے نگران اعلیٰ (گویا چیف جسٹس) بھی تھے۔ انہی دنوں جبکہ یہ مہمات ختم ہو چکی تھیں ان کے پاس ایسے کچھ لوگوں کا ایک وفد حاضر ہوا جن کو تالیف قلب کی مد سے بیت المال سے کچھ رقم (شاید سالانہ) ملتی تھی۔ ان لوگوں نے حضرت عمرؓ کی خدمت میں متعلقہ دستاویز پیش کیں اور اعانت کے خواہاں ہوئے۔ حضرت عمرؓ نے دستاویز چاک کر دی اور فرمایا "اب اسلام مضبوط ہو چکا ہے ہم لوگوں کو تمہاری دلجوئی کی کوئی ضرورت نہیں"۔ صدیق اکبرؓ نے بھی اس رائے سے اتفاق کیا۔

عہد صدیقی کی خارجہ پالیسی پر گفتگو کرتے ہوئے یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ آنجناب کے عہد خلافت کا زیادہ حصہ ظاہر ہے کہ مختلف فتنوں ہی کو ختم کرنے میں صرف ہوا اس لئے آپ کے دور حکومت کی حیثیت ہنگامی حالت کی سی تھی۔ اگرچہ دونوں میں بہت فرق ہے لیکن سمجھنے کے لئے کہا جا سکتا ہے کہ آپؓ کا زمانہ ایک طرح سے مارشل لار کا دور تھا۔ اس دور میں صورت حال کی نزاکت کے پیش نظر خارجہ پالیسی اور دفاعی پالیسی کو ایک دوسرے میں ضم کر دیا گیا تھا۔ یوں تو ان دونوں کا آپس میں قریبی ربط ہوتا ہی ہے لیکن جنگ میں ان دونوں کی کامیابی کا ایک دوسرے پر کلی انحصار ہو جاتا ہے۔

کسی ریاست کی خارجہ پالیسی ہی کیا بلکہ ہر قسم کی پالیسیوں کی کامیابیوں کا انحصار ان کو چلانے والے رجال کار پر ہوتا ہے۔ پالیسی کتنی ہی عمدہ ہو اور اس کو بنانے والا کیسا ہی عقل مند اور عبقری ہو لیکن اگر اس کے رفقائے کار اور معاونین نااہل اور ناکارہ ہوں تو ناممکن ہے کہ اس کے منصوبے اور کوششیں بار آور ہوں۔ حضرت رسول اللہ صلی اللہ کا رفیق خاص اور جانشین اوّل اس معاملہ میں کیوں اپنے حبیبؐ کا پرتو کامل نہ ہوتا۔ مؤرخین نے تصریح کی ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کو اللہ تعالیٰ نے مردم شناسی کا بڑا ملکہ عطا فرمایا تھا۔ آپ نے خود بھی اپنی پالیسی کا ایک بنیادی جزو یہ قرار دے رکھا تھا کہ جس شخص کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی جگہ مامور کیا ہو تو اس کو وہاں سے معزول نہ کیا جائے۔ اس لئے کہ ظاہر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر انتخاب کس کا ہو سکتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مردم شناسی کا کیا ٹھکانہ ہے جس ہستی نے کفار قریش کے

اساطین اور معاندین اسلام کی صف اوّل میں جوہر قابل کو تلاش کر لیا ہو اور اس جوہر قابل نے بھی حضرت فاروق اعظمؓ بن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مردم شناسی کی لازوال حجت قائم کر دی ہو۔ اس ہستی نے جو رجال کار مختلف ذمہ داریوں کے لئے منتخب کئے ہوں گے وہ جیسے ہوں گے ظاہر ہے۔

جیش اسامہ کے معاملہ میں ہم دیکھ چکے ہیں کہ تمام صحابہ حتیٰ کہ حضرت عمر فاروقؓ بھی متفق اللفظ تھے کہ اس کی سربراہی کسی معمر اور تجربہ کار شخص کے سپرد کی جائے لیکن حضرت ابوبکر صدیق نے اسامہ کو سربراہی سے معزول کرنے سے صاف انکار کر دیا اور فرمایا کہ میں اس تلوار کو کیسے نیام میں کر سکتا ہوں جسے حضورؐ نے نیام سے نکالا ہو۔ اسامہ کی سربراہی سے جو دوررس اور عظیم الشان فوائد حاصل ہوئے۔ ان کی طرف مختصر سا اشارہ کیا جا چکا ہے۔

حضرت فاروق اعظمؓ چونکہ سبھی معاملات میں آپ کے مشیر خاص اور دست راست تھے لیکن امور خارجہ و دفاع میں تو خاص طور پر حضرت ابوبکرؓ ان کے مشورہ و استصواب کے بغیر کوئی اقدام نہ کرتے تھے۔ خارجی سیاست میں حضرت فاروق اعظمؓ وسیع تجربہ رکھتے تھے۔ آپ کا خاندان بنی عدی مکہ کی ریاست میں شعبہ سفارت کا ذمہ دار تھا۔ اسلام سے قبل حضرت عمر کی حیثیت گویا قریشی حکومت کے وزیر خارجہ اور سفیر عام (Plenipotentiary Ambassador) کی تھی۔ جسطرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو زندگی بھر اپنے سے علیحدہ نہیں کیا۔ کبھی دور کسی مہم پر بھیجا۔ اسی طرح جناب حضرت ابوبکر صدیقؓ نے بھی حضرت عمرؓ کو اپنے سے علیحدہ نہیں کیا۔ ان کو ہمیشہ مدینہ ہی میں رکھتے۔ کبھی کسی مہم پر بھی نہیں بھیجا۔ جیش اسامہ میں حضرت عمرؓ کا نام بھی شامل تھا مگر آپ نے حضرت اسامہؓ سے خصوصی اجازت لے کر ان کو مدینہ میں ٹھہرا لیا تھا۔

اس کے علاوہ آنجناب کا طریقہ تھا کہ جب کسی لشکر کو روانہ فرماتے یا کسی سفیر کو کسی مہم پر بھیجتے تو اس کو تفصیلی ہدایات تحریری طور پر عطا فرماتے۔ قدیم مؤرخین مثلاً ابن کثیر دمشقی، طبری اور ابن اثیر جزری وغیرہ نے آنجنابؓ کے ایسے بہت سے خطوط اور ہدایت نامے جوں کے توں محفوظ کر رکھے ہیں۔ عصر حاضر کے ایک جلیل القدر محقق ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے بھی اپنی تصنیف الوثائق السیاسیہ میں حضرت ابوبکر صدیق کے بہت سے خطوط و دستاویزات کا تتبع کیا ہے۔

ان تحریروں میں جناب حضرت ابوبکر صدیقؓ کی سیاست خارجہ کے بارے میں بہت سی مفید اور تفصیلی معلومات ملتی ہیں۔ علامہ ابن اثیر الجزری نے ایسی ہی ایک طویل یادداشت محفوظ کی ہے جو حضرت صدیق اکبرؓ نے مشہور مسلم جنرل، عظیم مدبر اور صحابی جلیل حضرت یزید بن ابو سفیان کو شام بھیجتے وقت عطا فرمائی تھی[1]۔ اس یادداشت میں آپ نے پہلے جناب یزید کو تقویٰ اختیار کرنے اور جاہلیت کی باتوں سے اجتناب کرنے کی تلقین فرمائی۔ پھر یہ بتایا کہ اپنے سپاہیوں اور ماتحتوں کے ساتھ تمہارا کیا سلوک ہونا چاہیئے۔ اس کے بعد آپ نے سفارتی زندگی کے کچھ اصول بیان فرمائے۔ آپ نے لکھا!۔

۱۔ تاریخ ابن اثیر جلد دوم صفحہ ۳۷۷

۱۔ سفیر کا ہمیشہ احترام کرو اور اس کو اچھی جگہ عزت سے ٹھہراؤ۔ چاہے وہ دشمن ملک کا ہی کیوں نہ ہو۔

۲۔ اس بات کی کوشش کرو کہ سفیر کو کم سے کم تمہارے علاقے میں رہنے کا موقع ملے۔

۳۔ سفیروں کو اپنے فوجی اڈے حتی الامکان مت دکھاؤ۔

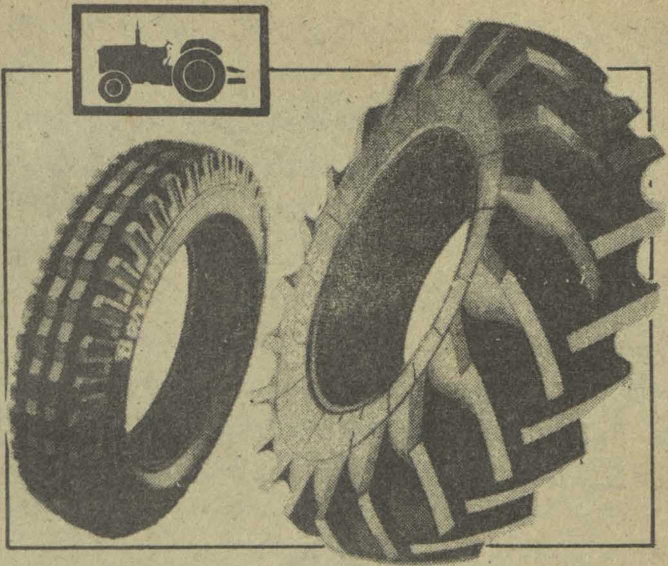
۴۔ کوشش کرو کہ عام چھوٹے موٹے افسران غیر ملکی سفیروں سے نہ ملیں۔

۵۔ حتی الامکان خود ہی سفیروں سے ملاقات کرو۔

۶۔ اپنے خاص خاص مشیروں کے علاوہ اپنا کوئی راز کسی پر ظاہر نہ کرو۔

۷۔ لوگوں سے عام گفتگو کے ذریعے مختلف خبریں اور معلومات حاصل کرنے کی کوشش کرو۔

حضرت صدیق اکبرؓ کی ان ہدایات میں سے ہر ہدایت اس قابل ہے کہ اس پر جداگانہ مضمون لکھا جائے۔ ایسے بہت سے جواہر پارے ہیں جو آپ کی تقریروں، خطوط اور منشوروں میں جا بجا بکھرے ہوئے ہیں۔ اگر ان سب کو جمع کر کے مرتب کیا جائے اور آج کے سفارتی اصولوں سے ان کا موازنہ کیا جائے تو دنیا انگشت بدنداں رہ جائے۔



مولانا عبدالقدوس ہاشمی

فتوحاتِ صدیقی

الحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین خاتم النبیین وعلی اصحابہ اجمعین ○

افضل البشر بعد الانبیاء اوّلین خلیفۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر الصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کارنامے اور ان کے فضائل و مناقب اتنے ہیں کہ بیان کرتے کرتے ہم تھک جائیں اور حق یہ ہے کہ حق ادا نہ ہو۔ وہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر ایمان لانے والے پہلے مردِ مومن تھے۔ وہ ہجرت کے سفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رفیق تھے۔ اور صرف وہی ایک شخص ہیں جنہیں اتنے خطرناک سفر میں یہ شرف حاصل ہوا جبکہ قدم قدم پر موت کا سایہ دکھائی دیتا تھا۔ ان کی کمائی اور ان کا مال سارے کا سارا دین اسلام کے لئے ہمیشہ وقف رہا۔ قرآن مجید کی صداقت کو سب سے پہلے ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ کے بعد ان ہی نے قبول کیا۔ وہ اور صرف وہی ایک ہیں جنہیں اللہ کے رسولؐ نے صدیق کا لقب عطا فرمایا۔ ان کے یقین کامل کا یہ حال اور عالم تھا کہ جب ساری دنیا دینِ حق کی مخالف تھی تو اس وقت بھی وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت پر اٹل یقین رکھتے تھے۔ معراجِ رسول کی جب کفار نے ہنسی اڑائی تو صدیق اکبرؓ نے بیان رسولؐ کی پورے یقین اور جرأتِ ایمانی کے ساتھ تصدیق کی۔ قرآن مجید کی سورۂ روم میں جب یہ آیت نازل ہوئی کہ رومی چند سال ہی میں ایرانی آتش پرستوں پر غالب آجائیں گے تو آپ نے ایک منکر و کافر سے اس پر شرط کر لی۔ کافر کو اس غلبہ کے کوئی آثار نظر نہیں آرہے تھے مگر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کو اللہ تعالیٰ کے کلام پر ایسا یقین تھا کہ انہیں اس غلبہ میں کسی قسم کے شک و شبہ کی کوئی گنجائش ہی نظر نہیں آتی تھی۔

حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ایک ایسا سانحہ عظیم تھا کہ بڑے بڑے جلیل القدر صحابہؓ کے اوسان جاتے رہے۔ فراوانیٔ غم واندوہ نے ہوش و حواس کو معطل کر کے رکھ دیا لیکن اس نازک وقت میں

بھی جس طرح صدیق اکبرؓ کا ذہنی توازن قائم رہا وہ صرف ان ہی کا حصہ تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ستودہ صفات صحابہ کرام کے لئے دین بھی تھی اور دنیا بھی۔ انہوں نے گھر بار لٹا کر، سب کچھ قربان کر کے اور موت وحیات کی کشمکشیں برداشت کر کے جو کچھ حاصل کیا تھا وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظرِ عنایت ہی تو تھی۔ جب وفاتِ رسولؐ کے بعد وہ اس نظر ہی سے محروم ہو گئے تو شدتِ غم واندوہ کا کیا کہنا۔ ہم جنہیں ایمان بغیر کچھ قربان کئے مفت وبے دام مل گیا ہے، اس کا اندازہ کہاں لگا سکتے ہیں کہ صحابہ کے دلوں پر اس وقت کیا گزر رہی ہوگی۔ حق یہ ہے کہ ان کا اوسان کھو دینا بالکل تقاضائے بشریت تھا۔ حیرت واستعجاب تو اس پر ہے کہ ایسے نازک وقت میں بھی حضرت صدیق اکبرؓ کے اوسان خطا نہ ہوئے اور انہیں قرآن مجید میں اللہ حی ولا یموت کا یہ کلام یاد رہا کہ ا۔

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَاِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْئًا وَسَيَجْزِى اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ ۝ (آل عمران آیت ۱۴۴)

اور محمد ایک رسول ہی تو ہیں اور ان سے پہلے بھی بہت سے رسول گزر چکے ہیں تو اگر محمد رسول اللہ، وفات پا جائیں، یا شہید کر دیئے جائیں تو کیا تم الٹے پاؤں پھر جاؤ گے؟ اور جو الٹے پاؤں پھر جائے گا۔ وہ ہرگز اللہ کا کوئی نقصان نہیں کرے گا۔ اور اللہ حق شناسوں کو جلد ہی جزا دے گا۔

یہ آیت نازل ہوئی تھی وفاتِ رسولؐ سے کوئی ساڑھے سات سال پہلے غزوۂ احد کے بعد لیکن اسے یاد رکھنے کا وقت تو یہی تھا جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی تھی۔ حضرت صدیق اکبر کا دماغ اور دل، اس شدید صدمہ کے وقت بالکل درست تھا۔ وہ جانتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عبد کامل ہیں جو عبدیت کے نقطۂ عروج پر فائز ہیں۔

مقامِ عبدیت کاں منزل تست　　زہر بالا و بالا آفریدند

وہ اللہ تعالیٰ کے نبی اور رسول ہیں۔ آخری رسول اور سلسلۂ نبوت کی آخری اور تکمیلی سنہری کڑی۔ اب آپ کے بعد کوئی نبی آنے والا نہیں ہے۔ اس کے باوجود وہ اللہ جل جلالہ کی طرح حی ولا یموت نہیں ہیں۔ وہ اس عالم آب وگل میں ہمیشہ رہنے والے نہیں ہیں۔ ایک نہ ایک دن عالم شہادت کو یہ دن دیکھنا ہی پڑے گا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا چکے ہوں گے۔

حضرت صدیق اکبرؓ ذرا دیر پہلے ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے اٹھ کر گئے تھے کہ وفات کی اطلاع ملی۔ گھر سے فوراً واپس آئے۔ نوجوان بیوہ بیٹی کا معصوم وغم زدہ چہرہ سامنے تھا۔ حجرہ میں آکر چہرۂ رسول سے چادر ہٹائی۔ پیشانی مبارک پر بوسہ دیا۔ آنکھوں سے اشک غم بہہ نکلا، اسے پونچھا اور پورے یقین کے ساتھ کہا۔

عِشْتَ كَرِيْمًا وَمِتَّ كَرِيْمًا۔ آپ نے عزت وآبرو کی زندگی بسر فرمائی اور اسی عزت وآبرو کیساتھ وفات پا گئے۔ جو کچھ ہونا تھا ہو چکا اللہ آپ کو دوسری موت کا مزہ اب ہرگز نہیں چکھائے گا۔ اس کے بعد پھر اپنی

آنکھیں پونچھیں اور نہایت ہی ضبط و وقار کے ساتھ باہر تشریف لائے۔ باہر آکر دیکھا تو ایک شور برپا تھا۔ منافقین بار بار کہہ رہے تھے لو آج قصہ تمام ہوا، وہ مر گئے، اب مسلمان بھی ختم اور اسلام بھی ختم، صحابہ میں سے کچھ تو شدت غم میں ڈوبے ہوئے بے ہوش و حواس بیٹھے تھے، کوئی رو رہے تھے اور کچھ صحابہ کرام منافقین سے جھگڑ رہے تھے حضرت فاروق اعظمؓ نے بے ایمان منافقوں کو ڈانٹ کر کہا کہ اب جو کسی نے کہا کہ رسول اللہؐ وفات پاگئے تو اس کی گردن ہوگی اور میری تلوار۔

یہ شور و شغب پوری شدت کے ساتھ برپا تھا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ ایک کوہِ وقار اور پیکر صبر و رضا، حجرۂ صدیقہؓ سے واپس لوٹے۔ یہ وہ ابوبکرؓ ہیں جنہیں اللہ رحیم و دانا نے امت اسلامیہ کی کشتی کو پار لگانے کے لئے اپنے علم ازلی و ابدی میں پہلے ہی سے منتخب کر رکھا تھا اور اسی لئے اللہ کے رسول نے اپنی حیاتِ دنیاوی ہی میں کئی روز پہلے سے انہیں اپنے منبر و مصلّٰی پر متمکن کر دیا تھا۔ وہ حجرہ سے واپس آکر مسجد نبوی کے منبر پر چڑھے اور آواز دے کر لوگوں کو مسجد میں جمع کر لیا۔

اس کے بعد صدیق اکبرؓ نے اللہ کی حمد و ثنا کی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام بھیجا اور اعلان کیا کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وفات پاگئے۔ اللہ کے سوا کوئی نہیں جو ہمیشہ رہے۔ مرنا سب کو ہے، کوئی نہیں جو موت سے بچ جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں ہمیشہ ہمیشہ رہنے کو نہیں آئے تھے لیکن اسلام قیامت تک اس دنیا میں باقی رہنے کو آیا ہے۔ یہ باقی رہے گا اور جب تک زمین و آسمان رہیں گے اسلام رہے گا اس کے بعد حضرت صدیق اکبرؓ نے وہ آیت کریمہ سورۂ آل عمران سے تلاوت کی۔ حضرت فاروق اعظمؓ فرماتے تھے کہ اس آیت کو سن کر مجھے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ آج پہلی مرتبہ اس آیت کو سن رہا ہوں۔ یہی حال شاید دوسرے صحابہ کا بھی رہا ہو۔

حضرت صدیق اکبرؓ کا اس وقت یہ حال تھا کہ سینے میں غم و اندوہ کی دہکتی ہوئی آگ، چہرہ پر غم و اندوہ کا بادل مگر حرکات میں وقار شاہانہ، لب و لہجہ میں آہنی عزم و ارادہ اور ہر ہر لفظ سے پامردی، استقلال اور نہ ٹوٹنے والی امید ہویدا۔

چند جملوں کا یہ چھوٹا سا خطبہ آبِ حیات کا کام کر گیا۔ یاس و ناامیدی کے ناپیدا کنار سمندر میں ڈوبتے ہوئے دل ابھر آئے۔ بے کسی و بے لبسی سے تھرتھراتے قدم استوار ہو گئے اور گریہ و زاری کی ظلماتی فضا میں امید و یقین کا آفتاب عالمتاب چمکنے لگا۔ اب یاس کی جگہ امید، تحیر کی جگہ یقین اور قنوط کی جگہ آہنی عزم و ارادہ نے لے لی۔ آنکھیں پونچھتے ہوئے لوگ اٹھے مگر یہ کہتے ہوئے اٹھے۔ اللہ حی و قیوم ہے، وہ نہیں مرے گا اور اس کا دین اسلام بھی باقی رہے گا اور کبھی نہیں مٹے گا۔

جن کو آنکھیں دی گئی ہیں مگر وہ دیکھنا نہ چاہیں اور جن کو کان ملے ہیں مگر وہ سننا نہ چاہیں تو پھر انہیں کون دکھا سکتا ہے اور کون سنا سکتا ہے؟ ورنہ حق تو یہ ہے کہ حضرت صدیق اکبرؓ کے صرف اسی ایک عمل کو دیکھئے تو صاف نظر آتا ہے کہ انبیائے کرام کے بعد وہ دنیا کے سب سے بڑے اور سب سے افضل آدمی تھے۔

اس وقت صدیق اکبرؓ کے مناقب اور کارناموں پر کوئی کتاب لکھنی مقصود نہیں، اتنی سی باتیں تو محض بہ سبیل تذکرہ یادداشت کو تازہ کرنے کے لئے لکھ دی گئیں۔ اس مختصر سے مضمون سے مقصود صرف یہ ہے کہ خلافتِ صدیقی کی مختصر سی مدت میں فتوحات اسلامی کا ذکر کر دیا جائے اور وہ بھی محض چند سطور میں۔ خلافتِ صدیقی کی تاریخ اور حضرت صدیق اکبرؓ کے احوال پر بڑی بڑی ضخیم کتابیں علماء اور محققین نے لکھی ہیں اور انشاءاللہ تعالیٰ رہتی دنیا تک ہمیشہ لکھی جاتی رہیں گی۔ اس ہیچ مداں کا بھلا ان علماء و محققین میں کیا مقام ہو سکتا ہے۔

فتوحات صدیقی پر نظر ڈالتے ہوئے یہ چند باتیں یاد رہیں تو اچھا ہے۔

حضرت صدیق اکبرؓ

نام و نسب یہ ہے۔ عبداللہ بن ابی قحافہ عثمان بن عامر بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم بن مرہ بن کعب بن لوی بن فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ۔ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کا نسب نامہ مرہ بن کعب بن لوی پر مل جاتا ہے۔ آپ کی کنیت ابوبکر اور لقب العتیق اور الصدیق ہے۔ العتیق کے معنی ہیں آزاد، یہ لقب آپؓ کو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عطا فرمایا تھا۔ کیونکہ حضرت ابوبکرؓ نے نزول قرآن مجید سے پہلے بھی کبھی بت پرستی نہیں کی تھی اور نہ شراب، جوا، بدکاری، بددیانتی یا کسی اور گناہ کبیرہ کا ارتکاب کیا تھا۔ اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو العتیق من النار (نارِ جہنم سے آزاد) کا لقب عطا فرمایا تھا۔ اور چونکہ نبوتِ محمدیؐ کا اقرار کرنے والے اور کلام الٰہی کی تصدیق کرنے والے بھی اوّلین مرد تھے۔ اس لئے حضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو صدیق (راست گو اور راست باز) کا لقب بھی دیا تھا۔ اور وہ اپنی کنیت ابوبکر اور اپنے آخری لقب الصدیق ہی سے مشہور ہوئے۔ ان کی والدہ کا نام سلمیٰ بنت صخر بن کعب بن سعد تھا جن کی کنیت ام الخیر تھی۔ یہ حضرت ابوبکرؓ کے والد حضرت ابوقحافہؓ کے دادا عمرو بن کعب کی بھتیجی تھیں اور ان ہی کے خاندان سے تعلق رکھتی تھیں۔ ان کی کنیت ام الخیر غریبوں اور محتاجوں کی امداد و اعانت کرنے کی وجہ سے ہو گئی تھی، اس طرح حضرت ابوبکر صدیقؓ کی کنیت بھی ان کی اولاد میں کسی کے نام سے نہیں ہوئی تھی بلکہ وصفی کنیت تھی جو اہل عرب نے قابل تعریف کاموں میں تقدم کی وجہ سے رکھ دی تھی۔

ولادت

حضرت صدیق اکبرؓ مکہ مکرمہ میں ۵۷۳ء میں پیدا ہوئے تھے۔ عمر میں حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تقریباً دو سال اور تین ماہ چھوٹے تھے۔ ان کے گھر والوں نے ان کا نام عبدالکعبہ رکھا تھا۔ اسلام لانے کے فوراً بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نام بدل کر عبداللہ کر دیا۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ کی پرورش ماں باپ کے سایہ میں مکہ میں ہوئی۔ یہ ان سترہ یا انیس قریشیوں میں

سے تھے جنہوں نے لکھنا پڑھنا سیکھ لیا تھا۔ باقی تیغ زنی، شہسواری اور تیر اندازی وغیرہ سب ہی سیکھتے تھے۔ انہوں نے بھی سیکھا تھا۔ ان کا گھرانا اگر دولتمند نہیں تو خوشحال گھرانا تھا، تجارت کرتے تھے۔ تجارت کے لئے شام، یمن، نجران اور حضرموت کا کئی بار سفر کیا تھا۔ ان کے والد بزرگوار کی آنکھیں خراب ہوگئی تھیں۔ اس لئے مکہ میں قریشیوں کی حکمران کونسل میں جس کے دس ممبر ہوتے تھے، حضرت ابوبکر صدیقؓ بھی ایک ممبر تھے اور خون بہا تاوان اور دوسرے اسی قسم کے جھگڑوں کا فیصلہ اور جرمانہ کی تعیین ان کے سپرد تھی۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ منکسر المزاج، کم سخن، سنجیدہ، نیکوکار، شجاعت شعار، منصف مزاج، دیانت دار اور سخی آدمی تھے۔ ان کا قریش ہی نہیں بلکہ گردونواح کے دوسرے قبیلوں پر بڑا اثر تھا۔ مکہ میں ان کی کپڑوں کی دکان بھی تھی۔ ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں ان کی مالی حالت وہ نہ رہی تو اپنے کاندھوں پر کپڑے کی گٹھڑی لے کر مختلف قبیلوں میں کپڑے بیچتے تھے۔

اسلام

نزول قرآن مجید سے پہلے بھی حضرت ابوبکر صدیقؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مخلص دوست تھے اور نزول قرآن مجید کے بعد تو جان نثار امتی اور سب سے زیادہ مخلص و ذہین دوست رہے۔ ہر مشاورت میں یہ شریک کئے جاتے اور ہر نازک وقت میں رسول اللہ اور دین اسلام کے لئے جان و مال قربان کرتے رہے۔

۱۴ قبل ھ، ۶۱۰ عیسوی کے رمضان شریف میں قرآن مجید کی پہلی آیت نازل ہوئی۔ اس وقت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سن ۳۷ سال اور چند ماہ تھا۔ اگرچہ اس وقت تبلیغ عام کا حکم نازل نہیں ہوا تھا تبلیغ عام کا حکم تو تقریباً تین سال کے بعد ملا۔ لیکن اس سے پہلے ہی جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نزول کلام اللہ (قرآن مجید) کا حال ام المؤمنین بی بی خدیجۃ الکبریٰ سے بیان فرمایا تو حضرت ام المؤمنین نے صدق دل سے آپؐ کی تصدیق کی۔ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر سب سے پہلے ایمان لانے والی یہی ہیں اور یہ بات ہر مسلمان عورت کو یاد رکھنی چاہیئے کہ سب سے پہلے ایمان لانے والی ایک عورت ہیں۔ سارے ایمان والوں کی ماں حضرت بی بی خدیجۃ الکبریٰ، اس کے بعد دوسرے ایمان لانے والے حضرت صدیق اکبرؓ ہیں جو تبلیغ عام کا حکم نازل ہونے سے پہلے ہی ایمان لا چکے تھے اور نہ صرف خود ایمان لا چکے تھے بلکہ ایک درجن نفوس قدسیہ کو اپنی تبلیغ سے مسلمان بنا چکے تھے۔

ہجرت

جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو تبلیغ عام کا حکم دیا گیا تو آپؐ نے اور آپ کے ساتھ اوّلین اصحاب نے لوگوں کو دین اسلام کے قبول کرنے کی دعوت شروع کی تو کفار بہت برافروختہ ہوئے اور مسلمانوں کو طرح

طرح سے دکھ پہنچانے اور ان پر ظلم وستم کرنے لگے۔ اس وقت آپؐ نے مسلمانوں کو ہجرت کر کے ملک حبشہ چلے جانے کی اجازت دے دی اور بہت سے لوگ تین بار میں ملک حبشہ چلے بھی گئے جن میں خود سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی منجھلی صاحبزادی بی بی رقیہؓ اور ان کے شوہر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، ذوالنورین بھی تھے

دوسری ہجرت مدینہ منورہ کی طرف ہوئی۔ یہ ہجرت جس سے ہمارا ہجری سن شروع ہوتا ہے۔ نزول قرآن مجید اور نبوت محمدیؐ کے تیرہویں اور چودھویں سال میں ہوئی ہے۔ جب چند لوگوں کے سوا سب ہی ہجرت کر چکے تو خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ۲۷ صفر سنہ ۱ھ کو مکہ سے ہجرت کی۔ اس ہجرت میں صرف ایک رفیق حضرت ابوبکر الصدیقؓ آنحضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تھے۔ ان دونوں آفتاب و ماہتاب نے ۸ ربیع الاوّل سنہ ۱ھ کو مقام قبا میں نزول اجلال فرمایا تھا۔ دوشنبہ کا دن تھا اور موجودہ گریگورین کیلنڈر سے حساب کیا جائے تو ماہ ستمبر ۶۲۲ء تھی۔ یہودی حساب سے تشرین اوّل کی دسویں تھی یعنی یہودیوں کے صوم کپور کا دن تھا اور یہود عاشورہ کا روزہ رکھے ہوئے تھے۔

خلافت

حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات مدینہ منورہ میں حجرۂ عائشہ صدیقہؓ میں ہوئی۔ یہ دوشنبہ کا دن تھا۔ ۱۱ھ کے ماہ ربیع الاوّل کی بارہویں تاریخ تھی۔ موجودہ گریگورین کیلنڈر سے اگر آخری ترمیم ۱۵۸۲ء کے بموجب حساب کیا جائے تو ۶۳۲ء ماہ جون کی ۸ تاریخ ہوگی۔ حضرت ابوبکر الصدیقؓ اسی دن بعد ظہر سقیفہ بنی ساعدہ میں بالاتفاق خلیفہ منتخب ہوئے۔

وفات

سہ شنبہ ۲۲ جمادی الثانی سنہ ۱۳ھ (بمطابق ۲۳ اگست ۶۳۴ء) مغرب کے بعد بعمر ۶۳ سال حضرت صدیق اکبرؓ نے مدینہ منورہ میں وفات پائی۔

اسی طرح جملہ مدت خلافت ۸۰۷ دن ہوتی ہے جس میں قمری حساب سے ۲ سال تین ماہ اور دس دن ہوئے اور شمسی حساب سے دو سال دو مہینے اور ۱۶ دن ہوئے۔

فتوحات صدیقیؓ

اس مختصر سی مدت خلافت میں اگر مدینہ منورہ کی نو اساس اسلامی مملکت کو باقی رکھنے ہی میں اچھی طرح کامیاب ہو جاتے تو تاریخ انسانی کا ایک عظیم کارنامہ ہوتا، چہ جائیکہ انہوں نے اس مملکت کو اپنی خوش

تدبیری، اخلاصِ عمل اور تندہی سے اور وسیع کر دیا۔ اس میں فتوحاتِ صدیقی کی وجہ سے ۵، ہزار ۸ سو مربع میل سے زائد رقبہ کا اضافہ ہوگیا۔ اسے اگر ان کی خلافت کے ہر دن پر تقسیم کر دیا جائے تو نظر آتا ہے کہ حضرت صدیق اکبرؓ کی خلافت میں اوسطاً ہر چوبیس گھنٹہ میں ڈیڑھ سو کلومیٹر (۹۴ء۹) مربع میل، کی رفتار سے خلافت اسلامیہ کے رقبہ میں اضافہ ہوتا رہا۔ یہ کتنے عجیب و غریب اعداد و شمار ہیں۔ اور یہ اس زمانہ کے اعداد و شمار ہیں جب نقل و حمل اور رسل و رسائل کا ذریعہ اونٹوں کے قدم اور گھوڑوں کے سموں کے سوا کچھ نہ تھا۔ حتیٰ کہ چھکڑے اور بیل گاڑیاں بھی کہیں کام میں نہیں آئی ہیں۔ آتشیں اسلحہ، توپ خانے اور ایٹم بموں کا ذکر ہی کیا ہے۔ ان محاربات میں تو ہاتھی اور منجنیقیں بھی کہیں استعمال نہیں ہوئی ہیں۔ تربیت یافتہ تنخواہ یافتہ سپاہی بھی ان کے پاس نہ تھے اور جو مجاہدین فی سبیل اللہ جنگ و قتال میں اپنی جانیں قربان کر رہے تھے۔ ان کے ہاتھ پیر اسلامی قوانین جنگ اور قرآن و سنت کے بتائے ہوئے اخلاقی ضوابط کی مضبوط زنجیروں سے بندھے ہوئے تھے۔ نہ کہیں آبادیوں میں آگ لگائی گئی، نہ کھیتیاں ویران کی گئیں نہ غیر مصافی آبادی کو لوٹا گیا اور نہ قتل و غارت کی گئی۔ نہ کسی بوڑھے، بچے، خواتین یا مذہبی پیشواؤں پر کسی نے ہاتھ اٹھایا۔ جنگ صرف ان ہی سے ہوئی جو جنگ کرنے آئے اور قتل وہی ہوئے جو مسلمانوں کو قتل کرنے کے لئے ہتھیار لے کر اٹھے۔ حضرت آدم علیہ السلام کے فرزند کا خون ناحق دیکھنے سے لے کر آج تک دنیا قتل و خون کے تماشے دیکھ رہی ہے اور آج تو بہت زیادہ دیکھ رہی ہے۔ آسمان نے اولادِ یعقوبؑ کے کارنامے بھی دیکھے ہیں۔ مصریوں، بابلیوں اور ایرانیوں کی کارروائیاں بھی دیکھی ہیں لیکن چشم فلک نے ایسے شیرانِ بیشہ وغا کہاں دیکھے ہیں جو عین میدان جنگ میں بھی اخلاقی ضوابط کے پابند ہوں اور مفتوح اقوام کی جان، مال و عزت و آبرو کے نگہبان بن جائیں۔

حضرت صدیق اکبرؓ کی دیگر دینی خدمات اور تمدنی کارناموں سے قطع تعلق کر کے ان کی حیات کے آخری ان آٹھ سو سات دنوں کو ہی دیکھیے جن میں یہ نبی خاتم المرسلین کے جانشین اور خلیفہ تھے تو ان کی مشغولیت، انہماک سوجھ بوجھ اور اخلاص کو دیکھ کر حیرت ہوتی ہے۔

پس منظر

۶۱۰ء میں نزولِ قرآن اور بعثت محمدیؐ کے بعد کفار اور بت پرستوں کے مابین آویزش تو لازمی ہی تھی لیکن اس میں شدت پیدا کرنے میں یہودیوں کا بڑا ہاتھ تھا۔ تقریباً اڑھائی سو سال پہلے بیت المقدس کی تیسری بربادی کے بعد یہودیوں کے مختلف قبیلے عرب میں آ بسے تھے۔ ان کی منظم آبادیاں قائم تھیں اور خاص مدینہ منورہ کے گرد تو ان کے تین متمول قبیلے بڑے ہی صاحب اثر تھے۔ انصار کے قبائل اوس و خزرج ان کے سودی قرضوں میں تقریباً رہن تھے

یہود ان قبائل میں جنگ و جدال کی آگ کو ہمیشہ بھڑکاتے رہتے تھے۔ اور حقیقتاً اسی میں ان کے لئے

خیز تھی۔ یہاں تک کہ ہجرت سے پہلے ایک یہودی سردار کو باضابطہ مدینہ کا بادشاہ بنانے کی تجویز بھی منظور ہو چکی تھی۔ بلکہ اس ہونے والے بادشاہ کے لئے طلائی تاج بھی تیار ہو چکا تھا۔ مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر چند انصار صحابہ نے بیعت عقبۂ اولیٰ کر لی اور مکہ مکرمہ سے واپس جا کر مدینہ منورہ میں جس کا اس وقت نام یثرب تھا، اپنے اہل وطن کو قصہ سنایا تو یہ تجویز کھٹائی میں پڑ گئی۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بھیجے ہوئے مبلغ مدینہ میں آپہنچے اور اسلام پھیلنے لگا۔ پھر ایک سوا سال کے بعد خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے یثرب آگئے اور یثرب کا نام بدل کر مدینۃ الرسول ہو گیا۔ اس طرح مدینہ کے یہود بلکہ سارے عرب کے یہود مسلمانوں کے دلی دشمن ہو گئے۔ ان کی امیدوں پر خاک پڑ گئی۔ عددی قوت ان کے پاس تھی نہیں۔ اس لئے انہوں نے انتقام کے لئے منافقت شروع کی۔ قریش مکہ سے اور دوسرے کفار عرب سے ملکر مسلمانوں کے خلاف سازشیں کرتے رہے۔

یہودیوں کی ساری تاریخ اس پر شاہد ہے کہ یہ بڑے ذہین سازشی ہیں اور اپنی کار برآری کے لئے انہوں نے ہر زمانہ میں اپنی حسین اور تربیت یافتہ عورتوں اور زر و مال سے بھی ہمیشہ ہی کام لیا ہے۔ خود عہد نامہ قدیم یعنی کتب مقدسہ تورات و ملحقات میں ایک کتاب اس ذہین اور تربیت یافتہ عورت کے کارناموں پر مشتمل موجود ہے جس کا نام آستر تھا اور جس نے شہنشاہ ایران کی داشتہ بن کر یہود کو دوبارہ ایران میں با اختیار و سرفراز بنایا تھا۔

یہودیوں کا ایسا مزاج کیوں ہو گیا کہ وہ دنیا میں سب سے الگ تھلگ رہتے ہیں اور ہمیشہ سازشیں کیا کرتے تھے، آج بھی ان کا یہی حال ہے اور کل بھی یہی حال تھا اس کی وجہ یہ ہے کہ ان میں حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد ہی سے نسلیت کا جنون پیدا ہو گیا ہے۔ اس طرح ان کا دین، ان کی شریعت اور ان کے افکار سب نسلیت کے گرد گھوم رہے ہیں۔ یہودیت خود ایک نسلی تنظیم کے سوا کچھ نہیں۔ نہ کوئی ان کے عقائد و اعمال اختیار کر کے یہودی بن سکتا ہے اور نہ وہ اپنی نسل کے سوا کسی اور نسل کے آدمی کو انسان تسلیم کرتے ہیں۔ ان کا عقیدہ ہے کہ انسان تو صرف یہودی ہیں باقی سب انسان کی شکل کے حیوان یا جانور ہیں۔ بار بار کی ناکامیوں نے ان کے ذہن میں ساری دنیا کے خلاف جذبہ انتقام پیدا کر دیا ہے۔ اس لئے نہ وہ کسی کو اپنے سے ملاتے ہیں اور نہ آپ کسی میں ملتے ہیں۔

اس فکر اور اس عجیب و غریب عقیدہ کا لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ ان کی تعداد ہمیشہ تھوڑی ہی رہی کبھی انہیں اتنی عددی قوت نصیب ہی نہ ہو سکی کہ دوسروں پر غلبہ حاصل کر لیں۔ اب ان کے سامنے دنیا پر غلبہ حاصل کرنے کا صرف ایک ہی طریقہ باقی رہ گیا۔ وہ تعلیمی برتری، دولت کی فراوانی اور سازش و دسیسہ کاری، اس میں وہ ہمیشہ ہی استاد رہے اور آج بھی استاد ہیں۔ مدینہ منورہ کے منافقین کون تھے؟ تقریباً یہ تمام کے تمام یہودی تھے۔ جنگ احزاب کے لئے کفار عرب کو کس نے تیار کیا تھا؟ یہودیوں نے، حضور صلی اللہ علیہ

وسلم پر وزنی پتھر گرا کر شہید کر دینے کا منصوبہ کس نے بنایا تھا؟ یہودیوں نے، سلطنت روم اور سلطنت ایران کو مسلمانوں کے خلاف کس نے تیار کیا؟ یہودیوں نے،

غرضیکہ یہودیوں کو نبوت محمدیؐ کے خلاف سازش کر کے انتقام لینا تھا جب تک عرب کے قبائل میں اسلام پوری طرح نہیں پھیلا، یہ کافر قبائل کو اسلام کے خلاف تیار کر کے مقابلہ پر لاتے رہے اور جب دیکھا کہ اب قبائل میں اسلام نے گھر کر لیا تو انہوں نے دوسری ترکیب پیدا کی۔

عرب میں جو قبائل تھے ان کی روایاتی تقسیم یہ تھی کہ عرب عاربہ یعنی عرب کے قدیم باشندے جو قحطانی قبائل کہلاتے تھے ان کی تعداد زیادہ تھی اور یمن و عسیر میں زیادہ تر یہی لوگ آباد تھے اور عرب مستعربہ یعنی حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد جو عدنانی قبائل کہلاتی تھی، ان کی تعداد بھی کم تھی اور ان میں مال و دولت کی بھی کمی تھی۔ ان کو قحطانی قبائل پناہ گیر سمجھتے تھے۔ قریش و کنانہ کے قبائل عدنانی تھے اور یمامہ و یمن کے قبائل قحطانی تھے۔

فتح مکہ ۸ھ کے بعد یہودیوں نے اس قدیم اور روایاتی تقسیم سے فائدہ اٹھایا۔ یمن، یمامہ اور عسیر وغیرہ میں بہت سے یہود آباد تھے۔ ان کے اور خیبر کے یہودیوں کے مابین تعلقات اور رشتہ داریاں بھی تھیں۔ انہوں نے قحطانیوں کو یاد دلایا کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے قریشی و کنانی اصحاب عدنانی ہیں ان کی سروری تمہارے لئے ننگ و عار ہے۔ اس مہم میں انہیں بڑی کامیابی ہوئی۔ انہوں نے یمامہ کے ایک شخص مسیلمہ کذاب کو نبوت محمدیؐ کے مقابلہ میں مدعی نبوت بنا کر کھڑا کر دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے پہلے ہی اس کے گرد قحطانیوں کا انبوہ جمع ہو گیا۔ اور انہوں نے اعلان کر دیا کہ ہمارا نبی مسیلمہ جھوٹا سہی مگر ہے تو اصل عرب، "جیئے عرب" "جیتا رہے عرب" عدنان کے پناہ گیروں کا نبی ہزار سچا سہی لیکن ہم اس کا ساتھ نہیں دے سکتے۔ اس زمانہ میں قحطانی قبائل کے بعض نامور شاعروں نے بڑے پرزور قصاید میں یہ باتیں بیان کیں اور اس نسلی تعصب کو ہوا دی۔

وفات نبویؐ کے بعد دو چار قحطانی قبائل کے سوا باقی سب کے سب خلافت صدیقی کے خلاف کھڑے ہو گئے چند مصری یعنی عدنانیوں نے بھی زکوٰۃ روک دی۔ وہ مسیلمہ کذاب پر ایمان تو نہ لائے مگر زکوٰۃ روک کر اور خلافت کی سیاسی تنظیم سے باہر نکل کر مسیلمہ کذاب کے بالواسطہ مدد و معاون بن گئے۔ اور یہ وبا اتنی پھیلی کہ مکہ مکرمہ، طائف، مدینہ کے علاوہ صرف چند قبائل ہی اس نازک وقت میں خلافت صدیقی کے ساتھ وفاداری اور اخلاص پر قائم رہ سکے۔

یہودیوں نے دوسری بڑی مؤثر کارروائی یہ کی کہ ایران اور قسطنطنیہ کے درباروں میں اپنے آدمی بھیجے۔ دمشق اور حمص میں یہودی یکایک پوری تندہی کے ساتھ حرکت میں آ گئے اور آتش پرست مجوسیوں اور یہودیوں کی بنائی ہوئی عیسائیت کے پیرو مسیحیوں کو عرب کی زمین پہ پیدا شدہ اسلامی قوت کے بھیانک خطرات سے آگاہ کر کے انہیں مسلمانوں کو نیست و نابود کرنے کے لئے میدان میں لے آئے۔ ایسے نازک وقت میں جبکہ بر روز مسیلمہ کذاب کی قوت میں اضافوں، بادیہ نشین قبیلوں کی بغاوت، رومیوں کی شام کی سرحدوں پر اور ایرانیوں کی عراق کی سرحدوں پر فوجی ہلچل کی اطلاعیں

مدینہ منورہ میں پہنچ رہی تھیں۔ صدیق اکبرؓ کے سوا کوئی اور سربراہ مملکت ہوتا تو اس کے ہاتھ پیر پھول جاتے اور بڑا بہادر بھی ہوتا تو مدینہ منورہ کی حفاظت سے زیادہ کوئی جارحانہ تدبیر اس کے ذہن و دماغ میں نہیں آتی۔ لیکن اللہ جل جلالہ نے حضرت صدیق اکبر کو جس مقصد کے لئے پیدا فرمایا تھا اسی کے مطابق ان میں صلاحیتیں بھی پیدا کر دی تھیں۔ وہ طبعاً جس قدر نرم خو تھے اسی قدر ان میں قوت برداشت بھی تھی۔ وہ غیر معمولی قوت فیصلہ اور آہنی عزم و ارادہ رکھتے تھے۔ ان کو یقین تھا کہ دین اسلام مٹنے کا نہیں ہے۔ یہ رہتی دنیا تک رہے گا۔ اس یقین کی وجہ سے وہ نڈر، مستقل مزاج اور خوش تدبیر ہو گئے تھے۔ وہ کسی معاملہ میں فیصلہ پر بہت جلد پہنچ جاتے تھے اور جب فیصلہ کر چکتے تو اس پر سختی سے قائم رہتے تھے۔

حضرت صدیق اکبرؓ کو وفات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سے اپنی وفات کے روز تک ہر روز خطرات سے دوچار ہونا پڑا۔ لیکن وہ ہر معرکہ میں کامیاب رہے۔ تفصیلات تو بڑی بڑی ضخیم تاریخوں ہی میں مل سکتی ہیں لیکن چند اشارات اس جگہ بھی پیش کئے جاتے ہیں۔

پہلا معرکہ

سب سے پہلا معرکہ تو مسجد نبوی میں پیش آیا کہ اجلائے صحابہ پر یاس و تحیر نے قبضہ کر لیا اور سارے قوائے عملیہ جو وفات رسولؐ جیسی جانکاہ مصیبت کا مقابلہ کر سکتی تھیں مفلوج سی ہو گئیں۔ حضرت صدیق اکبرؓ نے اس نازک وقت میں نہ صرف اپنے دل و دماغ کا توازن قائم رکھا بلکہ یہ کہہ کر سب صحابہ کرام کے دل و دماغ کو درست کر دیا کہ :۔

مَن کَانَ یَعبُدُ مُحَمَّداً فَانَّہ قَد مَاتَ وَمَن کَانَ یَعبُدُ اللّٰہَ فَانَّہ حَیٌّ لَا یَمُوتُ۔ جو محمدؐ کی پوجا کرتا تھا تو وہ حقیقتاً وفات پا گئے اور جو اللہ کی پرستش کرتا تھا وہ زندہ ہے کبھی نہیں مرے گا۔

ان دو چھوٹے چھوٹے جملوں میں یقین کی کیسی قوت اور اللہ تعالیٰ پر کیسا بھروسہ دکھائی دیتا ہے۔ اس کا اندازہ مابعد میں پیش آنے والے خطرات سے ٹکراتے ہوئے عزم صدیقی سے کچھ تھوڑا بہت لگایا جا سکتا ہے اللہ تعالیٰ حی لایموت ہے۔ اس لئے مسلمان ناکامی میں بھی کامران ہے۔ وہ نہیں مٹ سکتا اور اسے کوئی نہیں مٹا سکتا۔ یہ محض سوز دل صدیق کا اثر ہی تھا کہ بعض میدانوں میں ہزاروں ہی صحابہ شہید ہوئے۔ لیکن اس وقت بھی جو بچ رہے تھے ان کو یقین کامل تھا کہ فتح بالآخر مسلمانوں ہی کی ہوگی۔ اسلام اللہ کی آخری آواز ہے، اور اسے کوئی نہیں دبا سکتا۔

دوسرا خطرہ

اس تقریر کے بعد فوراً ہی حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پریشان حال و سرگردان بھاگتے ہوئے

مسجد میں آئے اور آتے ہی اطلاع دی۔ دوڑو! قبیلہ بنی ساعدہ کے چوبارہ میں (جسے سقیفہ بنی ساعدہ کہتے تھے) مسلمانوں کی تلواریں ایک دوسرے کے خلاف بے نیام ہوا ہی چاہتی ہیں۔ یہ سنتے ہی حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حضرت عمرؓ اور حضرت ابوعبیدہ کے ہاتھ پکڑے اور لوگوں کو قبر رسولؐ کی تیاری کی ہدایت دے کر سقیفہ بنی ساعدہ کی طرف چل پڑے۔ اگر کہیں حضرت صدیق اکبرؓ ایک گھنٹہ بھی سوچ بچار اور صلاح و مشورہ میں صرف کر دیتے تو کیا ہوتا؟

"مسلمانوں کا دین بھی غارت ہوتا اور دنیا بھی غارت ہو جاتی۔ مہاجرین اور انصار کے مابین تلوار چلتی اور مدینہ کی گلیاں خون سے تر بہ تر نظر آتیں۔

حضرت صدیق اکبرؓ جب سقیفہ بنی ساعدہ میں پہنچے تو یہ منظر نظر آیا کہ وہاں تو تو میں میں مچی ہوئی ہے۔ ایک شخص کہہ رہا ہے کہ ہم مہاجرین سے ایک انصاری کی خلافت کو بہ زور شمشیر منوائیں گے اور ایک مہاجر اس سے اس بات پر جھگڑ رہے ہیں اور حضرت سعد بن عبادہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس انصاری کو بھڑک رہے ہیں۔ حضرت صدیقؓ نے وہاں پہنچتے ہی نہایت سنجیدگی کے ساتھ ایک مختصر سی تقریر کی۔ حضرت عمر فاروقؓ اور حضرت ابوعبیدہ بن الجراح امین الامۃ کے نام پیش کئے۔ اور فرمایا کہ ان دونوں میں سے کسی ایک کو خلیفہ بنالو۔ ان دونوں نے بالاتفاق اصرار کیا کہ حضرت صدیق اکبرؓ خود بار خلافت اٹھائیں۔ حضرت بشیر بن نعمان بن کعب انصاری نے بات ختم کرتے ہوئے حضرت صدیق اکبرؓ کا ہاتھ پکڑ کر بیعت خلافت کر لی۔ اس کے بعد جناب بن المنذر انصاری نے بیعت کی اور پھر سارے حاضرین نے جن میں بیمار حضرت سعد بن عبادہ سردار خزرجؓ بھی تھے۔ بیعت کر لی اور اتحاد اسلامی کی زنجیر ٹوٹنے سے بچ گئی!

خلافت

صحابہ کرام اس حقیقت سے واقف تھے کہ خلیفہ اسلامی نظام میں صرف ایک سربراہ مملکت ہوتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر سلسلہ نبوت ختم ہو چکا۔ اللہ تعالیٰ نے اکملت لکم دینکم کی آیت نازل فرما کر دین کے مکمل ہونے کا اعلان کر دیا ہے۔ اس لئے اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانشینی و خلافت نبوت و رسالت میں نہیں ہوگی۔ بلکہ خلیفہ نفاذ دین و شریعت کے لئے صرف ایک سردار اور سب سے اعلیٰ افسر تنفیذ ہوگا۔ نبوت و رسالت کے اختیارات اسے ہرگز نہ حاصل ہوں گے۔ نبی و رسول انسانوں کی پسند و ناپسند سے نہیں ہوا کرتے۔

---

۱ حضورؐ نے اگرچہ واضح طور پر صدیق اکبرؓ کی خلافت کا اعلان نہیں فرمایا کیونکہ اس طرح خلافت ایک ایسا ادارہ بن جاتا جس میں عوام کے سامنے جوابدہی کا تصور ختم ہو کر رہ جاتا۔ تاہم آپؐ نے اپنے متعدد اقدامات کے ذریعے خلافت کے لئے صدیق اکبرؓ کی اہلیت کی طرف اشارہ فرما دیا تھا اور یہ ایک طرح سے یقیناً اللہ تعالیٰ کی مرضی کا اظہار تھا یہی وجہ ہے کہ حضورؐ کی وفات کے فوراً بعد امت مسلمہ صدیق اکبرؓ کے انتخاب پر متفق ہو گئی۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ صدیق اکبرؓ کی خلافت میں اللہ، اس کے رسول اور تمام مسلمانوں کی مرضی شامل تھی۔ (ادارہ)

اللہ جسے چاہتا ہے اسے نبی بناتا ہے۔ اس میں نہ خود نبی کا کوئی دخل ہوتا ہے اور نہ دوسرے بندگان خدا کا۔ اس کے برخلاف خلیفہ منتخب کرنا مسلمانوں کا اختیاری امر ہے۔

تعجب کی کیا بات ہے کہ سقیفۂ بنی ساعدہ میں خلافت کے ایک امیدوار حضرت سعد بن عبادہ انصاریؓ بھی تھے۔ حضرت سعد بن عبادہ تو سردار خزرج، مومن کامل، مجاہد کبیر، جلیل القدر صحابی اور براہ راست بارگاہ نبوت سے فیض یافتہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب ایک بزرگ تھے۔ خلافت کا امیدوار تو ہر مسلمان اسوقت بھی ہو سکتا تھا اور آج بھی ہو سکتا ہے۔ خلافت کا امیدوار ہونا کوئی عیب نہیں ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض صحبت نے ان بزرگوں کو کیسا مزاج عطا کیا تھا۔ حضرت سعدؓ کا نام خلافت کے لئے زیر بحث ہے۔ اور وہ اپنے سب سے بڑے موئید حضرت جناب بن المنذر بن الجموح کو ڈانٹ دیتے ہیں۔ حضرت عمر فاروقؓ کے نام خود حضرت صدیق اکبرؓ پیش کرتے ہیں اور وہ اپنے سے بہتر کے ہاتھ پر بیعت کر لیتے ہیں۔ حضرت سعد امیدوار خلافت تھے مگر بڑھ کر حضرت صدیق اکبرؓ کے ہاتھ پر خلافت کی بیعت کرنے میں پس و پیش نہیں کرتے۔ یہ لوگ کیسے لوگ تھے۔ ہم تو آج ہر جگہ یہی دیکھتے ہیں۔ یورپ اور امریکہ میں بھی اور ایشیا میں بھی کہ انتخابی مخالفت دلوں میں جڑ پکڑ لیتی ہے اور ایسی چمٹ جاتی ہے کہ کہیں کہیں تو ایک نسل کے بعد دوسری نسل کے دل کو بھی نہیں چھوڑتی۔

بہر حال یہ بہت بڑا اور نہایت ہی فیصلہ کن معرکہ تھا جس میں صدیق اکبرؓ نے فتح حاصل کی اور امت مسلمہ کی ڈوبتی ہوئی کشتی کو بچا ہی لیا۔

تیسرا معرکہ جیش اسامہؓ کے بھیجنے کا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وفات سے پہلے یہ اطلاع مل چکی تھی کہ سرحد شام کے آزاد قبائل اور باضابطہ منظم ریاستیں یہودیوں کی شہ پر اور رومی سلطنت کی امداد کے بھروسہ پر مدینہ منورہ پر حملہ کرنے کے لئے تیاری کر رہی ہیں۔ آپ نے اس کی روک تھام کے لئے ایک فوجی مہم حضرت اسامہ بن زیدؓ کی سپہ سالاری میں بھیجنے کا فیصلہ فرما دیا تھا۔ وہ اپنی فوج لے کر مدینہ منورہ کے باہر مقام جرف میں خیمہ زن تھے۔ ابھی روانہ نہیں ہوئے تھے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا گئے۔ اس کے بعد مخلص صاحب بصیرت صحابہ میں سے بھی بعض کی رائے تھی کہ اس وقت فوج بھیجنا مناسب نہیں ہے ہم بڑی پریشانیوں میں گھرے ہوئے ہیں لیکن صدیق اکبرؓ نے ایک فیصلہ کن بات کہہ دی کہ جس فوج کو خود حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھیجنے کا فیصلہ کر دیا تھا میں اسے کبھی نہیں روک سکتا۔ فوج اپنی مہم پر جائے گی اور ضرور جائے گی۔

یہ فوج روانہ ہو گئی اور نظم و ضبط کا یہ لحاظ کہ خود صدیق اکبرؓ نے سترہ سالہ نوجوان حضرت زید بن حارثہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام کے فرزند سے اپنے اور فاروق اعظمؓ کے لئے ساری فوج کے سامنے مدینہ منورہ میں رک جانے کی باعلان عام اجازت حاصل کی۔

اسامہؓ اپنی فوج لے کر اردن اور بلقاء کی وادیوں میں پہنچے اور رومی فوج کو شکستِ فاش دی۔ بے شمار مالِ غنیمت لے کر چالیس دن کے بعد مدینہ واپس آئے۔ اس فوج نے وہ کام کیا کہ ساری شامی سرحدوں پر بلکہ ساری دنیا پر مسلمانوں کا رعب بیٹھ گیا۔ کہاں تو لوگ یہ خیال کرنے لگے تھے کہ اب مسلمانوں میں دم خم نہیں رہا۔ اور کہاں مسلمانوں کی جرأت و بیداری کے قائل ہو گئے۔ اب لوگ یہ سوچنے پر مجبور ہو گئے کہ وفات رسول ﷺ سے مسلمان مایوس و بے دل نہیں ہوئے ہیں۔ یہ تو دنیا کی سب سے طاقتور حکومت کے خلاف جہاد کرنے کو تیار ہیں اور فتح ان کے قدم چومتی ہے۔

یہ مسلمانوں کی رومیوں اور ان کے حلیفوں کے مقابلہ میں پہلی فتح تھی۔ قریب قریب کے بہت سے سرداروں سے اطاعت و فرماں برداری کا عہد لے کر حضرت اسامہؓ مدینہ منورہ آگئے اور مسلمانوں کا رعب تمام عربوں پر ہی نہیں بلکہ شامیوں اور مجوسیوں پر بھی چھا گیا۔

چوتھا معرکہ

حضرت صدیق اکبرؓ کا چوتھا معرکہ مانعین زکوٰۃ کو سر کرنا، جھوٹے مدعیان نبوت کا استیصال کرنا اور مرتدین کو راہ راست پر لانا ہے۔ ان معرکوں میں بڑی بڑی خونریز جنگیں ہوئیں اور تقریباً نو ماہ کی مدت صرف ہوئی۔ اس کی تفصیل تو کیا اگر اجمال سے ان معرکوں کا ذکر کیا جائے تو سینکڑوں صفحات میں آئے گا۔ ایک مضمون اور مختصر سے مضمون میں اس کی گنجائش کہاں۔ مختصراً یہ کہا جا سکتا ہے کہ:۔

۱۔ مانعین زکوٰۃ کے وفود مدینہ منورہ میں اسی وقت آنے لگے جبکہ حضرت اسامہؓ سرحد شام پر رومیوں کے خلاف جہاد میں مصروف تھے۔ حضرت صدیق اکبرؓ نے ان کو صاف جواب دے دیا کہ نماز اور زکوٰۃ میں کوئی تفریق نہیں کی جا سکتی۔ جو مسلمان ہے اور نماز پڑھتا ہے اسے زکوٰۃ بھی ادا کرنی ہی پڑے گی۔ اونٹ کی پھاند کی ایک رسی بھی نہیں چھوڑی جا سکتی۔ اس پر مرتدین اور مانعین زکوٰۃ مدینہ کے قریب اکٹھے ہوئے اور مدینہ پر حملہ کر دیا۔ حضرت صدیق اکبرؓ نے پہلے تو ایک چھوٹی سی مجاہدین کی فوج حضرت طلحہ بن عبیدؓ کی سرکردگی میں بھیجی۔ اس کے بعد جو بچے کھچے جان نثاران اسلام مل گئے۔ انہیں لے کر خود نکلے کئی بار خونیں مقابلے ہوئے۔ مقام ذی القصہ بلکہ اس سے آگے تک گئے۔ ان مقابلوں میں صدیق اکبرؓ نے جرأت و شجاعت کے وہ جوہر دکھائے کہ مخالفین اسلام کی ساری متفقہ قوت کو بکھیر کر رکھ دیا۔

۲۔ واپس مدینہ منورہ پہنچے تو حضرت اسامہؓ قیدیوں اور مال غنیمت کو لے کر واپس آئے۔ اس کے بعد حضرت صدیق اکبرؓ نے مرتدین کے نام ایک طویل فرمان بلکہ نصیحت نامہ ارسال فرمایا۔ اس کی بہت سی نقلیں تیار کرا کے الگ الگ قاصدوں کے ذریعہ بہت سے قبیلوں کو بھیجیں۔ کچھ دن انتظار کے بعد گیارہ عَلَم بنوائے اور گیارہ سالار صحابہ میں سے منتخب فرمائے۔ ان میں سے ہر ایک کو ایک ایک دستہ کا سردار بنا کر اور ایک ایک

عَلَم عطا کر کے معینہ مقامات کی طرف روانہ کیا۔ ان کی فہرست یہ ہے۔

۱۔ پہلا عَلَم حضرت خالدؓ بن ولید کو دیا اور حکم دیا کہ طلیحہ بن خویلد سے نبٹو، اس کے بعد مالک بن نویرہ پر حملہ کرو۔

۲۔ دوسرا عَلَم حضرت عکرمہؓ بن ابی جہل کو دے کر مسیلمہ کذاب کے مقابلہ پر بھیجا۔

۳۔ تیسرا عَلَم حضرت شرجیلؓ بن حسنہ کو دے کر عکرمہ کی امداد کے لئے بھیجا اور اس کے بعد بنو کندہ کے خلاف جہاد کا حکم دیا۔

۴۔ چوتھا عَلَم حضرت خالدؓ بن سعید العاصی کے سپرد کیا اور ملک شام کی سرحدوں پر بھیجا۔

۵۔ پانچواں عَلَم حضرت عمرؓو بن العاصی کو دے کر بنو قضاعہ کے خلاف بھیجا۔

۶۔ چھٹا عَلَم حضرت حذیفہؓ بن محصن کو ملا اور انہیں ملک عمان کیطرف جانے کا حکم دیا گیا۔

۷۔ ساتواں عَلَم حضرت عرفجہ بن ہرثمہ کو دیا گیا اور وہ مہرہ والوں کی طرف گئے۔

۸۔ آٹھواں عَلَم حضرت طریفہ بن عاجز اور وہ بنو سلیم و بنو ہوازن کی طرف بھیجے گئے۔

۹۔ نواں عَلَم حضرت سوید بن مقرن کو دیکر حکم دیا کہ تہامہ جائیں۔

۱۰۔ دسواں عَلَم حضرت علاء بن الحضرمی کے سپرد ہوا اور انہیں بحرین بھیجا گیا۔

۱۱۔ گیارہواں عَلَم۔ مہاجر بن ابی امیہ کو دے کر صنعاء کی طرف روانہ کیا۔

ان ساری فوجوں کو بھیجتے ہوئے حضرت صدیق اکبرؓ نے طویل پند و نصائح فرمائیں۔ ایک ہی مضمون کے فرامین لکھوا کر سب کو الگ الگ دیئے۔ قوانین صلح و جنگ سمجھائے۔ یہ گیارہ لشکر اسلام مجاہدین آداخر ماہ جمادی الاوّل سنہ ۱۱ھ میں یعنی خلافت صدیقیؓ کی ابتدا سے تقریباً ۵۰ دن کے اندر ہی روانہ ہو گئے۔ حضرت صدیق اکبرؓ نے ایک دن بھی ضائع نہیں ہونے دیا۔ جلد فیصلے کئے۔ پورے عزم و یقین کے ساتھ کام کیا۔ اور سب سے پہلے منظم فوجی مہمات کی ابتدا کر دی۔ سچ کہا ہے مرحوم اقبال نے۔

دین مومن فکر و تدبیر جہاد

یہ سب لوگ گئے۔ فتح نے ان کے قدم چومے۔ ان کو تاکید تھی کہ حضرت صدیق اکبرؓ کو حالات کی بروقت اور پیہم اطلاع دیتے رہیں۔ ساری مہمات کامیاب رہیں۔ کہیں چھوٹی اور کہیں بڑی جنگیں ہوئیں۔ سب سے بڑا معرکہ یمامہ کے مسیلمہ کذاب سے پیش آیا لیکن بہرحال یہ معرکہ بھی سر ہو گیا۔ حضرت صدیق اکبرؓ نے نہایت ہی دانشمندی سے بعض تجربہ کار مجاہدین صحابہ کو روک رکھا تھا۔ اور جہاں ضرورت ہوتی انہیں کمک دے کر بھیجتے تھے۔ سب سے خطرناک جنگ میں مسیلمہ کذاب کے مقابلہ میں اپنے بڑے داماد اور ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبرٰیؓ کے نامور بھتیجے حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضرت خالدؓ بن الولید کی امداد کے لئے بھیجا۔

سنہ ۱۱ھ ابھی ختم نہیں ہونے پایا تھا کہ جزیرۃ العرب میں پھر مرکزیت قائم ہوگئی یعنی سات آٹھ مہینوں میں سارے فتنے ختم ہوگئے۔ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں جن پانچ بدنصیبوں نے نبوت کے جھوٹے دعوے کر کے دام تزویر پھیلایا تھا ان کے نام یہ ہیں۔ طلیحہ بن الاسود الاسدی، سجاح بنت الحارث بن سوید، تغلبی دنبیۃ، اسود بن کعب العنسی، خویلد بن مصیبح القیسی، مسیلمہ ابن حبیب الکذاب صاحب قلعہ یمامہ وغیرہ،

پانچواں معرکہ

اس میں کوئی شک نہیں کہ عرب کے آزاد بدوی قبائل طبعاً مرکز گریز مزاج رکھتے تھے۔ جاہل اور وہمی بھی تھے اور ابھی تک نسل پرستی کا نشہ پوری طرح اترا نہ تھا۔ لیکن اس فتنہ کے پیدا کرنے میں جو کردار یہود نے ادا کیا اس سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا۔ یمن میں یہودیوں کی بڑی تعداد موجود تھی۔ شمالی عرب میں بھی یہود موجود تھے، اور سرزمین خیبر میں یہودیوں کی آبادیاں موجود تھیں۔ ان کے مابین آمدورفت اور رسل ورسائل کا سلسلہ بھی موجود تھا۔ یہ عرب میں ایرانی حکومت اور قسطنطنیہ کی رومی حکومت کے مخبروں اور جاسوسوں کی گراں قدر خدمات انجام دے رہے تھے۔ یہ لوگ فتح مکہ سنہ ۸ھ تک تو عرب کے قبائل کو مسلمانوں کے خلاف اکسا اکسا کر مدینہ پر حملہ کراتے رہے۔ جنگ احزاب میں ان کی کارستانیاں مشہور ہی ہیں۔ فتح مکہ کے بعد انہوں نے جب دیکھا کہ اب عرب تو مسلمان ہو گئے تو انہوں نے داخلی فتنے پیدا کئے اور جب دیکھا کہ حضرت صدیق اکبرؓ نے سات آٹھ ماہ کی قلیل مدت میں ہی سارے فتنوں کو دبا کر پھر سے مسلمانوں کو مرکز مدینہ سے وابستہ کر دیا تو انہوں نے اپنی توجہ ایرانی اور رومی حکومتوں کی طرف زیادہ کر دی اور یہ امید قائم کرلی کہ ان بڑی بڑی منظم حکومتوں کے ذریعہ مسلمانوں کو مٹانے میں کامیاب ہو جائینگے۔ اس مقصد کے لئے انہوں نے کثرت کے ساتھ اپنے ذہین لوگوں کو دونوں درباروں میں پہنچایا۔ یہودی ان درباروں کو مسلمانوں کے خلاف تو بہت دنوں ہی سے کر رہے تھے اور مسلمان بھی ان کے ارادوں سے غافل نہ تھے لیکن اب ان کی سرگرمیاں بہت بڑھ گئیں۔

حضرت صدیق اکبرؓ نے جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نامزد فوج "جیش اسامہ" کو رومیوں کی سرحد کی طرف روانہ کیا تھا تو اس کے چند ہی دنوں کے بعد مجاہدین اسلام کا ایک چھوٹا سا دستہ حضرت مثنیٰؓ بن حارثہ شیبانی کی سپہ سالاری میں ایرانیوں کی سرحد عراق کی طرف بھی بھیجدیا تھا۔ مقصد دونوں ہی لشکروں سے ایک ہی تھا۔ جیش اسامہ سے مقصود یہ تھا کہ رومی حکومت جو مدینہ منورہ پر حملہ آور ہونے کے لئے تیاریاں کر چکی ہے۔ اپنے ارادہ سے باز رہے اور حضرت مثنیٰؓ کی فوج سے مقصود بھی یہی تھا کہ ایران کی مغرور مجوسی حکومت جو نامۂ رسول کو پھاڑ کر آنحضرتؐ کو بارگاہ ایران کی جناب میں "بے ادبی" کے لئے گرفتار کر لینے کا حکم دے چکی ہے۔ وہ کسی قدر مرعوب ہو کر مدینہ منورہ کی طرف پیشقدمی کرنے میں متامل ہو جائے۔ اسی لئے حضرت صدیق اکبرؓ نے انہیں تاکید فرمادی تھی کہ خود نہ کہیں پیشقدمی

کریں اور نہ کہیں جم کر لڑیں۔ ایرانیوں کے مذموم ارادوں کے خلاف صرف ایک فوجی رکاوٹ بنے رہیں۔ اسطرح حضرت صدیقؓ نے کمال دانائی وذہانت سے اتنا وقت حاصل کرلیا کہ داخلی فتنوں، جھوٹے نبیوں اور مرتدین سے فارغ ہوجائیں۔

۱۳ھ کے اوائل میں جب داخلی مسائل کو حل کرلینے میں کامیابی حاصل ہوچکی تو حضرت صدیق اکبرؓ نے رومی حکومت کی سرحد شام پر اور ایرانی حکومت کی سرحد عراق پر پوری طرح روک تھام ہی نہیں کی بلکہ اپنی فوجوں کو جارحانہ حملہ کی اجازت بھی دے دی۔ اور حقیقت یہ ہے کہ یہ دونوں حکومتیں اتنی تیاریاں کرچکی تھیں، ان کے پاس دنیا کی بہترین تربیت یافتہ کثیر فوجیں تھیں اور اعلیٰ قسم کے ہتھیاروں کا اتنا بڑا ذخیرہ موجود تھا کہ وہ اپنے قریب تاریخ میں عربوں کی اس پہلی بار ابھرتی ہوئی مملکت کو جو ابھی محض بے مایہ تھی برداشت نہیں کرسکتی تھیں۔ چنانچہ حکومت ایران نے مقام ابلّہ پر اور حکومت روم نے مقام رضاب پر پیشقدمی شروع کردی اور ان دونوں حکومتوں سے مسلمانوں کا براہ راست مقابلہ شروع ہوگیا۔

اس وقت صورتحال یہ تھی کہ قسطنطنیہ کی رومی حکومت فلسطین، مصر اور شام پر قابض تھی اور اس نے مشرق میں اپنا صدر مقام شہر دمشق کو بنا رکھا تھا۔ یہاں خود قیصر روم ہر سال تقریباً چھ ماہ قیام رکھتا تھا۔ اور ایران کی کسروانی حکومت عراق پر قابض تھی جس نے دوسرا صدر مقام بغداد کے قریب شہر مداین کو بنا رکھا تھا۔ اور بادشاہ اکثر وبیشتر یہیں رہا کرتا تھا۔ اور عراق کیانی جاہ وجلال کا مظہر بنا ہوا تھا۔

مسلمانوں سے جب ان حکومتوں کی بلاواسطہ آویزش ہوئی تو جگہ جگہ اور قدم قدم پر جنگیں ہوئیں جن میں سے جنگ ذات السلاسل، جنگ قارن، جنگ ولجہ، جنگ الیس، جنگ حیرہ، جنگ ذات العیون، جنگ عین التمر، جنگ دومتہ الجندل، جنگ حصید، جنگ مضیخ، جنگ فراض، اور عہد صدیقی کی سب سے بڑی اور آخری جنگ یرموک خلافت صدیقی کی مشہور جنگیں ہیں۔ جنگ یرموک میں مسلمانوں کی فتح کا اطلاع نامہ ابھی مدینہ نہیں پہنچا تھا کہ ۲۲ اور ۲۳ جمادی الثانی کی درمیانی شب، شب سہ شنبہ کو نماز مغرب کے بعد حضرت صدیق اکبرؓ نے وفات پائی۔ اور ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کے حجرہ میں اسی شب بعد نماز عشاء رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے اس بے مثال رفیق اور جان نثار صحابی کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کے پہلو میں دفن کردیا گیا۔ نماز جنازہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پڑھائی۔

انتقال کے وقت حضرت صدیق اکبرؓ کا سن ۶۳ سال تھا اور تقریباً اتنا ہی جتنا کہ وفات کے وقت سرور کائناتؐ کا سن تھا۔ حضرت صدیق اکبرؓ اپنی وفات سے دو تین گھنٹے پہلے تک فرائض خلافت کی انجام دہی اور خدمت اسلام کی بجاآوری میں منہمک تھے۔ اسی وقت حضرت مثنیٰؓ بن حارثہ سپہ سالار عراق حیرہ (عراق) سے مدینہ منورہ آئے تھے۔

حضرت صدیق اکبرؓ نے ان سے تفصیل کے ساتھ حالات سنے اور ضروری ہدایات دیں۔ خلافت سے پہلے بھی ان کی زندگی کے اوقات خدمت دین میں بسر ہوتے تھے اور خلافت کے بعد بھی۔ ان کو باری تعالیٰ نے اسی خدمت کے لئے

پیدا فرمایا تھا اور ان کی پوری زندگی عبادت الٰہی میں بسر ہوئی۔

جس وقت حضرت صدیق اکبرؓ نے وفات پائی اس وقت تک مرتدین، جھوٹے مدعیان نبوت اور مانعین زکوٰۃ سے سارے علاقے واپس لینے کے علاوہ ایرانی اور رومیوں کے بہت سے علاقے خلافتِ صدیقی میں شامل ہو چکے تھے اور یرموک فتح ہو چکا تھا۔ حیرہ قبضہ میں آ چکا تھا۔ بصریٰ پر مسلمانوں کا قبضہ تھا اور مجاہدین اسلام ملک شام کے صدر مقام دمشق کا محاصرہ کئے ہوئے تھے۔ دوسری طرف اسلامی فوجیں دریائے دجلہ کے کنارے پر خیمہ زن تھیں۔

جیسا کہ اوپر ذکر آ چکا ہے۔ عراق اور شام کے جو علاقے حضرت صدیق اکبرؓ کی خلافت میں فتح ہو چکے تھے۔ ان کا رقبہ مجموعی طور پر تقریباً ۱۷۵۸۴۰ مربع میل بنتا ہے۔ تقریباً اس لئے کہہ رہا ہوں کہ بعض چھوٹے چھوٹے علاقوں اور پرگنوں کے متعلق صحیح طور پر تصریحات نہیں ملتی ہیں کہ ان پر ایرانیوں اور رومیوں کے پرگنہ دار اب بھی قابض تھے یا رخصت ہو چکے تھے۔ بہر حال اگر ایک تحصیل یا ایک پرگنہ بیچ میں کہیں رہ بھی گیا ہوگا تو اس کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ اگر اس رقبہ زمین کو خلافت صدیقی کے ۸۰۰ دنوں پر تقسیم کر دیا جائے تو نتیجہ یہ دکھائی دیتا ہے کہ ساری پریشانیوں، بے سروسامانیوں اور قلت تعداد کے باوجود مسلمانوں نے کفار کے تسلط سے روزانہ تقریباً ۹۴۴ مربع میل کو چھڑا کر عدل و مساوات کی نعمت ان کے باشندوں کے لئے مہیا کر دی۔

ان فتوحات میں حضرت صدیق اکبرؓ کی ہدایت کے مطابق جن بزرگوں نے یادگار کارنامے انجام دیئے ان میں سر فہرست سیف اللہ حضرت خالدؓ بن ولید کا نام ہے۔ یہ وہ نامور سپہ سالار ہے کہ چشم فلک نے ایسا کوئی دوسرا سپہ سالار نہیں دیکھا۔ ان کے بعد ابو عبیدہ بن الجراح امین الامۃؓ، حضرت ابو سفیان بن حرب، حضرت شرحبیلؓ بن حسنہ، حضرت زبیر بن العوام، حضرت عکرمہ بن ابی جہل، حضرت مثنیٰؓ بن حارثہ شیبانی، حضرت عمرو بن العاصؓ، حضرت ابو سفیانؓ، دو نامی فرزندان یزیدؓ اور ہبارؓ شہید، حضرت ضرارؓ بن الازور، اور حضرت طفیلؓ بن عمرو وغیرہ بہت سے بزرگان دین کے اسمائے گرامی ملتے ہیں جن میں ہر ایک اپنی جگہ پر ایک لشکرِ جرار کی حیثیت رکھتا ہے لیکن تاریخ کا عمیق مطالعہ ہمیں بتاتا ہے یہ تمام تر حضرت صدیق اکبرؓ کا حسن انتخاب تھا۔ وہ اس قدر جوہر شناس تھے کہ جو شخص جس کام کیلئے سب سے زیادہ مناسب ہوتا وہ اس کام کے لئے اسی شخص کا انتخاب کرتے تھے۔ اور اپنے قیمتی پند و نصائح اور ہدایات کے ذریعے سوز دل صدیق اس کو عطا کر دیتے۔ پھر یہ سوز اس کے ایمان کی حرارت سے مل کر اسے شعلہ جوالہ بنا دیتا تھا اور جب اللہ حکیم و دانا کسی قوم کو سرفرازی دینا چاہتا ہے تو اس میں ایسے ہی افراد پیدا کر دیتا ہے۔

الحمد لِلہ الذی ھدانا لھذا وما کنا لنھتدی لولا ان ھدانا اللہ

لیفٹیننٹ کرنل فضل الرحمٰن

سیدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کی عسکری بصیرت

فتوحاتِ صدیقی کا ذکر شروع کرنے سے پہلے یہ ضروری ہے کہ قارئین کو اُن حالات کا علم ہو جن سے نوزائیدہ اسلامی سلطنت حضور کی وفات کے المناک حادثہ کے وقت دوچار تھی۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی عسکری اہلیت اور اِس ضمن میں تمام تر کارروائی صرف تب ہی نمایاں ہو سکتی ہے جب اِس کے پس منظر کا بغور مطالعہ کیا جائے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر مدینہ ایک ایسے بحران سے دوچار تھا جو بیک وقت جذباتی۔ روحانی اور سیاسی نوعیت کا تھا۔ مسلمانوں کے محبوب کی وفات نے اُن کو ذہنی طور پر یکسر مفلوج کر دیا تھا۔ یہ ایک نوزائیدہ سلطنت کے سربراہ کی وفات نہ تھی بلکہ اسلامیانِ مدینہ کے درمیان سے ایک ایسی ہستی جُدا ہو گئی تھی جس کا رابطہ براہِ راست خداوندِ ذوالجلال سے تھا۔ اِس سلطنتِ خداداد کے احکام و ضوابط کسی منتخب پارلیمنٹ یا قانون ساز اسمبلی کے مرہونِ منت نہیں تھے۔ یہ مالکِ ارض و سما نے خود جاری فرمائے تھے۔ اِن کی حیثیت ازلی و ابدی تھی۔ اہلِ مدینہ کو ان کے نزول بذریعہ وحیِ ربانی کا ۲۳ سالہ تجربہ تھا۔ حضور اِن ضوابط پر پوری مستعدی سے عمل پیرا رہے اور اہلِ اسلام کو پیروی کرنے کی شدت سے تلقین کرتے رہے۔ گذشتہ دس سال میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہی اُن کے لئے سب کچھ تھے۔ فوجی قائد فرمانروا، منصف، معلم، ہادی، دوست غرضیکہ کوئی شعبۂ زندگی ایسا نہیں تھا جس میں آنحضرت مطاع نہ تھے۔ آپ کی موجودگی کی پُرخلوص روشنی میں لوگ خود کو مصائب اور حادثات سے محفوظ سمجھتے تھے اب وہ روشنی آنکھوں سے اوجھل ہو گئی تھی۔

فتنۂ ارتداد:

اِدھر مدینہ میں ابوبکرؓ کی بیعت کی جا رہی تھی اُدھر قبائلِ عرب میں رسول اللہ کی وفات کی خبر جنگل

کی آگ کی طرح پھیل رہی تھی۔ جونہی اس حادثے کی شہرت ہوئی عربوں نے فوراً حکومت مدینہ کا جوا کندھوں سے اُتارنے اور بعثت نبوی سے قبل کی بدویانہ وغیر ذمہ دارانہ زندگی گزارنے کی تیاریاں شروع کر دیں۔ جب سارے عرب میں پھیلتی ہوئی بغاوت کی اطلاعات موصول ہونے لگیں تو یہ بحران نازک صورت اختیار کر گیا۔ مکے اور مدینے کے قبیلوں اور طائف کے قبیلہ ثقیف کے سوا عرب کے تمام قبائل نے مدینے کی سیاسی و مذہبی اقتدار کے خلاف بغاوت کر دی اور وفاداری کے معاہدے توڑ دئے۔ ملک میں جھوٹے مدعیانِ نبوت کھڑے ہو گئے اور محمدؐ کی نبوت میں شریک ہونے کا دعویٰ کرنے لگے۔ اسود عنسی جو اگرچہ حضورؐ کی وفات کے عین پہلے قتل ہو چکا تھا مگر اُس کے حامیوں کی ایک بھاری تعداد، یمن اور اُس کے گرد و نواح میں فتنہ و فساد برپا کرنے میں مصروف ہو گئی۔ اسود کے علاوہ طلیحہ بن خویلد بنی اسد میں، ایک جھوٹی نبیہ سجاح بنت الحارث بنی تمیم میں، مسیلمہ بن حبیب یمامہ میں اور ذوالتاج لقیط بن مالک عمان میں شورش برپا کرنے کے ذمہ دار تھے۔ کچھ اور قبائلی سردار جنہوں نے خود تو نبوت کا دعویٰ نہ کیا مگر وہ دورِ جاہلیت کی قبائلی خودمختاری کی طرف پلٹ جانے کے لئے اِن مدعیانِ باطل کے منصوبوں میں اِن کے ہمنوا بن گئے۔ ارتداد کے شعلے جنگل کی آگ کی طرح تمام عرب میں پھیل گئے اور یوں نظر آنے لگا کہ وہ مکہ و مدینہ۔ اسلام کی نوزائیدہ مملکت کے روحانی و سیاسی مراکز کو بھی اپنی لپیٹ میں لینے والے ہیں۔

حقیقی مسلمان مکے اور مدینے کے مسلمان تھے۔ بالخصوص مؤخر الذکر جو کئی سال نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ وابستہ رہے تھے اور جنہوں نے آنحضرت کے ذریعے منکشف ہونے والی صداقت کے سرچشمے سے اپنے آپ کو جی بھر کے سیراب کیا تھا۔ بیرونی قبائل اِس عظیم الشان روحانی تجربے سے فیضیاب نہیں ہوئے تھے۔ بسا اوقات جب کوئی قبائلی سردار مسلمان ہو جاتا تو اس کا قبیلہ مذہبی عقیدے کے بجائے محض قبائلی وفاداری کی بنیاد پر اُس کی تقلید کرتا۔ آنحضرت کی وفات کے بعد اِن قبیلوں نے اطاعت کے معاہدے کی پابندی سے اپنے آپ کو بری سمجھا۔ ان کے خیال میں یہ معاہدہ مدینے اور اسلام کے ساتھ نہیں بلکہ ایک فرد کے ساتھ کیا گیا تھا۔

منکرینِ زکوٰۃ :

جن لوگوں کو اسلام قبول کئے زیادہ دن نہ گزرے تھے یا جن لوگوں نے دل سے اسلامی تعلیمات کا اثر قبول نہیں کیا تھا انہوں نے کھلم کھلا ارتداد اختیار کر لیا۔ ایک گروہ ایسا تھا جو گو اسلام پر قائم تو تھا لیکن مدینہ کی حکومت اور غلبے کو قبول کرنے کے لئے تیار نہ تھا۔ یہ لوگ ادائے زکوٰۃ کو جزیہ سمجھتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ رسول اللہ کی زندگی تک تو زکوٰۃ ادا کرنے میں کوحرج نہ تھا کیونکہ آپ نبی تھے۔ آپ پر وحی نازل ہوتی تھی اور جو کچھ آپ اُن سے طلب کرتے تھے وہ آپ کا حق تھا۔ لیکن اب

جب حضور کو اللہ نے جوارِ رحمت میں طلب فرما لیا ہے، اہلِ مدینہ ان سے کسی بات میں بھی بڑھے ہوئے نہیں اور انہیں کوئی حق نہیں پہنچتا کہ وہ رسول اللہ کی طرح ان سے ادائے زکوٰۃ کا مطالبہ کریں۔ جن قبائل نے ادائے زکوٰۃ سے انکار کیا تھا وہ مدینہ کے قریبی قبائل عبس اور ذبیان اور ان سے ملحقہ قبائل بنو کنانہ، بنو غطفان اور فزارہ تھے۔

رسول اللہ کی حکمتِ عملی:

جنگِ موتہ اور غزوۂ تبوک کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خدشہ پیدا ہوا کہ کہیں اسلام اور مسیحیت کے بڑھتے ہوئے اختلاف اور یہود کی فتنہ انگیزی کے باعث اہلِ روم عرب پر حملہ نہ کر دیں جنگ موتہ اور غزوۂ تبوک میں جو واقعات پیش آ چکے تھے ان سے آپؐ کے ان خدشات کو مزید تقویت پہنچی۔ ان غزوات کے باعث رومیوں کے ارادے بہت خطرناک ہو گئے اور انہوں نے عرب کی سرحد پر پیش قدمی کرنے کی تیاریاں شروع کر دیں۔ رسول اللہ کی حکمتِ عملی یہ تھی کہ ہر قیمت پر رومیوں کو زیر کیا جائے اور عرب کی شمالی حدود کو ہرقل کی فوجوں کی تاخت و تاراج سے محفوظ رکھا جائے۔ اسی وجہ سے رسول اللہ نے اسامہ کو بطورِ پیش بندی شام روانہ ہونے کا حکم دیا تھا۔ یہ اردن پر حملہ کرنے کے لئے ایک بھاری مہم تیار کرنے کا حکم تھا۔ اس میں ہر شخص کو حصہ لینا تھا۔ مئی ۶۳۲ء کے تقریباً وسط میں نبی کریم نے (اپنے ایامِ علالت میں) مہم کا سالار ایک ۲۲ سالہ نوجوان اسامہؓ مقرر کیا تھا۔ اسامہؓ آنحضرت کے آزاد کردہ غلام زیدؓ بن حارثہ جو موتہ کی جنگ میں شہید ہونے والے سالاروں میں سالارِ اول تھے، کے بیٹے تھے۔ اگرچہ اسامہؓ ایک معمولی حیثیت کے آدمی تھے تاہم نبی کریم نے انہیں اعلیٰ خاندانوں کے تمام بزرگوں اور مقابلتاً زیادہ ممتاز جنگجوؤں پر قائد مقرر کر دیا۔ یہ آخری مہم تھی جس کا حکم نبی کریمؐ نے دیا۔ اس مہم میں رومیوں کے ساتھ جنگ کا بھی امکان تھا۔ اردن میں موتہ کا علاقہ اسامہ کی جغرافیائی منزل قرار دیا گیا۔ نبی کریم نے حکم دیا۔ "اُس مقام پر جاؤ جہاں تمہارے والد شہید ہوئے، ان علاقوں پر چھاپے مارو، تیز رفتاری سے کام لو۔ راستہ دکھانے والوں کو اپنے ساتھ لے جاؤ اور اپنے مخبروں اور جاسوسوں کو اپنے آگے آگے روانہ کرو۔" وفات سے تھوڑی ہی دیر قبل آنحضرت نے فرمایا۔ "لشکر اسامہؓ کی روانگی کا معاملہ یاد رکھنا۔" یہ لشکر ابھی پڑاؤ پر ہی تھا کہ آنحضرت کا انتقال ہو گیا اور اسی روز حضرت ابوبکرؓ منتخب ہوئے:

خلیفہ اوّل کا پہلا حکم:

بعض لوگوں کو اسامہؓ کی امارت پر اعتراض تھا وہ کہتے تھے کہ اسامہؓ سے رسول اللہ کی محبت

اور اسامہ کی بہادری مسلّم لیکن ایسے لشکر کی جس میں ابوبکرؓ و عمرؓ اور دوسرے جلیل القدر صحابہ شامل ہیں ایک بچے کے سپرد کرنا مناسب نہیں۔ ان چہ میگوئیوں کی خبر رسول اللہ کو بھی مرض الموت میں مل گئی تھی اس وقت اسامہ کا لشکر مقام جرف میں مقیم تھا اور کوچ کی تیاریوں میں مشغول تھا۔ بخار کی شدت کم ہوئی اور آپ مسجد میں تشریف لائے۔ حمد و ثنا اور اصحاب احد کے لئے دعا کرنے کے بعد فرمایا:

"اے لوگو! اسامہ کے لشکر کو جانے دو۔ تم نے اس کی امارت پر اعتراض کیا ہے اس کے باوجود وہ امارت کے قابل ہے"

رسول اللہ کی وفات کے روز علی الصبح اسامہؓ نے آپ سے کوچ کی اجازت مانگی۔ آپ نے اجازت دے دی لیکن کچھ ہی دیر بعد آپ کی وفات ہوگئی اور اسامہؓ اپنے لشکر کے ہمراہ جرف سے مدینہ آگئے۔

عرب قبائل کی بغاوت کے نتائج و عواقب سے نہ تو ابوبکر بے خبر تھے اور نہ انصار و مہاجرین کا کوئی فرد۔ اب ان کے سامنے ایک ہی سوال تھا کہ آیا اس موقعہ پر سب سے پہلے ارتداد کے فتنے کو کچلا جائے یا رسول اللہ کے احکام کی تعمیل میں سرحدوں کی حفاظت کے لئے اسامہ کے لشکر کو شام روانہ کر دیا جائے۔ اگرچہ وہ وقت مسلمانوں کے لئے نازک تھا لیکن ابوبکرؓ نے تمام حضرات کو نظر انداز کرتے ہوئے بیعت کے بعد پہلا حکم یہ صادر فرمایا کہ اسامہؓ کا لشکرِ شام روانہ ہو جائے۔ یہ سن کر معترضین کی زبانیں پھر حرکت میں آگئیں اور کوئی ایسا حیلہ تلاش کرنے لگے جس کے ذریعے سے ابوبکرؓ کو اس لشکر کے روانہ کرنے یا کم از کم اسامہؓ کو امیر بنانے سے باز رکھ سکیں۔ انہوں نے خلافت کے بارے میں مہاجرین و انصار کے اختلافات اور عرب قبائل کی بغاوت کا سہارا لیا اور ابوبکرؓ سے جا کر عرض کیا کہ موجودہ دور مسلمانوں کے لئے سخت نازک اور پُر خطر ہے، ہر طرف بغاوت کے شعلے بھڑک رہے ہیں، اس موقع پر لشکر کو شام بھیج کر مسلمانوں کی جمعیت کو منتشر کرنا مناسب نہ ہوگا۔ لیکن ابوبکرؓ اپنے ارادے سے ٹس سے مس نہ ہوئے اور نہایت ثابت قدمی اور اولو العزمی سے فرمایا:

"مجھے اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر مجھے یقین ہو کہ جنگل کے درندے مجھے اٹھا کر لے جائیں گے تو بھی میں اسامہ کے اس لشکر کو نہیں روک سکتا جسے رسول اللہ نے روانہ ہونے کا حکم دیا تھا۔ اگر مدینہ میں میرے سوا کوئی متنفس بھی باقی نہ رہے تو بھی میں اس لشکر کو ضرور روانہ کروں گا۔"

چند روز اور گزر گئے اور تیاریاں ہوتی رہیں۔ دیہاتی علاقوں سے آنے والی اطلاعات اور بھی تشویشناک صورت اختیار کر گئیں۔ چنانچہ ایک روز اسامہؓ نے جو مدینے اور اسلام کے بارے میں دوسروں سے کم متردد نہیں تھے۔ حضرت عمرؓ کو خلیفۃ المسلمین کے پاس یہ عرض کرتے بھیجا کہ "وہ لشکر کو مدینے میں ہی رہنے کی اجازت دیں۔ سبھی رہنمایانِ ملت میری معیت میں ہیں۔ اگر ہم سب چلے گئے تو کفار کا

ہاتھ روکنے والا یہاں کوئی بھی نہ ہوگا اور وہ مدینے کی اینٹ سے اینٹ بجا دیں گے۔"

عمرؓ خلیفۂ اسلام سے بات کرنے پر رضامند ہو گئے۔ پڑاؤ سے روانہ ہونے لگے تو مسلمان قائدین کے ایک گروہ نے بھی یہی تجویز پیش کی اور مزید برآں کہا: "اگر وہ اس تجویز سے اتفاق نہ کریں کہ لشکر مدینے میں رہ جائے تو ان سے کہئے کہ وہ کم از کم ہمارے لشکر کا سربراہ اسامہؓ کی بجائے کسی بڑی عمر کے آدمی کو بنائیں۔" حضرت عمرؓ نے یہ تجویز بھی خلیفہ کے سامنے پیش کرنے کی حامی بھرلی۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے سب سے پہلے اسامہؓ کا پیغام دیا۔ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا:

"اگر جنگل کے کتے اور بھیڑیے مدینہ میں داخل ہو کر مجھے اٹھا لے جائیں تو بھی میں وہ کام کرنے سے باز نہ آؤں گا جسے رسول اللہ نے کرنے کا حکم دیا ہو۔"

ابوبکرؓ کی خفگی:

اس کے بعد عمرؓ نے انصار کا پیغام دیا۔ یہ سنتے ہی ابوبکرؓ نے غضبناک ہو کر فرمایا:

"اے ابن خطاب! اسامہؓ کو رسول اللہ نے امیر مقرر فرمایا ہے اور تم مجھے کہتے ہو کہ میں اسے اس کے عہدے سے ہٹادوں؟"

عمرؓ پشیمان ہو کر واپس چلے آئے۔ لشکر گاہ میں معززین ملت اس انتظار میں تھے کہ دیکھئے عمرؓ کیا خبر لاتے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے انہیں سخت غصے سے کہا: "میرے پاس سے فوراً چلے جاؤ۔ محض تمہاری بدولت مجھے خلیفۂ رسول سے جھڑکیاں کھانی پڑیں۔"

غیر متزلزل جذبۂ ایمانی اور حضورؐ سے قلبی تعلق کی درخشندہ مثال:

۲۴ جون ۶۳۲ء (یکم ربیع الآخر ۱۱ھ) کو لشکر اسامہؓ نے کوچ کیا۔ حضرت ابوبکرؓ کچھ دور تک پیدل، گھوڑے پر سوار اسامہؓ کے ساتھ ساتھ چلتے گئے۔ اور انہوں نے اس نوجوان سپہ سالار کو گھوڑے سے اترنے کی اجازت نہ دی اور فرمایا "ہر وہ قدم جو ایک مسلمان مجاہد اللہ کی راہ میں اٹھاتا ہے۔۔۔ ۷ نیکیوں کا ثواب حاصل کرتا ہے اور اس کے۔۔۔ ۷ گناہ بخشواتا ہے۔" حضرت ابوبکرؓ نے اسامہ سے پوچھ کر عمرؓ کو بطور مشیر اپنے پاس روک لیا اور سپہ سالار کو اپنی وداعی ہدایات دیں: "اپنا فرض ادا کرو۔ رسول اللہ نے جو کچھ کرنے کا حکم دیا تھا وہ سب کچھ کرنا۔ جنگ کی ابتدا قضاعہ سے کرنا اس کے بعد آبل جانا۔ رسول اللہ نے جو کام سپرد کیا ہے اس کی تکمیل میں کسی بھی چیز کو حائل نہ ہونے دینا۔" اور لشکر اسامہؓ روانہ ہو گیا۔

لشکر اسامہؓ کی روانگی خلیفۂ اول کے غیر متزلزل جذبۂ ایمانی اور جدا ہو جانے والے ہادی و مربی کی منشا کے سامنے تسلیم کامل کا مظاہرہ تھا۔ اس فیصلے کی واحد متحرک ان کی یہ تمنا تھی کہ آنحضرت کی آخری

وصیت کو عملی جامہ پہنایا جائے۔ یہ جنگی بصیرت کا فقدان نہیں تھا جس نے انہیں لشکر اسامہؓ کو روانہ کرنے پر مائل کیا۔ کیونکہ انہیں فنِ حرب میں کافی مہارت حاصل تھی جیسا کہ انہوں نے جلد ہی ارتداد کے خلاف جنگ اور عراق وشام پر چڑھائی میں اپنی رہبری اور خوش انتظامی کے ذریعے ثابت کر دکھایا۔
لشکر اسامہؓ جا چکا تھا۔ دم بدم پھیلتی ہوئی بغاوت اور مخالف قبائل کی یکجا ہونے کی خبریں روز بروز زیادہ سنگین ہوتی گئیں۔ مسلمانوں کی پریشانیوں میں اضافہ ہوگیا۔ اس کے برعکس، مرتدین اسامہؓ کے لشکر کی روانگی کی خبر سن کر بہت خوش ہوئے۔ ارتداد کی وبا اس قدر عام ہوگئی تھی کہ اس نے مکے اور مدینے کے باشندوں اور طائف کے قبیلۂ ثقیف کے سوائے، ہر ایک قبیلۂ عرب کو متاثر کیا۔ انحراف کے ان شعلوں کو مدعیانِ باطل نے ہوا دی۔ مدینے کے لئے تازہ ترین خطرہ طلیحہ اور اس کے پیروکار مغربی وسطِ عرب اور شمالی وسطِ عرب کے قبیلوں نے کھڑا کیا، جن میں غطفانی، طئی، ہوازنی، بنو اسد اور بنو سلیم کے قبیلے شامل تھے۔

جب ان بغاوتوں کی خبر ابوبکرؓ کو پہنچی تو انہوں نے اس وقت تک انتظار کرنے کا فیصلہ کیا جب تک ان علاقوں کے اعمال اور امراء کی طرف سے تمام واقعات کی مکمل رپورٹیں موصول نہ ہو جائیں۔ زیادہ دن نہ گذرے تھے کہ رپورٹوں کا تانتا بندھ گیا جن سے صاف ظاہر ہوتا تھا کہ باغیوں کے ہاتھوں نہ صرف سلطنت کا امن خطرے میں ہے بلکہ ان لوگوں کی جانوں کو بھی سخت خطرہ ہے جنہوں نے ارتداد کے رو میں باغیوں کا ساتھ نہیں دیا اور بدستور اسلام پر قائم ہیں۔ اس ہمہ گیر شورش کے نتیجے میں بعض قبائل نے تو کلیتہً اسلام سے انحراف اختیار کر لیا تھا۔ لیکن بعض قبائل اسلام پر تو قائم تھے البتہ زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا تھا۔

منکرینِ زکوٰۃ سے جنگ :

مدینہ کے نواحی قبائل منکرینِ زکوٰۃ میں شامل تھے۔ ان سے عہدہ برآ ہونے کا مسئلہ سب سے زیادہ اہمیت رکھتا تھا۔ ان سے لڑائی چھیڑ دینا آسان کام نہ تھا کیونکہ ابوبکرؓ لشکرِ اسامہ کو شام روانہ فرما چکے تھے اور مدینہ میں لڑائی کے قابل افراد کی تعداد تھوڑی رہ گئی تھی۔ ان حالات میں مسلمانوں کے لئے صرف دو ہی راستے تھے۔ ایک یہ کہ منکرینِ زکوٰۃ کو ادائے زکوٰۃ پر مجبور نہ کیا جائے اور نرمی اور ملائمت سے انہیں ساتھ ملا کر ان قبائل کے مقابلے میں آمادۂ پیکار کیا جائے جنہوں نے کھلم کھلا اسلام سے انحراف کیا تھا۔ دوسرا یہ کہ ان سے جنگ کی جائے۔ مؤخر الذکر راستہ اختیار کرنے کے لئے مسلمانوں کی تعداد دشمنوں سے بہت کم تھی۔ اس لئے لڑائی چھیڑ دینا آسان کام نہ تھا۔

صحابہ سے مشورہ : حضرت ابوبکرؓ نے کبار صحابہؓ کو جمع کر کے ان سے منکرینِ زکوٰۃ کے ساتھ

جنگ کرنے کے متعلق مشورہ کیا۔ حضرت عمرؓ اور بیشتر مسلمانوں کی یہ رائے تھی کہ رسول اللہ پر ایمان لانے والوں سے ہرگز نہیں لڑنا چاہیے بلکہ انہیں ساتھ ملا کر مرتدین کے خلاف مصروف پیکار ہونا چاہیے۔ بعض لوگ اس کے مخالف بھی تھے۔ لیکن اُن کی تعداد بہت تھوڑی تھی۔
بحث طول پکڑ گئی اور بالآخر ابوبکرؓ کو خود اس میں دخل دینا پڑا۔ وہ اس رائے کے حامی تھے کہ منکرین زکوٰۃ سے جنگ کر کے بزور ادائے زکوٰۃ پر مجبور کرنا چاہیے۔ اس امر میں ان کی شدت کا یہ عالم تھا کہ بحث کرتے ہوئے پر زور الفاظ میں فرمایا:

"واللہ! اگر منکرین زکوٰۃ مجھے ایک رسی دینے سے بھی انکار کریں گے، جسے وہ رسول اللہ کے زمانے میں ادا کرتے تھے، تو بھی میں اُن سے جنگ کرونگا۔"

دشمن قبائل کے وفود:

مدینے کے گردو نواح میں آباد باغی قبائل مسلمانوں سے لڑنے کے لئے دو علاقوں میں مجتمع ہوئے ابرق جو مدینے سے شمال مشرق میں ۷۰ میل دور ہے اور ذوالقصہ جو مدینے سے مشرق میں ۲۴ میل دور ہے یہ اجتماعات قبیلۂ غطفان، ہوازن اور قبیلۂ طیؑ پر مشتمل تھے۔ لشکرِ اسامہ کی روانگی کے تقریباً دو ہفتے بعد، ذوالقصہ کے مقام پر جمع ہونے والے قبائل کے سرداروں نے حضرت ابوبکرؓ کے پاس ایک وفد بھیجا۔ "ہم نمازیں بدستور پڑھتے رہیں گے۔ لیکن ہم زکوٰۃ وغیرہ ادا نہیں کریں گے۔" وفد کی اس تجویز کو حضرت ابوبکرؓ نے قطعاً رد کر دیا اور وہی جواب دیا جو پہلے صحابہ کو دے چکے تھے یعنی، اگر زکوٰۃ کا رتی بھر حصہ بھی تم نے روکا تو میں تمہارے خلاف جنگ کروں گا۔ خلیفہ کا عزم اور اعتماد دیکھ کر ایلچی دم بخود رہ گئے۔ چنانچہ یہ وفود واپس اپنے لشکروں میں چلے گئے لیکن قیام مدینہ کے دوران انہوں نے وہاں کے حالات کا بنظرِ غائر مطالعہ کر لیا تھا اور وہاں پر سپاہ کی عدم موجودگی اُن کی تیز نگاہوں سے پوشیدہ نہ رہی تھی۔ ذوالقصہ پہنچ کر انہوں نے حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ گفت و شنید اور مدینے کی کمزوری سے اپنے سرداروں کو آگاہ کیا۔　　(نقشہ نمبر ۱ ملاحظہ ہو)
حضرت ابوبکرؓ کی دوربین آنکھوں نے ان لوگوں کے ارادوں کو بھانپ لیا اور وفود کے واپس جاتے ہی اُنہوں نے اہل مدینہ کو جمع کر کے خبردار کر دیا کہ اب باغی قبائل مدینے پر ضرور حملہ کریں گے اس لئے وہ بھی لڑائی کے لئے تیار ہو جائیں۔ اس کے بعد آپ نے علیؓ، زبیرؓ، طلحہؓ اور عبداللہؓ بن مسعود کو بلایا اور اُنہیں ایک ایک دستہ دے کر مدینے کے بیرونی راستوں پر متعین کر دیا۔ دوسرے تمام لوگوں کو حکم دیا کہ لڑائی کی تیاری کریں۔ اُدھر منکرین زکوٰۃ نے مدینے کی دفاعی کمزوری کے مدنظر اس پر فوراً حملہ کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ چنانچہ ذوالقصہ میں مقیم فوج مدینے کی طرف بڑھی اور ذو حسیٰ پہنچ کر ایک حصے نے

مدینے پر حملہ آور ہونے کے لئے پڑاؤ قائم کیا ——

عہدِ صدیقی کا پہلا معرکہ:

جب حضرت ابوبکرؓ کو مخبروں کے ذریعے دشمن کی نقل و حرکت کی اطلاع ملی تو انہوں نے مدینے کے دفاع کا انتظام کرنا شروع کر دیا۔ یہ جولائی ۶۳۲ء کے تیسرے ہفتے (ربیع الآخر ۱۱ھ کے آخری ایام) کی بات ہے۔ تین روز تک کچھ نہ ہوا۔ دشمن شاید بڑھ کر نہیں پا رہے تھے کہ اپنے حملے کا آغاز کس طرح کریں۔ حضرت ابوبکرؓ کے احکام پر مسلمانوں نے مدینے سے اچانک نکل کر دشمن کے پڑاؤ پر ایسا تیز حملہ کیا کہ وہ پسپا ہو گئے اور ان کی سراسیمگی کی انتہا نہ رہی اور وہ پیٹھ پھیر کر بھاگ گئے۔ مسلمانوں نے ذوحسیٰ تک اُن کا تعاقب کیا۔ مسلمانوں نے ابوبکرؓ کو اپنی کامیابی سے مطلع کیا۔ خلیفۂ اسلام نے اُنہیں حکم دیا کہ اپنے مقام پر ٹھہر کر اُن کی ہدایات کا انتظار کریں۔

اگلے روز حضرت ابوبکرؓ لدو اونٹوں کی ایک لمبی قطار لے کر مدینے سے روانہ ہوئے۔ سواری کے تمام اونٹ اسامہ کے ساتھ جا چکے تھے۔ اِن گھٹیا اونٹوں سے بہتر سواری کا کوئی انتظام نہیں کیا جا سکتا تھا۔ منکرین کو مار بھگانے والے مسلمان جو انتظار میں تھے اِن اونٹوں پر سوار ہوئے اور دشمن کے اڈے ذوحسیٰ پر پیش قدمی شروع کر دی۔

یہاں دشمن انتظار میں تھا۔ اُنہوں نے حبال، طلیحہ کے بھائی کی قیادت میں اڈے کے سامنے جس طرف سے مسلمان آ رہے تھے ایک ڈھلان کی چوٹی کے پیچھے چھپ گئے۔

بار برداری کے اونٹوں پر سوار جب مسلمان ڈھلان چڑھنے لگے تو اُن کو چوٹی کی دوسری طرف چھپے ہوئے دشمن کی خبر نہ تھی۔ اس بے خبری میں مسلمان جب چوٹی کے قریب پہنچے تو دشمن اُٹھ کھڑے ہوئے اور اُنہوں نے پانی سے بھرے ہوئے بیشمار مشکیزے زور سے پھینک کر نیچے لڑھکائے اور ساتھ ہی نقاروں اور تیز چیخوں کا بے پناہ شور و غل بلند کر دیا۔ مسلمانوں کے غیر جنگی اونٹ اس کے عادی نہ تھے۔ چنانچہ اونٹ وحشت زدہ ہو کر پیچھے پلٹ کر بھاگ کھڑے ہوتے۔ سوار سر توڑ کوشش کے باوجود اُن پر قابو پاتے میں ناکام رہے۔ ان اونٹوں نے مدینہ پہنچ کر دم لیا۔

حبال خوش تھا کہ اُس نے مسلمانوں کو چکمہ دے کر بغیر لڑے اُن کو مدینے واپس دھکیل دیا۔ لیکن حبال نے اب یہ غلطی کی کہ اُس نے فرض کر لیا کہ مسلمان ڈر گئے ہیں اور تیزی سے مدینے کی طرف اِس لئے پلٹ گئے ہیں کہ اُن کو اپنی کمزوری کا احساس ہے۔ اسے یہ معلوم نہیں تھا کہ مسلمان لدو اونٹوں پر سوار تھے۔ سوار نہیں، صرف اونٹ بدحواس ہو گئے تھے۔ اُس نے اپنی فوج کے اُس حصے کو اپنی کامیابی کی اطلاع دی جو ذوالقصہ میں مقیم تھا اور فوراً ذوحسیٰ پہنچنے کے لئے کہا۔ اسی شام دشمن کا پورا لشکر آگے بڑھا اور مدینے کے قریب

جہاں سے صرف ایک روز پہلے پیچھے ہٹا تھا اُس نے دوبارہ پڑاؤ جما لیا۔

دوسری طرف مسلمان بہت غصے میں تھے اور ہر شخص شکست کا پورا پورا بدلہ لینے پر تلا ہوا تھا۔ حضرت ابوبکرؓ کو جب معلوم ہوا کہ دشمن مدینے کے قریب اپنے پڑاؤ میں واپس آ گئے ہیں تو انہوں نے فیصلہ کیا کہ دشمن کی جنگی تیاریاں مکمل ہونے سے پہلے ہی ان پر حملہ کر دیا جائے۔ مسلمانوں نے رات بھر جنگ کے لئے تیار ہونے میں صرف کی اور اپنی مختصر سی فوج کو دوبارہ منظم کر لیا۔

رات کے پچھلے پہر حضرت ابوبکرؓ اپنی فوج کو مدینے سے باہر لائے اور حملے کے لئے صف بستہ کیا۔ انہوں نے فوج کو ایک قلب، دو بازوؤں اور ایک عقب کی شکل میں ایسے آراستہ کیا کہ قلب براہِ راست اُن کی زیرِ قیادت آیا۔ میمنہ نعمان کے زیرِ قیادت، میسرہ عبداللہ کے زیرِ قیادت اور عقب سُوید کے زیرِ قیادت۔ ابھی پَو نہیں پھٹی تھی کہ فوج دشمن کے پڑاؤ کی جانب چل پڑی۔ جہاں دشمن ایک سہل فتح کی آس لگائے گہری نیند سو رہے تھے۔

اب کی بار جبال گھات میں آ گیا۔ ابھی فجر کی پہلی کرن نہیں پھوٹی تھی کہ مسلمانوں کا ایک ہجوم غضبناک نعرے لگاتا ہوا اور ننگی تلواریں لئے دشمن کے پڑاؤ پر ٹوٹ پڑا۔ منکرین ذرا نہ ٹھہرے اور گرتے پڑتے بھاگے، کئی مارے گئے، لیکن اکثر نے بھاگ کر جان بچائی اور ذوالقصہ پہنچ کر ہی دم لیا۔ وہاں پر ستانے کے بعد انہوں نے اپنے آپ کو دوبارہ منظم کیا لیکن اُن کے حوصلے اتنے بلند نہیں رہے تھے۔

اس بازی میں حضرت ابوبکرؓ کی جیت کوئی کھوکھلی کامیابی نہ تھی۔ اس میں دشمن کو محض چل دیکر نہیں بلکہ خونی معرکے میں بزورِ شمشیر پیچھے دھکیل دیا گیا تھا۔ ابوبکرؓ نے فیصلہ کیا تھا کہ دشمن کو ایسے بےخبری میں پکڑیں کہ اُن کی اپنی کم تعداد کی تلافی ہو جائے اور اس ارادے میں وہ کامیاب رہے۔ انہیں ایک فوری مبارزی فتح کی ضرورت تھی اور وہ انہیں حاصل ہو گئی۔ یہ امر دلچسپی سے خالی نہ ہو گا کہ اسلامی تاریخ میں رات کے وقت پورے فوجی حملے کی یہ پہلی مثال تھی۔ اس بڑے پیمانے کا شب خون ایک ایسا طریقہ حرب ہے جسے پہلی عالمگیر جنگ تک مقبولیت حاصل نہ ہوئی۔

معرکہ جیت کر حضرت ابوبکرؓ نے طے کیا کہ دشمن کو مہلت نہ دی جائے بلکہ اُس کو پسپائی کے دھچکے سے سنبھلنے سے پہلے خوف و ہراس کی ابتری میں پکڑا جائے۔ چنانچہ سورج طلوع ہوتے ہی ذوالقصہ کی طرف کوچ کیا۔ ذوالقصہ پہنچ کر دوبارہ گزشتہ رات کی ترتیب میں فوج کو صف آرا کیا اور دشمن پر دھاوا بول دیا۔ منکرین نے مقابلہ کیا مگر اُن کے حوصلے پست تھے۔ کچھ دیر مزاحمت کرنے کے بعد وہ پیچھے ہٹ کر ابرق چلے آئے، جہاں غطفان، ہوازن اور طی قبائل کے مزید سپاہی جمع تھے۔

ذوالقصہ پر مسلمانوں کا قبضہ ۳۰ جولائی ۶۳۲ء (۸ جمادی الاوّل ۱۱ھ) کے لگ بھگ ہوا۔ حضرت ابوبکرؓ نعمان بن مقرن کو فوج کے ایک حصے کے ساتھ ذوالقصہ کے دفاع کے لئے چھوڑ کر خود باقی ماندہ

سپاہ کے ساتھ واپس مدینے آ گئے۔ اگست میں لشکرِ اسامہ بھی مدینے لوٹ آیا۔ اب اسلامی دارالخلافہ کو کوئی خطرہ نہیں رہ گیا تھا۔

لشکرِ اسامہ کی کامیاب واپسی:

مدینے سے روانہ ہوکر، اسامہؓ نے تبوک کا رخ کیا تھا۔ اِس علاقے کے اکثر قبیلوں نے اسامہؓ کا شدید مقابلہ کیا۔ لیکن جوانی کے جوش میں اسامہؓ اپنی تلوار کی دھاک بٹھاتے سارے خطے پر چھا گئے۔ وسیع پیمانے پر سارے شمالی عرب میں دور دور چھاپے مارنے کی مہم انہوں نے قضاعہ کی سرکوبی سے شروع کی جو ان کے فوجی دستوں کے سامنے پسپا ہوکر دومتہ الجندل ہٹ آئے۔ اسامہؓ نے برسرِ پیکار تمام سپاہ کو تہ تیغ کر دیا۔ اسامہؓ کی جنگی کارروائیوں کے باعث متعدد قبیلوں نے دوبارہ مدینے کی اطاعت قبول کر لی اور دوبارہ اسلام بھی قبول کیا۔ مگر قضاعہ بدستور سرکش رہے اور تائب نہ ہوئے۔ اِن کا علاج کچھ عرصے بعد پھر عمرو بن العاص کے ہاتھوں ہُوا۔

قضاعہ کے علاقے سے اُسامہؓ موتہ کی طرف بڑھے، کلب اور غسان قبائل کے عیسائی عربوں سے جنگ کی اَور اپنے باپ کی موت کا بدلہ لیا۔ اسامہؓ جنگی قیدیوں کی بھاری تعداد اور کثیر مالِ غنیمت لے کر واپس مدینے لوٹے۔ جب وہ مدینے کے قریب پہنچے تو ابوبکرؓ نے کبار مہاجرین و انصار کے ہمراہ شہر کے باہر نکل کر بڑی گرمجوشی سے لشکرِ اسامہؓ کا استقبال کیا۔ یہ لشکر ۴۰ دن تک باہر رہا۔

منکرینِ زکوٰۃ کے ساتھ آخری معرکہ:

ذوالقصہ میں شکست کھانے کے بعد منکرین نے اُن افراد کو بے دردی سے قتل کر دیا جو اسلام پر قائم رہے تھے۔ کچھ کو زندہ جلایا گیا اَور دوسروں کو بلند چٹانوں سے نیچے پھینک دیا گیا۔ حضرت ابوبکرؓ نے اِن وحشیانہ حرکتوں کی خبر سخت غم و غصہ سے سنی اور قسم کھائی کہ وہ ہر ایک مسلمان کا بدلہ لیں گے اَور ہر اُس کافر کو جس نے کسی مسلمان کو قتل کیا ہو قتل کریں گے۔

اب مسلمانوں کے لئے حالات سازگار ہو رہے تھے۔ حضرت ابوبکرؓ کی تازہ فتوحات نے لوگوں کے حوصلے بلند کر دئے تھے۔ مدینے کے قریب بسنے والے باغی قبائل نے تائب ہوکر دوبارہ اپنے حصّے کی زکوٰۃ اَور ضمنی واجبات ادا کر دئے تھے۔ اسلامی ریاست کے خزانے کی تجوریاں دوبارہ پُر ہو گئیں۔ اِس طرح دشمنانِ اسلام کے خلاف ایک ہمہ گیر جنگ کے لئے ایک مضبوط مالی بنیاد استوار ہو گئی۔

ابوبکرؓ اِس نتیجے پر پہنچے کہ دشمن کو تیاری کا موقع نہ دیا جائے مگر لشکرِ اسامہؓ کو آرام کا موقع دینے کا حکم دیا اور اِسی دوران دارالخلافہ کی محافظت کا کام بھی اُن کے سپرد کیا۔ خود ان لوگوں کو ساتھ لے کر

روانہ ہوئے جو اس سے پہلے ذوالقصہ کی لڑائی میں ان کے ساتھ شریک تھے۔ تمام عمائدینِ اسلام نے حضرت ابوبکرؓ کو فوج کی قیادت سے باز رکھنے کی کوشش کی مبادا کہ خلیفۂ اسلام کو کوئی گزند پہنچے اور مسلمان اِن کی قیادت سے محروم ہو جائیں۔ مگر حضرت ابوبکرؓ بہت جلد مسلمانوں کے کندھوں پر ایک بھاری بوجھ ڈالنے والے تھے۔ اِن کو اپنی توقعات پر پورا اتارنے کے لئے انہیں اس سے بہتر کوئی صورت نظر نہ آئی کہ وہ خود ان کے سامنے عملی نمونہ پیش کریں۔ پس جب اُن کو مدینے میں رُک جانے کی درخواست کی گئی تو آپ نے فرمایا:

"واللہ! میں ہرگز ایسا نہیں کروں گا۔ میں دوسروں پر اپنا بوجھ نہیں لادوں گا۔" اور اس مختصر سی فوج نے حضرت ابوبکرؓ کی قیادت میں ذوالقصہ کی طرف کوچ کیا جہاں نعمانؓ خلیفہ اسلام کے منتظر تھے ذوالقصہ میں اپنی فوج کے بازوؤں اور موخر الجیش کی قیادت اُسی طرح تقسیم کی جیسے انہوں نے شب خون کے موقع پر کیا تھا اور پھر ابرق کے لئے روانہ ہو گئے۔ یہ اگست کا دوسرا اور جمادی الاول کا تیسرا ہفتہ تھا۔ ابرق پہنچ کر مناسب صف بندی کی اور دشمن پر حملہ کر دیا جو پہلے سے ہی جنگ کے لئے صف بستہ تھا۔ منکرین کے حوصلے اب اتنے بلند نہیں تھے کچھ دیر مزاحمت کے بعد میدان چھوڑ کر بھاگے۔ یہ حضرت ابوبکرؓ کی ایک اور جیت ہو گئی۔ اُنہوں نے ابرق اور ربذہ کے آس پاس کی تمام زمینیں اور چراگاہیں مسلمانوں میں تقسیم کر دیں۔ اس طرح منکرینِ زکوٰۃ کی شکست پایۂ تکمیل کو پہنچ گئی اور آپ واپس مدینہ تشریف لے آئے۔

گذشتہ حالات کا ایک تجزیہ:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر عرب کی حالت، لشکرِ اسامہؓ کی روانگی اور منکرینِ زکوٰۃ کے خلاف جنگوں کے حالات کو تفصیل کے ساتھ بیان کرنے کا مقصد یہ تھا کہ اس پس منظر سے اور ان جنگوں کی ابتدا سے انتہا تک، حضرت ابوبکرؓ نے جس جذبۂ ایمانی، عشقِ رسولؐ، سیاسی و عسکری قیادت کا مظاہرہ کیا ہے اِس سے خلیفۂ اوّل کی شخصیت کے تمام پہلو ابھر کر قارئین کے سامنے نمایاں ہو جائیں۔ ہر موقعہ پر ابوبکرؓ نے جس سلیقے، اولوالعزمی اور استقلال سے تمام مشکلات کا حل پیش کیا اِس سے اُن کی انتظامی، سیاسی اور عسکری قابلیت کا اندازہ ہو جاتا ہے۔ حضور کی وفات سے لے کر اب تک جو حالات قارئین کے مطالعہ کے لئے پیش کئے گئے ہیں اِن سے بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ کی شخصیت اور کردار کتنا عظیم تھا۔ قارئین نے دیکھا ہو گا کہ تمام تر مراحل میں خلیفۂ اوّل نے اپنے ذاتی اور منفرد فیصلے صادر فرمائے جن کے دُور رس اثرات اُس وقت اور بعد کی اسلامی تاریخ کے لئے درخشندہ عقلی، عملی اور روحانی اقدار کا پیش خیمہ ثابت ہوئے۔

ان میں حضرت ابوبکرؓ کی شخصیت اور فہم و فراست کی چھاپ ابتدا سے انتہا تک عیاں ہے، اور وہ مجموعی طور پر ایک عظیم روحانی، سیاسی اور عسکری رہنما کی صورت میں ہمارے سامنے ہیں۔ اصحابِ کبار اور دیگر صاحب الرائے مہاجرین و انصار نے اُن کے ذاتی فیصلوں کو مختلف الرائے ہونے کے باوجود جس خندہ پیشانی سے قبول کیا اور پھر کامیابی سے ہمکنار ہوئے اس بات کا بیّن ثبوت ہے کہ ابوبکرؓ اپنے احباب کے مابین فہم و ادراک اور روشن خیالی کی اعلیٰ ترین منزل پر جلوہ فگن تھے۔ آپ نے یہ نہیں کیا کہ اپنے ذاتی اور منفرد فیصلوں اور احکام کو صادر فرما کر اُن کو عملی جامہ پہنانے کا بوجھ دوسروں کے کندھوں پر ڈال دیا ہو بلکہ منصوبہ بندی اور تیاری کے تمام مراحل میں ابتدا سے انتہا تک مرکزی حیثیت کے حامل رہے حتیٰ کہ ان تمام لڑائیوں کی قیادت بھی بہ نفسِ نفیس فرمائی۔

مرتدین سے جنگ کی تیاری:

اب حضرت ابوبکرؓ کے پیشِ نظر مرتدین کا استیصال تھا جو عرب کے مختلف خطوں میں بغاوت کے شعلے بھڑکا رہے تھے۔ منکرینِ زکوٰۃ کی طرح مرتدین کے متعلق بھی انہوں نے تہیہ کر لیا تھا کہ اُنہیں ہر قیمت پر شکست دی جائے گی۔ ذوی القصہ کو حضرت ابوبکرؓ نے آئندہ مہمات کے لئے مستقر بنایا۔ جب لشکرِ اسامہ اچھی طرح آرام کر چکا تو ابوبکرؓ اُسے لے کر مدینہ سے نکلے اور ذوی القصہ میں قیام فرمایا۔ مسلمانوں کے زیرِ تصرف تھوڑے سے علاقے کے سوا دشمن قبائل پورے خطۂ عرب پر قابض تھے۔ ابوبکرؓ نے لشکرِ اسلام کو گیارہ حصوں میں تقسیم کر کے ہر حصے پر ایک سالار مقرر کیا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ خلیفۃ المسلمین کی مجموعی جنگی رہنمائی کے تحت، جداگانہ مہمیں سر کرنے کے لئے لشکرِ اسلام کے ہر حصے کو ایک خود مختار سالار کے تحت منظم کیا گیا۔ اب مسلمان سپہ سالاروں نے "ترکیبِ حرب" (ٹیکٹکس-TACTICS) کی حدود سے نکل کر "حکمتِ حرب" (سٹریٹیجی-STRATEGY) میں قدم رکھا۔ بعد ازیں "حکمتِ حرب" کے اعلیٰ مراحل پر ایسے وثوق اور ایسی سہولت سے عبور حاصل کیا کہ دنیا دنگ رہ گئی۔ چنانچہ اس پیش رفت کی ابتدا بھی حضرت ابوبکرؓ نے کی۔

ذوی القصہ میں اگست ۶۳۲ء کے چوتھے ہفتے (جمادی الآخر سنہ ۱۱ھ کے اوائل) میں ابوبکرؓ نے مرتدین کے خلاف مہم کے لئے "حکمتِ حرب" کا منصوبہ تیار کیا۔ اس سے پہلے منکرین زکوٰۃ سے جو جنگیں لڑی تھیں وہ ایسی پیش بندی کے طور پر لڑیں جس کا مقصد مدینے کو بچانا اور دشمن کی مزید جارحانہ کارروائی کو روک کر حاصل شدہ مہلت میں مرکزی فوج کو تیار کر کے مہم پر روانہ کرنا تھا۔ ان جنگوں کی بدولت حضرت ابوبکرؓ کا ایک ایسے اڈے پر قبضہ ہو گیا جہاں سے وہ درپیش عظیم مہم کا انتظام کر سکتے تھے۔ اُنہیں اپنے مقصد میں دشواریوں کے بارے کوئی خوش فہمی نہ تھی۔ اُنہیں ایک سے

نہیں کئی دشمنوں سے جنگ کرنی تھی۔ بزاخہ میں مدعی باطل طلیحہ سے، بطاح میں مالک بن نویرہ سے اور یمامہ میں مسیلمہ کذاب سے، عرب کے مشرقی اور جنوبی ساحلوں پر۔ بحرین میں، عمان میں، مہرہ میں، حضر موت میں، یمن میں، پھیلتے ہوئے ارتداد سے نمٹنا تھا۔ مکے کے جنوبی اور شمالی علاقے میں ارتداد کی وبا پھیلی ہوئی تھی اور شمالی عرب میں لشکرِ اسامہ کی واپسی کے بعد قضاعہ نے پھر سر اُٹھایا تھا۔ (نقشہ نمبر ۲ ملاحظہ ہو)

ابوبکرؓ نے مدینہ کی حفاظت کے لئے جو فوج رکھی وہ باہر جانے والے لشکروں سے بہت کم تھی۔ اب مدینہ کو فوری حملے کا خطرہ نہ تھا منکرینِ زکوٰۃ کی سرکوبی کے بعد وہاں کے باشندے بڑے اطمینان سے زندگی بسر کر رہے تھے۔ مسلمانوں کی فتحمندی کی خبریں ہر طرف پھیل چکی تھیں۔ اُن کا رعب سارے عرب پر طاری تھا۔

لشکرِ اسلام کی ترتیب اور خلیفۃ المسلمین کے احکامات:

جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے حضرت ابوبکرؓ نے لشکرِ اسلام کو گیارہ جیوش میں اپنے اپنے خود مختار سالاروں کے تحت تقسیم کیا۔ ہر ایک جیش کو ایک شناختی جھنڈا دیا گیا۔ اِن سپہ سالاروں کو یہ ہدایت بھی دی گئی کہ اپنی اپنی منزلوں کو کوچ کرتے ہوئے راستے میں ملنے والے بہادروں کو اپنی فوج میں شامل کرتے جائیں۔ ان جیوش کے سپہ سالار اور ان کے مقاصد حسبِ ذیل تھے۔ (نقشہ نمبر ۱ اور نمبر ۲ ملاحظہ ہو)

۱۔ خالدؓ: پہلے طلیحہ بمقام بزاخہ، پھر مالک بن نویرہ بمقام بطاح۔
۲۔ عکرمہ بن ابوجہل: یمامہ کے مقام پر مسیلمہ کا سامنا کرو۔ لیکن اُس وقت تک نہ اُلجھنا جب تک کہ مزید فوجی دستے نہ پہنچ جائیں۔
۳۔ عمرو بن العاص: تبوک اور دومۃ الجندل کے علاقے میں قضاعہ اور ودلیعہ کے مرتد قبائل۔
۴۔ شرجبیل بن حسنہ: عکرمہ کے پیچھے پیچھے رہو اور خلیفۂ اسلام کی ہدایت کا انتظار کرو۔
۵۔ خالد بن سعید: شامی سرحد پر کچھ مرتد قبائل۔
۶۔ طریفہ بن حاجز: مدینے اور مکے کے مشرق میں واقع علاقے کے مرتد ہوازن اور بنو سلیم۔
۷۔ علا بن الحضرمی: بحرین کے مرتدین۔
۸۔ حذیفہ بن محصن: عمان کے مرتدین۔
۹۔ عرفجہ بن ہرثمہ: مہرہ کے مرتدین۔
۱۰۔ مہاجر بن ابی امیہ: یمن کے مرتدین پھر حضر موت میں کندہ۔
۱۱۔ سوید بن مقرن: یمن کے شمال میں ساحلی علاقے کے مرتدین۔

مُرتدین کو آخری پیشکش:

حضرت ابوبکرؓ نے اسلامی قواعد کی ہمہ گیر سربلندی اور اسوۂ رسول کی روشنی میں تمام عملی زندگی میں پابندی کو ہر چیز پر فوقیت دی۔ چنانچہ مختلف جیوش کے روانہ ہونے سے پیشتر انہوں نے مرتد قبائل کو سمجھانے کے لئے آخری کوشش کی۔ سب کو اپنے ایلچی بھیجے جن کی ہدایات بالکل یکساں تھیں ان ایلچیوں کے ذریعے مرتدین کو دوبارہ اسلام لانے کی دعوت دی۔ جو قبیلے اطاعت قبول کریں اُنہیں معافی اور امان دینے کا وعدہ کیا۔ جو قبائل مزاحمت کریں، ان کے ساتھ ہر قسم کی مخالفت کے خاتمے تک جنگ کی جائے گی اور اُن کی عورتوں اور بچوں کو غلام بنا لیا جائے گا۔ کسی بھی قبیلے کے خلاف حملے سے پہلے اسلامی افواج اذان دیں گی، اگر قبیلہ اذان کا جواب اذان سے دے تو سمجھا جائے گا کہ اُس نے اطاعت قبول کر لی۔ عرب کے ہر حصے میں متعدد خطوط روانہ کئے جن میں اللہ کی حمد و ثنا کے بعد رسول اللہ کی رسالت اور اُن کے بشیر و نذیر ہونے کا ذکر کیا اور بتایا کہ جب وہ کام پورا ہو گیا جس کے لئے آپ دنیا میں تشریف لائے تھے تو اللہ نے آپ کو وفات دے دی۔ خطوط میں یہ آیات بھی درج کیں:

انک میت و انہم میتون۔ ترجمہ: اے رسول! تم بھی وفات پانے والے ہو اور وہ لوگ بھی۔ وما جعلنا لبشر من قبلک الخلد افئن مت فہم الخالدون۔ ہم نے تجھ سے پہلے کسی شخص کو ہمیشہ کی زندگی سے نہیں نوازا کیا یہ ممکن ہے کہ تو وفات پا جائے اور دوسرے لوگ زندہ رہیں؟

وما محمد الا رسول قد خلت من قبلہ الرسل افئن مات او قتل انقلبتم علیٰ اعقابکم ومن ینقلب علیٰ عقبیہ فلن یضر اللہ شیئًا وسیجزی اللہ الشاکرین۔ ترجمہ: محمد اللہ کے رسول ہیں اور ان سے پہلے بھی گزر چکے ہیں۔ اگر دوسرے رسولوں کی طرح محمدؐ بھی وفات پا جائیں یا شہید کر دئے جائیں تو کیا تم اپنی ایڑیوں کے بل پھر جاؤ گے؟ جو اپنی ایڑیوں کے بل پھرے گا وہ تو اللہ تعالیٰ کو کوئی نقصان نہ پہنچا سکے گا اور عنقریب اللہ شکر گزار بندوں کو جزائے خیر دے گا۔

ان آیات کے درج کرنے سے ابوبکرؓ کا مقصد اُن لوگوں کا فتنہ فرو کرنا تھا جو یہ کہہ رہے تھے کہ اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم سچے ہوتے تو کبھی وفات نہ پاتے۔ اس کوشش کا خاطر خواہ اثر ہُوا۔ جو لوگ اس خدشے کے باعث مرتدین کے ساتھ ہو گئے تھے کہ اگر اسلام پر قائم رہے تو سخت مظالم برداشت کرنے پڑیں گے، جب انہوں نے اپنے آپ کو دو فوجوں کے درمیان گھرے ہوئے دیکھا تو دوبارہ اسلام لانے کا اعلان کر دیا یا کم از کم مرتدین کے سرداروں کی حمایت سے دست کشی اختیار کر لی اور اس وجہ سے اُن کی جانیں بچ گئیں۔ یہ خطوط سُن کر کثیر التعداد مرتدین کی ہمتیں بھی پست ہو گئیں۔ اور

انہوں نے مسلمانوں سے مقابلہ کرنے کا خیال چھوڑ دیا تھا۔ ابوبکرؓ کا منشا یہ نہ تھا کہ مرتدین کو بہلا پھسلا کر اپنی طرف مائل کرنے کی کوشش کی جائے۔ اس کے برعکس اُن کے خطوط کا لفظ لفظ نہایت سنجیدگی سے تحریر کیا گیا تھا۔ جو دھمکیاں خطوط میں دی گئی تھیں اُنہیں عملی لباس پہنانے کا تہیہ کر چکے تھے۔

سالارانِ جیوش کو بھی فوجی احکام کے علاوہ مندرجہ ذیل ہدایات دیں :

۱۔ ان قبیلوں کو تلاش کرو جن کی طرف تمہیں بھیجا جا رہا ہے۔

۲۔ اذان کہو۔

۳۔ جو قبیلہ اذان کا جواب اذان سے دے اُس پر حملہ نہ کرو۔ قبیلے سے کہو کہ وہ اپنی اطاعت کی تصدیق کریں جس میں ادائیگی زکوٰۃ کی شرط بھی شامل ہوگی۔ اگر تصدیق کر دی جائے تو حملہ نہ کرو۔

۴۔ اطاعت کرنے والوں کو پریشان نہ کیا جائے۔

۵۔ جو اطاعت قبول نہیں کرتے اُن کے خلاف تلوار اور آگ سے کارروائی کی جائے۔

۶۔ وہ تمام مرتدین جنہوں نے مسلمانوں کو قتل کیا اُنہیں قتل کیا جائے اور جنہوں نے مسلمانوں کو زندہ جلایا اُنہیں زندہ جلایا جائے۔

اِن ہدایات کے ساتھ لشکرِ اسلام کے مختلف جیوش اپنی اپنی مقررہ منزل کی طرف روانہ ہو گئے۔

طلیحہ اور جنگ بزاخہ :

خالدؓ کو طلیحہ اور اُس کے بعد مالک بن نویرہ سے جنگ کرنے کا حکم ملا تھا۔ چنانچہ وہ ان بستیوں کی طرف روانہ ہو گئے۔ اسی اثناء میں قبیلہ طیّ کے ایک سردار عدی بن حاتم زکوٰۃ لے کر مدینہ آئے۔ ابوبکرؓ نے اُنہیں بلا کر ہدایت کی کہ وہ اپنے قبیلے میں جائیں اور مرتدین کو ڈرائیں کہ اگر وہ ارتداد پر قائم رہے تو ان کا انجام اچھا نہ ہوگا۔ عدی کی سعی و جہد سے بنی طیّ نے اسلام قبول کر لیا۔ قبیلۂ طیّ کی خاصی تعداد لشکرِ خالدؓ کے ساتھ شامل ہو گئی اور اِس کی قوت میں گرانقدر اضافہ ہو گیا۔ گھمسان کا رن پڑا۔ طلیحہ نے خود کمبل اوڑھ کر وحی کے انتظار کا ڈھونگ رچایا اور اُس کے لشکر کی کمان عیینہ بن حصن کر رہا تھا۔ جوں جوں مسلمان غلبہ حاصل کرتے گئے، عیینہ اضطراب کی حالت میں کئی بار طلیحہ کے پاس گیا کہ شاید کوئی وحی آئی ہو مگر ہر بار وہ غیر مطمئن لوٹا۔ آخر جب خالدؓ نے اُس کی فوج کا محاصرہ کر لیا اور شکست کوئی دم کی بات تھی تو وہ آخری بار پھر طلیحہ کے پاس گیا اور وحی آنے کے متعلق دریافت کیا مگر اُس پر طلیحہ کے ڈھونگ کی قلعی کھل گئی اور عیینہ نے چیخ کر پکارا "اے بنو فزارہ! طلیحہ کذاب ہے اسے چھوڑ دو اور بھاگ کر جانیں بچاؤ۔" بنو فزارہ بھاگ کھڑے ہوئے۔ طلیحہ بھی اپنی بیوی سمیت فرار ہو گیا۔ جنگ بزاخہ ختم ہو گئی اور دشمنانِ اسلام کی دوسری بڑی طاقت کو شکست فاش ہوئی۔

دوسرے مرتد قبائل کا استیصال :

طلیحہ کی شکست کے بعد خالدؓ نے بھاگتے ہوئے دشمن کے تعاقب کا حکم دیا اور گرد و نواح کے قبائل کی تسخیر کے لئے سپاہ روانہ کی۔ عیینہ اور بنو سلیم کے سردار ابو شجرہ کو قید کر کے مدینہ روانہ کر دیا۔ متعدد کنبے اسلام لے آئے۔ خالدؓ نے بیعت قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ اور جب تک خلیفہؓ اسلام کی ہدایات کے مطابق مسلمانوں کا ایک ایک قاتل اُن کے حوالے نہ کر دیا گیا اور ان قاتلوں کو اُسی انداز سے قتل نہ کر دیا گیا جس طرح انہوں نے مسلمانوں کو قتل کیا تھا قبائل کو امان نہ دی۔ خالدؓ کے اس اقدام سے حضرت ابو بکرؓ بہت خوش ہوئے اور ان کو کامیابی پر مبارک باد دی۔ اب خالدؓ نے جنگ ارتداد کی مشہور خاتون سلمٰی کے لشکر کو جنگ ظفر میں شکست دی اور سلمٰی قتل ہو گئی۔ اگرچہ اب مہم ارتداد کا پہلا دور ختم ہو گیا تھا مگر ایک شخص جس کا نام ایاس بن عبد یلیل جسے عرف عام میں الفجاءۃ کہتے تھے وہ مسلمانوں کی طرف سے لڑنے کا یقین دلا کر خلیفہ سے کچھ ہتھیار حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا مگر اُس نے رہزنی شروع کر دی۔ حضرت ابو بکرؓ نے اُسے زندہ گرفتار کر کے آگ میں پھینکوا کر جلا دیا۔

مالک بن نویرہ اور سجاح :

طلیحہ سے نمٹنے کے بعد حضرت ابو بکرؓ نے خالدؓ کو مالک بن نویرہ کے ساتھ جنگ کا حکم دیا تھا۔ مالک کے کنبے کا مرکز بطاح تھا۔ (نقشہ نمبر ۱ اور نمبر ۲ دیکھئے) سجاح جس نے نبیہ ہونے کا اعلان کر دیا تھا اپنے لشکر کے ساتھ مالک بن نویرہ سے آملی۔ اُنہوں نے اُن کے قبائل کے خلاف ظلم و تشدد برپا کر دیا جو ان دونوں کے خاندانی دشمن تھے۔ ان قبائل کو نیست و نابود کرنے کے بعد وہ اسلامی سلطنت کے خلاف جنگ کرنے پر آمادہ تھے۔ سجاح کو قبائل کے خلاف حسب منشاء کامیابی نہ ہوئی اور وہ اپنے لشکر کو لے کر یمامہ میں مسیلمہ کذاب کے ساتھ مل گئی حتیٰ کہ مسیلمہ کے ساتھ اُس نے شادی کر لی مگر اُن کا اشتراک پروان نہ چڑھ سکا۔ چنانچہ وہ عرب سے عراق چلی گئی۔ اس کے چلے جانے سے مالک بن نویرہ نے مسلمانوں کے ڈر کی وجہ سے اپنے لشکر کو بطاح سے منتشر ہونے کا حکم دیا اور خود بھی بھاگ گیا اور اطاعت کا اظہار کرنے کی غرض سے خالدؓ کو زکوٰۃ بھجوائی۔ خالدؓ جب بطاح پہنچے تو وہاں پر ایک سپاہی بھی موجود نہیں تھا۔ مالک اور اُس کی بیوی لیلیٰ کو پکڑ کر خالدؓ کے سامنے پیش کیا گیا۔ خالدؓ مالک کی گفتگو سے جو بے ادبی کے حدود سے بھی آگے نکل گئی تھی مطمئن نہ ہوئے اور اُسے قتل کرنے کا حکم دیا۔ اُسی دن اُس کی بیوہ سے شادی کر لی۔ اِس واقعہ نے ایک نزاع کی صورت اختیار کر لی اور ایک روز خالدؓ کو اِس کی بھاری قیمت ادا کرنی پڑی!

جنگِ یمامہ :

ارتداد کی تمام جنگوں میں یہ سب سے بڑی جنگ تھی۔ مسیلمہ بن حبیب (مسیلمہ کذاب) جو بنی حنیفہ سے تعلق رکھتا تھا نبوت کا دعویدار تھا۔ اس نے بڑی تیزی سے طاقت حاصل کر لی تھی اور حضرت ابوبکرؓ کو یہ علم تھا کہ مسیلمہ کو شکست دینے کے لئے مسلمانوں کی پوری قوت درکار ہوگی۔ اسی لئے آپ نے جب اسلامی سپاہ کو ۱۱ جیشوں میں منظم کیا تو عکرمہ کو یمامہ کی طرف پیش قدمی کا حکم دیا تھا مگر جنگ کرنے سے پیچھے رہنے کی ہدایات دی تھیں۔ شرحبیل بن حسنہ کو بھی عکرمہ کے پیچھے پیچھے رہنے کا حکم بھی اسی لئے دیا تھا۔ تاکہ مسیلمہ کے لشکرِ جرار کے ساتھ نمٹنے کے لئے زیادہ سے زیادہ قوت مجتمع ہو سکے۔

مسیلمہ کذاب باطل مدعیانِ نبوت میں سب سے زیادہ طاقتور تھا۔ اس کے ساتھ تقریباً چالیس ہزار کا لشکرِ جرار تھا۔ حضرت ابوبکر چاہتے تھے کہ مسیلمہ کے خلاف نبرد آزما ہونے کے لئے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کرنا چاہیے۔ جنگ صرف اسی وقت شروع ہو جب ارتداد کے باقی محاذوں پر مسلمان حاوی ہو جائیں۔

عکرمہ کی غلطی :

جب عکرمہ کو خالدؓ کے ہاتھوں طلیحہ کی شکست کی خبر ملی تو وہ لڑائی کے لئے بے چین ہو گئے۔ عکرمہ بھی کہنہ مشق جنگجو تھے وہ چاہتے تھے کہ تمام فخر و افتخار خالدؓ ہی کو کیوں حاصل کرنے دیا جائے؟ اپنے جیش کو حرکت میں لے آئے (یہ اکتوبر ۶۳۲ء کے اختتام رجب ۱۱ھ) کا واقع ہے۔ چند دن بعد عکرمہ مسیلمہ سے بری طرح پٹ کر اپنے پڑاؤ میں واپس آ گئے۔ حضرت ابوبکر اس پر سخت ناراض ہوئے اور عکرمہ کو حذیفہ کی مدد کے لئے عمان جانے کا حکم صادر فرمایا۔ عکرمہ عمان روانہ ہو گئے اور شرحبیل یمامہ کے علاقے میں ٹھیرے رہے۔

مسیلمہ کے خلاف خالدؓ کی چڑھائی :

مالک بن نویرہ اور گرد و نواح کے قبائل کی شکست کے بعد حضرت ابوبکرؓ نے خالدؓ کو مدینہ بلا بھیجا۔ مالک کے قتل اور خالدؓ کی اس کی بیوہ سے شادی نے مدینے میں جو نزاع پیدا کر دیا تھا اسے اس آڑے وقت میں خوش اسلوبی سے نمٹانا اشد ضروری تھا۔ چنانچہ مالک کے ورثاء کو خون بہا ادا کرنے کے بعد خالدؓ کو مسیلمہ کذاب کی قوت کا قلع قمع کرنے کا فرض سونپا۔ ان کے اپنے جیش

کے علاوہ شرجبیل کا لشکر بھی خالدؓ کی زیرِ قیادت آگیا۔ اس کے علاوہ ابوبکرؓ نے انصار و مہاجرین پر مشتمل ایک اور فوج بڑے اہتمام سے چن چن کر بنائی۔ ان لوگوں میں عرب کے بہترین جنگجو شامل تھے حتیٰ کہ قرآن مجید کے حافظوں اور قاریوں کی بھاری تعداد کے علاوہ ایک خاص دستہ جنگِ بدر کے صحابہ کا بھی شامل کیا گیا۔ حالانکہ یہ ابوبکرؓ کی پالیسی کے خلاف تھا جو انہوں نے اہلِ بدر کے متعلق وضع کی تھی۔ وہ فرمایا کرتے تھے کہ میں اہلِ بدر کو جنگوں میں استعمال نہ کرونگا یہاں تک کہ وہ اپنے نیک اعمال کے ساتھ اللہ کے دربار میں حاضر نہ ہو جائیں۔

جنگ یمامہ کی اہمیت خلیفۂ اسلام کے ان اقدام سے بخوبی ظاہر ہو جاتی ہے۔

خالد بطاح پہنچے اور مدینے سے انصار و مہاجرین کی کمک پہنچنے پر خالدؓ نے یمامہ کی طرف کوچ کیا۔ وہ خوش تھے کہ شرجبیل کے تازہ دم سپاہ بھی اُن کو دستیاب ہوں گے مگر شرجبیل بھی عکرمہ کی طرح چند روز بیشتر مسیلمہ سے ٹکر کھا کر اپنے کئے پر متاسف تھے۔

خالد یمامہ سے ابھی کچھ دور تھے کہ جاسوسوں نے خبر دی کہ مسیلمہ عقرباء کے میدان میں وادیٔ حنیفہ کے شمالی کنارے پر خیمہ زن ہے، جہاں سے یمامہ جانے والی سڑک گزرتی تھی۔

چنانچہ خالدؓ نے سڑک کو چھوڑ کر قصبہ جبیلہ کے بالمقابل اونچی زمین پر اپنا پڑاؤ قائم کیا۔ یہاں سے وہ پورے میدانِ عقرباء کا جائزہ لے سکتے تھے۔ ان کے لشکر کی کل تعداد ۱۳ ہزار تھی، اور مسیلمہ ۴۰ ہزار سپاہ کے ساتھ جنگ کے لئے تیار کھڑا تھا۔ مسیلمہ کے سپاہی اشتیاق سے جنگ کے منتظر تھے۔ انہوں نے عکرمہ اور شرجبیل کے خلاف جو کامیابیاں حاصل کی تھیں اُن کے حوصلے بڑھ گئے تھے اور مسیلمہ اور اس کے مقصد کے لئے اپنی جانیں قربان کرنے کو تیار تھے۔ (نقشہ نمبر ۳ ملاحظہ ہو)

دسمبر ۶۳۲ء کے تیسرے ہفتے (شوال ۱۱ھ کے آغاز) کے جاڑوں کی ایک صبح کو جنگِ یمامہ شروع ہوئی۔ مسیلمہ نے طے کیا کہ خالدؓ کے حملے کا انتظار کیا جائے اور پھر حریف کے حملے کا زور توڑ کر اس پر دھاوا کر دیا جائے۔ اس کے برعکس خالدؓ کا منصوبہ حسبِ معمول یہ تھا کہ جنگ شروع ہوتے ہی حملہ کر کے دشمن کو مدافعت پر مجبور کر دیا جائے اور اس کے لئے جارحانہ کارروائی کا کوئی موقع نہ چھوڑا جائے۔ مسلمانوں کو اتنی بڑی فوج کا اس سے پہلے کبھی سامنا نہیں کرنا پڑا تھا۔ باغیوں کو تعداد میں ایک کی نسبت تین کی برتری حاصل تھی۔ اس بار جنگ لازماً تلخ اور خونریز ہونے کو تھی۔

خالدؓ نے ایک عام حملے کا حکم دیا۔ مسلمان مردانِ کارزار نے شجاعت کے حیرت انگیز کرشمے دکھائے لیکن کفار کا لشکر چٹان کی طرح جم کر کھڑا رہا اور زمین کے ایک چپے پر پیچھے ہٹنا گوارا نہ کیا۔ مسلمان حیرت زدہ تھے اور اُن کی صفوں میں کچھ بدنظمی پیدا ہو گئی۔ مسیلمہ نے پورے محاذ پر ایک جوابی حملے کا

حکم دیا۔ اب مسلم افواج میں ایک بے ربطی رونما ہونے لگی جو قبائلی دستوں کی آمیزش سے اِس لئے پیدا ہوئی کہ اِن کو مختلف سپاہ کو شانہ بشانہ لڑنے کا تجربہ نہیں تھا۔ مرتدین کے حملے بھی اور بیباک ہو گئے اور مسلمانوں نے پسپائی اختیار کرتے ہوئے میدان چھوڑ دیا اور بھاگتے ہوئے اپنے پڑاؤ سے بھی کچھ دُور نکل گئے۔ مرتدین نے بڑی شدت سے پڑاؤ کو تباہ کیا اور خوب لوٹ مچائی۔ جونہی اُنہوں نے دیکھا کہ مسلم لشکر ازسرِنو پوری طرح منظم ہو کے صف بصف پیش قدمی کر رہا ہے تو مرتدین بھی اپنے لشکر کو دوبارہ آراستہ کرنے کے لئے میدان عقربا کی طرف لوٹے۔

جب مسلمان پسپا ہو کر رُکے تو خالد اس نتیجے پر پہنچے کہ مخلوط قبائلی سپاہ کے ساتھ افواج کو مرتب کرنا ایک غلط اقدام تھا۔ دشمن کی تعداد میں ایک کے بدلے تین گنا برتری اور مسیلمہ کے مقلدین کے اندھا دھند جوش کے سامنے مسلم افواج کا اندرونی ربط اِس لئے ڈھیلا پڑ گیا کہ قبائلی وفاداری کا بندھن موجود نہ تھا۔ خالدؓ نے اِس غلطی کو درست کر کے دوبارہ گروہ بندی کی مگر سابقہ صف آرائی اور سالاروں میں کوئی تبدیلی نہ کی۔ اِس طرح دوبارہ منظم ہو کر مسلمانوں نے ایک بار پھر میدان عقربا کی طرف پیش قدمی کی۔ اِسی اثناء میں مسیلمہ کذاب بھی دوبارہ صف آرا ہو کر لڑائی کے لئے تیار ہو گیا۔ دونوں جانب سے فوجیں گتھم گتھا ہوئیں اور گھمسان کی جنگ ہوئی۔ خالد اِس نتیجے پر پہنچے کہ مرتدین کو اپنے جھوٹے نبی پر اتنا اندھا ایمان ہے کہ جب تک اُسے موت کے گھاٹ نہ اُتارا جائے دشمن ہار نہیں مانے گا۔ چنانچہ خالدؓ دشمن کے قلب کی طرف بڑھے اور مبارز طلب ہوئے۔ مسیلمہ کے کئی بہادروں کے قتل کے بعد خالدؓ نے گفت و شنید کی تجویز پیش کی۔ مسیلمہ آگے آیا اور خالدؓ نے جونہی اُس پر تیزی سے وار کرنے کی کوشش کی تو وہ مڑ کر رفوچکر ہو گیا۔ مرتدین نے جب مسیلمہ کی اِس ہزیمت کو دیکھا تو وہ بددل ہو گئے۔ خالدؓ نے حملہ جاری کرنے کا حکم دیا اور اب مرتدین کے پاؤں اُکھڑ گئے اور وہ بھاگ کر دو میل دُور ایک باغ میں داخل ہو گئے۔ یہ باغ قلعہ نما تھا۔ خالدؓ نے اِن کا تعاقب کیا اور براءؓ اپنی جان پر کھیل کر باغ کے اندر چھلانگ لگا گئے اور باغ کا دروازہ کھول دیا۔ دروازہ کھلتے ہی مسلمان باغ کے اندر داخل ہو گئے اور جنگ یمامہ کا آخری اور سب سے خونی دَور شروع ہو گیا۔ کشتوں کے پشتے لگ گئے۔ آخر وحشی، جس نے جنگ احد میں حضرت حمزہؓ کو شہید کیا تھا اور اب مسلمان ہو چکا تھا، آگے بڑھا اور غرّا کر اپنے برچھے کو مسیلمہ کی طرف پھینکا جو مسیلمہ کے پیٹ میں لگا اور جھوٹا نبی دھڑم سے گرا۔ ابودجانہؓ نے (جنگ احد میں نبی کریم کی مجسم ڈھال) جو قریب ہی تھے ایک بھرپور وار سے اِس خبیث کا سر تن سے جدا کر دیا۔ جونہی ابودجانہؓ اِس خوش خبری کا اعلان کرنے سیدھے کھڑے ہوئے ایک کافر کی تلوار نے اُنہیں شہید کر دیا۔ ایک مرتد نے جب مسیلمہ کو دیکھا اور چلا کر کہا "مسیلمہ مارا گیا۔"

اِس جنگ میں مقتولین کی تعداد ہوشربا تھی۔ مرتدین میں سے ۲۱ ہزار آدمی مارے گئے۔ مسلمانوں کا نقصان اگرچہ مرتدین کی نسبت خفیف تھا مگر پچھلے معرکوں کے مقابلے میں بہت بھاری رہا، کل ۱۲۰۰ مسلمان شہید ہوئے جن میں تین سو ستر ۳۷۰ کے لگ بھگ کبار صحابہؓ اور قرآن کے حافظ اور قاری شامل تھے۔ اِسی نقصان کے مدِ نظر حضرت ابوبکرؓ نے قرآن کو جمع کرنے کا قصد کیا۔

جنگ یمامہ کے ساتھ حضرت ابوبکرؓ کی ارتداد کے خلاف مہم اپنی انتہا کو پہنچ گئی۔ یہ مہم کا نقطۂ عروج تھا۔ ابوبکرؓ کو اپنی اِس حکمتِ حرب (STRATEGY) میں حیرت انگیز کامیابی ہوئی جس سے اسلامی فتوحات کا عظیم الشان دور شروع ہو گیا۔ باقی جیوش نے بھی اپنے اپنے مقاصد میں کامیابی حاصل کی۔ ارتداد کی مہم گیارہویں ہجری سال کے دوران شروع ہوئی اور اسی سال میں پایۂ تکمیل کو پہنچ گئی۔ بارہواں ہجری سال ۱۸ مارچ ۶۳۳ء کو طلوع ہوا تو اس کے ساتھ ہی عرب کا خطہ مدینے میں خلیفۃ المسلمین کی مرکزی حکومت کے تحت متحد ہو چکا تھا۔ یہ حضرت ابوبکرؓ کی عظیم ترین سیاسی و فوجی کامیابی تھی۔

اسلامی فتوحات کی ابتدا:

حضرت ابوبکرؓ کی خلافت کا پہلا سال زیادہ تر مرتدین کی شورش کا مقابلہ کرنے میں گزرا۔ جب تک مرتدین سے جنگیں جاری رہیں حضرت ابوبکرؓ کے لئے کسی اور جانب توجہ منعطف کرنا ممکن ہی نہ تھا جب مرتدین کا مکمل قلع قمع ہو چکا اور چپے چپے پر اسلامی حکومت کی عملداری قائم ہو گئی تو حضرت ابوبکرؓ کی توجہ اس مسئلے پر مبذول ہوئی کہ اعلاء کلمۃ الحق کی اشاعت کے لئے مسلمانوں کو آئندہ کیا قدم اُٹھانا چاہیے۔ اِس کی ایک صورت تو یہ تھی کہ رومیوں پر حملہ کیا جائے اور حضور جن جنگوں کا آغاز غزوہ تبوک کے ذریعے فرما چکے تھے، پایۂ تکمیل تک پہنچایا جائے۔ عربوں کی توجہ کلیتہً رومیوں کی طرف پھیر دینے سے نہ صرف آئندہ کے لیے عرب سے بغاوت اور فتنہ و فساد کا خطرہ دُور ہو جاتا بلکہ مملکت روما کے طول و عرض میں اشاعتِ اسلام کے لئے راستہ صاف ہو جاتا۔ لیکن اس سلسلے کا دوسرا پہلو بھی تھا جس کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا تھا۔ وہ یہ کہ اگر مسلمان رومیوں پر فتحیاب نہ ہو سکے تو پورے جزیرۂ عرب کو زبردست خطرہ لاحق ہو جاتا۔ مسلمانوں کی شکست کے بعد رومی عرب پر چڑھائی کر دیتے اُس صورت میں اسلام کا کلیتہً قلع قمع ہو جاتا۔

جہاں تک ایران کا تعلق تھا اُن کے ساتھ جنگ کرنے کا خیال حضرت ابوبکرؓ کو نہ آ سکتا تھا۔ حجاز، فارس سے متصل نہ تھا اور عرب کے جو علاقے ایران سے ملے ہوئے تھے ارتداد کی زد میں رہ چکے تھے۔ کسی جنگ کی صورت میں اس علاقے کے لوگوں پر قطعاً اعتبار نہیں کیا جا سکتا تھا۔ اس لئے

ابوبکرؓ کے لئے یہی صورت مناسب تھی کہ فتنہ ارتداد فرو کرنے کے بعد تمام تر توجہ سلطنت کے اندرونی استحکام اور قیام امن پر مبذول کرتے تاکہ عرب ایک وحدت میں منسلک ہو کر اقوام عالم میں ایک نمایاں مقام حاصل کر لیتے۔

حضرت ابوبکرؓ آئندہ اقدامات کے متعلق غور و فکر ہی میں مشغول تھے کہ خبر ملی، ایک شخص مثنّیٰ بن حارثہ شیبانی ایک قلیل فوج کے ساتھ پیش قدمی کر کے بحرین کے شمال میں دجلہ اور فرات کے دہانے تک پہنچ چکا ہے۔ وہ ایرانی حکام جنہوں نے بحرین کے مرتدین کی حمایت کی تھی اُس کے آگے بے بس ہو کر پیچھے ہٹ گئے ہیں۔ مثنّیٰ کے متعلق یہ معلوم ہوا کہ وہ علاء بن حضرمی سپہ سالارِ جیش برائے بحرین کے ساتھ مل کر مرتدین سے جنگ کر چکا ہے۔ بحرین کے گردو نواح میں جو لوگ بدستور اسلام پر قائم رہے تھے اُن کا سردار ہے۔ فتنہ ارتداد کے ختم ہوتے ہی اُس نے پیش قدمی کرتے ہوئے اُن عرب قبائل کو جو دجلہ اور فرات کے ڈیلٹائی علاقے میں آباد تھے، اپنا ہمنوا بنا کر، ایرانی سلطنت کا جُوا سر سے اُتارنے اور اسلامی حکومت کی حمایت پر آمادہ کر لیا ہے۔ ایران اندرونی انتشار کا شکار ہو چکا تھا۔ یمن، بحرین خلیج فارس اور خلیج عدن کے تمام علاقے بھی ایرانیوں کی غلامی کو خیر باد کہہ چکے تھے۔

حضرت ابوبکرؓ آئندہ اقدام کے متعلق ابھی کوئی فیصلہ کرنے نہ پائے تھے کہ مثنّیٰ خود مدینہ پہنچے اور تمام حالات خلیفہ کے گوش گزار کر دیئے۔ انہیں اطمینان دلایا کہ شام کے برعکس عراق کی فتح سہل الحصول ہے اُنہوں نے عراق کے دلفریب مناظر کا بھی ذکر کیا جو یقیناً اہلِ حجاز کے لئے شام کی طرح پُرکشش ثابت ہوں گے۔ مزید یہ بھی بتایا کہ عرب قبائل جو دجلہ و فرات کے ڈیلٹائی علاقوں میں آباد ہیں۔ اُن کے دل ایرانیوں کے امرا اور زمینداروں کے خلاف نفرت سے بھرے ہوئے ہیں اس لئے اس نادر موقع کو ہاتھ سے نہیں کھونا چاہیے اور اسلامی فوجیں عراق میں روانہ کرنی چاہئیں۔

حضرت ابوبکر کا اہل الرائے سے مشورہ :

حضرت ابوبکرؓ نے مثنّیٰ کی یہ درخواست اہل الرائے اصحاب کے سامنے پیش کی۔ چونکہ اہلِ مدینہ عراق کے حالات سے واقف نہ تھے اور اُنہیں ڈر تھا کہ ایران پر چڑھائی کر کے اسلامی افواج کہیں الٹی مصیبت میں مبتلا نہ ہو جائیں۔ اس لئے اُنہوں نے مشورہ دیا کہ خالدؓ بن ولید کو بلا کر اُن سے مشورہ لیا جائے اور جو رائے وہ دیں اس پر عمل کیا جائے۔ خالدؓ اُس وقت یمامہ میں مقیم تھے۔ اُنہیں فوراً مدینہ طلب فرمایا اور حضرت ابوبکرؓ نے مثنّیٰ کی تجاویز پر رائے معلوم کی۔ خالدؓ نے بلا پس و پیش اِن پر صاد کر دیا۔

فتح عراق : حضرت ابوبکرؓ نے مثنّیٰ کی درخواست پر اُنہیں ایرانیوں پر حملہ کرنے کی اجازت دے دی

چنانچہ مثنیٰ نے اپنا قبیلہ ہمراہ لے کر ایک نئے عزم اور ولولہ سے عراق پر ہلہ بول دیا اور پے در پے فتوحات حاصل کرنی شروع کیں۔ جب یہ خبریں مدینہ پہنچیں تو حضرت ابوبکرؓ نے مثنیٰ کو کمک بھیجنا مناسب خیال کیا تاکہ وہ فتوحات کا سلسلہ جاری رکھ سکیں۔ چنانچہ انہوں نے خالدؓ کو حکم دیا کہ وہ اپنے لشکر کو لے کر عراق چلے جائیں۔

خالدؓ کی روانگیٔ عراق :

حضرت ابوبکرؓ نے خالدؓ کو عراق روانہ ہونے سے پہلے ہدایت کی کہ وہ اُن لوگوں کو فوج میں شامل کریں جو مرتدین کے خلاف جنگ لڑ چکے تھے۔ اُن لوگوں کو مہم سے خارج رکھیں جو ارتداد کے مرتکب ہوئے ہیں۔ جو کوئی اپنے گھر لوٹنا چاہے اُس کو جانے دیا جائے۔ جب خالدؓ نے اپنی سپاہ کو مطلع کیا کہ خلیفہ کی طرف سے گھر لوٹنے کی اجازت ہے تو وہ اس اعلان کا نتیجہ دیکھ کر پریشان ہو گئے۔ صرف دو ہزار سپاہی رہ گئے اور باقی تمام مدینہ لوٹ آئے۔ جنگِ یمامہ میں ان کی تعداد ۱۳ ہزار تھی۔ خالدؓ نے خلیفہ کو مطلع کیا اور مزید کمک بھیجنے کی درخواست کی۔ جب حضرت ابوبکرؓ کو خالدؓ کا خط ملا تو وہ احباب و مشیروں میں بیٹھے تھے۔ انہوں نے اُسے بلند آواز سے پڑھا تاکہ سب حاضرین سن سکیں۔ اُس کے بعد انہوں نے ایک دلیر نوجوان کو جس کا نام قعقاع بن عمرو تھا بلا بھیجا۔ یہ نوجوان مسلح اور سفر کے لئے تیار آیا۔ ابوبکرؓ نے اسے خالدؓ کی فوج کے لئے کمک کے طور فوراً یمامہ روانہ ہونے کا حکم دیا۔ احباب نے حیران ہو کر اُن کی طرف دیکھا "وہ صرف ایک آدمی کی کمک بھیج رہے ہیں؟" انہوں نے خلیفہ سے پوچھا۔ حضرت ابوبکرؓ نے لمحہ بھر کے لئے قعقاع کی طرف دیکھا پھر کہا "جس فوج کی صفوں میں ایسا جوانمرد موجود ہو وہ کبھی ہار نہیں سکتی۔"

حضرت ابوبکرؓ نے خالدؓ کی قوت بڑھانے کے لئے مثنیٰ اور دیگر سرداروں کو خط لکھے کہ وہ اپنے اپنے جنگجو جمع کر کے عراق پر چڑھائی کے لئے ان کے ساتھ خالدؓ کے ماتحت کارروائی کریں۔ ابوبکرؓ نے اپنے سالاروں کو یہ ہدایت بھی دی تھی کہ عراق میں جنگ کے دوران عرب کاشتکاروں سے نیک سلوک کیا جائے نہ انہیں قتل کیا جائے اور نہ قیدی بنایا جائے۔ وہ آج کل ایرانیوں کے ظلم و جور کی چکی میں پس رہے ہیں اس لئے انہیں احساس دلایا جائے کہ اُن کی مظلومانہ زندگی کے دن اب ختم ہو گئے ہیں۔ حضرت ابوبکرؓ کی اس حکمتِ عملی کا مسلمانوں کو بڑا فائدہ ہوا۔

حضرت ابوبکرؓ نے خالدؓ کو ہدایت کی تھی کہ وہ عراق کی جنگ کا آغاز اُبلہ سے کریں۔ (نقشہ نمبر ۲ ملاحظہ ہو) دریں اثنا قبائل نے ۸ ہزار افراد لڑائی کے لیے یمامہ روانہ کر دئے۔ پس خالدؓ نے دس ہزار کا لشکر لے کر یمامہ سے کوچ کیا۔ مثنیٰ کی سرکردگی میں ۸ ہزار فوج عراق میں پہلے ہی موجود تھی۔ اس

طرح عراق میں لڑنے والی فوج کی تعداد ۱۸ ہزار ہو گئی۔

یہ ہدایات جاری کر کے حضرت ابوبکرؓ نے جنگ کے نقطۂ آغاز کا تعیین کر دیا تھا۔ ایک سربراہِ سلطنت کے جتنے فرائض ہوتے ہیں وہ آپ نے پورے کر دئیے تھے۔ اب یہ خالدؓ اور اُن کے ماتحت سپہ سالاروں کا کام تھا کہ وہ اِن احکام و ہدایات کو عملی جامہ پہنائیں۔

حضرت ابوبکرؓ کے احکام کا موازنہ کسی بھی دور کے اعلیٰ سطح پر جاری کردہ عسکری ہدایات سے کیا جا سکتا ہے۔ بین الاقوامی جنگوں کی تاریخ میں ایک سربراہِ سلطنت یا کمانڈرِ اعلیٰ کی طرف سے اپنے ماتحت سپہ سالاروں کو جامع، مختصر مگر واضح احکام کی یہ ایک روشن مثال ہے۔

عراق میں لڑی گئی جنگیں:

عراق میں مسلمانوں نے کئی چھوٹی بڑی جنگیں لڑیں۔ اِس مضمون میں ہر ایک جنگ کے حالات مفصل طور پر بیان کرنا ممکن نہیں۔ صرف اُن جنگوں کا تفصیلاً ذکر کروں گا جو دُور رس نتائج کی حامل تھیں۔ چند جنگی نقشے بھی پیشِ خدمت ہیں جن سے قارئین کو جنگی حالات سمجھنے میں آسانی ہوگی: بڑا نقشہ۔ نقشہ نمبر ۴

جنگ کاظمہ: (بعض مؤرخین نے اسے "جنگِ سلاسل" بھی کہا ہے)	اپریل ۶۳۳ء	محرم الحرام ۱۲ھ
جنگ دریا: (طبری نے اِسے جنگ مذار کا نام دیا ہے)	اپریل ۶۳۳ء	صفر المظفر ۱۲ھ
جنگ وَلجہ:	مئی ۶۳۳ء	صفر ۱۲ھ
جنگ اُلّیس:	مئی ۶۳۳ء	صفر ۱۲ھ
فتح حیرا:	مئی ۶۳۳ء	ربیع الاوّل ۱۲ھ
انبار اور عین التمر پر قبضہ	جولائی ۶۳۳ء	جمادی الاول ۱۲ھ
دومۃ الجندل کا دوسرا واقعہ	اگست ۶۳۳ء	جمادی الآخر ۱۲ھ
آخری محاذ = حصید۔ خنافس اور مُصیخ	نومبر ۶۳۳ء	رمضان ۱۲ھ
فراض پر قبضہ۔	جنوری ۶۳۴ء	ذیقعدہ ۱۲ھ

۱۔ جنگِ کاظمہ:

(کاظمہ کے قریب لڑی گئی) بعض مورخین نے اسے "جنگ سلاسل" بھی کہا ہے کیونکہ اس میں ایرانیوں نے اپنے آپ کو ایک دوسرے کے ساتھ زنجیروں میں جکڑ لیا تھا۔ یہ عراق کی پہلی جنگ ہے جو خلیج فارس اور کاظمہ کے سرحدی شہر کے قریب لڑی گئی۔ اس میں مسلمانوں کے مقابلے

پر ہرمز دست میسان کا فوجی حاکم تھا۔ وہ ایک تجربہ کار جنگجو اور شہنشاہِ فارس کا ایک قابلِ اعتماد افسر تھا۔ اسے اس صوبے کی حکومت سونپی گئی تھی جو سیاسی اور اقتصادی لحاظ سے انتہائی اہم تھا۔ یہ صوبہ سرحدی علاقہ میں تھا۔ قدرتی پیداوار اور تجارت کے لحاظ سے یہ علاقہ مالدار بھی تھا۔ اس کا مرکزی شہر اُبلہ سلطنتِ فارس کی سب سے بڑی بندرگاہ تھی۔ ابلہ میں بحرین۔ عرب اور مغربی اور وسطی عراق سے کئی بری راستے بھی آکر ملتے تھے۔ جس کی بدولت اسے ایک مستقل فوجی اہمیت حاصل تھی۔ اس اہم مرکز کی حفاظت ہرمز کے لئے اشد ضروری تھی۔

خالدؓ نے ہرمز کو یمامہ سے روانہ ہوتے ہی ایک خط لکھا:

"اسلام پر ایمان لاؤ اور سلامت رہو۔ یا جزیہ ادا کرنا قبول کرو، ورنہ انجام کے ذمہ دار تم ہی ہوگے۔ میں ایسے لوگوں کو لا رہا ہوں جنہیں موت اتنی ہی پیاری ہے جتنی تمہیں تمہاری زندگی!"

ہرمز نے خالدؓ کی دھمکی سے شہنشاہِ فارس اردشیر کو مطلع کر دیا۔ اس نے تہیہ کر لیا کہ عربوں کو ایسا سبق دے گا جسے وہ کبھی نہ بھول سکیں گے۔ یمامہ سے ابلہ جانے والا راستہ کاظمہ (جدید کویت میں ہے) سے گزرتا تھا اور ہرمز اس توقع پر وہاں پہنچ گیا کہ خالدؓ یہی راستہ اختیار کرے گا۔ وہاں پر صف آرا ہو کر خالدؓ کا انتظار کرنے لگا۔ اگلی صبح اُسے پتہ چلا کہ خالدؓ کاظمہ کی طرف نہیں حُفیر کی طرف بڑھ رہا ہے۔

خالدؓ نے یمامہ سے روانہ ہونے سے پہلے ہرمز کی فوج سے نپٹنے کے لئے ایک بنیادی تصور قائم کر لیا تھا۔ وہ فارسی فوج کے معیار۔ جرأت، مہارت اور اسلحہ سے بھی واقف تھے۔ وہ جانتے تھے کہ بھاری ہتھیاروں سے لیس فارسی سپاہی آمنے سامنے کے باقاعدہ معرکے میں لاجواب تھے مگر اُس کی اور اس کے لشکر کی واحد کمزوری یہ تھی کہ وہ نقل و حرکت میں چست نہ تھے۔ کوئی بھی طویل مسافت اُنہیں تھکا دیتی تھی۔ اس کے برعکس خالدؓ کی سپاہ کے لئے پھرتیلی حرکت آسان تھی۔ وہ اونٹوں پر سوار ہوتے اور اُن کے گھوڑے حملے کے لئے ہر وقت تازہ دم اور تیار رکھے جاتے۔ حال ہی میں وہ ارتداد کی جنگوں میں کہنہ مشق ہو چکے تھے۔ خالدؓ نے اپنی فوج کی پھرتی کو کام میں لانے کا فیصلہ کیا تاکہ فارسیوں کو کوچ پر کوچ کرنے پر ایسا مجبور کیا جائے کہ وہ تھک کر رہ جائیں۔ ایسے میں جب فارسی نڈھال ہو جائیں تو اُن پر حملہ کر دیا جائے۔

ہرمز کے لئے خالدؓ کی حفیر کی طرف روانگی بڑی بوکھلاہٹ کا باعث تھی۔ اُسے شدید خطرے کا احساس ہوا کیونکہ اُس کے فوجی اڈے کو خطرہ لاحق تھا۔ اُس نے فوراً حفیر کی جانب جو ۵۰ میل دور تھا کوچ کا حکم دیا۔ حفیر پہنچنے پر اُسے خالدؓ کا کوئی سراغ نہ ملا۔ اُس نے انتظار میں اپنی فوج کو مع زنجیر اور دیگر لوازمات کے صف آرا کیا۔ بمشکل اُس کی سپاہ نے جگہ سنبھالی تھی کہ اُس کے مخبروں نے یہ اطلاع دی کہ

خالدؓ اب کاظمہ کی جانب بڑھ رہا ہے۔ یہ خبر صحیح تھی۔ فارسیوں نے اپنا اسباب سنبھالا اور کاظمہ کی طرف چل دیئے۔ فارسی سخت تھک چکے تھے مگر ہرمز نے کاظمہ پہنچتے ہی فوراً اپنے لشکر کو ترتیب دی۔ وہ پھر زنجیروں سے باہم منسلک ہوئے۔ قارئین یہ خیال نہ کریں کہ زنجیروں کا استعمال اِس لئے کیا جاتا تھا تاکہ سپاہی بھاگ نہ سکیں بلکہ یہ اُن کی بہادری کا ایک مظاہرہ تھا کہ وہ بھاگنے پر موت کو ترجیح دیتے ہیں۔ علاوہ ازیں رسالے کے دھاووں میں بھی یہ طریقہ مفید تھا۔ پے در پے حملوں سے صفوں میں دراڑیں بھی نہیں پڑتی تھیں

اب خالدؓ صحرا سے نکلے اور فارسیوں کی جانب آئے۔ وہ چاہتے تھے کہ اس سے پہلے کہ فارسی اپنی تکان سے سنبھلیں، ان پر اُسی جگہ اور اُسی وقت حملہ کر دیا جائے۔ لیکن مسلم فوج کے پاس پانی نہیں تھا مگر خالدؓ نے حکم دیا "میرے ایمان کی قسم پانی اُسی فوج کو ملے گا جو زیادہ ثابت قدم اور زیادہ مستحق ہے۔" ابھی تھوڑا ہی عرصہ گزرا تھا کہ زور کی بارش ہوئی اور مسلمانوں نے سیر ہو کر پیا اور مشکیزے بھی دوبارہ بھر لئے۔

دونوں فوجیں صف آرا ہوئیں۔ اپریل ۶۳۳ء کے پہلے ہفتے (محرم ۱۲ھ کے تیسرے ہفتے) میں شروع ہوئی۔ ہرمز چاہتا تھا کہ کسی طرح خالدؓ کو ختم کر دیا جائے تاکہ مسلمانوں کو شکست دینا آسان ہو جائے۔ اِس لئے اُس نے اپنی صفوں سے باہر نکل کر دعوت مبازرت دی۔ اُسے خالدؓ کے مقابلے میں اپنی فتح کا یقین نہیں تھا اس لئے اس نے فریب دہی سے کام لیا اور اپنے چند دلیر سپاہی منتخب کر کے انہیں مقابلے کی جگہ سے قریب اگلی صف میں کھڑا کر دیا اور اُن کو ہدایت دی کہ وہ خالدؓ کے ساتھ نبرد آزما ہو کر مناسب وقت پر اُن کو آواز دے گا۔ اِس پر وہ آگے بڑھ کر دونوں کو گھیر لیں گے اور خالدؓ کا کام تمام کر دیں گے۔

چنانچہ ہرمز آگے آ کر گھوڑے سے اُتر گیا۔ خالدؓ بھی آگے آ چکے تھے، وہ بھی گھوڑے سے اُتر پڑے۔ سپہ سالاروں کا مقابلہ تلوار اور ڈھال سے شروع ہوا مگر کوئی فیصلہ نہ ہو سکا۔ پھر دونوں نے کشتی شروع کی۔ اب خالدؓ کے ہاتھ میں نہ تلوار تھی اور نہ ڈھال۔ ہرمز نے چلا کر اپنے آدمیوں کو آواز دی وہ جھپٹ کر آگے بڑھے۔ خالدؓ سمجھ گئے کہ وہ نرغے میں آ چکے ہیں۔ ہرمز کو خالدؓ نے بڑی قوت استعمال کر کے گردش کرتے ہوئے اُس کو اپنے گرد ایسی تیزی سے گھمانا شروع کر دیا کہ فارسیوں کو اُن پر وار کرنے کی کوئی عملی گنجائش نہ رہی۔ دونوں لشکروں کی نظریں اپنے سپہ سالاروں پر مرکوز تھیں اور شور کا ایک طوفان برپا تھا۔ یکایک انہوں نے کیا دیکھا کہ فارسی سپاہیوں کے دو تین سر تن سے جدا ہو کر نیچے گر پڑے ہیں۔ پھر کہیں دوسروں کو احساس ہوا کہ ہنگامے میں شریک ایک اور جنگجو کا اضافہ ہو گیا ہے۔ یہ قعقاع بن عمروؓ تھے۔ حضرت ابوبکرؓ کی بھیجی ہوئی یک نفس کمک۔ قعقاع نے جونہی

فارسی سپاہیوں کو آگے آتے ہوئے دیکھا تو وہ تاڑ گئے تھے کہ خالدؓ کو کیا خطرہ درپیش ہے۔ وہ گھوڑے کو بے تحاشا دوڑا کر آناً فاناً آ کر فارسیوں پر ٹوٹ پڑے اور سب کو ہلاک کر دیا۔ اب خالدؓ نے ایک لمحہ بعد ہرمز کو کیفرِ کردار کو پہنچا دیا اور عام حملے کا حکم دے دیا۔ بڑی دیر تک دونوں فوجوں نے مقابلہ جاری رکھا مگر جلد ہی فارسیوں کی تکان کے اثرات نمایاں ہونے لگے۔ مسلمان دشمن کی اگلی صفوں میں کئی مقامات پر شگاف ڈالنے میں کامیاب ہو گئے۔ ایرانی اپنے آپ کو شکست کھاتے پر دیکھ کر میدان چھوڑ کر بھاگے۔ مسلمانوں نے رات اندھیرے تک ان کا تعاقب کیا اور ہزاروں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔

مسلمانوں کو کثیر مالِ غنیمت ہاتھ آیا جسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقۂ کار اور فرمان کے مطابق بانٹ دیا گیا۔ اقتدارِ فارس کے خلاف پہلی جنگ ختم ہو گئی اور مسلمانوں کو اس میں زبردست فتح نصیب ہوئی۔

جنگِ دریا:

(طبری نے اسے جنگِ مذار کا نام دیا ہے مگر تحقیق۔ اس کا دم نہیں بھرتی) (نقشہ نمبر ۴ دیکھئے)

جب شہنشاہِ فارس کو مسلمانوں کی یمامہ سے پیش قدمی کی خبر ملی تو اس نے مدائن میں ایک تازہ لشکر منظم کیا اور اس کی قیادت قارن بن قریانس نامی ایک چوٹی کے سردار کے سپرد کی۔ شہنشاہ نے اسے ہرمز کی کمک کے لئے اُبلہ روانہ ہونے کا حکم دیا۔ قارن دریائے دجلہ کے بائیں کنارے کے ساتھ ساتھ سفر کرتے ہوئے مذار پہنچا اور دجلہ کو پار کر کے جنوب کی طرف بڑھا اور دریائے معقل کو پار کیا۔ یہاں پر اسے کاظمہ کے سانحے کی خبر ملی۔ کاظمہ سے جو فرار ہونے میں کامیاب ہو گئے تھے وہ فارسی سپاہ بھی بڑی تعداد میں اس سے آ کر مل گئی۔

مثنیٰ کے سبک رفتار دستے اُبلہ کی باقی ماندہ فوج کے تعاقب میں آ رہے تھے کہ انہوں نے قارن کے اس لشکر کو سامنے دیکھا۔ اس کی اطلاع خالدؓ کو روانہ کی اور خود ان کو اپنی طرف متوجہ کئے رکھا۔ خالدؓ نے خبر ملتے ہی یہ فیصلہ کیا کہ فارسیوں کے اس نئے لشکر کو جلد از جلد تباہ کیا جائے جبکہ اس کی سپاہ کے ذہن میں کاظمہ کا صدمہ ابھی تازہ ہو۔ چنانچہ خالدؓ نے مرکزی فوج کے ساتھ دریائے معقل کی طرف کوچ کیا اور ایک دستہ معقل بن مقرن کے سپرد کر کے انہیں مالِ غنیمت جمع کرنے اُبلہ بھیج دیا۔ خالدؓ اپریل ۶۳۳ء کے تیسرے ہفتے (صفر ۱۲ھ کے آغاز) میں مثنیٰ کے پاس پہنچ گئے۔

اب خالدؓ نے فارسی محاذ کا خود جائزہ لیا۔ چونکہ فارسی پشت دریا کی طرف تھی اس لئے ان

کے گرد گھوم کر حملہ کرنے کی کوئی گنجائش نہ تھی۔ صورتِ حال کے مطابق خالدؓ نے طے کیا کہ فارسی شہنشاہی انداز کی، آمنے سامنے کی جنگ لڑی جائے۔ اِس کے سوا اور کوئی چارہ بھی نہ تھا۔ قارِن کی جنگی تیاری کے مدِنظر خالدؓ نہ تو دریا پار کر کے عراق میں آگے بڑھ سکتے تھے نہ مغرب کی طرف حیرہ کی طرف پیش قدمی کر سکتے تھے۔

دونوں فوجیں صف آرا ہوئیں۔ قارِن نے اُڑے وقت کے لئے کشتیوں کا ایک بیڑا تیار کر کے کھڑا کر دیا۔ جنگ کا آغاز تین نبرد آزما معرکوں سے ہُوا۔ آگے بڑھ کر مبارز طلب کرنے والا سب سے پہلا شخص قارِن خود تھا۔ اِس سے پہلے کہ خالدؓ اُس کے پاس پہنچنے کے لئے اپنا گھوڑا بڑھاتے۔ ایک مسلمان سوار معقل بن الاعشی خالدؓ سے پہلے پہنچ کر قارن سے نبرد آزما ہُوا اور اُسے قتل کر دیا۔ اِس کے بعد دو فارسی سالاروں نے آگے بڑھ کر مبارزت دی۔ مسلمانوں کے بازوؤں کے سالاروں عاصمؓ اور عدیؓ نے للکار قبول کی اور اپنے اپنے حریفوں کو قتل کر دیا۔ اب خالدؓ نے عام حملے کا حکم دے دیا اور مسلمان فارسیوں کے بھاری لشکر پر ٹوٹ پڑے۔

اِس زمانے میں سپہ سالار کی ذاتی کارگزاری کا جنگ میں خاص طور پر اہم مقام تھا۔ نبرد آزمائی میں اُس کی نمایاں کامیابی سے اُس کے سپاہ کے حوصلے بڑھتے تھے۔ یہاں فارسی فوج اپنے تین سپہ سالار کھو چکی تھی۔ پھر بھی اُنہوں نے ڈٹ کر مقابلہ کیا لیکن جلد ہی لائق سپہ سالاروں کی قیادت کے بغیر اُن کی صفوں میں انتشار اور ابتری کے آثار نمودار ہونے لگے۔ بالآخر فارسی فوج میدان چھوڑ کر دریا کے کنارے کی طرف بھاگ کھڑی ہوئی۔ مسلمانوں نے پھرتی سے اُن کا تعاقب کیا اور ہزاروں کو موت کے گھاٹ اُتار دیا۔ مگر پھر بھی کشتیوں کے ذریعے کافی تعداد میں جان بچا کر نکل گئے۔ دریا کی وجہ سے مفرور سپاہیوں کا تعاقب نہ ہو سکا۔ طبری کے قول کے مطابق اِس جنگ میں ۳۰ ہزار فارسی مارے گئے اور بیشمار مالِ غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ لگا۔ جسے بلا تاخیر سپاہ میں بانٹ دیا گیا اور پانچواں حصہ مدینے بھیج دیا گیا۔

جنگِ وَلجہ:

دریائے معقل (طبری کے مطابق جنگِ مذار) کی شکست کی خبر سُن کر مدائن مشتعل ہو گیا۔ عرب کے ویرانوں سے نمودار ہونے والی نئی اور غیر متوقع قوت نے یہاں ایک دوسرے فارسی لشکر کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے۔ شہنشاہ اردشیر نے طے کیا کہ اب وہ شکست کا کوئی خطرہ مول نہ لے گا اُس نے دو اور لشکروں کو تیار ہونے کا حکم دیا۔ اُس نے یہ حکم اُسی دن دیا جس دن جنگ دریا لڑی جا رہی تھی۔ ممکن ہے قارئین کو تعجب ہو کہ مدائن میدانِ جنگ سے ۲۰۰ میل دُور تھا مگر فارسی

فوجی خبر رسانی کا ایک نادر نظام استعمال کرتے تھے۔ جنگ سے پہلے وہ ایسے سپاہیوں کی قطار میدان جنگ سے صدر مقام تک لگا دیتے تھے جو اپنی بلند آواز کے لیے چنے جاتے تھے۔ وہ ایک دوسرے سے ایسے فاصلے پر تعینات کئے جاتے تھے کہ ایک کی آواز دوسرے تک پہنچ جائے۔ اس کے لئے کئی سو آدمی استعمال ہوتے تھے۔ میدانِ جنگ میں رونما ہونے والے واقعات بلند آواز سے الف سے ب اور ب سے ج اور شہنشاہِ فارس تک چند ہی گھنٹوں میں پہنچ جاتے تھے۔

فارس میں جمع ہونے والے پہلے لشکر کی قیادت اندر زغر کے سپرد کر دی گئی اور اُسے ولجہ پہنچنے کا حکم دیا گیا نیز اسے کمک کا بھی وعدہ کیا گیا۔ وہ مدائن سے روانہ ہوا اور راستے میں اُس نے ہزاروں کو اپنے ساتھ شامل کر لیا۔ قارن کی فوج کے بچے کھچے سپاہی بھی اُس سے آکر مل گئے۔ ولجہ پہنچنے پر اُسکی سپاہ ایک بہت بڑے لشکرِ جرار کی صورت اختیار کر گئی جہاں وہ دوسری فوج جو بہمن کی سرکردگی میں پہنچنے والی تھی کا انتظار کرنے لگا۔ (نقشہ نمبر ۴)

بہمن فارس کی فوج کا ایک مشہور سپہ سالار تھا۔ اُسے بھی ولجہ پہنچ کر دونوں فوجوں کی عام قیادت سنبھال کر مسلم فوج کو ایک ہی معرکے میں ختم کرنے کا حکم ملا تھا۔ لیکن وہ مدائن سے پہلی فوج کے کئی دن بعد روانہ ہوا اور اُس کی کوچ کی رفتار سُست تھی۔

خالدؓ نے اب جاسوسوں کی کارگر تنظیم قائم کر لی تھی جو مقامی آبادی کے ساتھ بہتر سلوک کی بدولت معرضِ وجود میں آئی تھی۔ خالدؓ کو ان لوگوں کے ذریعے فارسیوں کی تمام نقل و حرکت کا پتہ چلتا رہتا تھا۔ اطلاعات کے مطابق خالدؓ اس نتیجے پر پہنچے کہ اگر دونوں فارسی افواج مل گئیں تو پھر اُن سے لڑ کر فتح حاصل کرنا تقریباً ناممکن ہو جائے گا۔ خالدؓ کو حیرا پہنچنا تھا مگر ولجہ اُس کے عین راستے میں تھا۔ خالدؓ کی دوسری پریشانی یہ تھی کہ اس سے پہلے دو دفعہ دشمن کی مفرور سپاہ ایک جنگ سے فرار ہو کر دوسری میں لڑنے کے لئے آ پہنچتے تھے۔ اب جو افواج اِن کے سامنے تھیں اِن کو شکست دینے کا معقول امکان اِسی صورت میں نکل سکتا تھا کہ وہ کسی بھی فارسی کو ایک معرکے سے بھاگ کر دوسرے میں شریک ہونے کا موقعہ نہ دیں۔

اس وقت خالدؓ کو دو مسائل کا سامنا تھا۔ پہلا حکمتِ حرب (STRATEGY) کا تھا۔ اِس کا حل خالدؓ نے یہ نکالا کہ اس سے پہلے کہ بہمن کی فوج ولجہ پہنچے اندرزغر کی فوج کا خاتمہ پہلے کر دیا جائے۔ مفرور سپاہیوں کو روکنے کے لئے جو طریقہ سوچا اُس کا ذکر آگے آئے گا۔

خالدؓ نے سوید بن مقرن کو مفتوحہ علاقوں کی دیکھ بھال پر چھوڑا اور خود باقی ماندہ لشکر کے کوئی ۱۵۰۰۰ سپاہی لے کر دلدل کے مغربی کنارے کے ساتھ ساتھ روانہ ہوئے اور اپنے لشکر کو ایرانیوں کے بالمقابل صف آرا کیا۔ اندرزغر کو یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ مسلمانوں کا جری رسالہ

کہاں ہے۔ اُسے صرف ۱۰۰۰۰ (دس ہزار) پا پیادہ مسلمان نظر آ رہے تھے۔ حقیقت میں خالدؓ نے لڑائی سے پہلے رات کے دوران تقریباً دو ہزار سواروں کے ایک تیز رفتار رسالے کو دو افسروں بُسر بن ابی رہم اور سعید بن مرّہ کے تحت فارسی پڑاؤ کے عقب میں ایک پہاڑی کے پیچھے چھپے رہنے کے لیئے اپنی فوج سے الگ کر دیا تھا۔ اس کی خبر اپنی فوج کو بھی نہیں دی تھی۔ اس رسالے کو ہدایات دی تھیں کہ وہ مقررہ اشارے پر دشمن پر عقب سے ٹوٹ پڑنے کے لئے ہر وقت پا بہ رکاب رہیں مگر اُس وقت تک اُن کی موجودگی کا کسی کو علم نہ ہو ـــــ

لڑائی شروع ہوئی اور دونوں فوجیں تلواروں کی جھنکار کے ساتھ باہم ٹکرائیں۔ مسلمان بے جگری سے لڑے مگر فارسیوں نے اُن کے تمام حملے روک دیئے اور اپنی جگہ پر جمے رہے۔

مسلمان مقابلتاً زیادہ تھک گئے تھے۔ خالدؓ خود اگلی صف میں لڑ رہے تھے جن کے عملی نمونے نے مسلمانوں کے حوصلے پست نہ ہونے دیئے۔ خصوصاً جنگ کے دوران ایک عظیم الجثہ ہزار مرد فارسی پہلوان (یہ نام نہیں لقب تھا جو شجاعت کے اعتراف کے طور دیا جاتا تھا) مبارز طلب ہُوا۔ خالدؓ نے اُس کی للکار کو قبول کیا اور باہمی مقابلے کے چند ہی لمحوں میں تلوار کی ایک ضرب سے دیو کو ڈھیر کر دیا۔ خالدؓ نے اُس کے عظیم سینے پر بیٹھ کر اپنے غلام کو آواز دی کہ وہ اُن کا کھانا لائے۔ پھر اس ہیبت ناک نشست پر بیٹھ کر سیر ہو کر کھانا کھایا۔ بہادری کا یہ کارنامہ دیکھ کر مسلمانوں کا حوصلہ اور اعتماد جس قدر بلند ہو گیا ہو گا قارئین اس کا اندازہ خود لگا سکتے ہیں۔

اس طرح پہلا دور ختم ہو گیا۔ دوسرے دَور کا آغاز فارسیوں کے جوابی حملے سے ہُوا۔ اندرزغر نے مسلمانوں کے چہروں سے تکان کے آثار تاڑ لئے تھے۔ اُس کا یہی فیصلہ بجا تھا۔ کچھ دیر تو مسلمانوں نے جم کر مزاحمت کی۔ لیکن بالآخر اُن کی طاقت جواب دینے لگی اور وہ پیچھے ہٹنے لگے۔ اب وہ خالدؓ کی طرف دیکھنے لگے کہ ان کی طرف سے کوئی ترکیبِ حرب کا اشارہ ملے۔ وہ خود شیر کی طرح لڑ رہے تھے اور دوسروں کو ابھار رہے تھے۔ فارسی دل میں خوش اور مطمئن تھے کہ اُن کی فتح رونما ہونے ہی والی ہے۔ تب خالدؓ نے ایک متعین اشارہ کیا جسے دیکھتے ہی، فارسی فوج کے عقب سے مسلم رسالہ سرپٹ گھوڑے دوڑاتا ہُوا آن پہنچا۔ گھوڑوں کے دھم دھماتے سموں کے نیچے میدانِ ولجہ کانپ اٹھا۔ فارسیوں کی خوشی دہشت میں بدل گئی۔ خالدؓ نے اپنی مرکزی فوج سے از سرِ نو حملہ شروع کر دیا اور اپنے میمنہ اور میسرہ کو ایسا پھیلایا کہ وہ دونوں طرف رسالے سے جا ملے۔ اب فارسی ایسے جال میں پھنس چکے تھے جس سے چھٹکارا مشکل تھا۔ ہر سمت سے پے در پے حملوں سے وہ پل بھر میں منتشر ہجوم ہو کر رہ گئے۔ بمشکل کچھ ہی جان بچا کر بھاگ سکے۔ غرضیکہ اندرزغر کی فوج کا وجود ہی مٹ گیا۔ عجیب بات ہے کہ اندرزغر خود کسی طرح جان بچا کر صحرا کی طرف بھاگا۔ "جہنم ولجہ" سے اُس کے لئے دور بھاگنا ہی بہتر تھا۔ آخر وہ بدقسمت انسان صحرا میں

بھٹک کر پیاس سے مرگیا۔

جنگِ اُلیس :

فارسیوں کے خلاف تیسری جنگ جیتی جاچکی تھی۔ خالدؓ حیرا کے قریب آگئے تھے جو اُن کا فوجی نصب العین تھا۔ خالدؓ کی انتہائی کوششوں کے باوجود ولجہ سے دشمن کے چند ہزار سپاہی بھاگ آئے تھے۔ اِن میں سے بیشتر قبیلہ بنوبکر کے عیسائی عرب تھے۔ میدانِ جنگ سے بھاگتے ہوتے اِنہوں نے دریائے خسیف عبور کیا۔ (یہ دریائے فرات کی ایک شاخ تھی) اور اُلیس کے مقام پر رُکے۔ ان کے ساتھ ملنے کے لیے اُلیس اور حیرا کے درمیانی علاقے میں آباد ہزاروں عیسائی اُلیس پہنچ گئے۔ عربوں نے شہنشاہ فارس سے اُن کی امداد کے لئے فوج روانہ کرنے کی استدعا کی۔ اردشیر نے بہمن کو جو ابھی تک فرات کے شمال میں رُکا ہُوا تھا احکام بھیجے کہ وہ اُلیس پہنچ کر عرب قبائل کو اپنی قیادت میں لے اور حیرا کی طرف خالد کی پیشقدمی روکے۔ بہمن خود اُلیس نہ گیا اور اپنے بعد سب سے تجربہ کار سپہ سالار جابان کو فوج سپرد کر کے خود مدائن چلا گیا۔ شہنشاہ اردشیر علیل تھا وہ وہیں رُک گیا جابان اُلیس پہنچا۔

خالدؓ نے اُلیس میں جمع فوج کے ساتھ نمٹنے کے لئے زیادہ دیر کرنا مناسب نہ سمجھا تاکہ عیسائی عربوں کو فارسیوں کی امداد پہنچنے سے پہلے شکست دی جائے۔ مگر جابان خالدؓ سے پہلے اُلیس پہنچ گیا۔ خالدؓ نے اُلیس پہنچتے ہی حملہ کر دیا۔ اُس وقت فارسیوں کے کھانے کا وقت تھا۔ وہ کھانا چھوڑ کر مقابلے کے لئے ڈٹ گئے۔ دو گھنٹے تک گھمسان کی لڑائی ہوتی رہی۔ مسلمان تھک چکے تھے اور عرب مدافعت میں کوئی کمزوری نظر نہیں آرہی تھی۔ اِس صورت میں خالدؓ نے بڑی عاجزی سے ہاتھ اُٹھا کر بارگاہِ خداوندی میں دعا مانگی "اے اللہ اگر تو نے ہمیں فتح دی تو میں ان میں سے کسی کو بھی زندہ نہیں چھوڑوں گا، جو بھی ہمارے ہاتھ لگے، ان کے سر اس طرح قلم کروں گا کہ ان کا دریا اِن کے خون سے سرخ ہو جائے!" آخر مسلمانوں کو سہ پہر کے آغاز میں فتح ہوئی۔ جب فارسی فوج بھاگی تو تعاقب کرنے والوں کو خالدؓ نے حکم دیا کہ "ان کو زندہ واپس لانا"۔ تین دن تک فرار ہونے والے فارسیوں کو دریا کے کنارے لا لا کر اُن کے سر اِس طرح سے قلم کئے گئے کہ اُن کا خون اور سر دریا میں بہنے لگے۔ خالدؓ اپنا وعدہ پورا کر رہے تھے۔

فتح حیرا :

مئی ۶۳۳ء کے وسط (ربیع الاول ۱۲ھ کے اوائل) میں خالدؓ نے اُلیس سے امغیشیا

ہوتے ہوئے حیرا کی طرف کوچ کیا۔ امغیشیا بالکل خالی تھا۔ اس کی عمارتوں اور بازاروں میں ہر قسم کی اشیا اور مال و دولت کی بہتات تھی۔ مسلمانوں نے وہاں کی ہر چیز کو مالِ غنیمت سمجھ کر سمیٹ لیا یہاں سے حاصل ہونے والے اموال کی مقدار ان تمام غنائم کے مجموعے کے برابر تھی جو پہلی چار جنگوں میں ہاتھ لگی۔ حسبِ دستور مالِ غنیمت بانٹا گیا اور اسلامی ریاست کا حصہ (خمس) مدینے بھیج دیا گیا۔ اب خلیفۂ اسلام عراق سے خوشخبری سننے کے عادی ہو چکے تھے۔ لوگوں کو جمع کر کے فرمایا "اے قریش تمہارے شیر نے ایک اور شیر پر حملہ کیا اور اس پر غالب آیا۔ عورتیں خالد جیسا بیٹا اب جننے سے عاجز ہیں۔"

اذادبہ حاکم حیرا کے لئے خالدؓ کا مقابلہ کرنا کٹھن کام تھا۔ خالدؓ نے حیرا کی طرف دریائے فرات میں کشتیوں کے ذریعے نقل و حمل کرنے کا فیصلہ کیا۔ بھاری سامان کشتیوں میں رکھوا دیا اور سپاہ اونٹوں اور گھوڑوں پر سوار ہو کر آگے بڑھی۔ اذادبہ نے اپنے بیٹے کو خالدؓ کو روکنے کے لیے مامور کیا تھا۔ مگر وہ مارا گیا۔ ادھر اردشیر کی وفات کی خبر بھی آگئی۔ اذادبہ نے خالدؓ کے خلاف حیرا کی مدافعت کا خیال ترک کر دیا اور فرات کو عبور کر کے مدائن پہنچ کر بہمن کو تمام روئداد سنائی۔

حیرا کھلا ہوا شہر تھا اور مسلمان اس پر قبضہ کر سکتے تھے مگر اس کے چار قلعے جن میں ہر ایک کے اندر قبائلی سرداروں کے زیرِ قیادت طاقتور فوجیں موجود تھیں بغیر لڑائی کے مسخر نہیں ہو سکتے تھے۔ شروع میں تو ان سرداروں نے صلح کی شرائط مسترد کر دیں اور لڑائی شروع کر دی مگر بعد میں صلح نامے پر دستخط کر دئے جس کی رو سے اہلِ حیرہ اسلامی سلطنت کو ۱۹۰۰۰۰ درہم سالانہ ادا کرنے کے پابند تھے۔ چار بڑی فوجوں کو تہس نہس کرنے کے بعد اب مسلمانوں کو مدائن کی طرف سے جوابی حملے کا کوئی خطرہ نہیں تھا۔ اب وہ وسطی عراق کی طرف زیادہ توجہ دے سکتے تھے۔ حیرا کو جنگی اڈا بنا کر رسالے کو فرات کے پار بھیجا۔ یہ کام اپنے سب سے تیز سپہ سالاروں ضرار بن الازورؓ، قعقاع اور مثنیٰ کے سپرد کیا۔ چنانچہ جون ۶۳۳ء (ربیع الآخر ۱۲ھ) تک دجلہ و فرات کا درمیانی علاقہ خالدؓ کے قبضے میں آگیا۔ اب ان کے سیاسی و فوجی اقتدار کو للکارنے والا کوئی نہ رہا تھا۔ فوجی تسخیر کے ساتھ ساتھ، خالدؓ نے مسخر علاقوں کا نظم و نسق بھی درست کیا اور دو خط مدائن بھی بھیجے جن میں سے ایک دربارِ فارس اور دوسرا وہاں کے عوام کے نام تھا۔ دربار کے نام مندرجہ ذیل خط تھا:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خالد بن الولیدؓ کی طرف سے شاہانِ فارس کے نام!

الحمد للہ کہ اللہ نے تمہارے نظام کو درہم برہم کر دیا اور تمہارے مقاصد کو باطل کر دیا اور اگر وہ ایسا نہ کرتا تو یہ تمہارے لئے اور بھی برا ہوتا۔ اگر تم مسلمانوں کی اطاعت قبول کر لو تو ہم

تمہیں اور تمہاری زمین کو چین سے رہنے دیں گے۔ ورنہ تم ایک ایسی قوم کے ہاتھوں مغلوب ہو گے جس کو موت اتنی ہی پیاری ہے جتنی تم کو زندگی۔

اِس خط کا مدائن سے کوئی جواب نہ آیا۔

انبار اَور عین التمر :

وسطی عراق کا وہ حصہ جو مدائن کے جنوب میں فرات اور دجلہ کے درمیان پھیلا ہوا تھا۔ اب مسلمانوں کے زیرِ نگیں تھا۔ چنانچہ اب خالدؓ شمالی حصّے کی جانب متوجہ ہوئے۔ یہاں انبار اور عین التمر ایسے مقام تھے جہاں مزاحمت کا احتمال تھا۔ (نقشہ نمبر ۴ دیکھئے) خالدؓ نے پہلے انبار پر قبضہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ حیرا میں طاقتور محافظ فوج اَور وسطی عراق میں متعدد دستے متعین کرنے کے بعد اپنی نصف فوج (تقریباً ۹۰۰۰ سپاہ) لے کر حیرا سے روانہ ہوئے اور انبار کا محاصرہ کر لیا۔ اِس شہر کے گرد صرف قلعے کی فصیل ہی نہیں، پانی سے لبریز ایک گہری خندق بھی تھی۔ یہ خندق فصیل کے اتنی قریب تھی کہ جو بھی اسے عبور کرنے کی کوشش کرتا فصیل سے تیر اندازوں کے بے خطا نشانوں کی زد میں آجاتا۔ اِس خندق پر سب پُل دشمن نے خود پہلے سے تباہ کر دئے تھے۔

اب خالدؓ کو دو مراحل درپیش تھے۔ خندق کو عبور کرنے کے لئے پُل اَور قلعہ کے اندر تیر اندازی کا موثر علاج۔ خالدؓ نے قلعہ کے دفاعی انتظامات کا جائزہ لیتے ہوئے محسوس کیا کہ وہ لوگ بے پروائی سے اِدھر اُدھر کھڑے مسلمانوں کو دیکھ رہے ہیں۔

خالدؓ نے ایک ہزار بہترین تیر انداز جمع کئے اور اُن کو اپنا منصوبہ سمجھایا۔ کمان ہاتھ میں تیار مگر بغیر تیر لگائے، بے مقصد انداز میں، خندق کے کنارے تک بڑھیں، پھر ان کے اشارے پر فوراً کمان میں تیر لگا کر اچانک تیروں کا مینہ برسانا شروع کر دیں۔ خالدؓ نے تیر اندازوں سے کہا "ان کی آنکھوں کو نشانہ بنانا۔ صرف آنکھوں کو!"

تیر اندازوں کے منتخب دستے نے قلعے کا رُخ کیا اور خندق کے پاس پہنچ کر اچانک یکے بعد دیگرے ایک ایک تیر فصیل پر کھڑے محافظین کی آنکھوں کو نشانہ بنا کر چھوڑا۔ دشمن تقریباً ایک ہزار آنکھوں سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ قصبے میں غل مچ گیا "انبار کے لوگوں کی آنکھیں پھوٹ گئیں"۔ اِس کارروائی کے باعث انبار کو ذات العیون (آنکھوں والی جنگ) بھی کہتے ہیں۔

شیر زاد حاکم انبار نے غیر مشروط طور پر ہتھیار ڈالنے سے پس و پیش کی اور خالدؓ نے بیمار اور بوڑھے اونٹوں کو ذبح کر کے خندق میں پھینکوا کر پل تیار کر کے قلعہ پر یلغار کر دی۔ گوشت اور ہڈیوں کا پُل اِس لئے بنانا پڑا کہ وہاں پر نہ تو کشتیاں تھیں اور نہ کوئی اور سامان جس سے خندق

پار کی جاتی ۔عرب تیرنا تو جانتے ہی نہ تھے ۔ کچھ دیر شدید لڑائی جاری رہی اور ایرانی حاکم جان بخشی کے عوض تمام ملکیت پیچھے چھوڑ کر فارسی سپاہ اور اپنے اہل و عیال کے ساتھ مدائن روانہ ہو گئے ۔

عین التمر ایک قصبہ تھا جس کے چاروں طرف کھجوروں کے جھنڈ تھے ۔ یہاں کی دفاعی حیثیت انبار سے زیادہ مضبوط تھی ۔ یہاں کا فارسی امیر مہران بن بہرام چوبین تھا ۔ فارسی فوج کی تعداد بھی کافی تھی اور عرب امدادی سپاہ کا تعلق نمر کے غیور اور تند خو قبیلے سے تھا جن کا قائد ایک نامی سردار عقہ بن ابی عقہ تھا ۔ فارسیوں نے عربوں کو خالدؓ کی پیش قدمی روکنے کے لئے ۔ امیل شہر سے باہر بھیجا ۔ وہاں پر سخت لڑائی کے بعد عقہ کو خالدؓ نے گرفتار کر لیا اور عربی قبائل نے ہتھیار ڈال دئے ۔ ادھر شہر میں فارسی اپنے جاسوسوں کے ذریعے تمام حالات سے باخبر تھے اور عربوں کی شکست کے بعد مہران بغیر ایک پل ضائع کئے اپنی فوج کو عین التمر سے نکال کر مدائن بھاگ گیا ۔

جو عرب بھاگ کر قلعہ کی طرف آئے فارسیوں کو غائب پایا تو انہوں نے قلعے میں داخل ہو کر دروازے بند کر دئے ۔ مسلمانوں نے عین التمر پہنچ کر قلعے کا محاصرہ کر لیا ۔ عقہ اور دوسرے قیدیوں کی قلعے کے باہر نمائش کی ۔ آخر انہوں نے غیر مشروط طور پر ہتھیار ڈال دئے ۔ خالدؓ نے عقہ اور ان افراد کے جنہوں نے مسلمانوں کے خلاف جنگ کی تھی سر قلم کروا دئے ۔ باقیوں کو قید کر لیا ۔ عین التمر میں پادری بننے کی ایک تربیت گاہ تھی جہاں سے تربیت پانے والے ۴۰ لڑکے گرفتار ہوئے ۔ ان میں نصیر نامی وہ لڑکا تھا جس کے ہاں بعد میں موسیٰ نامی ایک لڑکا ہوا ۔ وہی موسیٰ بن نصیر جس نے آئندہ چل کر شمالی افریقہ میں شہرت پائی ۔

دومۃ الجندل :

لگ بھگ اس وقت جب خالدؓ عراق پر چڑھائی کو یمامہ سے روانہ ہوئے تھے حضرت ابوبکرؓ نے عیاض بن غنم کو دومۃ الجندل پر قبضہ کرنے اور شمالی قبائل کو ایک بار پھر دائرہ اطاعت میں لانے کے لئے بھیجا تھا ۔ خلیفہ کا ارادہ غالباً یہ تھا کہ یہ کام پورا کر کے عیاضؓ کو خالدؓ کی مدد کے لئے عراق بھیجیں ۔ مگر عیاض جب دومۃ الجندل پہنچے تو فوجی نقطہ نگاہ سے انہوں نے اپنے آپ کو محصور تصور کیا اور محافظین قلعہ پر تیر اندازی کے سوا اور کچھ جنگی اقدام نہ کر سکے ۔ حتیٰ کہ اسی حال میں کئی ماہ گزر گئے اور کوئی فیصلہ کن جنگ نہ ہو سکی ۔ طرفین تھک کر تعطل کا شکار ہو گئے ۔

آخر عیاضؓ نے خالدؓ کو ایک خط میں حالات سے آگاہ کیا اور مدد مانگی ۔ خالدؓ عین التمر سے حیرا کی جانب کوچ کرنے ہی والے تھے کہ عیاضؓ کا خط ملا ۔ انہوں نے دومۃ الجندل جانے کا فوری فیصلہ کیا اور قعقاع کو ایک خط دے کر حیرا بھیجا جس میں ان کو اپنی غیر حاضری میں قیادت کے قائم مقام

فرائض انجام دینے کی ہدایات دیں۔ عین التمر میں ایک محافظ دستہ چھوڑ کر کوئی ۰۰۰ ۶ سپاہی لے کر دومۃ الجندل روانہ ہو گئے۔ (بڑا نقشہ دیکھئے)

دومۃ الجندل کے مدافعین کو جب خالدؓ کی آمد کی خبر پہنچی تو اُن کے چھکے چھوٹ گئے۔ چنانچہ اُنھوں نے بڑی عجلت میں ہمسایہ عرب قبائل کو اپنی مدد کے لئے جمع کیا۔ عیسائی عرب افواج کی قیادت دو بڑے سرداروں کے ہاتھ میں تھی۔ ایک جودی بن ربیعہ اور دوسرا اکیدر۔ اکیدر کو خالدؓ سے لڑائی کا ذاتی تجربہ تھا۔ (اکیدر نے اُس وقت حلفِ وفاداری اُٹھایا تھا جب حضور نے تبوک سے خالدؓ کو دومۃ الجندل بھیجا تھا اور اکیدر وہاں قید کر لیا گیا تھا)۔ اُس نے قبائلی سرداروں کو خالدؓ سے لڑائی کرنے سے باز رہنے کا مشورہ دیا۔ اُس نے سرداروں کو بتایا کہ خالدؓ کے مقابلے میں کوئی فوج نہیں ٹھیر سکتی لیکن سب نے اُس کے مشورے کو ٹھکرا دیا۔ چنانچہ وہ رات کو چپکے سے قلعے سے نکل کر اردن کی طرف چلنے لگا تو عین اُس وقت خالدؓ کی فوج پہنچ گئی اور وہ گرفتار ہو گیا۔ اُسے حلفِ وفاداری (جو وہ پہلے موقعہ پر کر چکا تھا) کے توڑنے کی پاداش میں قتل کر دیا گیا۔

اب ساری عرب فوج جُودی بن ربیعہ کے تحت آ گئی۔ خالدؓ دشمن کی کثیر تعداد کے باعث یہ چاہتے تھے کہ وہ قلعہ سے باہر نکل کر ان سے لڑیں اس لئے اُنھوں نے اپنی فوج کو قلعہ سے ہٹا کر کھڑا کیا۔ جُودی نے جب دیکھا کہ مسلمانوں کی طرف سے قلعہ پر حملہ کرنے کے لئے کوئی حرکت نہیں ہو رہی تو اُس کی ہمت بڑھ گئی اور وہ قلعہ سے نکل کر سیدھا خالدؓ کی فوج پر حملہ کرنے کے لئے بڑھا۔ اتنے میں خالدؓ نے انتہائی شدت اور تیزی سے جُودی پر اچانک حملہ کر دیا۔ حملہ آور ہکا بکا رہ گئے چند ہی لمحوں میں اُن کا شیرازہ بکھر گیا اور بھاگ کر واپس قلعہ میں محصور ہو گئے۔ قیدیوں کی جن میں جودی بھی شامل تھا قلعہ کے باہر نمائش کرائی گئی مگر محصورین نے ہار نہ مانی۔ دومۃ الجندل کا محاصرہ کئی روز تک رہا اور آخر کار قلعہ پر مسلمانوں نے قبضہ کر کے بیشتر افراد کو تہ تیغ کر دیا۔ عورتوں اور بچوں کو قیدی بنا لیا۔

دومۃ الجندل کی اہمیت :

سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر کیا بات تھی کہ مسلمانوں نے دومۃ الجندل پر اتنی توجہ مبذول کی۔ حضورؐ کے زمانے میں بھی اس پر دو بار چڑھائی ہوئی۔ اب مسلمان سال بھر تک اس کے محاصرے میں رہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ دومۃ الجندل کا محلِ وقوع ایسا ہے جہاں سے ایک راستہ حیرا اور عراق کو جاتا ہے اور دوسرا شام کو۔ سرحدوں پر امن قائم رکھنے کے لئے اس پر قبضہ ضروری تھا تاکہ رومی فوجیں سرزمین عرب میں نہ گھس آئیں۔ حضرت ابوبکرؓ کے زمانے میں مسلمان ایک طرف ایرانیوں سے

نبرد آزما تھے اور دوسری طرف رومیوں سے برسرِ پیکار تھے۔ اس لئے اس اہم مقام پر قبضہ رکھنا اشد ضروری تھا۔ اگر دومۃ الجندل مسلمانوں کے قبضے میں نہ آتا تو نہ صرف عراق کی فتوحات غیر محفوظ رہتیں بلکہ شام کی فتح بھی ناممکن ہو جاتی۔

حُصید، خنافس اور مُضَیّح :

(مخالفت کا آخری محاذ) (نقشہ نمبر ۵ دیکھئے)

خالدؓ کو عین التمر گئے ہوئے زیادہ دن نہ گزرے تھے کہ ان کی روانگی کی خبر دربارِ فارس پہنچ گئی۔ وہاں یہ سمجھ لیا گیا کہ خالدؓ اپنی فوج کا بیشتر حصہ لے کر واپس عرب چلے گئے ہیں۔ مدائن نے اطمینان کا سانس لیا۔ خالدؓ کی مسلسل غیر حاضری نے ایرانیوں کو اس پر اکسایا کہ اب مسلمانوں کو واپس صحرا میں دھکیلنے کا سنہری موقعہ ہے۔ بہمن نے تیاری شروع کر دی اور ایک فوج منظم کر لی مگر اس نئی فوج کو لڑائی میں جھونکنے سے پہلے وہ یہ چاہتا تھا کہ عیسائی عربوں کو بھی ساتھ ملایا جائے۔ اس کی دعوت پر وہ فوراً تیار ہو گئے۔ عین التمر کی شکست کے علاوہ وہ اپنے سردار عقہ کے قتل کا انتقام لینے کو بیقرار تھے۔ بہمن نے فارسی سپاہ کو تقسیم کر کے دو فوجیں مرتب کیں۔ ایک فوج روزبہ کی زیرِ قیادت حُصید اور دوسری زرمہر کے تحت خنافس آ گئی۔ ان فوجوں کو اس وقت تک انتظار کا حکم ملا جب تک عیسائی عرب جنگ کے لئے تیار نہ ہو جائیں۔ بہمن کا ارادہ تھا کہ آخر کار تمام فوجوں کو یکجا کر کے یا تو مسلمانوں کا انتظار کیا جائے یا جنوب کی طرف کوچ کر کے حیرا کے مقام پر جنگ کی جائے۔ عیسائی عرب دو گروہ منظم کر رہے تھے۔ ایک عمران نامی سردار کے تحت مُضَیّح میں جمع ہو رہا تھا اور دوسرا ربیعہ بن بُجَیر، کے تحت مُثنیٰ اور ذُمیل کے قصبوں میں۔ ارادہ یہ تھا کہ تیار ہو کر فارسیوں سے آ ملیں۔

ان تیاریوں کے دوران قعقاعؓ نے خالدؓ کی غیر موجودگی میں اپنی کارروائی یوں شروع کی۔ جو دستے فرات کے پار بھیجے گئے انہیں حیرا میں جمع کر لیا۔ دو دستے ایک حصید اور دوسرا خنافس کی طرف روانہ کیا تاکہ وہ ان مقامات پر فارسیوں پر نظر رکھیں اور قعقاع کو ان کی نقل و حرکت سے باخبر رکھیں قعقاع نے باقی ماندہ فوج کو میدان میں اترنے کے لئے تیار رکھا۔

یہ حالات تھے جب خالدؓ ستمبر ۶۳۳ء (رجب ۱۲ھ) حیرا پہنچے۔ اب اس کے لئے حکمتِ حرب کے دو تقاضوں کو پورا کرنا ضروری تھا۔ اوّل، دشمن کی تمام افواج کو یکجا ہونے سے روکنا اور دوم، ایک محاذ پر حیرا کی دشمنوں سے حفاظت جبکہ دوسرے محاذ پر مسلمان دشمن سے برسرِ پیکار ہوں۔ خالدؓ نے جو فیصلہ کیا وہ ان کا مخصوص انداز بن چکا تھا یعنی حملے میں پہل کر کے (INITIATIVE)

الگ الگ اپنی جگہ پر شاہی فوجوں کا خاتمہ ۔ چنانچہ حیرا کی مسلمان فوج کو دو جیوش میں تقسیم کیا ۔ ایک کا سالار قعقاع اور دوسرے کا ابولیلیٰ اور ان دونوں کو عین التمر بھیجا ۔ خود دومۃ الجندل میں لڑنے والی سپاہ کے آرام کر چکنے کے بعد ان سے ملنے والے تھے ۔ چند دنوں میں وہ خود بھی ان سے جا ملے اور عیاض بن غنم کو مختصر محافظ دستے کے ساتھ حیرا کی نگہبانی پر مامور کیا ۔

اب کل فوج کو تین جیوش میں تقسیم کیا ۔ ہر ایک میں پانچ پانچ ہزار سپاہی تھے ۔ قعقاع کو حصید اور ابولیلیٰ کو خنافس روانہ کیا تاکہ دونوں جگہ پر بیک وقت اور بسرعت جنگ کی جائے ۔ تیسرا جیش بوقتِ ضرورت انسداد کے لئے اپنے ہاتھ میں رکھا ۔ چونکہ خنافس کا فاصلہ دور تھا اس لئے ابولیلیٰ قعقاع کے لشکر کے بعد ہی پہنچ سکتے تھے ۔ دونوں لشکر الگ الگ راستوں پر گامزن ہوئے ۔ جب قعقاع حصید پہنچے تو وہاں کے سپہ سالار نے خنافس کے سپہ سالار زرمہر کو مدد کی درخواست کی اگرچہ وہ فوج کو بغیر بہمن کے حکم کے نہیں ہٹا سکتا مگر خود حصید آیا اور عین اس وقت پہنچا جب وہاں لڑائی شروع ہو گئی ۔ قعقاع نے زبردست حملہ کیا ۔ روزبہ قعقاع کے ہاتھوں مارا گیا ۔ زرمہر کی دعوتِ مبارزت قبول کرتے ہوئے ایک مسلمان افسر نے اسے قتل کر دیا ۔ فارسی فوج بھاگی اور خنافس میں جاکر دوسری فوج سے مل گئی جس کی قیادت اب مہبوذان نامی سپہ سالار کے ہاتھ میں تھی ۔

اب ابولیلیٰ بھی خنافس پہنچنے والے تھے ۔ ان کی آمد کا سنتے ہی مہبوذان نے جنگ سے بچنے کا فیصلہ کیا اور خنافس سے فوراً روانہ ہو کر مضیح آیا اور وہاں عمران کی قیادت میں جمع ہونے والی عرب فوج کے ساتھ مل گیا ۔ چنانچہ ابولیلیٰ جب خنافس پہنچے تو فارسی جا چکے تھے ۔ انہوں نے خنافس پر قبضہ کر لیا اور خالدؓ کو حالات کی خبر بھجوا دی ۔

فارسی فوج کی اس حرکت نے مدائن کو غیر محفوظ اور حملے کے لئے کھلا چھوڑ دیا ۔ اب شہنشاہی فوج کا سب سے بڑا اجتماع مضیح میں تھا ۔ ثنی اور ذمیل میں عربوں کے اجتماع اب حیرا کے لئے تشویشناک نہ تھے ۔ اب خالدؓ کو تین ہدفوں میں سے ایک کو منتخب کرنا تھا ۔ دارالسلطنت یا مضیح کی شہنشاہی فوج یا ثنی اور ذمیل میں جمع عرب سپاہ ۔ انہوں نے مدائن پر حملے کا جائزہ لیا ، لیکن اسے دو وجوہ کی بنا پر مسترد کر دیا ۔ پہلی وجہ بقول طبری ، یہ تھی کہ انہیں خلیفہ کی ناراضگی کا اندیشہ تھا معلوم ہوتا ہے خلیفہ یہ نہیں چاہتے تھے ۔ دوسری وجہ خالصتاً فوجی اہمیت کی تھی کیونکہ مدائن تک بڑھ جانے سے خالدؓ کے پہلو اور عقب کو طاقتور افواج کی طرف سے خطرہ تھا ۔ جب وہ مدائن سے لڑ رہے ہوں تو یہ افواج یا تو ان کے پیچھے سے حملہ آور ہو سکتی تھیں یا پیش قدمی کر کے حیرا میں ان کے اہم جنگی اڈے پر قابض ہو کر صحرائے عرب سے ان کے مواصلات کو منقطع کر سکتی تھیں ۔ باقی دو امکانات میں سے خالدؓ نے مضیح کو اپنا ہدف منتخب کیا ۔ دوسرا ہدف نسبتاً چھوٹا تھا جس سے بعد میں

نمٹا جا سکتا تھا۔

مُضیّح سے نمٹنے کے لئے خالدؓ نے ایک ایسی جنگی چال مرتب کی جس پر تاریخ میں شاذ ہی اور کسی نے عمل کیا ہو۔ اور جس کے دوران نظم و ضبط برقرار رکھنا بے حد مشکل ہے "تین سمتوں سے بیک وقت رات کے اندھیرے میں حملہ"۔ تینوں اسلامی جیش کو جو حُصید، خنافس اور عین التمر میں تھے اپنے اپنے مقامات سے نکل کر خالدؓ کے متعین کردہ الگ الگ راستوں پر کوچ کر کے، ایک معینہ وقت پر ایک مقررہ رات میں مُضیّح سے چند میل دُور واقع ایک مقام پر باہم ملنا تھا۔ یہ مرحلہ ہدایات کے مطابق انجام دیا گیا اور تینوں جیوش مقررہ مقام پر جمع ہو گئے۔ یہاں خالدؓ نے حملے کے احکامات جاری کئے۔ اُنہوں نے وقت کا اور تین سمتوں کا تعین کیا جن سے تینوں جیوش کو بے خبر دشمن پر حملہ کرنا تھا۔ وہ اپنی فوج کو نپے تلے انضباط کی ایک بڑی کٹھن آزمائش میں ڈال رہے تھے۔ صرف ایک نہایت کارگر جنگی مشین ہی رات کے اندھیرے میں ایک ایسی چال کو انجام پر پہنچا سکتی تھی جس کی کامیابی وقت کی بڑی نازک پابندی پر مبنی تھی۔

چنانچہ اس جنگی چال کو کامیابی سے پروان چڑھایا گیا۔ فارسی اور عرب سکون کی نیند سو رہے تھے کیونکہ اسلامی جیوش آخری اطلاعات کے مطابق خاصے دُور خیمہ زن تھے اور بظاہر اچانک حملے کا کوئی خطرہ نہیں تھا۔ دشمن کو صرف اُس وقت پتہ چلا جب مسلمان جنگجوؤں کے تین گرجتے ہوئے ہجوم اُن کے پڑاؤ پر ٹوٹ پڑے۔

رات کی افراتفری اور بدحواسی میں قدم جمانا ناممکن تھا۔ فارسی سپاہ پر دہشت طاری ہو گئی۔ ہزاروں مارے گئے۔ مسلمانوں نے حملہ تو اِس ارادے سے کیا تھا کہ اِس فوج کا مکمل خاتمہ کر دیا جائے جیسا کہ دلجہ میں اندرزغر کی فوج کا کیا تھا۔ لیکن اندھیرے کی وجہ سے عربوں کی بڑی تعداد بھاگ نکلنے میں کامیاب ہو گئی۔ فارسی سپہ سالار مہبوذ کے انجام کا تو پتہ نہیں لیکن عمران اپنی جان بچا کر عرب فوج سے دُمیل میں جا ملا۔

مُضیّح سے خالدؓ نے ثنّی میں اِسی چال کو دہرایا۔ اِس مرتبہ نسبتاً کم عرب زندہ بچے۔ عورتوں بچوں اور کئی جوانوں کو تہ تیغ کرنے کے بجائے قیدی بنا لیا گیا۔ عرب سپہ سالار ربیعہ بن بجیر مارا گیا اور اُس کی خوبصورت بیٹی گرفتار کر لی گئی۔ لیکن اِسے خالدؓ نے اپنے لئے نہیں رکھا۔ اِسے مدینے بھیج دیا گیا۔ اور وہاں حضرت علیؓ نے اِس سے شادی کر لی۔

خالدؓ اب اپنی جنگی چالوں کو بڑی سہولت سے انجام دے رہے تھے۔ اُنھوں نے ثنّی کے حملے کے دو دن بعد دُمیل کا بھی یہی حشر کیا اور وہاں بھی عربوں کا صفایا کر دیا۔

آرام کرنا خالدؓ کی افتادِ طبع کے خلاف تھا: خالدؓ اب اطمینان سے بیٹھ کر اپنی فتوحات

کی خوشیاں منا سکتے تھے۔ انہوں نے مہینہ بھر سے کم عرصے میں بھاری شہنشاہی افواج کو چار علیحدہ معرکوں میں، جن کی کارروائی کوئی سو میل لمبے علاقے میں انجام پائی، تہس نہس کر دیا تھا۔ لیکن وہ اس پر قانع نہ رہے۔ ہر آن تازہ بتازہ عظمت کی آرزو اور دور کے اُفق تک جانے کی کاوش کرنا اُن کی فطرت میں شامل تھا۔ چونکہ فارسیوں کا دارالسلطنت تو اور فوجیں بھیج کر اُن کی جنگ کی پیاس بجھانے کی سکت نہ رکھتا تھا۔ اس لئے خالدؓ کو یہ معلوم کرکے خوشی ہوئی کہ قلعے کی ایک طاقتور فوج فرات کے کنارے فراض کے مقام پر موجود ہے۔ یہ مقام فارس اور مشرقی روما کی سلطنتوں کے درمیان سرحد کی نشاندہی کرتا ہے۔ مدائن کے مغرب میں فارسیوں کی یہی ایک قلعے کی فوج رہ گئی تھی۔ اُن کو خلیفہ کی ہدایت تھی کہ "فارسیوں سے جنگ کرو"۔ پس خالدؓ نے اس فوج کا بھی خاتمہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ وہ کوچ کرکے دسمبر ۶۳۳ء (رمضان ۱۲ھ) میں فراض پہنچے (بڑا نقشہ اور نمبر ۲ دیکھئے)

فراض!

یہ عراق اور شام کی سرحد پر انتہائی شمال میں واقع تھا۔ اگر عیاض بن غنم ابتدا ہی میں دومۃ الجندل فتح کر لیتے تو غالباً خالدؓ یہاں تک نہ پہنچتے کیونکہ حضرت ابوبکرؓ کا منشا سارے عراق اور شام کو فتح کرنے کا نہ تھا۔ وہ صرف یہ چاہتے تھے کہ ان دونوں ملکوں کی سرحدوں پر جو عرب سے ملتی ہیں امن و امان قائم ہو جائے اور ان اطراف سے ایرانی اور رومی عرب پر حملہ آور نہ ہو سکیں۔ لیکن اللہ کو یہی منظور تھا کہ دونوں مملکتیں کاملاً مسلمانوں کے قبضے میں آجائیں اس لئے اُس نے ایسے اسباب پیدا کر دئے کہ خالدؓ عراقی قبائل کو مطیع کرنے کی غرض سے انتہائی شمال تک چلے گئے۔ اسطرح مسلمانوں کے لئے شمالی جانب سے شام پر حملہ کرنے کا راستہ کھل گیا۔ یہ ایک ایسا معجزہ تھا جس کا خیال ابوبکرؓ کو بھی نہ آسکا۔

فراض میں کامل ایک مہینہ تک خالدؓ کو قیام کرنا پڑا۔ وہ یہاں پر چاروں طرف سے گھرے ہوئے تھے۔ یہاں پر مسلمانوں کو رومیوں۔ ایرانیوں اور عربی النسل قبائل کے ایک لشکر جرار کا سامنا تھا۔ دریائے فرات پر پہنچ کر دشمن نے مسلمانوں کو کہلا بھیجا کہ "تم دریا عبور کرکے ہماری طرف آ گئے یا ہم دریا عبور کرکے تمہاری طرف آجائیں"۔ خالدؓ نے کہا "تم ہماری طرف آجاؤ"۔ جب دشمن دریا پار کرکے اُترنا شروع ہوا تو خالدؓ نے اپنے لشکر کی تنظیم اچھی طرح کر لی۔ لڑائی شروع ہوئی تو مسلمانوں نے تمام لشکر کو گھیر لیا اور انہیں ایک جگہ جمع کرکے حملے شروع کر دئے جن کی وہ تاب نہ لا سکے اور میدان جنگ سے فرار ہو گئے۔ مسلمانوں نے اُن کا تعاقب کیا اور دور دور تک اُنہیں قتل کرتے چلے گئے۔ مؤرخین اس امر پر متفق ہیں کہ اس معرکے میں دشمن کے ایک لاکھ

آدمی کام آئے۔

فتح کے بعد خالدؓ نے فراض میں دس روز قیام کیا اور ۲۵ ذی العقدہ سنہ ۱۲ھ کو اپنی فوج کو واپس حیرا کی جانب کوچ کرنے کا حکم دیا۔ مگر خود چند گہرے دوستوں کے ہمراہ بغیر کسی کو کانوں و کان خبر ہوتے کے حج کے لئے مکہ معظمہ روانہ ہو گئے۔

عراق کی فتح پر ایک نظر:

عراق پر چڑھائی بہت بڑی کامیابی کی علامت تھی۔ وہاں مسلمانوں نے فارسی افواج کو جو اُن سے تعداد اور سامانِ حرب میں کہیں زیادہ طاقتور تھیں۔ پے در پے تباہ کن شکستیں دیں۔ یاد رہے کہ فارسی لشکر اپنے وقت کا سب سے مہلک جنگی آلہ تھا۔ عہدِ صدیقی کا یہ ایک ایسا عظیم الشان کارنامہ ہے جس کی مثال تاریخ پیش کرنے سے قاصر ہے۔ اس میں شک نہیں کہ عسکری میدان میں تمام تر کامیابی خالد بن ولید اور اُن کے رفقا سپہ سالاروں کی مرہونِ منت ہے مگر اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ان فتوحات اور کامیابیوں کو حضرت ابوبکرؓ جیسی عظیم شخصیت کی سرپرستی حاصل تھی۔ تاریخ گواہ ہے کہ کسی فوج کا کوئی بڑے سے بڑا باصلاحیت سپہ سالار ایسے تیقن، یکسوئی، وفاداری اور خلوص کا مظاہرہ نہیں کر سکتا جب تک اُسے سربراہ مملکت کی ذاتی خوبیوں اور اعلےٰ کردار نے متاثر نہ کیا ہو۔ منکرین و ارتداد کی جنگوں سے لے کر فتحِ عراق کے تمام مراحل کے دوران جس ذاتی نمونے۔ حسنِ انتظام اور استقلال کا مظاہرہ حضرت ابوبکرؓ نے پیش کیا اُس نے امتِ مسلمہ کے دلوں کو بڑی سے بڑی قربانی کے لئے گرمائے رکھا جہاں اُن کے تمام احکامات اور ہدایات جامعیت و فہم و فراست سے لبریز تھے وہاں اُن کا ذاتی کردار اُن سے کہیں زیادہ ممتاز تھا۔ کوئی رہنما استقلال و اولوالعزمی کا اس سے بڑھ کر کیا ثبوت پیش کر سکتا ہے کہ ابتدا سے انتہا تک کوئی ایسا موقع نظر نہیں آتا جہاں انہوں نے اپنے جاری کردہ احکام و ضوابط کو ذاتی وقار یا کسی شخصی دباؤ کے سامنے جھک کر تبدیل کیا ہو۔ یہی نہیں بلکہ باصلاحیت ماتحتوں کی کارگزاری کے اعلےٰ معیار کو قائم رکھنے کے لئے اور ایثار و قربانی کے جذبے کو فزوں تر کرنے کے لئے جس حسنِ ظن اور اعتماد کا نمونہ حضرت ابوبکرؓ نے پیش کیا ہے اُس کی مثال ڈھونڈے سے نہیں ملتی۔ کیا کوئی ماتحت ایسے رہنما کے احکام کو عملی جامہ پہنانے میں کوئی کسر اُٹھا رکھے گا جو بذاتِ خود اپنے رہنما کے ارشادات و فرمودات اور اقدار کی خاطر انتہائی وفاداری اور بے دریغ قربانی پیش کرنے کا زندہ نمونہ ہو، جیسے کہ صدیقِ اکبر خود تھے۔

خالد کی عسکری قابلیت بجا طور پر اُن کو دنیا کے عظیم سپہ سالاروں کی صف میں لا کر کھڑا کر دیتی ہے

اپنے مخالفین کے مقابلے جن حکمتِ حرب کے اصولوں کو خالدؓ نے اپنایا بلکہ یہ کہنا زیادہ مناسب ہوگا کہ خالدؓ نے جن اصولوں کو مرتب کیا وہ عسکری تاریخ کے درخشندہ باب ہیں۔ خالدؓ کے ہمت طلب منصوبوں کو کامیاب بنانے کے لئے مسلمانوں کی جنگی صلاحیت اور ان کی فوج کی مسلسل حرکت ان کے سب سے اہم وسیلے تھے۔ ان دونوں چیزوں سے خالدؓ نے انسان اور حیوان کی قوتِ برداشت کی آخری حد تک استفادہ کیا اور یہ صرف اس لئے ممکن تھا کہ انہوں نے اپنے سپاہ کو کبھی ایسی مشکل میں نہیں ڈالا جس کو انہوں نے خود نہ جھیلا ہو۔ جہاں خلیفۂ اوّل کو تاریخِ اسلام میں ایک ممتاز ترین مقام حاصل ہے وہاں پر خالدؓ بھی ان نامور سپہ سالاروں میں سب سے پہلے تھے جو بیرونی علاقوں کو فتح کرنے اور دنیا کے سیاسی و مذہبی نقشے کو نئی شکل دینے میں حضرت ابوبکرؓ کے دستِ راست تھے۔

جس طرح مسلمان حضرت ابوبکرؓ کی سیاسی و روحانی رہنمائی میں اور خالدؓ کی عسکری قیادت کے ذریعے عراق کے ایک سرے سے دوسرے تک ایک تند طوفان کی طرح چھا گئے۔ اب وہ اسی طرح ایک دوسری سلطنت پر دھاوا کرنے والے تھے اور وہ مشرقی روما تھی۔

شام پر حملے کے اسباب:

جس طرح ہر میدان میں ایرانی افواج قاہرہ کو شکست ہوئی اور سرزمین عراق میں جو عظیم الشان کارنامے خالدؓ بن ولید نے انجام دئے۔ ان کا ذکر ہمسایہ ملکوں کے بچے بچے کی زبان پر تھا۔ سب سے زیادہ تشویش مشرقی رومی سلطنت کے فرمانرواؤں کو تھی کیونکہ ان کے حالات بھی ایرانی سلطنت سے کچھ زیادہ مختلف نہ تھے۔ جس طرح عراقی سرحد پر لخم، بنو تغلب، ایاد اور نمر وغیرہ عربی النسل قبائل آباد تھے۔ اسی طرح شام کی سرحد پر بنو بکر، بنو عذرہ، بنو عدوان اور غسانی قبائل مقیم تھے۔ رومی سلطنت خائف تھی کہ جس طرح مسلمانوں نے عراق کو اپنی عمل داری میں شامل کر لیا ہے اسی طرح شام پر حملے کر کے اسے بھی قبضے میں لانے کی کوشش کریں گے۔ اس خیال کے تحت انہوں نے پوری توجہ شام کی اس سرحد کو مضبوط کرنے پر مبذول کی جو عرب سے ملتی تھی تاکہ مسلمانوں کی پیش قدمی کو ابتدا ہی میں روک کر رومی سلطنت پر حملہ کرنے سے باز رکھا جا سکے۔

حضرت ابوبکرؓ بھی ہرقل شام و روم کے ان خیالات و جذبات سے پوری طرح آگاہ تھے۔ لیکن جب تک مرتدین سے جنگیں ختم نہ ہو جاتیں وہ شام پر توجہ مبذول نہ کر سکتے تھے۔ رومیوں پر حملہ کرنے میں ابوبکرؓ کو جو تردّد تھا وہ دومۃ الجندل فتح ہونے کے بعد ختم ہوگیا۔ پھر بھی چونکہ عراق میں جنگوں کا سلسلہ جاری تھا اس لئے رومیوں پر فوری حملہ مناسب نہ سمجھا گیا۔ ابوبکرؓ نے شامی سرحد پر مقیم مسلمان امراء کو واضح ہدایت دی تھی کہ وہ اپنی طرف سے رومی سرحدات پر حملہ کرنے میں پہل نہ

کریں اور جب تک رومیوں کی طرف سے حملہ کرنے کی ابتدا نہ ہو وہ مدافعت کا پہلو اختیار کئے رکھیں۔

شامی سرحد پر اسلامی فوجوں کے سردار خالدؓ بن سعید بن عاص تھے۔ انہیں ہدایت تھی کہ جب تک خلیفہ کے واضح احکام اُن تک نہ پہنچیں وہ نہ اپنی جگہ سے ہٹیں اور نہ جنگ کا آغاز کریں۔ البتہ جن قبائل نے ارتداد اختیار کیا تھا اُن کو چھوڑ کر گردو نواح کے دوسرے قبائل کو اپنے ساتھ ملانے کی کوشش کریں۔ خالدؓ بن سعید نے خلیفہ کے احکام پر پوری طرح عمل کیا اور چند ہی دنوں میں ان کے جھنڈے کے نیچے ایک جرار لشکر تیار ہو گیا۔ جب ہرقل کو اس عظیم لشکر کے اجتماع کی خبر ملی تو اُس نے بھی پورے زور و شور سے جنگی تیاریاں شروع کر دیں۔ خالدؓ بن سعید نے حضرت ابوبکرؓ کو خط لکھا اور رومی سرحدوں پر چڑھائی کرنے کی اجازت طلب کی، مبادا رومی اچانک مسلمانوں پر حملہ کر دیں اور انہیں شکست سے دوچار ہونا پڑے۔ خالدؓ مدینہ سے شمال میں کچھ فاصلے پر واقع تیما کے مقام پر متعین تھے۔

ابوبکرؓ نے خالدؓ کے خط پر خوب غور و فکر کیا۔ جنوب سے حوصلہ افزا خبریں آرہی تھیں۔ عکرمہ اور مہاجر نے مرتدین کا قلع قمع کر دیا تھا اور عکرمہ مہاجر کو یمن میں چھوڑ کر خود اپنی فوج لے کر واپس آنے والے تھے۔ ان فوجوں کی واپسی پر شام میں کمک بھیجنا بہت آسان تھا۔ رومی فوجوں کی بھاری تعداد کے پیش نظر یہ بھی مناسب تھا کہ جنوبی عرب قبائل کو جو بدستور اسلام پر قائم تھے ساتھ ملایا جائے اور انہیں دوسری اسلامی فوجوں کے ساتھ شام روانہ کر دیا جائے۔

اصحاب کبارؓ سے مشورہ:

انتہائی غور و فکر کے بعد حضرت ابوبکرؓ نے عمرؓ۔ عثمانؓ۔ علیؓ۔ طلحہؓ۔ زبیرؓ۔ عبدالرحمٰنؓ بن عوف سعدؓ بن ابی وقاص۔ ابوعبیدہؓ بن جراح۔ معاذؓ بن جبل۔ ابیؓ بن کعب۔ زیدؓ بن ثابت اور دوسرے بڑے بڑے مہاجرین و انصار کو طلب فرمایا اور یہ معاملہ اُن کے سامنے پیش کیا۔ ابوبکرؓ نے فرمایا:

"رسول اللہؐ کی خواہش تھی کہ اہل عرب کو شامیوں کے متوقع حملوں سے ہر طرح محفوظ رکھا جائے۔ اس غرض سے جو تدابیر آپؐ نے اختیار کیں انہیں عملی جامہ پہنانے نہ پائے تھے کہ آپ کی وفات ہو گئی۔ اب آپ نے سن لیا ہے کہ ہرقل ہمارے مقابلے کے لئے کثیر تعداد میں فوجیں جمع کر رہا ہے۔ میرے خیال میں ہمیں اس خطرے کا مقابلہ کرنے کے لئے پوری طاقت و جرأت سے کام لینا چاہیئے اور رومیوں سے نبرد آزمائی کے لئے زیادہ سے زیادہ تعداد میں فوجیں جمع کرنی چاہئیں جو شخص مارا گیا اُسے شہادت کا رتبہ نصیب ہوگا اور جو زندہ رہا وہ مجاہدین کے زمرے میں شامل ہوگا، اور اللہ کے ہاں اُس کے لئے جو اجر لکھا جائے گا اُس کا کوئی حساب و شمار نہیں۔ اب آپ

مجھے مشورہ دیں کہ کیا کرنا چاہیئے۔"

سب سے پہلے عمرؓ اُٹھے اور کہنے لگے "واللہ! ہم نے جس نیک کام میں سبقت کرنے کی کوشش کی، اس میں آپ کو سب سے آگے پایا۔ آپ نے جو کچھ فرمایا ہے اِس میں کسی کو کلام نہیں۔ اللہ کا منشا بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ ہم شام فتح کر لیں۔ آپ یقیناً زیادہ سے زیادہ آدمی شام روانہ کیجئے۔ اللہ اپنے دین کا مددگار ہے وہ یقیناً اسلام کو شان و شوکت بخشے گا اور جو وعدے اُس نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے کئے تھے اُنہیں ضرور پورا فرمائے گا۔"

عبدالرحمٰنؓ بن عوف میں احتیاط کا مادہ زیادہ تھا۔ عمرؓ کے بعد وہ کھڑے ہوئے اور کہنے لگے: اے خلیفۂ رسول! اس معاملے پر اچھی طرح غور کر لیجئے۔ رومی ہم سے زیادہ طاقتور ہیں یکدم افواج بھیج کر انہیں غیر یقینی صورتِ حال سے دوچار کر دینا قرینِ دانشمندی نہ ہوگا۔ میرے خیال میں رومیوں پر پوری قوت سے حملہ کرنے کی نسبت بہتر یہ ہوگا کہ ابتدا میں چند دستے بھیجے جائیں، جو سرحد پر چھاپے مار کر رومیوں کو تھوڑا بہت نقصان پہنچا کر، واپس چلے آئیں اِن کے بعد چند دستے سرحدی قبائل کو خوف زدہ کر کے واپس آجائیں

اسی طرح کچھ کچھ وقفے کے بعد دستے بھیجے جائیں۔ اِس طرح ایک طرف اہلِ شام ہم سے خوفزدہ ہو جائیں گے دوسری طرف عربوں کے حوصلے بڑھ جائیں گے۔ اِس کے بعد آپ آسانی سے اہلِ یمن، ربیعہ و مضر کو اکٹھا کر کے روانہ کر سکتے ہیں۔"

مجلس پر سناٹا چھا گیا۔ پھر حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا: "بتایئے اب آپ لوگوں کی کیا رائے ہے؟" اِس پر حضرت عثمانؓ بن عفان کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے: آپ مسلمانوں کے دلی خیر خواہ اور حامئ دین ہیں اگر آپ نے کوئی قطعی رائے قائم کر لی ہے تو نتیجہ خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہو آپ اسے نافذ فرمائیں۔ کوئی شخص آپ کی مخالفت نہ کرے گا۔" اِس موقع پر دیگر حاضرین نے بھی عثمانؓ سے پوری طرح اتفاق کیا۔ یہ سُن کر ابوبکرؓ اُٹھے اور لوگوں کو شام پر لشکر کشی کے لئے تیار ہونے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا:

"میں تم پر چند امیر مقرر کرتا ہوں۔ تم اپنے رب کی اطاعت کرو اور اپنے امرا کی مخالفت نہ کرو۔ تمہاری نیتیں اور سیرتیں پاک وصاف ہونی چاہئیں۔ کیونکہ اللہ اُنہیں کے ساتھ ہوتا ہے جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں۔"

خلیفہ کے احکام سُن کر تھوڑی دیر کے لئے وہ بالکل خاموش ہو گئے۔ آخر عمرؓ نے اِس خاموشی کو اگرچ کے توڑا اور کہنے لگے "اے مسلمانو! تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم خلیفہ کی باتوں کا جواب نہیں

دیئے۔"

عمرؓ کی اِس سرزنش نے حاضرین کے دلوں پر فوری اثر کیا اور وہ شام روانہ ہونے کے لیے تیار ہو گئے۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ مدینے کے لوگوں کی طرف سے مطمئن ہونے کے بعد جو ابھی جوق در جوق شام جانے کے لیے اپنے آپ کو پیش کر رہے تھے۔ اہلِ یمن کو بھی خط لکھا۔ اہلِ یمن پر بھی اِس خط کا خاطر خواہ اثر ہوا اور کئی قبیلے شام جانے کے لئے مدینے روانہ ہونے شروع ہو گئے۔

پیشقدمی کی اجازت:

مسلمانوں کی تیاری دیکھتے ہوئے رومی سلطنت نے غسانیوں اور سرحد پر بسنے والے دوسرے قبائل کو اپنے ساتھ ملانے پر آمادہ کر لیا اور اُنہیں ہدایت کی کہ وہ سرحد پر ایک زبردست روک بن کر کھڑے ہو جائیں۔ اب رومی اور مسلمان فوجیں ایک دوسرے کے بالمقابل کیل کانٹے سے لیس تیار کھڑی تھیں۔ اِسی دوران خالدؓ بن ولید کی فتوحات کی خبریں موصول ہو رہی تھیں۔ یہ بھی رومیوں کے لئے مزید پریشانیوں کا باعث تھیں۔ رومیوں کے جوش و خروش اور سرحدی قبائل کی جنگی تیاریوں کے پیشِ نظر خالد بن سعید نے شامی سرحد کے اندر پیش قدمی کی اجازت طلب کی۔ حضرت ابو بکرؓ اُس وقت شام کے لئے فوجوں کی فراہمی میں مصروف تھے اُنہوں نے خالدؓ کو جواباً لکھا: تمہاری درخواست پر تمہیں پیش قدمی کی اجازت دی جاتی ہے۔ لیکن حملہ کرنے میں پہل نہ کرنا اور ہمیشہ اللہ سے مدد مانگتے رہنا۔" شامی فتوحات کے سلسلے میں یہ پہلے کلمات تھے جو ابو بکرؓ کی قلم سے نکلے۔

اسلامی فوجوں کی پیشقدمی:

خالدؓ بن سعید اپنے مختصر سے دستے اور بدوی قبائل کے ہمراہ شام کی سرحد پر تیما میں مقیم تھے۔ جب خالد بن سعید کو ابو بکرؓ کے احکام ملے تو وہ فوراً شامی حدود میں داخل ہو گئے۔ رومی انہیں دیکھ کر حواس باختہ ہو کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ خالدؓ آگے بڑھتے گئے۔ ولید بن عقبہ جن کو حضرت ابو بکرؓ نے اردن کا حاکم مقرر کر کے شام روانہ کیا تھا۔ یہ سب سے پہلے خالد بن سعید کے پاس پہنچے۔ جب اُن کو خلیفہ کی کوششوں کا علم ہوا کہ وہ مزید فوجیں شام میں بھیجنے کا بندوبست کر رہے ہیں تو وہ بڑے خوش ہوئے۔ اِس خیال سے کہ رومیوں پر فتحیابی کا فخر انہی کے حصہ میں آئے رومیوں کی ایک نسبتاً بڑی فوج پر حملہ کر دیا۔ جس کی قیادت ان کا سپہ سالارِ اعظم باہان کر رہا تھا۔ باہان نے

جسے جنگی چالوں میں مہارت تھی اسلامی دستے کو اپنے جال میں پھنسا لیا اور خالد بن سعید جو اس باختہ ہو کر اپنی سپاہ کی اکثریت کو میدانِ جنگ میں چھوڑ کر بھاگ نکلے۔ حضرت ابوبکرؓ نے جب اس واقعہ کو سنا تو انہوں نے ان کی بزدلی اور نااہلی پر برملا اظہار کیا۔ اس لغزش نے رومیوں کو حوصلہ مند کر دیا اور خیال کرنے لگے کہ وہ مسلمانوں سے نمٹنے میں کامیاب ہوں گے۔ ادھر ابوبکرؓ پر بھی یہ بات واضح ہوگئی کہ شام پر چڑھائی کرنے کا معاملہ معمولی نوعیت کا نہیں۔

شام پر چڑھائی کا منصوبہ:

جیسا کہ بیان ہو چکا ہے حضرت ابوبکرؓ کے اعلانِ جنگ کے ساتھ شام پر چڑھائی کے لئے عام بھرتی بڑی سرعت سے شروع ہو گئی تھی۔ عراق کے محاذ پر حالات پُرسکون تھے اور وہاں خالدؓ بن ولید کی مہم ایک واضح کامیابی سے ہمکنار ہو ئی تھی۔ دارالسلطنت مدینہ میں اب مسلمان مجاہدین کے اجتماعات سے عجیب کیفیت طاری تھی۔ ہر کس و ناکس جہادِ اسلامی کو کامیاب بنانے میں مقدور بھر کوشاں تھا۔ قبائلی جنگی دستے جزیرہ نمائے عرب کے کونے کونے سے حتیٰ کہ عمان اور یمن کے دور دراز علاقوں سے ہزاروں کی تعداد میں مدینے پہنچ چکے تھے۔ وہ جنگ کے لئے ہتھیار باندھ کر اور اونٹوں، گھوڑوں پر سوار ہو کر آئے لیکن عورتوں اور بچوں کو بھی ہمراہ لے آئے۔ مجاہدین اسلام کا اجتماع مارچ ۶۳۴ء (محرم ۱۳ھ) میں شروع ہوا اور اسی مہینے ختم ہو گیا۔

اب حضرت ابوبکرؓ نے بحیثیت سپہ سالارِ اعظم اپنے جنگی منصوبے کا اعلان فرمایا جو مندرجہ ذیل تھا:
(ملاحظہ ہو نقشہ نمبر ۶)

اسلامی فوج کو چار جیوش میں منظم کیا گیا۔ ہر ایک جیش میں لگ بھگ ۷ ہزار سپاہ تھے۔ ان جیوش کے سپہ سالار اور ان کے لئے متعین کئے جانے والے جنگی مقصود (OBJECTIVES) مندرجہ ذیل تھے:-

۱۔ عمروؓ بن العاص: منزل مقصود۔ فلسطین: ایلہ جانے والے راستے پر کوچ کرتے ہوئے وادی عربہ سے گزریں گے۔
۲۔ یزیدؓ بن ابی سفیان: منزل مقصود۔ دمشق: تبوک جانے والے راستے پر پیش قدمی کریں گے۔
۳۔ شرحبیلؓ بن حسنہ: منزل مقصود۔ اردن: ان کو یزید کے پیچھے پیچھے تبوک کے راستے آگے بڑھنا تھا۔
۴۔ ابوعبیدہؓ بن الجراح: منزل مقصود۔ حمص: انہیں بھی شرحبیل کے پیچھے پیچھے تبوک کے

راستے آگے بڑھنا تھا۔

منصوبے کے بنیادی تصوّرات:

ہر منصوبے کا محور و مرکز کسی خاص "مقصد" کا حصول ہوتا ہے، جو بڑی سوچ بچار کے بعد اعلیٰ ترین سطح پر متعیّن کیا جاتا ہے۔ خود اپنے اور دشمن کے وسائل اور صلاحیتوں اور ان کے اثرات کا گہرا مطالعہ اس کا اہم ترین جُز ہے۔ ایک فرمانروائے مملکت یا سپہ سالارِ اعظم کے فہم و ادراک اور عسکری صلاحیت کا امتحان بھی یہی بامقصد سوچ بچار ہے جس کے نتیجے میں وہ ایک قابلِ عمل منصوبہ تیار کر کے واضح احکام صادر کرتا ہے۔

حضرت ابوبکرؓ کی خواہش تھی کہ شام پر حملہ کر کے اُس کے جتنے حصے پر ممکن ہو سکے قبضہ کر لیا جائے۔ چونکہ رومی فوج کی تعداد اور اُس کی تقسیم و ترتیب کی مصدقہ تفصیلات مہیا نہ تھیں، اِس لئے اُنہوں نے کسی ایک جیش کو کسی دوسرے جیش کی بہ نسبت زیادہ طاقتور نہیں بنایا۔ تاہم اُنہیں یہ بھی خیال تھا کہ رومی محاذِ جنگ کے کسی بھی حصے میں ایک بہت بڑی فوج جمع کرنے کی صلاحیت اور وسائل رکھتے تھے۔ چنانچہ اُنہوں نے حکم دیا کہ: "سب سپہ سالار ایک دوسرے کے ساتھ رابطہ قائم رکھیں۔ اور اگر ان میں سے کسی بھی سالار کو اپنے محاذ پر شدید تصادم کا خطرہ نظر آئے تو دوسرے اسلامی جیوش کے سپہ سالاروں سے امداد طلب کرے۔ اور اگر ان جیوش کو اِس طرح ایک ہی بڑی جنگ کے لئے مجتمع ہونا پڑے تو پورے اسلامی لشکر کی قیادت ابوعبیدہؓ بن الجراح کریں گے۔" علاوہ ازیں آپ نے حکم دیا کہ: "اپنے علاقے فتح کرنے کے بعد وہ اُس علاقے میں "والی" کی خدمات بھی انجام دیں گے۔ مامور کردہ علاقے میں اگر کسی دوسرے افسر کو امداد کے لئے طلب کیا جائے تو اُسی علاقے کا سپہ سالار متحدہ فوجوں کا کمانڈرِ اعلیٰ ہوگا۔"

قارئین اندازہ کر سکتے ہیں کہ حضرت ابوبکرؓ کے احکام کتنے واضح اور مختصر تھے اِن سے عسکری اور انتظامی پہلوؤں کے بہترین اور ماہرانہ امتزاج کی عکاسی ہو رہی ہے۔ کسی بھی کسوٹی سے انہیں پرکھ کر دیکھ لیجئے یہ احکام ایک ذی ہوش اور اولوالعزم سربراہِ مملکت کی عمیق اور بامقصد سوچ بچار کے آئینہ دار ہیں۔

مزید احکامات اور اِن کی اہمیت:

اسلامی جنگوں کا مقصد کسی ملک کو فتح کرنا ہرگز نہیں تھا۔ اِن کی اصل محرک یہ خواہش تھی کہ اسلامی مملکت کے امن و امان میں کوئی بیرونی طاقت یا حملہ آور خلل نہ ڈالنے پائے۔ ہمسایہ دشمنوں کے ناپاک

عزائم نے مسلمانوں کو ان دفاعی اقدامات پر مجبور کیا تھا۔ لہٰذا ان کی تیاری کے معیار اور احکامات کی نوعیت کو جارحانہ شکل وصورت دینا ناگزیر تھا ورنہ شکست کی صورت میں امن وامان کا اعلیٰ ترین مقصد حاصل کرنا بعید از قیاس تھا۔ اور جنگ میں دشمن پر فتح حاصل کرنا مسلمانوں کے اپنے دفاع کے لئے اشد ضروری تھا۔ ظاہر ہے کہ جب فتح ہو گی تو مفتوحہ علاقوں پر قبضہ جمانا اور ان کا انتظام کرنا بھی مسلمانوں کا ہی فرض ہو گا جس کے لئے ان کی کتاب ہدایت میں واضح احکام خداوندی موجود ہیں جن سے کسی صورت بھی انحراف جائز نہ تھا۔ یہی وجہ تھی کہ مسلمانوں نے کوئی جارحانہ اقدام یا لڑائی شروع کرنے سے پہلے ہر موقعہ پر اپنے مدمقابل کو اسلام قبول کرنے کی پیش کش کی، اگر یہ منظور نہ ہو تو انتظامی اطاعت وفرمانبرداری کی شرط رکھی۔ جنگ تو صرف ان ہر دو شرائط سے مکمل انکار کی صورت میں کی جاسکتی تھی۔

اسی لئے عسکری احکامات ولوازمات کے ساتھ ساتھ اسلامی افواج کو مزید احکامات دینے لازمی تھے تاکہ تمام مراحل میں اُن کے لائحہ عمل کو اسلامی حدود کا پابند بنایا جاسکے۔ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے حضرت ابوبکرؓ نے مندرجہ ذیل مزید احکامات سپہ سالاروں کے لئے جاری کئے :۔

۱۔ اپنے سفر کے دوران اپنے آپ پر یا اپنی فوج پر سختی نہ کرنا۔

۲۔ اپنی سپاہ یا اپنے افسروں کے ساتھ، جن سے تمہیں تمام امور میں مشورہ لینا چاہیئے درشتی سے پیش نہ آنا۔

۳۔ انصاف سے کام لینا اور معصیت وظلم سے باز رہنا کیونکہ کوئی ناانصاف قوم بامراد نہیں ہوتی اور دشمنوں پر فتح حاصل نہیں کرتی۔

۴۔ جب دشمن سے تمہارا مقابلہ ہو تو اُسے پیٹھ نہ دکھانا، کیونکہ جو کوئی کسی جنگی چال کے تقاضے یا دوبارہ مجتمع ہونے کی غرض کے بغیر، دشمن کو پیٹھ دکھاتا ہے، اس پر اللہ کا قہر نازل ہوتا ہے ایسے شخص کا ٹھکانہ جہنم میں ہو گا اور وہ کیا ہی خوفناک مقام ہے۔

۵۔ اور جب تم اپنے دشمن پر غالب آجاؤ تو عورتوں۔ بچوں اور بوڑھوں کو قتل نہ کرنا، اور نہ ہی جانوروں کو، سوائے ان کے جو تم کھانے کے لئے ذبح کرو۔ اور جو معاہدے کرو انہیں مت توڑو۔

۶۔ تمہیں کچھ ایسے لوگ ملیں گے جو راہبوں کی طرح خانقاہوں میں رہتے ہیں۔ انہیں اُن کے حال پر چھوڑ دینا۔ اُن کی خانقاہوں کو مسمار نہ کرنا۔ اور تمہیں وہ لوگ بھی ملیں گے جو شیطان کے ساتھی اور صلیب کے پجاری ہیں اور جو اپنے سر کے درمیانی حصے کے بال اس طرح منڈواتے ہیں کہ اُن کی کھوپڑیوں کی جلد صاف نظر آتی ہے۔ ان پر تلواروں کے ساتھ حملہ کرنا اور اُس وقت

تک پیچھے نہ ہٹنا جب تک وہ اسلام قبول نہ کر لیں یا جزیہ دینے پر رضامند نہ ہو جائیں۔
۷۔ میں تمہیں اللہ کی امان میں دیتا ہوں۔

اسلامی افواج کا شام میں داخلہ:

اِن لشکروں کی مجموعی تعداد اٹھائیس ہزار تھی۔ اپریل ۶۳۴ء کے پہلے ہفتے (صفر ۱۳ھ کے آغاز) میں اسلامی جیوش روانہ ہونے شروع ہو گئے۔ سب سے پہلے یزیدؓ بن ابی سفیان مدینے سے رخصت ہوئے اُن کے پیچھے شرحبیلؓ بن حسنہ اور پھر ابو عبیدہؓ ابن الجراح نے کوچ کیا۔ اِن تینوں کے درمیان ایک ایک دن کی مسافت کا فرق تھا۔ عمرو بن العاصؓ نے ایلہ جاتے والے مغربی راستے پر سفر کیا۔

دُشمن سے جھڑپیں:

یزید تبوک سے تین منزلیں آگے بڑھے تو پہلی بار اِن کا دشمن فوج سے سامنا ہُوا۔ یہ عیسائی عربوں کی وہ فوج تھی جسے رومیوں نے حالات کا جائزہ لینے کے لئے آگے بھیجا تھا۔ یہ عرب، مسلمانوں کے ہراول دستے سے ہلکی سی جھڑپ کے بعد واپس پلٹ گئے۔ اِن کی پسپائی کے بعد یزید نے وادی عربہ کا رخ کیا۔

یزید وادی عربہ میں تقریباً اُس وقت پہنچے جب عمرو بن العاص ایلہ پہنچے۔ چنانچہ اب مسلمانوں کے یہ دونوں جیش اس رومی فوج کے سامنے آگئے جو تعداد میں تقریباً ان کے برابر تھی۔ اِس رومی فوج کو مسلمانوں کے فلسطین میں داخلے کو روکنے کے لئے، آگے بھیجا گیا تھا۔ یزید اور عمرو نے اِن سے جنگ کر کے بھاری نقصان پہنچایا اور انہیں پیچھے دھکیل دیا۔ اسی طرح مدینے سے مسلمانوں کے روانہ ہونے کے پندرہ دن کے اندر اندر کئی جھڑپیں ہو چکی تھیں۔

دَورِ صدیقی کے شامی معرکے:

مسلمانوں کے خلاف قیصر نے تمام ملک سے فوجیں جمع کر کے اِن کے مقابلے میں بھیجنے کے احکام جاری کئے اور ایک لشکرِ جرار اجنادین کے مقام پر جمع کر دیا جس کی تعداد نوّے ہزار تھی (یعنی مسلمانوں کی مجموعی تعداد سے تین گنا سے زیادہ) یہاں سے وہ فلسطین اور اردن میں کسی طرف بھی مسلمانوں کی پیشقدمی کو روک سکتے تھے۔ تمام افسران نے حضرت ابو عبیدہؓ کو اِن رومی افواج کی نقل و حرکت کے متعلق آگاہ کیا۔ تین اسلامی جیوش اس وقت قریبی علاقوں

میں ہی تھے جن کو حضرت ابو عبیدہؓ نے اپنی زیر کمان لے لیا۔ عمرو بن العاص الگ تھلگ تھے چنانچہ ان کو بڑی تشویش ہوئی اور ابو عبیدہؓ سے امداد طلب کی۔

حضرت ابوبکرؓ کو ابو عبیدہ نے تمام حالات سے آگاہ کیا۔ شام میں حالات کی نزاکت کو بھانپتے ہوئے اور ادھر عراق میں اسلامی فوجوں کی کامیابی کے پیش نظر حضرت ابوبکرؓ نے یہ فیصلہ کیا کہ خالدؓ بن ولید کو عراق سے شام روانہ کر دیا جائے۔ چنانچہ خالدؓ کو حضرت ابوبکرؓ نے یہ حکم بھیجا کہ وہ نصف فوج لے کر فوراً شام کا قصد کریں اور مسلمانوں کی امداد کو پہنچیں اور آ کر اسلامی افواج کی کمان سنبھال لیں۔ عراق میں نصف فوج کو مثنیٰ کے ماتحت چھوڑ کر انہیں عراق کی قیادت سونپ دیں۔

حضرت خالدؓ تقریباً ۹ ہزار مجاہدین کا آزمودہ کار لشکر جس میں صحابہ کرام کی خاصی تعداد تھی۔ فوجی تاریخ کے مشکل ترین سفر کے بعد، جو عراق و شام کے لق و دق اور بے آب و گیاہ ریگزاروں سے گزرنے کی داستان ہے، دمشق پہنچے۔ حضرت ابو عبیدہؓ کو خلیفۃ المسلمین کا حکم سنایا۔ ابو عبیدہؓ (جو امین الامت کے لقب سے مشہور تھے اور مسلمانوں میں بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے) نے خندہ پیشانی سے خلیفہ کے حکم کی تعمیل میں اپنے آپ کو اور اپنی تمام تر فوج کو خالدؓ کے ماتحت کر دیا۔

جنگِ اجنادین:

حضرت ابوبکرؓ کے دورِ خلافت میں مسلم افواج نے شام میں صرف ایک بڑی جنگ لڑی۔ خالدؓ اور ابو عبیدہؓ نے خود پیشقدمی کر کے اجنادین کے مقام پر رومن افواج کو عبرت ناک شکست دی۔ اب فتح شام کے دروازے مسلمانوں کے لئے کھل گئے۔

دمشق پر حملہ اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کی وفات:

اجنادین کی فتح کے بعد، خالدؓ تمام اسلامی افواج کو لے کر دمشق کی طرف بڑھے۔ رومی اس شہر کو ہر قیمت پر بچانے کا تہیہ کر چکے تھے۔ دمشق پہنچ کر خالدؓ نے ہر طرف سے شہر کا محاصرہ کر لیا۔ ابھی اسلامی افواج دمشق کے محاصرے میں ہی تھیں کہ حضرت ابوبکرؓ کا مدینے میں ۲۲ اگست ۶۳۴ء (۲۲ جمادی الآخر ۱۳ھ) کو انتقال ہو گیا۔ اور حضرت عمرؓ خلیفہ اسلام مقرر ہوئے۔ اسی دن نئے خلیفہ نے اپنا پہلا حکم جاری کیا جس میں خالدؓ کو شام کی مسلم افواج کی سپہ سالاری سے برطرف کر دیا اور اُن کی جگہ ابو عبیدہؓ کو مقرر کیا۔ حضرت ابو عبیدہؓ کو یہ حکمنامہ بہت پہلے مل

چکا تھا مگر دمشق کے محاصرے کے پیش نظر اور دمشق کی فتح جو ابھی باقی تھی کو مدّنظر رکھتے ہوئے اس خط کو کسی پر ظاہر نہ کیا۔ دمشق فتح ہو گیا اور خالدؓ نے دمشق کی تسخیر کی خبر حضرت ابوبکرؓ کے نام خط لکھ کر روانہ کی حالانکہ اُن کی وفات کو ایک ماہ سے بھی زیادہ گزر چکے تھے۔ اس خط کو لے جانے والے قاصد کی روانگی سے چند گھنٹوں بعد ابو عبیدہؓ نے حضرت عمرؓ کے اس خط کو خالدؓ کی طرف، پڑھنے کو بڑھایا۔ خالدؓ نے ہچکچاتے ہوئے خط لے کر پڑھنا شروع کر دیا۔ جب وہ اس خط کی اہم ترین سطر پر پہنچے: "میں تمہیں خالدؓ بن الولید کی فوج کا سپہ سالار مقرر کرتا ہوں۔" تو خالدؓ نے خط سے نظریں ہٹا لیں ......

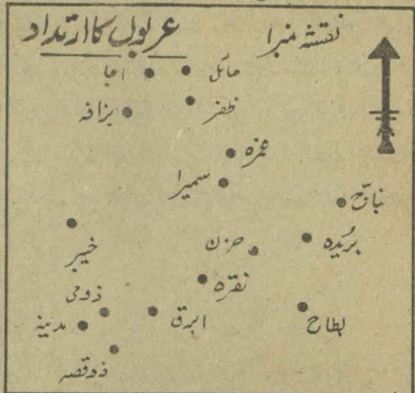
شام کی فتوحات پر ایک نظر:

حضرت ابوبکرؓ نے جس خوبی و استقلال سے شام کو فتح کرنے کا آغاز کیا تھا وہ بڑی خوش اسلوبی سے کامیابی کے ساتھ ہمکنار ہونے کی طرف رواں دواں تھی کہ آپ نے داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔ یہ امر قابلِ ذکر ہے کہ عراق اور شام کی ابتدائی فتوحات ہی سے، جو ابوبکرؓ کے عہد میں شروع ہوئیں اسلامی سلطنت کی بنیاد پڑی۔ ان کی اچانک وفات نے جو اس مہم کی روح رواں تھے اور مزید یہ کہ ان کے دورِ خلافت کے عظیم عسکری کردار، خالدؓ کی برطرفی کے احکام جو ان کی وفات کے ساتھ ہی جاری ہوئے، ایسے تشویشناک سانحے تھے جن سے مسلمانوں اور اسلامی افواج کا دوچار ہو کر جانبر ہونا مشکل نظر آتا تھا۔ مگر تاریخ شاہد ہے کہ اس کے باوجود نئے خلیفہ کی سرکردگی کو مقبولیتِ عام حاصل ہوئی اور محاذِ جنگ پر بھی اُسی جوش، جذبہ و قربانی اور ولولے کی ان گنت داستانیں لکھی گئیں اور شام فتح ہوا۔ یہ واقعہ اسلامی اعجاز اور طرزِ فکر کی اتنی بڑی فتح ہے جس کی نظیر پیش نہیں کی جا سکتی۔ یہاں پر یہ کہنا بجا ہو گا کہ یہ اللہ کی تسلیم و رضا اسلام سے بے پناہ محبت اور رسولِ عربی سے عشق و وفا کا وہ ثمر تھا جس کا بیج خلیفۂ اول حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اپنے ہاتھوں سے بویا تھا۔

لَعَدَّ النَّبِیّ خَیْرُ الْبَشَرِ ۔ ان کی شخصیت کا کسی نے کتنا صحیح تجزیہ کیا ہے۔

نقشہ جات متعلقہ مضمون "عسکری بصیرت"







نقشہ نمبر ۴



نقشہ نمبر ۳



نقشہ نمبر ۶



نقشہ نمبر ۵



ذہنِ ابوبکرؓ کا نفسیاتی جائزہ

عبدالمالک عرفانی

ابوموسیٰ روایت کرتے ہیں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم بیمار ہوئے اور آپؐ کا مرض بڑھ گیا تو آپؐ نے فرمایا کہ ابوبکرؓ سے کہو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھا دیں۔ حضرت عائشہؓ نے کہا کہ وہ نرم دل آدمی ہیں جب آپؐ کی جگہ کھڑے ہوں گے تو لوگوں کو نماز نہ پڑھا سکیں گے۔ لیکن پھر بھی آپؐ نے فرمایا کہ ابوبکرؓ سے کہو کہ لوگوں کو نماز پڑھا دیں۔ (البخاری، کتاب الاذان)

حضرت ابوبکرؓ اس قدر نرم دل انسان تھے کہ ضرب المثل بن چکے تھے۔ اس کے باوجود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے انہیں نماز میں اپنی جگہ امام بنا کر اپنی جانشینی کی طرف اشارہ کیا ہے اور پھر صحابۂ کرام نے ان کے اشارہ کو سمجھتے ہوئے ابوبکرؓ صدیق کو خلیفۂ رسول کی حیثیت سے چن لیا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے فوراً بعد حکومتِ اسلامی کو اس قدر جگر پاش داخلی اور خارجی خطرات کا سامنا کرنا پڑا کہ ان سے ایک قلیل عرصے میں کامیابی کے ساتھ عہدہ برآ ہونا کسی نرم دل انسان کے بس کی بات نہ تھی۔ تو کیا ابوبکر صدیقؓ نرم دل انسان نہ تھے۔ تاریخِ اسلام کا یہ ایک ایسا سوال ہے جو ہنوز تشنۂ جواب ہے۔ اس کا جواب تلاش کرنے کے لئے ہمیں آپ کا نفسیاتی تجزیہ کرنا پڑے گا۔ اور یہ نفسیاتی تجزیہ ہم قرآن اور حدیث و آثار کی روشنی میں کریں گے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے

يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ج (پ۱۳، س ابراہیم۔ ۲۷)

ترجمہ۔ جو لوگ ایمان لائے ان کو اللہ قولِ ثابت کے ذریعے ثابت قدم رکھتا ہے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔

قولِ ثابت کے لغوی معنی محکم بات کے ہیں۔ سورہ رعد کی آیت ۳۹ میں ثبت کا مادہ محو کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ محو کے معنی ہیں مٹ جانا تو ثبت کا معنی ہوا باقی رہنا۔ گویا قولِ ثابت سے مراد ہے ایسی بات جو اس قدر پختگی سے قائم ہوئی ہو کہ ہمیشہ باقی رہے۔

جب ہم اس لغوی تشریح کو ساتھ لے کر مندرجہ بالا آیت کے مطالب کی گہرائیوں میں اترتے ہیں تو اس آیت کے جلووں کی کرنیں حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ذہن پر مرتکز ہوتی نظر آتی ہیں۔

علم نفسیات کا اصول ہے کہ اگر کوئی شخص پورے ارتکاز توجہ سے اپنے ذہن میں کوئی بات بٹھانے کی مسلسل مشق کرتا رہے تو کچھ عرصہ بعد وہ بات اس کے لاشعور میں ثبت ہو جاتی ہے اور وہ غیر ارادی طور پر اس بات کے تقاضوں پر پورا عمل پیرا ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد ہر وہ عمل یا تاثر جو ذہن میں ثبت شدہ لاشعوری نقش سے مطابقت رکھے آسان اور خوش گوار معلوم دیتا ہے اور ذہن و جسم اسے خوش آمدید کہتے ہیں۔ اس کے مقابلے میں ہر وہ عمل یا تاثر جو اس سے مطابقت نہ رکھے مشکل اور ناگوار ہوتا ہے اور ذہن و جسم اس کا سختی سے مقابلہ (Resist) کرتے ہیں۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ ہوش سنبھالتے ہی اپنے دوست محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اخلاق و کردار سے متاثر ہونے لگتے ہیں۔ تجارتی مہموں اور معاشرتی کاموں میں ہم قدم رہتے ہیں۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے سیرت و کردار کا عکس پورے ارتکاز سے ذہن ابوبکرؓ پر پڑتا رہتا ہے یہاں تک کہ وہاں ان مٹ نقوش پیدا کر دیتا ہے۔ ابوبکرؓ کا قلب سلیم ان نقوش میں صدق کا رنگ بھرتا ہے۔ اور لاشعوری طور پر آپؓ کا ذہن اس اعلیٰ کردار کے مالکؐ کو اپنا لیتا ہے۔ اب ہر وہ عمل یا تاثر جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم، اور ان کی تعلیمات کے حق میں ہو۔ ابوبکر صدیقؓ کے لئے خوشگوار ہوتا ہے اس طرح آپؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کے لئے نرم دل بن جاتے ہیں۔ جبکہ ہر وہ عمل یا تاثر جو نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کے خلاف ہو۔ آپؓ کے لئے ناگوار ہوتا ہے اور آپ کے ذہن و جسم میں اس کے خلاف شدید ردِ عمل پیدا ہو جاتا ہے جو آپ کی تمام قوتوں کو باطل کے سامنے برسرِ پیکار کر دیتا ہے۔ یوں آپؓ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ کے عملی نمونہ کی حیثیت اختیار کر جاتے ہیں۔ آپ کی پوری زندگی اسی نمونہ کی بالکل صحیح تفسیر ہے۔

جونہی محمد صلی اللہ علیہ وسلم نبوت کا اعلان کرتے ہیں۔ ابوبکرؓ کے لاشعوری نقوش شعوری سطح پر ابھر آتے ہیں اور وہ بلا دلیل نبوت کی تصدیق کرتے ہیں کیونکہ دلیل تو پہلے ہی اس کے لاشعور میں ثبت ہو چکی ہے۔ اب ذہن پر ارتکاز توجہ کے لئے وحی کی خارا شگاف کرنیں میسر آجاتی ہیں۔ یوں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے سیرت و کردار کے گہرے نقوش و اثرات اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ارشادات بصورت وحی ابوبکر صدیقؓ کے ذہن میں قول ثابت کی حیثیت اختیار کر جاتے ہیں۔ ان کا لاشعور، ان کا شعور، ان کا جسم نور ان کی تمام صلاحیتیں اور قوتیں اس قول ثابت کے تابع ہو جاتی ہیں اور قرآن کی مندرجہ بالا آیت کی مصداق بن جاتی ہیں۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ کی زندگی میں قدم قدم پر آپ کے ذہن پر نقش شدہ اس قول ثابت کے کرشمے دکھائی دیتے ہیں۔ دامے۔ درمے، سخنے اور قدمے، جیسی بھی قربانی طلب کی گئی بلکہ محسوس کی گئی تو سب سے پہلے اور سب سے بڑھ کر پیش کی۔ مکہ میں اسلام کے حق میں آواز بلند کرنا موت کو دعوت دینے کے مترادف ہے لیکن ابوبکرؓ بلند آواز سے قرآن پڑھتے تھے۔ اس کے لئے نہ انہیں کسی کی پناہ کی ضرورت ہے اور نہ کسی کی مدد درکار ہے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آپؓ کی ثابت قدمی کا اس قدر پختہ یقین تھا کہ ہجرت کے دوران صرف وہی ساتھی بننے کے قابل نظر آتے ہیں ۔ سفرِ ہجرت جیسی ہمت شکن مہم کسی نرم دل انسان کے بس کی بات نہیں۔ اس کے لئے چیتے کا جگر، اور شاہین کا تجسس درکار ہے اور یہ خصوصیات ذہنِ ابوبکر صدیقؓ کی لازوال متاع ہیں۔ بدر اور احد کے معرکوں اور سفر و حضر کی جان لیوا مشکلات میں آپ کبھی حوصلہ نہیں ہارتے۔

بیعت رضوان نے صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کے قوائے ذہنی و جسمانی کو جان نثاری کی حد تک بر سرِ عمل کر دیا ہے اب باطل کے سامنے جھکنے کیلئے ان کے اذہان آمادہ ہی نہیں ہیں۔ اس حال میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چند ایسی شرائط پر کفار سے صلح کر لیتے ہیں جس سے بظاہر اس جاں نثاری کے تقاضوں کو تکلیف اور ٹھیس پہنچتی ہے، تو سب بے قرار ہو جاتے ہیں ۔ ابوبکر صدیقؓ کو تو اس موقع پر سب سے زیادہ بے قرار ہونا چاہیئے لیکن وہ یوں مطمئن ہیں گویا کچھ ہوا ہی نہیں۔ وجہ وہی ہے۔ ان کے لاشعور میں ثبت شدہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سیرت و کردار کے انمٹ نقوش انہیں سمجھا دیتے ہیں اور انہیں وجدانی طور پر احساس ہو جاتا ہے کہ اس موقع پر حضورؐ کا طرزِ عمل کیا ہوگا اور وہ اس طرزِ عمل پر پہلے ہی مطمئن ہو چکے ہوتے ہیں۔

ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ نے اپنے بندے کے سامنے دنیا اور آخرت پیش کی تو بندے نے آخرت کو اختیار کر لیا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کا ذہن فوراً بات کی تہ تک پہنچ جاتا ہے اور آپؓ بے اختیار سسک پڑتے ہیں لیکن فوراً ہی اپنے آپ کو آنے والے ہولناک دنوں کے لئے تیار کر لیتے ہیں آپ کا لاشعور تو پہلے ہی اس سانچے میں ڈھل چکا ہے۔ جونہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیمار ہوئے تو ابوبکر صدیقؓ کو مشکل ترین صورتِ حال سے نمٹنے کے لئے تیار پاتے ہیں۔ اس لیے حضرت عائشہؓ کی معذرت کے باوجود حضرت ابوبکر صدیقؓ کو امامت کرنے پر مجبور کرتے ہیں۔ تاریخ شاہد ہے کہ حضرت عائشہؓ کا خدشہ درست نہ تھا کہ ابوبکرؓ کے بجائے کوئی اور کھڑا ہوتا تو نماز نہ پڑھا سکتا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی خبر بجلی بن کر صحابہ کے قلب و ذہن کو مفلوج کرتی چلی گئی۔ لیکن حضرت ابوبکر صدیقؓ ثباتِ ذہن کے ساتھ حضورؐ کے جسدِ اطہر سے چادر ہٹاتے ہیں اور پیشانی پر بوسہ دیتے ہوئے فرماتے ہیں

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ؕ اَفَاۡئِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰۤى اَعْقَابِكُمْ ؕ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْــًٔا ؕ (آل عمران ۔ ۱۴۴)

ترجمہ ۔ اور محمدؐ تو ایک رسول ہیں۔ اِن سے پہلے بھی رسول گزر چکے ہیں۔ اگر وہ وفات پا جائیں یا قتل ہو جائیں کیا تم ان ہی ایڑیوں پر واپس لوٹ جاؤ گے ۔ اور جو کوئی اپنی ایڑیوں پہ واپس لوٹ جائے گا تو اللہ کو کوئی نقصان نہ پہنچا سکے گا۔

تاریخ شاہد ہے کہ اس موقع پر جو کوئی واپس کفر کی طرف لوٹ گیا وہ دینِ خداوندی کو کوئی نقصان نہ پہنچا سکا۔ کیونکہ ابوبکر صدیقؓ یہ الفاظ زبان سے نکالتے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین کی

اشاعت وحفاظت کے لئے اپنی پوری صلاحیتوں اور تمام تر قوتوں کے ساتھ برسرِعمل ہو چکے تھے۔ بقول حضرت عائشہ صدیقہؓ ابوبکر صدیقؓ پر ایسے مصائب وحوادث ٹوٹ پڑے کہ اگر بڑے بڑے پہاڑوں پر گرتے تو وہ ریزہ ریزہ ہو جاتے لیکن آپ چٹان کی طرح کھڑے رہتے ہیں بلکہ چٹان بھی نرم ثابت ہوتی۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے دل کی مضبوطی اور ثبات کی مثال کے لئے دنیا کی سخت سے سخت چیز بھی پیش نہیں کی جا سکتی۔ بقول ایک مؤرخ کے مسلمانوں کی حالت اس وقت ایسی بکری کی مانند تھی جو موسم کی بارش والی رات میں کھڑی بھیگ رہی ہو۔ صحابہؓ مدینہ میں محصور ہو کر رہ گئے تھے۔ تمام عرب ارتداد میں ڈوب گیا تھا۔ روم وایران کے حملوں کا ہر لمحہ خطرہ سر پر لٹکی ہوئی تلوار کی مانند تھا۔ حضرت عمرؓ جیسے سخت دل انسان بھی زکوٰۃ کی وصولی میں نرمی کا مشورہ دیتے ہیں لیکن ابوبکر صدیقؓ کے لاشعوری ذہن کا قول ثابت انہیں ہر مقام پر ثابت قدم رکھتا ہے۔ تھوڑے ہی عرصے میں تمام فتنے یوں فرو ہو جاتے ہیں۔ جیسے شدید آندھی کے بعد سکون ہو جاتا ہے ابوہریرہ پکار اٹھتے ہیں کہ اگر ابوبکر صدیقؓ خلیفہ نہ ہوتے تو اللہ کی پوجا نہ ہوتی۔ عبداللہ بن مسعودؓ کی زبان پر بے اختیار یہ الفاظ آجاتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ ہمیں ابوبکرؓ عطا فرما کر ہم پر احسان نہ کرتا تو ہم ہلاک ہو جاتے۔ کیا تاریخ عالم نرمی اور سختی کے اس متوازن شاہکار حکمران کی کوئی مثال پیش کر سکتی ہے۔

ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بحیثیت صدیقِ اکبر

ضیاء الحسن فاروقی ایم اے

وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَ صَدَّقَ بِہٖ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُتَّقُوْنَ ○

عبداللہ نام، ابوبکرؓ کنیت اور صدیق و عتیق لقب تھے۔ کنیت اور لقب اتنے مشہور ہوئے کہ لوگ اصل نام بھول گئے۔ ابو قحافہ رضؓ کے فرزند تھے۔ نسباً قریشی تیمی تھے۔ چھٹی پشت میں مرہ بن کعب پر پہنچ کر ان کا نسب سرکارِ دو عالم حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب سے مِل جاتا ہے۔ آپؓ صحابہ میں سب سے زیادہ ممتاز تھے آپ کی شخصیت جامع کمالات تھی اور اس کا ہر پہلو منفرد تھا۔ آپ نگاہِ نبوت کے مرکزِ اوّل۔ درس گاہِ محمدیہ کے تلمیذِ اوّل۔ طورِ رسالت کے کلیم اوّل۔ سفر و حضر کے رفیقِ اوّل۔ حرم اسلام کے حفیظ اوّل اور ثانی اثنین کے ثانیِ اوّل تھے وہ پیکرِ عشق و رضا۔ مجسمۂ مہر و وفا اور رمز شناس رسول بھی تھے۔ ان کی صحابیت تصدیق اللہ ان کا وجود عتیق اللہ۔ ان کی خلافت فضل اللہ۔ ان کی رضا تقدیر اللہ اور ان کا وظیفہ النظر الیٰ وجہ رسول اللہ تھا۔

——— آپ کا سراپا تھا کہ جس پر وقار و تمکنت ہر وقت پر تو فگن رہتی جو عشق و گرویدگی اور تعظیم کا بہترین امتزاج تھا۔

کیا آپ واقعی صدیق تھے؟

اگر تھے ...... تو پھر صدیق سے صدیق اکبرؓ کیوں کر ہوئے؟ ——— یہ تخصیص کیوں کی گئی؟ آپ میں ایسی کونسی ممتاز خوبیاں اور اعلیٰ و ارفع محاسن تھے جن کی بنا پر آپؓ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے بلند درجہ نصیب ہوا؟

اور امّت نے آپ کو "افضل البشر بعد الانبیاء بالتحقیق" کی گراں قدر اور عظیم الشان خلعت کیوں پہنا دی؟؟

زیرِ نظر مضمون ان ہی سوالوں کے مدلّل اور جامع جواب پر مشتمل ہے۔ جس کی تکمیل کے لئے قرآن و حدیث سے ناقابلِ تردید مواد حاصل کیا گیا ہے۔

قرآن مجید میں ارشاد ربانی ہے :- اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ ۙ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ ۙ (سورۃ الفاتحہ) (اے اللہ) ہمیں سیدھی راہ پر چلا۔ ان لوگوں کی راہ پر جن پر تو نے انعام کیا۔" یہ اس دعائیہ سورت کے جملے ہیں جس کا ہر نماز میں پڑھنا فرض ہے۔

لَاصَلٰوۃَ لِمَنْ لَّمْ یَقْرَأْ بِفَاتِحَۃِ الْکِتَابِ (بخاری) اس دعا کے پڑھنے کے بعد ذہن میں یہ سوال ضرور پیدا ہوتا ہے کہ وہ عظیم المرتبت لوگ کون ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے اپنا انعام کیا اور جن کے نقش قدم پر چلنے کی تاکید فرمائی۔ جب ہم نے اس سوال کا جواب قرآن سے پوچھا تو ارشاد ہوا :

اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْھِمْ مِّنَ النَّبِیّٖنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّھَدَآءِ وَالصّٰلِحِیْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِکَ رَفِیْقًا ۝ (سورۃ النساء)

"اللہ تعالیٰ نے انعام کیا ان پر نبیوں سے اور صدیقوں سے اور شہیدوں سے اور صالحین سے اور یہ لوگ اچھے رفیق ہیں۔"

آیت بالا سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ انبیاء کے بعد صدیقین کا مقام ہے دوسرے لفظوں میں مقام صدیقیت امت میں مرتبہ علیاء کا حاصل ہوتا ہے۔ یعنی جس شخص کا مرتبہ انبیاء کے بعد بلند ہوگا وہی "صدیق" ہوگا۔ اس بات کا ثبوت یہ ہے کہ :

حضرت ابوبکرؓ واقعی "صدیق" تھے اس ضمن میں سورۃ واللیل کی چند آیات پیش کی جاتی ہیں جو حضرت ابوبکرؓ کے حق میں نازل ہوئی تھیں۔

وَاللَّیْلِ اِذَا یَغْشٰی ۙ وَالنَّھَارِ اِذَا تَجَلّٰی ۙ اِنَّ سَعْیَکُمْ لَشَتّٰی ۗ فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰی وَاتَّقٰی ۙ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰی ۙ فَسَنُیَسِّرُہٗ لِلْیُسْرٰی ۝ .... وَسَیُجَنَّبُھَا الْاَتْقَی ۙ الَّذِیْ یُؤْتِیْ مَالَہٗ یَتَزَکّٰی ۙ وَمَا لِاَحَدٍ عِنْدَہٗ مِنْ نِّعْمَۃٍ تُجْزٰٓی ۙ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْہِ رَبِّہِ الْاَعْلٰی ۚ وَلَسَوْفَ یَرْضٰی ۝

قسم رات کی جب ڈھانک لے اور دن کی جب روشن ہو اور اس کی جس نے نر اور مادہ پیدا کیا۔ تحقیق سعی تمہاری البتہ مختلف ہے جس نے دیا اور پرہیزگار ہوا اور سچ مانا اچھی بات کو تو ہم اس کو آہستہ آہستہ آسانی میں پہنچا دیں گے .... اور سب سے زیادہ پرہیزگار (جہنم کی آگ سے) بچایا جائے گا۔ جو دیتا ہے مال اپنا تزکیۂ باطن کے لیے اور نہیں اس پر کسی کا احسان جس کا بدلہ دیا جائے گا۔ مگر اپنے ربِ اعلیٰ کی خوشنودی کے واسطے دیتا ہے اور وہ ضرور آئندہ خوش ہوگا۔

امام جلال الدین سیوطیؒ، امام ابن حجر عسقلانیؒ، حافظ ابن عبدالبرؒ اور امام ابن جوزیؒ اور دیگر مفسرین نے متفقہ طور پر لکھا ہے کہ جب حضرت ابوبکرؓ نے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے حضرت بلالؓ کو خرید کر آزاد کیا، تو ان کے والد ماجد حضرت ابوقحافہؓ نے کہا "بیٹے! میں نے سنا ہے کہ تم کمزور اور حقیر غلاموں کو خرید کر آزاد کرتے ہو۔ کاش تم قوی اور کام کرنے والے غلاموں کو آزاد کرتے تو وہ تمہارے کام آتے اور تمہارے

پُشت پناہ بنتے ؟ حضرت ابوبکرؓ نے باپ کی یہ بات سُن کر جواب دیا۔ "آبا جان! میں تو صرف اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کا طالب ہوں۔" اس پر آیاتِ بالا نازل ہوئیں۔ ان میں سے پانچ باتیں توجہ طلب ہیں:۔

۱۔ وَ صَدَّقَ بِالْحُسْنٰى .... اور اچھی بات کو سچ مانا

۲۔ وَ سَيُجَنَّبُهَا الْاَتْقَى .... اور سب سے زیادہ پرہیزگار (جہنم کی آگ سے) بچایا جائے گا

۳۔ اَلَّذِىْ يُؤْتِىْ مَالَهٗ يَتَزَكّٰى .... جو دیتا ہے اپنا مال تزکیۂ باطن کے لیئے

۴۔ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْاَعْلٰى .... مگر اپنے ربِّ اعلیٰ کی خوشنودی کے لیئے دیتا ہے اور وہ

۵ وَلَسَوْفَ يَرْضٰى .... ضرور آئندہ خوش ہوگا۔

اب ہم باری باری ان آیات کی تشریح کرتے ہیں۔

۱۔ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰى (اور اچھی بات کو سچ مانا) یعنی محسنِ انسانیت ﷺ نے جو پیغام انسانیت کی ہدایت کے لیئے دیا اس کی تصدیق سب سے پہلے بلا حیل و حجت اگر کسی نے کی ہے تو وہ سیدنا ابوبکرؓ ہی ہیں جس کے ثبوت میں اللہ ربّ العزت نے اس سے پہلے فرمایا ہے۔ وَالَّذِىْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهٖ (اس شخص کو دیکھو، جو سچائی لے کر آیا اور اسے بھی دیکھو، جو اس کی تصدیق کرتا ہے۔ ایک بار جنابِ رسالت مآبؐ نے فرمایا ——— "اے لوگو! میں نے تمہیں، کہا تھا کہ میں تم سب کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسُول بن کر آیا ہوں۔ تم نے کہا جھوٹ ہے (مگر) ابوبکرؓ نے کہا۔ سچ ہے" (بخاری) رہبر کامل صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: "میں نے جب بھی کسی کو اسلام کی دعوت دی تو اس کی طرف سے کچھ نہ کچھ کراہت، تردد اور فکر پائی۔ لیکن ابوبکرؓ سے جب میں نے اسلام کا ذکر کیا تو انہوں نے بلا توقف (تردد) اس کو قبول کر لیا۔" (ابن اسحٰق)

آپؓ نے حدیثِ اسرا کی بے چون و چرا تصدیق کی۔ کفارِ مکہ جو واقعہ معراج کو تمسخرانہ انداز میں پیش کر رہے تھے یہ خبر لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھی ابوبکرؓ کے پاس گئے اور اس امید پر یہ بات بیان کی کہ ابوبکرؓ جیسا ہوش مند اور زیرک انسان تو کبھی بھی اس بظاہر ناقابلِ یقین واقعہ کو تسلیم نہیں کرے گا۔ جب رسُولِ خداؐ کے سچے عاشق حضرت ابوبکرؓ نے یہ ارشاد فرمایا۔ "اگر یہ بات فی الواقع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی ہے تو بالکل حق ہے اس میں شک و شبہ کی ذرہ برابر بھی گنجائش نہیں میں اسکی تصدیق کرتا ہوں۔ کفار آپؓ کا یہ جواب سن کر اپنا سا منہ لے کر رہ گئے" وہ حیران تھے کہ جو بات ان کی نگاہ میں ماورائے تصدیق ہے وہ ابوبکرؓ کے لیئے ادنیٰ موجب شک و ریب بھی ثابت نہ ہوئی" وہ پھر حضرت ابوبکرؓ سے ہم کلام ہوئے اور پوچھا "کیا بات ہے آپ کی عقل صحیح تسلیم کرتی ہے کہ وہ رات ہی رات بیت المقدس گیا اور صبح ہونے سے پہلے واپس آگیا؟"

حضرت ابوبکرؓ فرماتے ہیں "اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس سے بھی زیادہ بعید از قیاس بات فرمائیں

اور یہ کہیں کہ میں نے آسمانوں کی مسافت صبح و شام میں طے کر لی ہے تو جب بھی میں ان کو صادق مانوں گا اور میرے لیئے کوئی اچنبھے کی بات نہ ہوگی۔"

اس کا مطلب یہ ہوا کہ میں نبیؐ برحق کی تصدیق بہرحال کروں گا۔ اس لیئے کہ وہ صادق سمجھے جانے کے مستحق ہیں۔ جب اس واقعہ کے بعد ابوبکرؓ نبی کریمؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آنحضورؐ واقعہ معراج بیان فرمانے لگے۔ حضورؐ جو ارشاد فرماتے۔ ابوبکرؓ اس کو انتہائی توجہ سے سنتے جاتے اور کہتے جاتے "میں گواہی دیتا ہوں کہ آپؐ خدا کے فرستادہ ہیں۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خوش ہو کر فرمایا۔ "ابوبکرؓ ——— صدیق ہیں۔"

حضرت ابوبکرؓ کے "صدیق" ہونے کے ثبوت میں ترمذی کی یہ حدیث بیان کی جاتی ہے حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، ابوبکرؓ، عمرؓ اور عثمانؓ احد پہاڑ پر چڑھے پہاڑ ہلنے لگا۔ رسول اللہ صلعم نے فرمایا۔ "احد ٹھہر جا کیونکہ تجھ پر ایک نبیؐ ایک صدیق اور دو شہید ہیں۔" محدثین نے اس حدیث کو حسن صحیح لکھا ہے۔

لہٰذا حضرت ابوبکرؓ صدیقؓ پر یہ آیتِ قرآنی پوری پوری صادق آتی ہے ——— کہ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰی یعنی دینِ اسلام کی صدقِ دل سے تصدیق کی۔

اب ہم منتخب شدہ آیات میں سے دوسری آیت کو بیان کرتے ہیں۔

۲۔ وَسَیُجَنَّبُهَا الْاَتْقَی ..... (اور سب سے زیادہ پرہیزگار جہنم سے) بچایا جائے گا۔

امام ابن جوزیؒ نے لکھا ہے کہ "اجماعِ امت اس پر ہے کہ درج بالا آیت حضرت ابوبکر صدیقؓ کی شان میں نازل ہوئی ہے۔" اب اس آیت کی تشریح کی جاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوبکرؓ کو اتقی (سب سے زیادہ پرہیزگار) فرمایا ہے۔ قرآن پاک میں ایک دوسری آیت میں ہے اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰکُمْ ——— بے شک اللہ تعالیٰ کے نزدیک تم میں وہ سب سے زیادہ بزرگ ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہے) ان دونوں آیتوں کے مفہوم کو سامنے رکھا جائے تو ان کا نتیجہ یہ نکلا:۔

ابوبکر اتقٰکم و کل اتقٰکم اکرمکم فابوبکر اکرمکم

"ابوبکرؓ سب سے زیادہ پرہیزگار ہیں (پہلی آیت کی رو سے) سب سے زیادہ پرہیزگار سب سے زیادہ بزرگ ہے۔" تو اس لحاظ سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ جاتی ہے کہ حضرت سیدنا ابوبکر صدیقؓ سب سے زیادہ پرہیزگار ہونے کی وجہ سے سب سے زیادہ بزرگ تھے اور انبیاء کے بعد بہترین مخلوق تھے یہاں یہ بات ضرور ذہن میں رکھیں کہ چونکہ انبیاء کے بعد صدیقین کا درجہ ہے اس لیئے ہم اس بات کو صحیح ثابت کر رہے ہیں کہ ابوبکرؓ ——— صدیق ہیں۔ علاوہ ازیں چونکہ وہ سب سے بڑھ کر تصدیق

کرنے والے تھے جیسا کہ آیاتِ قرآنی اور ارشاداتِ نبوی ؐ سے ثابت ہو چکا ہے۔ اِس لیئے تصدیق کرنے کی جو صفت ہے اس میں بلند ترین مرتبہ پر بھی ابوبکرؓ ہی فائز ہیں۔ لہٰذا ابوبکر ——— صدیق ہونے کے علاوہ صدیق اکبرؓ بھی تھے۔

"حضرت ابوبکرؓ کی افضلیت کی قرآن وحدیث سے چار وجہیں معلوم ہوتی ہیں۔ اوّل امّت میں سب سے بلند مرتبہ ہونا۔ صدیقیت اسی سے مراد ہے۔ دوم۔ ابتدائے اسلام میں سرکارِ دوعالم ؐ کی اعانت۔ سوم۔ نبوت کے کاموں کو (نہایت امانت ودیانت کے ساتھ) انجام تک پہنچانا۔ چہارم۔ آخرت میں علو مرتبہ پانا۔ نیز آپؓ کی عملی اور عقلی قوت حضرات انبیاء علیہم السّلام کی عملی اور عقلی قوّت سے مشابہ تھی۔" (ازالۃ الخفاعن خلافۃ الخلفاء)

حضرت شاہ ولی اللہؒ آگے چل کر لکھتے ہیں۔

"جس صفت میں حضرت ابوبکرؓ صحابہ میں سب سے زیادہ ممتاز تھے وہ یہ تھی کہ جب کوئی مشکل مسئلہ یا مشورہ پیش آتا وہ اپنی فراست کو اس پر غور کرنے میں صرف کرتے۔ اللہ تعالیٰ غائب سے ایک شعاع ان کے دل پر ڈالتا جس سے حقیقتِ حال روشن ہو جاتی اس شعاع کا ظہور لطیفہ قلبیہ سے ہوتا۔ لہٰذا حقیقت حال بصورتِ عزیمت ظاہر ہوتی نہ برنگ تخیل۔" (ازالۃ الخفاء) مومن کی فراست اسی کو کہتے ہیں۔

حضرت جبیرؓ بن مطعم سے روایت ہے کہ ایک عورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئی اور آپ ؐ سے کسی معاملہ میں بات کی۔ حضور ؐ نے اسے کسی بات کا حکم فرمایا۔ اس نے عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) اگر میں کسی وقت آپ ؐ کو نہ پاؤں (تو کیا کروں؟) ارشاد ہوا۔ "ابوبکرؓ کے پاس چلی جانا۔" (ترمذی شریف)

طبرانی میں ہے: ابوبکر خیر الناس الا ان یکون نبی (سوائے انبیاء علیہم السّلام، کے ابوبکرؓ سب لوگوں سے بلند مرتبہ ہیں)

ترمذی میں حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہٗ سے مروی ہے کہ میں آنحضرت ؐ کی خدمت میں حاضر تھا کہ حضرت ابوبکرؓ وعمرؓ اُدھر آنکلے۔ آپ ؐ نے انکی نسبت فرمایا۔ "یہ دونوں اگلے پچھلے اُدھیڑ عمر والے جنتیوں کے سردار ہیں سوائے انبیاء اور مُرسلین کے۔ اے علیؓ! ان کو خبر نہ کرنا۔"

علاوہ ازیں ارشاد ہے "زمین پر میرے دو وزیر ابوبکرؓ وعمرؓ ہیں۔ یہ دونوں میرے سمع وبصر ہیں۔

ماطلعت الشمس ولاغربت علی احد افضل من ابی بکر الا ان یکون نبی۔

(ابونعیم وابن حمید) یعنی سوائے نبی کے آفتاب کسی ایسے شخص پر طلوع یا غروب نہیں ہوا جو ابوبکرؓ

سے زیادہ بزرگ ہو۔ یہ بات بھی احادیث سے ثابت ہے کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں سوائے حضرت ابوبکرؓ کے کسی نے فتویٰ نہیں دیا۔

نماز دین کا ستون ہے اور سب سے افضل عبادت ہے۔ سب سے افضل عبادت کی امامت بھی سب سے افضل انسان ہی کرا سکتا ہے۔ حضور نبی کریمؐ کی موجودگی میں آپؐ سے افضل کون ہو سکتا تھا لیکن اپنے بعد نبیؐ کی نگاہ انتخاب بھی امت میں افضل ترین انسان پر پڑی اور فرمایا۔ مُرُوْا اَبَا بَکْرٍ فَلْیُصَلِّ بِالنَّاسِ "ابوبکرؓ سے کہو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔" (بخاری مسلم۔ ترمذی) نبی کریمؐ کا حضرت ابوبکرؓ کو نماز جیسے دین کے افضل ترین جزو میں امامت کے فرائض سرانجام دینے کا حکم دینا ہی جناب ابوبکر صدیقؓ کے افضل ہونے کا ناقابل تردید ثبوت ہے۔

آپؓ بلا تردد قبول اسلام میں سب سے افضل۔ ہجرت میں سب سے افضل۔ رفاقت نبویؐ میں سب سے افضل اور نماز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانشینی میں سب سے افضل اور مقدم ٹھہرے۔ تو ثابت ہوا کہ سب سے زیادہ پرہیزگار (اَلْاَتْقٰی) صدیق اکبرؓ حضرت ابوبکرؓ ہی ہیں۔ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے (ایک روز) حضرت حسان بن ثابتؓ سے فرمایا "تم نے ابوبکرؓ کی شان میں کچھ کہا ہے؟" انہوں نے عرض کیا۔ "کہا ہے یا رسول اللہؐ۔" فرمایا۔ "مجھے پڑھ کر سناؤ۔" حضرت حسانؓ بن ثابتؓ نے یہ اشعار پڑھے۔

ترجمہ

و ثانی اثنین فی الغار المنیف وقد	اور بلند غار میں وہ دو میں سے ایک تھے
طاف العدو به اذا صعدا الجبلا	جب دشمن پہاڑ پر چڑھ کر ارد گرد گھوم رہے تھے۔
وکان حب رسول الله قد علموا	وہ رسول اللہ صلعم کے محبوب ہیں اور لوگوں کو تحقیق کے ساتھ اس کا علم ہے
من البریة لم یعدل به احدا	کہ ساری مخلوق میں آپ کے نزدیک ان کی برابری کرنے والا کوئی نہیں۔

یہ سن کر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اس قدر ہنسے کہ دندان مبارک نمایاں ہو گئے اور فرمایا "اے حسانؓ! تم نے سچ کہا ہے وہ ایسے ہی ہیں جیسا تم نے کہا ہے۔" صدقت یاحسان هو کما قلت (ابوسعید۔ حاکم)

حضرت حسانؓ کے اشعار کی تصدیق جو حضور نبی کریمؐ نے فرمائی وہ صدیق اکبرؓ کے علو مرتبہ ہونے کی ایک قوی دلیل ہے۔ پھر اللہ رب العزت سے حضورؐ دعا مانگتے ہیں۔

اللھم اجعل ابابکر فی درجتی فی الجنة یوم القیامة (حاکم) الٰہی ابوبکرؓ کو قیامت کے دن جنت میں میرے ہی درجہ میں جگہ دینا۔

ترمذی کی حدیث بھی بڑی غور طلب ہے کہ جس میں حضورؐ نے ارشاد فرمایا "کہ جو نمازیوں میں سے ہوگا اُسے جنت میں باب الصلوٰۃ سے پکارا جائے گا۔ جو مجاہدین سے ہوگا اسے باب الجہاد سے پکارا جائے گا اور جو صدقہ دینے والوں سے ہوگا اسے باب الصدقہ سے پکارا جائے گا" اور جو روزہ داروں سے ہوگا اسے باب الریان سے پکارا جائے گا۔ اس پر حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا" یا رسول اللہ میرے ماں باپ آپؐ پر قربان! کیا کوئی ایسا بھی ہوگا جو سب دروازوں سے پکارا جائے گا" ارشاد ہوا "ہاں ــــ اور مجھے امید ہے کہ تم ان میں سے ہی ہوگے"۔ بخاری، مسلم، امام احمد)

• اب منتخب شدہ آیات میں سے تیسری اور چوتھی آیت پیش کی جاتی ہے۔

۱۔ اَلَّذِیْ یُؤْتِیْ مَالَهٗ یَتَزَکّٰی ــ (جو دیتا ہے اپنا مال تزکیۂ باطن کے لیئے)

۲۔ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْاَعْلٰی ــ (مگر اپنے ربِ اعلیٰ کی خوشنودی کے لیئے دیتا ہے)

اب ان آیات کی تشریح کی جاتی ہے۔

اسلام کے آغاز میں حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اسلام قبول کرنے والی ایک جماعت کی بڑی مدد کی تھی۔ یہ جماعت غلاموں اور درماندہ حال لوگوں کی تھی جو اپنے دلوں میں ایمان کی لازوال دولت محفوظ رکھنے کے لیئے اپنی جانوں پر درندہ صفت کفار کا ظلم و ستم خندہ پیشانی سے برداشت کر رہے تھے یہ لوگ اللہ اور اس کے رسولؐ کو بہت ہی محبوب تھے۔ ان میں حضرت بلالؓ، عامرؓ، نہدیہؓ، زبیرہؓ اور بنی مومل کی ایک کنیز شامل تھیں، صدیق اکبرؓ نے اپنا مال دے کر انہیں خریدا اور پھر رضائے الٰہی کی خاطر آزاد کر دیا۔

• درج بالا آیات جو سیدنا صدیق اکبرؓ کی شان میں نازل ہوئیں۔ ان کی تشریح اور وضاحت خود جناب رسالت مآب صلعم نے فرمائی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے :

"ہم پر کسی کا احسان نہیں جس کا بدلہ ہم نے نہ دیا ہو مگر ابوبکرؓ کا جو احسان ہمارے ذمہ ہے اس کا بدلہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ دے گا اور مجھے کبھی کسی کے مال نے وہ نفع نہیں دیا جو ابوبکرؓ کے مال نے دیا ہے"۔ (ترمذی)

• حضرت ابوبکرؓ اس ارشاد کو سن کر رو دیئے اور عرض کیا یا رسول اللہ کیا میرا مال آپؐ کا مال نہیں؟ مزید ارشاد ہوا،

"جن شخصوں کا میرے اوپر صحبت اور مال میں سب سے زیادہ احسان ہے اُن میں ابوبکرؓ ہیں اور اگر میں کسی کو اپنا خلیل بناتا تو ابوبکرؓ کو بناتا لیکن اسلام میں اخوت ہے اور مسجد میں ابوبکرؓ کے سوا کسی کی کھڑکی کھلی نہ رکھی جائے"۔ (بخاری، مسلم)

یہ حدیث تیرہ صحابیوں نے روایت کی ہے اور امام سیوطیؒ نے اسے متواتر حدیثوں میں داخل کیا ہے۔ تبوک کی مہم سرور کونینؐ کی سب سے آخری فوجی مہم تھی۔ آپ اسے ہر لحاظ سے کامیاب بنانا چاہتے تھے۔ تاکہ

غیر ملکی طاقتیں اسلام کو کمزور خیال نہ کریں۔ آپ ﷺ نے صحابہؓ سے ہر طرح کی قربانی دینے کا حکم صادر فرمایا۔ حضرت عمرؓ بن خطاب فرماتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو حکم دیا کہ صدقہ کرو۔ حسن اتفاق سے اس وقت میرے پاس مال تھا۔ میں نے کہا اگر میں کسی دن حضرت ابوبکرؓ سے سبقت لے گیا تو وہ آج کا دن ہے۔ آج میں ان سے (ضرور) سبقت لے جاؤں گا۔ فرماتے ہیں میں اپنا نصف مال لے آیا۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ اپنے گھر والوں کے لیئے کیا چھوڑا ہے؟ میں نے عرض کیا اسی کے برابر اتنے میں حضرت ابوبکرؓ تشریف لے آئے اور ان کے پاس جو کچھ تھا وہ سب لے آئے۔ حضور ﷺ نے دریافت فرمایا۔ "اے ابوبکرؓ گھر والوں کیلئے کیا چھوڑا ہے؟ انہوں نے عرض کیا۔ اَبْقَيْتُ لَهُمُ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ (اللہ اور اس کے رسول کو چھوڑ آیا ہوں) حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے سوچا۔ میں کبھی ان سے کسی بات میں بھی آگے نہ بڑھ سکوں گا" (ترمذی)

حضور رسالت مآب ﷺ حضرت صدیق اکبرؓ کے اس جواب پر اتنے خوش ہوئے کہ آپ ﷺ نے انہیں اس مہم کا علمبردار مقرر فرمایا۔

خیرات فی سبیل اللہ میں بھی کوئی آپؓ کی برابری نہ کر سکا۔ آپؓ نے اپنے تزکیۂ باطن کے لیئے مال دیا اور اپنے ربّ اعلیٰ کی خوشنودی حاصل کی۔

۵۔ وَلَسَوْفَ يَرْضٰى ——— (وہ ضرور آئندہ خوش ہوگا)

سورۃ الیل کی اس آخری آیت میں اللہ تعالیٰ نے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خوشی کا وعدہ فرمایا ہے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ورضو عنہ

ارشادِ رسالت مآب ﷺ ہے:۔

يا ابابكر اعطاك الله الرضوان الاكبر۔ قال وما رضوان الله الاكبر۔ قال ان الله يتجلى للخلق عامه ويتجلى لك خاصة (حاکم)

"اے ابوبکرؓ! بارگاہ الٰہی سے تمہیں سب سے بڑی خوشنودی عطا ہوئی۔ دریافت کیا سب سے بڑی خوشنودی کیا ہے؟ ارشاد ہوا، اللہ تعالیٰ تمام مخلوق کے لیئے تجلی عام فرمائے گا اور تمہارے لیے تجلی خاص"

سورۃ والّیل کی اس درج شدہ آخری آیت میں ایک اور امر غور طلب ہے وہ یہ کہ اس آیت میں صدیق اکبرؓ کے خوش ہوجانے کا وعدہ ہے جیسا کہ سورۃ والضحیٰ کی آیت ۵ میں رسول اللہ صلعم کو خوش فرمادینے کا وعدہ ہے۔ وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى ؕ

اس سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ جاتی ہے کہ حضرت ابوبکرؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کتنے علو مرتبہ پر فائز تھے اور اللہ تعالیٰ نے جن اعلیٰ وارفع ہستیوں کے راستوں پر چلنے کا حکم دیا ہے یعنی جن پر اللہ نے انعام کیا ان میں انبیاء علیہم السلام کے بعد صدیقین کو رکھا اور ہر ذی شعور انسان جو قرآن و حدیث کی صداقت کا قائل ہے۔ ان حوالہ جات کو پڑھنے کے بعد اس بات کو تسلیم کیئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ بعد از نبی اکرم ﷺ اگر کسی

ہستی کا مقام ہے تو وہ واحد سیّدنا ابوبکر صدیق رضہ کی ذات بابرکات ہے اور جب انبیاءؑ کے بعد صدیقین کا مقام ہوا تو امام الانبیاءؐ (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کے بعد بلاشک وشبہ صدیق اکبرؓ کا مقام ہی ہو سکتا ہے۔ میرے بیان کرنے کا مطلب یہ ہے کہ آدمؑ سے لیکر ابن مریمؑ تک ہر نبی کے دور میں صدیقین ہوئے۔ بعینہٖ حضور نبی آخرالزماں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ اقدس میں بھی صدیقین کا برگزیدہ گروہ موجود رہا لیکن اللہ اور اس کے رسولؐ نے حضرت ابوبکر صدیق رضہ کی شخصیت کو تمام صدیقین میں جو ممتاز اور منفرد مقام دیا اور آپ رضہ کی شان میں جو آیات نازل ہوئیں اور جو احادیث نبیؐ کی زبان مبارک سے نکلیں ان کی منور کرنوں نے آپ رضہ کی صدیقیت کو وہ جلا بخشی اور وہ بلند مرتبہ عطا کیا کہ امام الانبیاءؐ کے بعد امت میں کسی کو نصیب نہ ہوا۔ آپ رضہ کی صدیقیت کامل واکمل تھی اور یہی میرے بیان کرنے کا اصل مقصد ہے۔

قرب الٰہی اور تقرب نبویؐ کا منفرد مقام جو صرف اور صرف صدیق اکبر رضہ کو ہی حاصل ہوا۔ جہاں سوائے اللہ ج، رسولؐ اور صدیق رضہ کے اور کوئی بھی نہیں تھا۔ اس بات کی تصدیق کرتا ہے کہ حضرت ابوبکر رضہ ہر لحاظ سے صدیق اکبر رضہ تھے۔

اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ	اگر تم رسولؐ کی مدد نہیں کرتے ہو تو کچھ پروا نہیں،
اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا	اللہ نے ان کی مدد اس وقت کی جب کفار نے ان کو
ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ	نکال دیا اور وہ دو میں سے ایک تھے جب دونوں غار
اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ	میں تھے جس وقت وہ اپنے دوست سے کہتے تھے
اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا ج (سورۃ التوبہ)	غم نہ کر خدا ہمارے ساتھ ہے۔

سفر وحضر میں ساتھ دینے والے صدیق اکبر رضہ جب ہجرت کے خاص سفر میں حضور رسالت مآبؐ کے ساتھ تھے تو غار ثور میں تقرب نبویؐ کا جو شرف آپ رضہ کو حاصل ہوا وہ کسی اور کو حاصل نہ ہو سکا۔ "اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا" اس قوت ایمانی کا جلوہ دکھاتا ہے جس میں صدیق اکبر رضہ کی رسول اللہ صلعم سے شدید محبت ہے اور یہی محبت ان کے علو مرتبہ ہونے کی اعلیٰ شہادت بھی ہے جب ہم اس ارشاد نبویؐ پر غور کرتے ہیں تو آپ رضہ کے درجات کی بلندی اس مقام پر پہنچ جاتی ہے جس کے آگے صرف رسالت اور نبوت کا رتبہ ہے۔ ارشاد ہوتا ہے: ما ظنّک باثنین اللّٰہ ثالثھما" اے ابوبکر رضہ تمہارا ان دو کی نسبت کیا گمان ہے جن کا تیسرا اللہ ہے) غور کیجئے۔ قرب الٰہی کا اس سے بڑھ کر سوائے نبیؐ کے اور کیا مقام ہو سکتا ہے! جہاں صرف اللہ، رسولؐ اور صدیق رضہ ہیں۔ ثانی اثنین میں رسول اکرمؐ کو دو میں کا ایک فرمایا۔ اس طرح صدیق اکبر رضہ آپ کے دوسرے ہوئے۔ یہ تقرب نبویؐ کا ایک عظیم جلوہ ہے۔ یہ رفاقت اور اثنینت اتفاقی نہ تھی بلکہ اس فدائیت اور خدمت کا نتیجہ تھی جس کی سعادت روز اول سے صدیق اکبر رضہ کے مقدر میں تھی۔ یار غار رضہ نے تو اپنا تن من دھن، مال ودولت، اولاد سب کچھ اپنے محبوبؐ پر نچھاور کر دیا تھا۔

تب ہی تو حضور سرور دو عالمؐ نے خوش ہو کر فرمایا ۔
"ہم پر جس کا بھی احسان تھا ہم نے اس کا بدلہ دے دیا۔ صرف ابوبکرؓ کا احسان باقی ہے اس کا بدلہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ دے گا ۔"

آغاز اسلام کا وقت کتنا کٹھن تھا۔ رسول اللہ صلعم حرم کعبہ میں مشغول عبادت ہیں ۔ کفار حملہ آور ہوتے ہیں اور گلوِ مبارک میں چادر ڈال کر گھونٹتے ہیں کوئی شخص صدیق اکبرؓ سے کہتا ہے ۔ اپنے دوست کی خبر لو یہ سن کر بیتابانہ آتے ہیں ۔ حضورؐ کو کفار کے نرغے سے چھڑاتے ہیں اور فرماتے ہیں "افسوس تم پر ! کیا تم اس شخص کو اس لئے قتل کرتے ہو کہ وہ کہتا ہے میرا رب اللہ ہے (اور حال یہ ہے) کہ وہ تمہارے پاس خدا کی طرف سے روشن دلیلیں لے کر آیا ہے ۔"

تصدیق پر تصدیق ہوتی ہے اور وہ بھی بلا تردد۔ نیابت الٰہی جوش میں آتی ہے ۔ جبرئیلؑ وحی لے کر آتے ہیں :۔ اَلَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِہٖ تاکہ دنیا والے رفیق رسولؐ کی شان کا بھی اندازہ کر لیں ۔ سفر وہ بدر کا موقع آیا تو صدیق اکبرؓ نے پروانہ وار شمع رسالتؐ کی پاسبانی کی یہ دیکھ کر اسد اللہ الغالب علی المرتضیٰؓ بھی پکار اُٹھے "ابوبکر اشجع الناس"

ارشاد نبویؐ ہے "قیامت کے روز سب سے پہلے میری قبر کشادہ ہوگی پھر ابوبکرؓ کی پھر عمرؓ کی ۔ میری امت میں سب سے پہلے صدیق اکبرؓ جنت میں داخل ہوں گے ۔"

آپؓ کو ضمینت کبریٰ کا مرتبہ حاصل تھا اور ان کی نسبت ابراہیمی تھی ۔ قرآن پاک میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا لقب اَوَّاہٌ (دردمند) ہے ۔ صحابہ کرامؓ صدیق اکبرؓ کو اسی لقب سے پکارا کرتے تھے ۔ ترمذی میں ہے ایک بار حضورؐ نے صدیق اکبرؓ سے فرمایا ۔ انت صاحبی علی الحوض وانت صاحبی فی الغار

صحابہ کرامؓ اور اہل بیت اطہارؓ کے بیسیوں اقوال ایسے ہیں جن سے صدیق اکبرؓ کا نبی کریمؐ کے بعد بلند ترین مرتبہ ہونا ثابت ہے ۔

حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکرؓ سے کہا "اے سب آدمیوں سے بہتر رسول اللہ کے بعد" (ترمذی)
فاروق اعظمؓ کا یہ قول بھی ہے "ابوبکرؓ ہمارے سردار ہیں ۔" (بخاری)

خلیفہ دومؓ فرماتے ہیں :۔ "اگر ابوبکرؓ کا ایمان سارے زمین کے اہل ایمان سے تولا جائے تو ان کا پلہ بھاری رہے گا ۔" (بیہقی)

حضرت علیؓ فرماتے ہیں اس امت میں اس کے نبیؐ کے بعد ابوبکرؓ و عمرؓ بہترین ہیں ۔" (امام احمد) علامہ سیوطیؒ فرماتے ہیں کہ امام ذہبیؒ نے اس حدیث کو متواتر لکھا ہے ۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ کا قول ہے کہ اسی (۸۰) بزرگوں نے اس حدیث کو حضرت علیؓ سے روایت کیا ہے ۔ یہاں حضرت علیؓ کا ایک اور قول بیان کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے ۔ فرماتے ہیں :۔ "اس ذات کی قسم جس کے دست قدرت میں میری جان ہے ہم جب بھی کسی نیکی کی طرف

بڑھے ابوبکرؓ ہم سے سبقت لے گئے۔" (طبرانی) یہی قول حضرت عمرؓ سے بھی مروی ہے۔

ابو یحییٰ ؒ سے روایت ہے کہ میں شمار نہیں کر سکتا کہ میں نے کتنی مرتبہ حضرت علیؓ کو منبر پر یہ کہتے سُنا کہ اللہ عزوجل نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی ابوبکرؓ کا نام "صدیق" رکھا ہے۔" (دار القطنی فی الافراد ــــ اصابہ)

حضرت علیؓ نے فرمایا۔ "رسول اللہ صلعم کے بعد ابوبکرؓ اور عمرؓ سب آدمیوں سے بلند مرتبہ ہیں۔ میری محبت اور ابوبکرؓ و عمرؓ کا بغض کسی مومن کے دل میں جمع نہیں ہو سکتا۔" (طبرانی) آخر میں حضرت علیؓ کے اس تاریخی خطبے کے چند اقتباسات تحریر کئے جاتے ہیں جو انہوں نے صدیق اکبرؓ کی وفات پر دیا۔ آپؓ نے جب حضرت ابوبکرؓ کی وفات کی خبر سُنی تو انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھ کر ان کے مکان پر یہ کہتے ہوئے تشریف لائے۔ الیوم انقطع خلافۃ النبوۃ آج خلافت نبوت کا خاتمہ ہو گیا ہے۔

جس مکان میں حضرت ابوبکرؓ کا جسد مبارک رکھا ہوا تھا۔ اس کے دروازہ میں کھڑے ہو کر آپؓ نے ایک بلیغ خطبہ دیا جو فی الحقیقت صدیق اکبرؓ کے اوصاف باطنی و ظاہری اور ان کے مراتب و فضائل کا پورا تبصرہ ہے۔ علاوہ ازیں اس خطبہ سے یہ اندازہ بھی ہوتا ہے کہ حضرت علیؓ کو صدیق اکبرؓ سے کس قدر محبت اور لگاؤ تھا!

"اے ابوبکرؓ! آپ پر خدا کی رحمت۔ آپ رسول اللہ کے محبوب و مونس، معتمد راز دار اور مُشیر تھے۔ آپ مسلمانوں میں سب سے پہلے ایمان لائے۔ آپ کا ایمان سب سے زیادہ خالص اور یقین سب سے زیادہ استوار۔ آپ سب سے زیادہ خوف خدا رکھنے والے اور سب سے بڑھ کر دین کو نفع دینے والے تھے۔ رسولؐ اللہ کی خدمت میں سب سے زیادہ حاضر باش۔ اسلام پر سب سے زیادہ شفیق.... رفاقت میں سب سے بہتر۔ سب سے زیادہ صاحب مناقب۔ فضائل کی دوڑ میں سب سے آگے۔ درجہ میں سب سے بلند وسیلہ میں سب سے قریب۔ سیرت میں رسول اللہ صلعم سے سب سے زیادہ مشابہہ۔ قدر و منزلت میں سب سے بلند...... آپ رسول اللہ صلعم کے نزدیک بمنزلہ سمع و بصر تھے۔ آپ نے رسولِ خداؐ کو اُس وقت سچا مانا جب سب نے آپؐ کو جھوٹا کہا۔ اسی لیئے اللہ عزوجل نے اپنی وحی میں آپ کا نام صدیق رکھا والذی جاء بالصدق وصدق بہ لانے والے محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ تصدیق کرنے والے ابوبکرؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہ...... آپ کی رفاقت سب سے بڑھ کر۔ آپ دو میں سے ایک تھے اور غار میں رفیق ...... آپ نے بہترین خلافت کی اور امر الٰہی کی وہ حفاظت کی جو کسی نبی کے خلیفہ نے نہیں کی...... آپ عمل میں سب سے زیادہ بزرگ تھے۔ واللہ آپ اہل دین کے سردار تھے...... " (الریاض النضرہ محب الدین طبری)

راوی کا بیان ہے کہ جب تک حضرت علیؓ خطبہ دیتے رہے سب لوگ خاموش رہے جب خطبہ ختم

جذبات کی شدت سے ضبط کے بند ٹوٹ گئے اور آہ و بکا کی صدائیں بلند ہونے لگیں اور سب نے بالاتفاق کہا "اے رسول اللہ کے خویش! آپ نے سچ فرمایا۔"

سیدنا صدیق اکبرؓ کو اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جو عشق اور گرویدگی تھی دراصل وہی انکی مشعلِ راہ تھی یہ گرویدگی اس وجہ سے نہ تھی کہ ان کا محبوبؐ اور قائد ظاہری چمک دمک اور دولت و سطوت کا مالک تھا اور وہ اپنے آگے اور پیچھے کوئی لاؤ لشکر رکھتا تھا یا وہ کسی بہت بڑی حکومت کا مالک تھا۔ رسول اللہ صلعم تو اس قسم کے شائبوں سے مبرا تھے۔ آپؐ صاحب سطوت و جبروت ہونے کی بجائے اسوقت کے فرعونوں کے ظلم و ستم کا تختۂ مشق تھے۔ جلو داروں کا ہجوم آپؐ کی معیت میں کہاں سے ہوتا! آپؐ کے پاس دولت و ثروت کی فراوانی اور دُنیوی عز و جاہ کا سرمایہ بھی نہ تھا۔ اگر آپؐ کسی دولت سے سرفراز تھے تو وہ صرف پیغامِ حق کی لافانی دولت تھی اور یہی چیز صدیق اکبرؓ کے لیئے ہر قدم پر تصدیق کا باعث و محرک بنی۔

اس گرویدگی نے صدیق اکبرؓ کی زندگی کا نقشہ بدل کر رکھ دیا۔ انکی قوتوں اور صلاحیتوں کے نشو و ارتقا کا رُخ پھیر دیا ان کے قلب کی گہرائی میں اُتر کر نداویۂ فکر و نظر میں انقلابِ عظیم برپا کر دیا۔ حدیث اسرا کی بلا تامل تصدیق اسی جذبہ کا نتیجہ تھی۔ صدیق اکبرؓ کے سامنے اپنے قائدؐ کی پوری زندگی تھی۔ ان کے نزدیک بنیادی سوال خیر و شر، صلاح و فساد اور توحید و شرک کے حسن و قبح کا تھا۔ اسلامی اور غیر اسلامی اخلاق کے منبع و ماخذ کا تھا۔ مستحسن مساعی اور جہالت کوشی میں امتیاز کا تھا۔ جب یہ سوال حل ہو گیا تو صدیق اکبرؓ مطمئن ہو گئے اور آپ نے فیصلہ کر لیا کہ میرا قائد قابلِ اتباع و تقلید ہے اور پھر آپؓ تو ان کے متبع کامل اور عاشق و گرویدہ بن گئے۔ آپؓ اس حقیقت سے بھی پوری طرح باخبر تھے کہ خیر و برکت کا یہ راستہ بڑا کٹھن اور جانگسل ہے۔ حق پرستی اور اپنے محبوبؐ کی رفاقت مسلسل صبر و جہاد کا دوسرا نام ہے۔ آپ کے نزدیک غیب کی باتوں کا یقین کر لینا اور مشاہد حقائق کی تصدیق کرنا دونوں برابر تھے۔ آپؓ کی نظر میں اصلی معیار کہنے والے کی شخصیت تھی نہ کہ وہ بات جو کہی جا رہی ہے کچھ لوگ حدیث اسراء سن کر مرتد ہو گئے مگر آپ کے لیئے یہ ایک معمولی بات تھی۔ آپ نے اسوقت فرمایا۔ "جب میں رسول اللہ صلعم کی سنائی ہوئی آسمانی باتوں پر ایمان لے آیا ہوں تو کیا وجہ ہے کہ آپ کی بتائی ہوئی دوسری باتوں کو صحیح نہ سمجھوں۔"

اگر بغور دیکھا جائے تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ صدیق اکبرؓ کی شخصیت کی کلید یہ ہے کہ اُن میں اپنے قائد جناب رسالت مآبؐ سے عشق و محبت کا والہانہ جذبہ اور آپؐ کی اتباع اور پیروی کا گہرا جوش و ولولہ موجود تھا اور اس گرویدگی کا رنگ ان کے جملہ اعمال اور ارادوں پر پوری طرح چڑھا ہوا تھا اور یہی وہ عظیم خوبی تھی جس کیوجہ سے آپ کی قلبی بصیرت اتنی زیادہ تھی کہ نبوت اور حقیقت

محمدیؐ کا صحیح ادراک سوائے ان کے اور کوئی نہ کر سکا۔ اس کی بہترین مثال رسول اللہ کی وفات کے وقت پیش آئی اس وقت اگر کسی کی فراست اور بصیرت نے کام کیا تو وہ صدیق اکبرؓ ہی کی فراست اور بصیرت تھی۔ آپؓ رمز شناس رسول تھے۔ یہاں ترمذی کی ایک معتبر اور صحیح حدیث بیان کی جاتی ہے جو آپؓ کے کمال بصیرت اور کلام رسول کے صحیح ادراک کی عکاسی کرتی ہے۔

"حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر تشریف فرما ہوئے اور فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے ایک بندے کو اس بات کا اختیار دیا ہے کہ وہ یا تو دنیا کی آرائش سے جتنا چاہے لے لے یا جو کچھ خدا کے پاس ہے حاصل کرے چنانچہ اس نے ان چیزوں کو پسند کیا جو خدا کے پاس ہیں یہ سن کر ابوبکرؓ رونے لگے اور عرض کیا ہم اپنے ماں باپ آپؐ پر قربان کرتے ہیں۔ راوی کہتے ہیں کہ ہم بڑے متعجب ہوئے۔ لوگ آپس میں کہنے لگے اس شیخ کو تو دیکھو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو کسی بندے کے متعلق ایک خبر سنا رہے ہیں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اور یہ ہیں کہ کہہ رہے ہیں ہم اپنے ماں باپ آپؐ پر قربان کرتے ہیں۔ لیکن یہ اختیار دراصل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہی دیا گیا تھا۔ اور ابوبکرؓ اس کے متعلق ہم سے زیادہ واقف تھے۔ پھر نبی کریمؐ نے فرمایا کہ لوگوں میں سب سے زیادہ ابوبکرؓ نے اپنی صحبت اور مالی اسباب سے مجھ پر احسان کیا ہے اگر میں کسی کو اپنا خلیل بناتا تو ابوبکرؓ کو بناتا۔ لیکن اسلام میں اخوت ہے۔ مسجد میں ابوبکرؓ کے سوا کسی کی کھڑکی کھلی نہ رکھی جائے۔" (ترمذی)

یہ ہے اس شخصیت کا راز جس سے واضح ہو جاتا ہے کہ اس عظیم شخصیت اور دوسری شخصیتوں کے درمیان کیا فرق و امتیاز ہے۔

—— اور یہی وہ راز تھا جس سے آپؓ ابوبکرؓ سے صدیق اور صدیق سے صدیق اکبرؓ بن گئے ——

(رضی اللہ عنہ و رضوا عنہ)

مقامِ سیدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

محمود احمد رضوی

حضراتِ خلفاءِ راشدین میں اصدق الصادقین سید المتقین۔ امام العارفین۔ حضرتِ صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حق و صداقت کی وہ مشعلِ تاباں ہیں جو حضور سیدِ عالم نورِ مجسم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات و صفات کے مظہرِ اتم۔ اور آپ کی سیرت و کردار کے کامل نمونہ تھے۔ آپ کا قلب تجلیاتِ جمالِ نبوت کا ہر آن جلوہ گاہ بنا رہا۔ اور آپ نے آفتابِ نبوت سے بے واسطہ فیض حاصل کیا۔

آپ کا نامِ نامی اسمِ گرامی۔ عبداللہ۔ صدیق و عتیق لقب۔ اور کنیت ابوبکر ہے۔ حاکم۔ ابن سعد۔ ابویعلی۔ نے روایت کیا۔ کہ حضور علیہ السلام اپنے اصحاب کے ہمراہ ایک مکان میں جلوہ فرما تھے کہ حضرت ابوبکر آئے۔ حضور نے فرمایا۔

من سرہ ان ینظر الی عتیق من النار فلینظر الی ابی بکر۔　　جسے زمین پر دوزخ سے آزاد کئے ہوئے کو دیکھنا پسند ہو وہ ابوبکر کو دیکھ لے۔

آپ کا دوسرا لقب صدیق ہے۔ اسلام سے قبل بھی آپ کا صدق مشہور تھا۔ قبائل عرب آپ کی دیانت و امانت اور حسنِ معاملہ کے معترف تھے۔ حضرتِ قتادہؓ فرماتے ہیں صبح شبِ معراج سے آپ لقبِ صدیق سے ممتاز ہوئے۔ کفار نے جب واقعہ معراج سنا تو حضرتِ صدیق اکبرؓ کے پاس آئے کہنے لگے اب حضور کے متعلق تمہاری کیا رائے ہے آپ نے فرمایا:

لَقَدْ صَدَقَ وَ اِنِّی لَاُصَدِّقُہٗ (حاکم و مستدرک)　　حضور نے سچ فرمایا اور میں اس کی تصدیق کرتا ہوں۔

سعید ابن منصور نے اپنی سنن میں جنابِ ابوہریرہ سے روایت کیا۔ حضور علیہ السلام معراج سے واپسی پر مقامِ ذی طوی میں پہنچے تو آپ نے حضرتِ جبرئیل سے فرمایا۔ میری قوم میری تصدیق نہیں کرے گی

حضرت جبرئیل نے جواب دیا۔ ابوبکر تصدیق کریں گے۔ کیونکہ وہ صدیق ہیں۔

جناب امیرالمومنین علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم قسم اٹھا کر فرماتے ہیں۔

ان اللہ انزل اسم ابوبکر من السماء الصدیق۔

اللہ تعالیٰ نے ابوبکر کا نام صدیق آسمان سے نازل فرمایا۔

جناب علی مرتضیٰ نے مزید فرمایا۔ ابوبکر وہ شخصیت ہیں جن کا نام اللہ تعالیٰ نے بزبانِ جبرئیل و بزبانِ سرورِ کائنات صدیق رکھا۔ وہ نماز میں حضور کے خلیفہ تھے۔ حضور نے انہیں ہمارے دین کے لئے پسند فرمایا تو ہم اپنی دنیا کے لئے ان سے راضی ہیں۔ (حاکم و مستدرک)

مکہ کے پہاڑ ثبیر پر حضور علیہ السلام، حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کے ہمراہ جلوہ فرما تھے پہاڑ لرزنے لگا۔ حضور نے پہاڑ پر ٹھوکر ماری اور اسے مخاطب کر کے فرمایا۔

اُسْکُنْ ثَبِیْرُ فَاِنَّمَا عَلَیْکَ نَبِیٌّ وَّصِدِّیْقٌ وَّشَہِیْدَانِ۔ (ترمذی)

اے پہاڑ۔ ٹھہر جا۔ اس وقت تجھ پر نبی۔ صدیق اور دو شہید (عمرؓ و عثمانؓ) ہیں

سبحان اللہ۔ جس ہستی مقدس کو حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم صدیق قرار دیں اس کے صدیق ہونے میں کسے شبہ ہو سکتا ہے؟ حضور کی زبان تو مرضی الٰہی کی ترجمان ہے ما ینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحیٰ۔ نبوت کے بعد درجہ بھی صدیق ہی کا ہے۔ من النبیین والصدیقین لہٰذا حضرت ابوبکرؓ کا صدیق ہونے کی بنا پر خلیفہ بلافصل ہونا اور افضلِ امت ہونا بالکل واضح ہے۔

ام المومنین عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں۔ مرضِ وفات میں حضور نے مجھ سے ارشاد فرمایا کہ اپنے باپ ابوبکرؓ کو اور اپنے بھائی عبدالرحمٰن کو بلا لو۔ تاکہ میں ابوبکرؓ کے حق میں ایک حکم نامہ لکھوا دوں مجھے

فَاِنِّیْ اَخَافُ اَنْ یَّتَمَنّٰی مُتَمَنٍّ وَّیَقُوْلُ قَائِلٌ اَنَا وَلَا یَاْبَی اللّٰہُ وَالْمُؤْمِنُوْنَ اِلَّا اَبَابَکْرٍ۔ (مسلم)

ڈر ہے کہ کوئی تمنا کرنے والا تمنا کرے اور کہنے والا کہے کہ میں مستحق (خلافت ہوں) اور اللہ تعالیٰ اور مومنین نہیں چاہتے مگر ابوبکر کو۔

حکیم الامت حضرت علامہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی قدس سرہ العزیز نے خلفاء راشدین کی اسلام میں آئینی و دستوری حیثیت کو ان لفظوں میں بیان فرمایا ہے۔

ایام خلافت تتمۂ ایام نبوت بودہ است گویا در ایام نبوت حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم تصریحاً بزبانِ اقدس مے فرمود۔ و در ایام خلافت ساکت نشستہ بدست و سر اشارہ میفرماید۔

ازالۃ الخفاء ج ۱ ص ۲۵

خلافتِ راشدہ کا دور دورِ نبوت کا تتمہ تھا۔ گویا دورِ نبوت میں حضور علیہ السلام صراحتہً زبانِ اقدس سے (احکام شرع) بیان فرماتے تھے اور دورِ خلافت میں حضور خاموشی سے جلوہ فرما سر اور ہاتھ کے اشاروں سے سمجھاتے ہیں۔

ابوبکر صدیق ہیں حضرت امام باقر کا ارشاد۔

عروہ بن عبد اللہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابو جعفر محمد بن علی علیہ السلام سے پوچھا کہ تلوار کا قبضہ چاندی کا بنوانا جائز ہے؟۔ آپ نے جواب دیا جائز ہے کیونکہ حضرت ابوبکر صدیق نے اپنی تلوار کا قبضہ چاندی کا بنوایا تھا۔ عروہ نے کہا آپ بھی ابوبکر کو صدیق کہتے ہیں؟

فَوَثَبَ وَثْبَۃً وَاسْتَقْبَلَ الْقِبْلَۃَ وَقَالَ نعم الصدیقُ نعم الصدیقُ نعم الصدیقُ فمَنْ لَمْ یَقُلْ لَہٗ الصدیقُ فَلَا صَدَّقَ اللہُ لہٗ فِی الدُّنیا وَلَا الاخرۃ۔ (کشف الغمہ ص۲۲۰)

اس پر امام باقر اپنی جگہ سے اچھلے اور کعبہ کی طرف چہرہ کر کے فرمایا کیا اچھے صدیق تھے کیا اچھے صدیق تھے کیا اچھے صدیق تھے۔ جو شخص ابوبکر کو صدیق نہ کہے خدا اس کی دنیا و آخرت میں تصدیق نہ کرے۔

اس روایت سے مندرجہ ذیل امور ثابت ہوتے ہیں۔

اول: حضرت امام باقر کی زبانِ فیض ترجمان سے حضرت ابوبکرؓ کا صدیق ہونا اور صدیق کا تمام امت سے افضل ہونا لازم آتا ہے کیونکہ قواعدِ مقررہ منصوصہ قرآن سے ثابت ہے کہ انبیاء کے بعد مرتبہ صدیقین کا ہے۔ اور صدیق تمام امت سے افضل ہوتا ہے۔ اَنْعَمَ اللہُ عَلَیْھِمْ مِنَ النَّبِیِّیْنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ الخ دوم: سائل کے سوال کا ہاں یا نہیں میں جواب دے دینا کافی تھا۔ مگر حضرت امام باقر نے حضرت ابوبکرؓ کے فعل کو دلیل بنا کر جواب دیا جس سے واضح ہوا کہ امام باقر کے نزدیک مسائل کا شرعی فیصلہ کرنے کے لئے حضرت صدیق اکبر کا قول و عمل حجت و سند کی حیثیت رکھتا ہے۔ سوم: حضرت امام باقر نے حضرت ابوبکرؓ کے نام کے ساتھ ان کے لقب صدیق کا بھی ذکر فرمایا۔ حالانکہ صرف نام لینا ہی کافی تھا۔ جس سے واضح ہوا کہ حضرت امام باقر کو حضرت ابوبکر سے ایسی محبت و عقیدت تھی کہ آپ کو حضرت ابوبکرؓ کے لقب صدیق کے بغیر ان کا نام لینا گوارا نہ ہوا۔

چہارم: جب امام باقر نے حضرت ابوبکر کو صدیق کہا تو سائل کو تعجب ہوا۔ اس نے امام سے سوال کیا آپ بھی ابوبکر کو صدیق کہتے ہیں؟ اس پر امام کو اسقدر غصہ آیا کہ آپ اپنی جگہ سے اچھل پڑے اور تین مرتبہ حضرت ابوبکر کے صدیق ہونے کو بیان فرمایا نہ صرف یہ بلکہ یہاں تک فرما دیا کہ جو ابوبکر کو صدیق نہ مانے دنیا و آخرت میں اللہ تعالیٰ۔ اس کی تصدیق نہیں کرے گا۔

علامہ طبرسی آیہ مبارکہ والذی جاءَ بالصدق وصدق بہ اولئک ھم المتقون کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔

الذی جاء بالصدق (رسول اللہ) وَصَدَّقَ بِہٖ (ابوبکر) تفسیر مجمع البیان

حق و صداقت کو لانے والے سے مراد حضور علیہ السلام کی ذات ہے اور اس کی تصدیق کرنے والے سے ابوبکر مراد ہیں۔

تفسیر (مجمع البیان)

افضلیت صدیقِ اکبرؓ:

اہل سنت والجماعت کا اجماع ہے کہ انبیاء کرام کے بعد سب سے افضل و برتر حضرت صدیق اکبرؓ کی ذات گرامی ہے۔ حضرت عبداللہؓ بن عمر فرماتے ہیں کہ ہم حضور کے زمانہ میں بھی کسی کو حضرت ابوبکرؓ کے برابر شمار نہیں کرتے تھے۔

كُنَّا فِي زَمَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم لَا نَعْدِلُ بِأَبِي بَكْرٍ أَحَدًا (بخاری)

كُنَّا نَقُولُ وَرَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَيٌّ أَفْضَلُ أُمَّةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ بَعْدَهُ أَبُو بَكْرٍ ثُمَّ عُمَرُ ثُمَّ عُثْمَانُ۔

ہم حضور کی حیات میں یہ کہتے تھے کہ حضور کے بعد امت میں سب سے افضل ابوبکر ہیں پھر عمر پھر عثمان رضی اللہ عنہم۔

چاندنی رات تھی۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم حریم عائشہ صدیقہؓ میں جلوہ فرما تھے۔ ایسے میں ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ عفیفہ طیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کی یا رسول اللہ آسمان کے ستاروں جتنی بھی کسی کی نیکیاں ہیں؟ حضور نے جواب دیا ہاں عمر کی ہیں۔ عرض کی ابوبکرؓ کی نیکیوں کی کیا کیفیت ہے حضور نے فرمایا۔

قَالَ جَمِيعُ حَسَنَاتِ عُمَرَ كَحَسَنَةٍ وَاحِدَةٍ مِنْ حَسَنَاتِ أَبُو بَكْرٍ (مشکوٰۃ)

عمرؓ کی تمام نیکیاں ابوبکر کی ایک نیکی کے برابر ہیں۔

حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ہر نبی کے دو وزیر آسمان کے فرشتوں میں سے اور دو وزیر زمین والوں میں سے ہوتے ہیں۔ فرشتوں میں میرے دو وزیر جبرائیل و میکائیل ہیں۔

وَأَمَّا وَزِيرَايَ مِنْ أَهْلِ الْأَرْضِ فَأَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ

اور اہلِ زمین سے میرے دو وزیر ابوبکر اور عمر ہیں۔ (ترمذی)

شیرِ خدا علی مرتضیٰ کا فیصلہ

امیر المومنین سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم نے اپنے مکتوب بنام امیر معاویہ میں تحریر فرمایا۔

وَكَانَ أَفْضَلُهُمْ فِي الْإِسْلَامِ كَمَا زَعَمْتَ وَأَنْصَحُهُمْ لِلّٰهِ وَلِرَسُولِهِ الْخَلِيفَةُ الصِّدِّيقُ وَخَلِيفَةُ الْخَلِيفَةِ الْفَارُوقُ وَلَعَمْرِي إِنَّ مَكَانَهُمَا فِي الْإِسْلَامِ لَعَظِيمٌ وَإِنَّ الْمُصَابَ بِهِمَا لَجُرْحٌ فِي الْإِسْلَامِ شَدِيدٌ يَرْحَمُهُمَا اللهُ وَجَزَاهُمَا بِأَحْسَنِ مَا عَمِلَا۔

اور اسلام میں سب سے افضل اور اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ اخلاص رکھنے میں سب سے بڑھ کر (جیسا کہ تم نے بیان کیا) خلیفہ صدیق ہیں اور خلیفہ کے خلیفہ فاروق ہیں۔ مجھے اپنی جان کی قسم بتحقیق ان دونوں کا مقام اسلام میں بڑا ہے اور بہ تحقیق ان کی وفات سے اسلام کو سخت زخم لگا۔ اللہ تعالیٰ ان دونوں پر رحمت نازل فرمائے

(شرح نہج البلاغہ علامہ ابن حسیم مطبوعہ ایران جز ۲) اور ان کو ان کے اچھے کاموں کا ثواب عطا فرمائے۔

حضرت امام باقر ارشاد فرماتے ہیں۔

لَسْتُ بِمُنْکِرٍ فَضْلَ اَبِیْ بَکْرٍ وَلَسْتُ بِمُنْکِرٍ فَضْلَ عُمَرَ وَلٰکِنَّ اَبَا بَکْرٍ اَفْضَلُ مِنْہُ

(احتجاجِ طبرسی ص ۲۰۳)

میں ابوبکر اور عمر کے فضائل کا منکر نہیں ہوں لیکن ابوبکر عمر سے افضل ہیں۔

امام جعفر صادق کا ارشاد۔

حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت ابوبکر و عمر کے حق میں فرماتے ہیں۔

ھُمَا اِمَامَانِ عَادِلَانِ قَاسِطَانِ کَانَا عَلَی الْحَقِّ وَمَاتَا عَلَیْہِ فَعَلَیْھِمَا رَحْمَۃُ اللّٰہِ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ

یہ دونوں امام ہیں، عادل انصاف کرنے والے دونوں حق پر تھے حق پر ہی ان کا انتقال ہوا ان دونوں پر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو۔

امام جعفر صادق کے اس ارشاد سے واضح ہوا کہ حضرتِ ابوبکر و عمر امام اور خلیفہ برحق تھے۔ وہ عادل اور منصف تھے وہ حق پر تھے اور وفات تک حق پر رہے۔ وہ قیامت کے دن مستحقِ رحمتِ الٰہی ہیں — ظاہر ہے کہ خلیفہ برحق وہی ہو سکتا ہے جو غاصب و خائن نہ ہو اور رحمتِ الٰہی کا مستحق بھی وہی ہوتا ہے جو ایمان و تقویٰ میں کامل و مکمل ہو غرضیکہ امام جعفر صادق کے اس ارشاد سے ان تمام مطاعن کا جو حضرت ابوبکر کے متعلق بیان کئے جاتے ہیں قلع قمع ہو گیا۔

تفسیر امام حسن عسکری۔

میں زیرِ سورہ بقر لکھا ہے کہ حضور سید عالم نور مجسم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر سے فرمایا۔

جَعَلَکَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَۃِ السَّمْعِ وَالْبَصَرِ وَالرَّاْسِ مِنَ الْجَسَدِ وَبِمَنْزِلَۃِ الرُّوْحِ مِنَ الْبَدَنِ

(منتہی الکلام)

بالیقین اللہ تعالیٰ نے تم کو بمنزلہ میرے سمع و بصر کے کیا ہے اور میرے ساتھ تم کو وہ نسبت ہے جو سر کو جسم سے اور روح کو بدن سے ہوتی ہے۔

حضرتِ امام حسن عسکری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس تفسیری نوٹ سے واضح ہوتا ہے کہ جناب ابوبکر فنافی الرسول کے درجہ پر فائز تھے۔ حضور کے ساتھ ان کو جو محبت و عقیدت تھی وہ یک جان دو قالب کی حیثیت اختیار کر گئی تھی — اہلِ عشق و محبت ہی حضور کے مذکورہ بالا کلماتِ طیبات کی عظمت کا احساس کر سکتے ہیں۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرتِ ابوبکر کو اپنی سمع و بصر اور جان و دل قرار دے کر آپ کے افضل امت ہونے کی ایسی نشاندہی فرمائی ہے جس سے انکار کی گنجائش ہی نہیں ہے۔

حضرت ابو بکرؓ کی خلافت حق ہے۔

ملا مجلسی نے تذکرۃ الائمہ میں صحابہ کرام کی تعداد چار لاکھ بتائی ہے اور علامہ شریف مرتضیٰ نے بہار الانوار کی جلد سوم میں یہ تصریح کی ہے کہ تمام مسلمانوں نے حضرتِ صدیق اکبر کی خلافت و امامت کو دل کی گہرائیوں سے تسلیم کیا اور برضا و رغبت بلا جبر و اکراہ آپ کے دستِ حق پرست پر بیعت کی۔

جمیع مسلمانان با ابو بکر بیعت کردند و اظہارِ رضا و خوشنود۔ خوشنودی باو۔ وسکون و اطمینان بسوئے او نمودند۔ وگفتند کہ مخالف او بدعت کنندہ و خارج از اسلام است۔

تمام مسلمانوں نے برضا و رغبت خود سکون قلبی کے ساتھ حضرت ابو بکرؓ کے ہاتھ پر بیعت کی اور کہا کہ حضرت صدیق اکبر کا مخالف بدعتی اور اسلام سے خارج ہے۔

یہ ہے خلافتِ صدیقی کے حق و صواب ہونے کے متعلق چار لاکھ مسلمانوں کا فیصلہ جو مہاجرین و انصار تھے اور جن میں بنی ہاشم اور اہل بیعتِ نبوت بھی شامل تھے۔

مزاج شناسِ رسول

حضرت صدیق اکبر چونکہ حضور علیہ السلام کے فضل و کمال کے مظہر اتم تھے اس لیے آپ مزاج شناس رسول کے منصب رفیع پر فائز تھے۔ یہی وجہ ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کے اسرار و معارف سب سے زیادہ سمجھنے والے صدیقِ اکبر ہی تھے۔

ابو سعید خدری فرماتے ہیں کہ حضور نے ایک دن اپنے خطبہ میں فرمایا اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک بندے کو اختیار دیا خواہ وہ دنیا کو اختیار کرلے یا جو اللہ تعالیٰ کے ہاں ہے اسے اختیار کرے تو اس بندے نے وہ اختیار کیا جو اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔ یہ سن کر حضرت ابو بکر رونے لگے۔ حضرت ابو سعید خدری فرماتے ہیں کہ ہم حیران تھے کہ ابو بکر کیوں رونے لگے آخر اس میں رونے کی بات ہی کیا ہے؟ لیکن بعد میں ہمیں معلوم ہوا اس بندے سے مراد حضور کی ذات پاک تھی۔ اور اس خطبہ میں حضور نے اپنی وفات کی خبر دی تھی۔ جس کو صحابہ میں سے کوئی نہ سمجھ سکا صرف صدیقِ اکبر نے کلماتِ نبوی کی رمز کو سمجھا اور رونے لگے۔

وَكَانَ اَبُوْبَكْرٍ اَعْلَمَنَا فَقَالَ يَا اَبَابَكْرٍ لَا تَبْكِ۔ اِنَّ اَمَنَّ النَّاسِ عَلَيَّ فِيْ صُحْبَتِهٖ وَمَالِهٖ اَبُوْبَكْرٍ وَلَوْ كُنْتُ مُتَّخِذًا مِنْ اُمَّتِيْ خَلِيْلًا لَاتَّخَذْتُ اَبَابَكْرٍ وَلٰكِنْ اُخُوَّةُ الْاِسْلَامِ وَمَوَدَّتُهٗ لَا يَبْقَيَنَّ فِي الْمَسْجِدِ بَابٌ اِلَّا سُدَّ اِلَّا بَابَ اَبِيْ بَكْرٍ (بخاری)

اور ابو بکر ہم سب میں زیادہ علم رکھتے تھے۔ پھر حضور نے فرمایا ابو بکر مت رو۔ تمام لوگوں میں کسی کے مال اور رفاقت کا احسان مجھ پر اتنا نہیں جتنا کہ ابو بکر کا ہے اور اگر میں اپنی امت میں سے کسی کو خلیل بناتا۔ تو ابو بکر کو بناتا مگر اسلامی محبت و اخوت ہے۔ مسجد کی طرف کسی کا دروازہ

باقی نہ رہے مگر اس کو بند کر دیا جائے سوائے ابوبکر
کے دروازے کے۔"

یہ حدیث حضرت صدیق اکبر کے دفتر فضائل کا گنجینہ ہے۔

صحابہ کرام حضرت صدیق اکبر کو سب سے زیادہ اعلم مانتے اور جانتے تھے۔ خلت سے مراد وہ دوستی ہے جو صرف عبد و معبود کے درمیان ہو سکتی ہے۔ مطلب حدیث کا یہ ہے کہ پوری امت میں صرف ابوبکر ہی لائق خلت تھے مگر میرا خلیل صرف اللہ تعالیٰ ہے۔

زبانِ رسالت کے اس اعلان کی عظمت پر غور کیجئے۔

مجھے صدیق کے مال نے جو نفع دیا کسی کے مال نہیں دیا۔

حضرت صدیق اکبرؓ کے حق میں حضور کے یہ کلماتِ طیبات، آپ کے مخلص نیاز مند اور جان نثار ہونے کی ایسی کھلی ہوئی ڈگری ہے کہ جس کا انکار آفتاب و مہتاب کے انکار کے مترادف ہے۔

اشاعت و استحکام اسلام کے لیے حضرت صدیق اکبر کا ایثار۔

حضرت صدیق اکبر تمام صحابہ کرام میں سب سے زیادہ جواد اور سخی تھے۔ آپ نے اپنے تمام وسائل کو اسلام کی خدمت کے لئے وقف کر دیا تھا۔ آپ اسلام کی اشاعت و استحکام کے لئے بے دریغ خرچ کرتے تھے۔ نومسلم غلاموں اور مسلمان اسیروں کو کفار کے پنجۂ ظلم سے آزاد کراتے تھے اور اس کام کے لئے بیمثال مالی ایثار سے کام لیتے تھے۔ اسلام کے لئے آپ کی فیاضی و سخاوت اور قربانی کی عظمت کا اس سے بڑھ کر اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے کہ خود خالقِ کائنات نے آپ کے مالی ایثار کو قرآن مجید میں بیان فرما کر اس کے مقبول و محمود ہونے کی سند عطا فرما دی۔ ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ اسی کی نیکی قبول فرماتا ہے جو مومنِ مخلص ہو ———

علامہ طبرسی مجمع البیان میں لکھتے ہیں۔

عَنِ ابنِ الزُبَیرِ قَالَ اِنَّ الاٰیَۃَ نَزَلَتْ فِی اَبِی بَکرٍ لِاَنَّہٗ اشْتَرٰی الممالیکَ الَّذِیْنَ اسلموا مثل بِلال و عامر بن میسرہ وغیرھم واعتقھم

آیت الذی یؤتی مالہ یتزکی۔ حضرت ابوبکر کے حق میں نازل ہوئی۔ جبکہ وہ اسلام لانے والے غلاموں کو خرید کر اللہ کی راہ میں آزاد فرما دیتے۔

قرآن مجید کی جس آیت کا شانِ نزول علامہ طبرسی نے بیان کیا ہے۔ وہ آیتِ مبارکہ یہ ہے۔

وَسَیُجَنَّبُهَا الْاَتْقَى ۝ الَّذِیْ یُؤْتِیْ مَالَهٗ یَتَزَكّٰى ۝ وَمَا لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰۤى ۝ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْاَعْلٰى ۝ وَلَسَوْفَ یَرْضٰى

اور بہت اس سے دُور رکھا جائے گا جو سب سے بڑا پرہیزگار، جو اپنا مال دیتا ہے کہ ستھرا ہو۔ اور کسی کا اس پر کچھ احسان نہیں۔ جس کا بدلہ دیا جائے صرف اپنے رب کی رضا چاہتا ہے۔ جو سب سے بلند ہے

بے شک قریب ہے کہ وہ راضی ہو گا۔

جب حضرت صدیق اکبر نے حضرت بلال کو گراں قدر قیمت پر خرید کر آزاد کر دیا تو کفار کو اس پر تعجب ہوا۔ انہوں نے کہاں صدیق اکبر نے بلال کو اس لئے آزاد کیا کہ شاید بلال کا ان پر کوئی احسان ہو گا۔ اس پر یہ آیہ مبارکہ نازل ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے اعلان فرمایا کہ حضرت صدیق اکبر کا یہ فعل محض اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے ہے کسی کے احسان کا بدلہ نہیں اور نہ حضرت صدیق اکبر پر بلال کا کوئی احسان ہے ــــ غور کیجیے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت صدیق اکبر کی اس نیکی کو قبول فرمانے کا قرآن مجید میں اعلان فرما دیا۔ اور نیکی اس کی مقبول ہوتی ہے جو مخلص مسلمان ہو۔ اس آیت سے حضرت صدیق اکبر کی یہ خصوصیت ثابت ہوئی کہ جو شخص ان کے مخلص مسلمان ہونے کا انکار کرے وہ قرآن کا منکر قرار پائے گا۔

امن الناس۔

حضرت صدیق اکبر کی یہ خصوصیت بھی بہت ہی پُر عظمت ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپکی خدمات اور ایثار و قربانی کا اعتراف فرمایا۔ حضور نے فرمایا۔

مَا نَفَعَنِیْ مَالُ اَحَدٍ قَطُّ مَا نَفَعَنِیْ مَالُ اَبِیْ بَکْرٍ۔ (ترمذی)

مجھے کسی کے مال نے اتنا نفع نہیں دیا جتنا ابوبکر کے مال نے نفع دیا۔

یہ شرف بھی جناب صدیق اکبر ہی کو حاصل ہے کہ آپ کو حضور سے جو والہانہ محبت تھی اور حضور کے لئے آپ نے جس ایثار و قربانی کا مظاہرہ فرمایا۔ کوئی شخص قصد و ارادہ کے باوجود اس معاملہ میں آپ پر سبقت نہیں لے جا سکتا تھا۔ چنانچہ

حضرت عمر فرماتے ہیں حضور نے ہمیں صدقہ کا حکم دیا تو میں نے خیال کیا کہ آج میں ابوبکر پر سبقت لیجاؤنگا تو میں نے اپنے مال کا نصف حصہ حضور کی خدمت میں پیش کر دیا۔ حضور نے فرمایا تم نے اپنے اہل و عیال کے لیے کیا چھوڑا۔ میں نے جواب دیا اسی کی مثل یعنی نصف اور حضرت ابوبکر نے اپنا تمام سرمایہ حضور

وَاَتٰی اَبُوْبَکْرٍ بِکُلِّ مَا عِنْدَہٗ فَقَالَ یَا اَبَا بَکْرٍ مَا اَبْقَیْتَ لِاَھْلِکَ فَقَالَ اَبْقَیْتُ لَھُمُ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ قُلْتُ لَا اَسْبِقُہٗ اِلٰی شَیْءٍ اَبَدًا (ترمذی ابوداؤد)

کی خدمت میں پیش کر دیا۔ حضور نے پوچھا اپنے اہل و عیال کے لئے کیا رکھا؟ عرض کی ان کے لئے اللہ و رسول ہی بس ہے۔ میں نے کہا کہ میں کبھی صدیق اکبر سے کسی بات میں بھی سبقت نہیں لے جا سکتا۔

پروانے کو چراغ ہے بلبل کو پھول بس
صدیق کے لئے ہے خدا کا رسول بس
(اقبال)

اس پر حضرتِ صدیقِ اکبر نے رو کر عرض کی۔ یا رسول اللہ

هَلْ اَنَا وَ مَالِی اِلَّا بِكَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ علیك۔ مَیں اور میرا مال آپ کا ہی تو ہے۔

حضور سید عالم نور مجسم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جس کسی نے مجھ پر کوئی احسان کیا تو اس کا بدلہ ہم نے دنیا ہی میں دے دیا سوائے ابوبکر کے کہ ان کی خدمات کا ثواب انہیں قیامت کے دن اللہ تعالیٰ عطا فرمائے گا۔

مَالِاَحَدٍ عِنْدَنَا یَدٌ اِلَّا وَقَدْ کَافَیْنَاهُ مَا خَلَا اَبَابَکْرٍ فَاِنَّ لَهٗ عِنْدَنَا یَدًا یُکَافِیْهِ اللّٰهُ یَوْمَ الْقِیَامَةِ۔

آن امن الناس بر مولائے ما — آن کلیم اول سینائے ما
ہستیِ او کشتِ ملت را چوں ابر — ثانیِ اسلام و غار و بدر و قبر

امام العارفین حضرت شیخ یحییٰ منیری قدس سرہ العزیز مکتوبات میں حضور علیہ السلام سے حضرت صدیق اکبرؓ کی محبت و عقیدت کو یوں بیان فرماتے ہیں۔

کسی نے حضرت شبلی علیہ الرحمہ سے امتحاناً سوال کیا کہ زکوٰۃ کتنی مالیت پر واجب ہوتی ہے؟ حضرت شبلی نے کہا۔ جواب مسلکِ فقہا پر چاہتے ہو یا مسلکِ فقراء پر۔ سائل نے عرض کی دونوں پر۔ فرمایا فقہا کے مذہب پر ایک سال گزرنے کے بعد دو سو درہم میں سے پانچ درہم زکوٰۃ واجب ہے اور مذہب فقراء پر پورے دو سو درہم کے ساتھ اپنی جان بھی پیش کرنی ضروری ہے۔ سائل نے کہا اس کی دلیل۔؟ آپ نے جواب دیا۔

ما این مذہب از صادق رب العٰلمین گرفتیم یعنی ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ او ہر چہ داشت بہ پیشِ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نہاد۔ و جگر گوشہ عائشہ را بشکرانہ داد۔

(مکتوبات یحییٰ منیری صـ ۳۴)

مَیں نے یہ مذہب صادق رب العٰلمین حضرتِ صدیقِ اکبر سے حاصل کیا ہے۔ آپ کے پاس جو کچھ مال و زر تھا سب کا سب رسول کریم علیہ السلام کے حضور پیش کر دیا اور اپنی جگر گوشہ عائشہ صدیقہؓ کو شکرانہ میں حضور نبیؐ کو دے دیا۔

حضرت صدیق اکبر حضور کے علم کے مظہرِ اتم تھے۔

جب امیر المومنین سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے افضل امت ہونے کی سب سے واضح دلیل یہ ہے کہ آپ کا سینہ حضور علیہ السلام کے علم و فضل کا خزینہ تھا اور آپ۔ حضور کے علم و عرفان کے مظہر اتم تھے۔ اللہ عز و جل نے حضور کے سینۂ اقدس میں حقائق و معارف کی جو مشعلیں روشن فرمائی تھیں۔ حضور نے اسے سینۂ صدیقؓ میں ودیعت فرما دیا تھا۔ غالباً حضرت شیخ فرید الدین عطار قدس سرہ العزیز نے اس مضمون کی حدیث کو یوں نظم فرمایا ہے۔

ہر چہ حق، از بارگاہ کبریا ! ریختت در صدرِ شریفِ مصطفٰے

آن ہمہ در سینۂ صدیق ریخت لاجرم لابد از تحقیق ریخت

حضرت صدیق اکبر کے سینہ کا نبوی علم وعرفان کا جلوہ گاہ ہونا۔ آپ کے افضلِ امت ہونے کی واضح دلیل ہے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا۔

لَمْ یُفَضِّلْکُمْ اَبُوْبَکْرٍ بِکَثْرَۃِ صَلٰوَاتِہٖ وَلَا بِکَثْرَۃِ صِیَامِہٖ وَاِنَّمَا ھُوَ شَیْءٌ وُقِرَ فِیْ قَلْبِہٖ۔

کثرتِ صوم وصلوٰۃ کے باعث صدیق اکبر کو تم پر فضیلت نہیں بلکہ ایک خاص چیز کی وجہ سے فضیلت ہے جو خاص طور پر ان کے دل میں ڈالی گئی۔

حق یہ ہے صدیق اکبر کی شان ہی نرالی ہے اور ان کے فضل وشرف کا اعتراف کئے بغیر چارہ ہی نہیں ہے۔

ہے زمانہ معترف صدیق تیری شان کا
صدق کا ایقان کا اسلام کا ایمان کا

حضرت صدیق اکبر نے حضور کی حیات میں تین دن نمازیں پڑھائیں

حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مرض وفات میں جناب صدیق اکبر کو امامتِ نماز کے لئے مقرر فرمایا۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے متعدد بار عرض کی کہ ابوبکر رقیق القلب ہیں۔ حضور کو مصلیٰ پر نہ پاکر ضبط نہ کرسکیں گے۔ حضرت عمر کو امامت کا حکم دیا جائے۔ حضور نے ہر بار حضرت عائشہ کی معذرت کو مسترد فرما دیا اور حکم دیا کہ

مُرُوْا اَبَا بَکْرٍ فَلْیُصَلِّ لِلنَّاسِ ابوبکر کو حکم دو۔ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔

(بخاری ج ۱ ص ۹۲)

چنانچہ حضور کے وصال تک تمام نمازیں حضرت ابوبکر ہی نے پڑھائیں امام بخاری علیہ الرحمہ نے جس عنوان کے ماتحت مذکورہ بالا مضمون کی حدیثیں ذکر کیں ہیں۔ اس کے الفاظ یہ ہیں۔

بَابُ اَھْلِ الْعِلْمِ وَالْفَضْلِ اَحَقُّ بِالْاِمَامَۃِ جو علم وفضل میں سب سے برتر ہو وہی امامت کا حقدار ہے۔

جس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں تمام صحابہ کرام میں صرف حضرت صدیق اکبر ہی علم وفضل اور تقویٰ وطہارت میں سب سے زیادہ افضل و برتر تھے اسی لئے حضور نے حضرت ابوبکرؓ کو امامت کے لئے منتخب فرمایا حضور نے یہ بھی فرمایا۔

لَا یَنْبَغِیْ لِقَوْمٍ فِیْھِمْ اَبُوْبَکْرٍ اَنْ یَّؤُمَّھُمْ غَیْرُہٗ (ترمذی) کہ کسی قوم کو یہ لائق نہیں ہے کہ ان میں ابوبکر ہوں اور امامت کوئی دوسرا کرے۔

تاریخ طبری میں ہے کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے حیاتِ نبوی میں تین دن نماز پڑھائی مقتدیوں میں جلیل القدر صحابہ کے علاوہ امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ عنہ، عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ، علی مرتضیٰ سبھی تھے۔ سب نے بلاچون وچرا حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی امامت میں نماز ادا کی۔

احتجاجِ طبری میں یہ تصریح ہے کہ علی مرتضیٰ شیرِ خدا کرم اللہ وجہہ الکریم نے حضرت ابو بکر کی اقتداء میں نماز ادا کی ہے۔

ثُمَّ قَامَ وَتَهَيَّأَ لِلصَّلٰوةِ وَحَضَرَ الْمَسْجِدَ وَصَلّٰى خَلْفَ اَبُوْبَكْرٍ۔ (احتجاج طبری صد ۵۳)

حضرت علی کھڑے ہوئے، نماز کی تیاری کی، مسجد میں آئے اور حضرت ابو بکر کی اقتداء میں نماز ادا فرمائی۔

حضرت انس فرماتے ہیں کہ پہلے روز صحابہ کرام حضرت ابو بکر کی اقتداء میں صف باندھے کھڑے تھے۔ کہ حضور علیہ السلام نے اپنے حجرہ کا پردہ اٹھایا اور ہمیں ملاحظہ فرمانے لگے۔

كَاَنَّ وَجْهَهٗ وَرَقَةُ مُصْحَفٍ ثُمَّ تَبَسَّمَ يَضْحَكُ۔ فَهَمَمْنَا اَنْ نَفْتَتِنَ مِنَ الْفَرَحِ بِرُؤْيَةِ النَّبِىِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (بخاری) ج ۱ ص ۹۳

گویا کہ حضور کا چہرہ انور مصحف کا ورق ہے پھر حضور مسکرائے۔ حضور کے دیدار سے ہمیں اتنی خوشی ہوئی کہ نماز چھوڑنے ہی کو تھے۔

فَلَمَّا وَضَحَ وَجْهُ النَّبِىِّ صَلَّى اللّٰهُ عليه وَسَلَّمَ مَا نَظَرْنَا مَنْظَرًا كَانَ اَعْجَبَ اِلَيْنَا مِنْ وَجْهِ النَّبِىِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (بخاری) ج ۱ ص ۹۴

جب حضور کا چہرہ ظاہر ہوا تو کوئی منظر ہمیں حضور کے چہرہ اقدس سے زیادہ حسین نظر نہیں آیا۔

حضرت ابو بکر الٹے پاؤں پیچھے ہٹے۔ انہوں نے خیال کیا کہ حضور نماز پڑھانے کے لئے تشریف لانا چاہتے ہیں۔ لیکن حضور علیہ السلام نے ہاتھ کے اشارہ سے فرمایا اپنی نماز پوری کرو۔ اور پردہ گرا دیا اور اسی دن حضور کا وصال ہوا۔

فَاَشَارَ اِلَيْنَا النَّبِىُّ صلى اللّٰهُ عليه وسلم اَنْ اَتِمُّوْا صَلَاتَكُمْ وَاَرْخَى السِّتْرَ فَتُوُفِّىَ فِىْ يَوْمِهٖ۔ (بخاری) ج ۱ ص ۹۵

حضور علیہ السلام کا اپنی حیاتِ مقدس میں خصوصی طور پر حضرت صدیق اکبر کو اپنا جانشین بنا کر اپنے مصلیٰ پر نماز پڑھانے کا حکم فرمانا۔ حضرت صدیق اکبر کا وہ اعزاز ہے جس میں کوئی آپ کا شریک نہیں ہے۔ پھر حضور کا پردہ اٹھا کر صدیق اکبر کی اقتداء میں صحابہ کرام کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھ کر تبسم فرمانا اس امر کی واضح دلیل ہے کہ حضور علیہ السلام حضرت صدیق اکبر کی امامت وخلافت پر راضی تھے۔ حضور نے اپنے عمل سے امت پر یہ واضح فرما دیا کہ جب میں حضرت صدیق کی امامت پر راضی ہوں تو تمہیں بھی بلاچون وچرا ان کی امامت پر راضی رہنا چاہیے۔

صحابہ کرام کو حضور سے ایسی عقیدت و محبت تھی کہ جب بحالتِ نماز انہیں حضور کی زیارت ہوئی تو حضور کے دیدار کی خوشی و مسرت میں ان کا یہ حال ہوا کہ نماز چھوڑنے ہی کو تھے۔

رفیقِ قبر و غار

امیر المومنین صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فضل و شرف کی انتہا یہ ہے کہ آپ کو حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خصوصی اور امتیازی شرفِ صحبت و مصاحبت حاصل ہے۔ آپ حضور کے رفیق قبر و حشر بھی ہیں اور رفیقِ غار بھی۔

(۱) حضرت ابن عمر فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام مسجد میں اس شان سے داخل ہوئے کہ آپ کے سیدھی طرف ابوبکر اور بائیں طرف عمر تھے۔ اور حضور دونو کے ہاتھ پکڑے ہوئے تھے۔ پھر آپ نے فرمایا۔

هٰكَذَا نُبْعَثُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ (ترمذی) قیامت کے دن بھی ہم اسی طرح اٹھائے جائیں گے۔

(۲) حضور علیہ السلام نے حضرت صدیق اکبر رضی کو مخاطب کر کے فرمایا۔

اَنْتَ صَاحِبِی فِی الْغَارِ وَصَاحِبِی عَلَی الْحَوْضِ (ترمذی) تم غار میں بھی میرے ساتھی تھے اور حوضِ کوثر پر بھی میرے ساتھ ہو گے۔

(۳) قرآن مجید میں ارشادِ باری ہے

اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا ۚ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلَيْهِ وَاَيَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِيْنَ كَفَرُوا السُّفْلٰى ۭ وَكَلِمَةُ اللّٰهِ هِىَ الْعُلْيَا ۭ (التوبہ)

اگر تم (رسول) کی مدد نہ کرو۔ تو بیشک اللہ نے انکی مدد فرمائی، جب کافروں کی شرارت سے انہیں باہر تشریف لے جانا ہوا (ہجرت کرنی پڑی) صرف دو جان سے جب وہ دونو غار میں تھے۔ جب اپنے یار سے کہتے تھے غم نہ کھا۔ بیشک اللہ ہمارے ساتھ ہے تو اللہ نے اس پر اپنا سکینہ اتارا۔ اور ان فوجوں سے اس کی مدد کی جو تم نے نہ دیکھیں۔ اور کافروں کی بات نیچے ڈالی۔ اللہ ہی کا بول بالا ہے۔

ان آیات میں حضرتِ صدیقِ اکبر رضی کی متعدد فضیلتوں کا ذکر ہے۔ اور یہ فضیلتیں اس نوع کی ہیں جو صرف آپ کی ذات کے ساتھ خاص ہیں۔ اور قرآن مجید کی نصوص سے واضح و ثابت ہیں۔

جب کفار نے حضور کے قتل پر اتفاق کیا تو اللہ تعالیٰ نے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہجرت کرنے کا حکم دیا۔ حضور نے بحکمِ الٰہی حضرت صدیق اکبر کو ہمراہ لیا۔ علامہ عبد الجلیل قزوینی نے تصریح کی۔

و بهمه وجوه رفتنِ محمدؐ و بردن ابو بکر بے فرمانِ خدا یعنی ہر حال میں حضور کا ہجرت فرمانا اور ابوبکر کو

نہ بود۔ مجلس پنجم ص ۳۱۰ ساتھ لینا حکم خدا کے بغیر نہ تھا۔

علامہ مومن کرمانی حملہ حیدری میں لکھتے ہیں۔ ہجرت کی رات۔ حضور ابو بکر کے گھر پہنچے۔ وہ پہلے ہی ہجرت کے لیے تیار تھے۔ پھر دونو یثرب کی راہ چلے حضور نے نعلین مبارک اتار دیں اور پنجہ کے بل راستہ طے فرمانے لگے۔ حضور کے قدم مبارک زخمی ہو گئے۔ حضرت ابو بکر نے

ابوبکر آنکہ بردوشش گرفت کہ در کس چناں قوت
آید پدید کہ بارِ نبوت تواند کشید
حملہ حیدری ج ۱ ص ۴۷-۴۸

حضور کو کندھوں پر اٹھا لیا۔ سخت تعجب ہے کہ ایک شخص کے اندر ایسی قوت کیسے پیدا ہو گئی کہ اس نے بارِ نبوت کو اٹھا لیا۔

اس کے بعد علامہ مومن کرمانی لکھتے ہیں۔ کہ

حضرت ابو بکر غار میں پہلے داخل ہوئے اور اپنی قبا چاک کر کے غار کے سوراخوں کو بند کیا۔

درآمد رسول خدا ہم بغار
نشستند یکجا بہم ہر دو یار
(حملہ حیدری) ج ۱ ص ۴۷-۴۸

پھر حضور بھی غار میں تشریف لے گئے اور دونو یار یکجا جلوہ فرما ہوئے۔

حضور علیہ السلام نے بحکم الٰہی تمام صحابہ کرام میں سے صرف حضرتِ ابو بکر کو ساتھ لیا اور اس انتہائی نازک اور خطرناک موقع پر آپ کو ہی رفیقِ غار بنایا۔ حضور کے اس عمل سے حضرت ابو بکر کا تمام صحابہ کرام سے افضل و برتر ہونا ثابت ہوتا ہے۔

حضور کو حضرت ابو بکر پر کامل اعتماد تھا۔ اور حضرت ابو بکر نے اس اعتماد پر پورا اترنے کا عملی ثبوت بھی دے دیا۔ جان کی پرواہ نہ کی اور حضور پر فدا ہونے کی ایک مثال قائم کر دی۔

ثانی اثنین سے واضح ہوا کہ حضور کے بعد دوسرے جو دینی و ملی ذمہ داریوں کو ادا کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ تمام صحابہ کرام میں صرف صدیق اکبر ہی تھے۔

صاحبہ۔ کے لفظ سے حضرت ابو بکر کا صحابی رسول ہونا ثابت ہوا اور یہ رتبہ بھی صرف حضرت صدیق اکبر ہی کو حاصل ہے کہ قرآن نے آپ کو حضور کا صاحب قرار دیا اور آپ کی صحابیت کا انکار نص قرآنی کا انکار قرار پایا۔

لا تحزن ان اللہ معنا کے الفاظ سے واضح ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی نصرت وطمانیت جیسے حضور کو حاصل تھی اسی طرح صدیق اکبر کو بھی حاصل تھی۔ جب اللہ تعالیٰ کا حضرت صدیق کے ساتھ ہونا ثابت ہوا تو اس سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ حضرت ابو بکر کامل الایمان۔ متقی مسلمان ہیں۔

فانزل اللہ سکینتہ علیہ۔ اللہ تعالیٰ نے غار میں حضرت صدیق اکبر پر سکینہ۔ (حق وصداقت پر قائم رہنے کی ایک خاص قوت۔ سکون اطمینان آپ پر نازل کیا۔) اور سکینہ انہیں پر نازل ہوتا ہے جو

مضبوط ایمان کے حامل ہوں اور نہایت مخلص مسلمان ہوں۔

تفسیر امام حسن عسکری کی تصریحات

تفسیر حضرت امام حسن عسکری رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں زیر آیت سورہ بقر لکھا ہے۔
جبرئیل علیہ السلام نے بحضور نبی صلعم عرض کی۔ اللہ تعالیٰ آپ کو سلام کہتا ہے اور یہ فرماتا ہے کہ ابوجہل اور قریش نے آپ کے قتل کی تدبیر مصمم کی ہے تو آپ علیؓ کو اپنے بستر پر چھوڑ دیجئے کہ وہ مثل اسماعیل آپ کے جان نثار ثابت ہوں گے۔

وامرك ان تستصحب ابا بكر فانه ان انسك وساعدك ووافدك وثبت على تعاهدك وتعاقدك كان في الجنة من رفقائك وفي غرفاتها من خلصائك الى ان قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ابي بكر ارضيت ان تكون معي يا ابا بكر تطلب كما اطلب وتعرف بانك انت الذي تحملني على ما ادعيه فتحمل على انواع العذاب قال ابو بكر يا رسول الله اما انا لو عشت عمر الدنيا اعذاب جميعا اشد عذاب لا ينزل على موت مريح ولا فرح وكان ذالك في محبتك لكان ذالك احب الى ان اتنعم فيها وانا مالك لجميع مماليك ملوكها في مخالفتك - وهل انا و مالي وولدي الا فدائك۔

اور ابوبکر کو اپنا رفیق بنا یئے۔ اگر وہ موانست کریں اور اپنے عہد پر قائم رہیں تو جنت میں بلکہ اعلیٰ علیین میں آپ کے رفیق ہوں گے۔ حضور نے علی سے اس سلسلہ میں بات کی تو راضی ہو گئے پھر ابوبکر کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا اے ابوبکر کیا تم اس امر پر راضی ہو کہ اس سفر میں میرے ہمراہ رہو اور کفارِ قریش جیسے مجھے قتل کے لئے تلاش کریں اس طرح تمہارے قتل کے لئے بھی درپے ہوں اور یہ بھی مشہور ہو کہ ہجرت پر تم نے مجھے آمادہ کیا اور میری رفاقت کی وجہ سے تم پر طرح طرح کے عذاب پہنچیں۔ حضرت ابوبکر نے عرض کی یا رسول اللہ۔ اگر آپ کی محبت میں قیامت تک سخت ترین بلاؤں میں گرفتار رہوں یہ میرے لئے اس سے بہتر ہے کہ آپ کو چھوڑ کر دنیا کی حکومت قبول کروں۔ حضور میری جان و مال اہل و عیال آپ پر قربان۔

حضرت صدیق کی معروضات کے جواب میں حضور علیہ السلام نے انہیں مخاطب بنا کر فرمایا۔
اے ابوبکر اللہ تعالیٰ نے تم کو بمنزلہ مرے سمع و بصر کے کیا ہے اور تم کو میرے ساتھ وہی نسبت ہے جو سر کو جسم سے اور روح کو بدن سے (تفسیر امام حسن عسکری)
دیکھئے۔ حضرت امام حسن عسکری تصدیق فرما رہے ہیں کہ حضور نے حضرت صدیق اکبر کو بحکم خدا اپنے ساتھ لیا۔ جس سے واضح ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک تمام صحابہ کرام میں صرف صدیق اکبر

ہی اس نازک اور انتہائی خطرناک موقع پر سب سے زیادہ قابل اعتماد جانِ نثارِ رسول تھے۔حضورؐ نے بھی حضرتِ صدیقِ اکبر کو بمنزلہ سمع وبصر قرار دے کر ان کے جذبہ عقیدت ومحبت کی اور مخلص یار ہونے کی ڈگری دے دی۔ الغرض اس آیت سے حضرتِ صدیق اکبر کا رفیقِ نبوت۔ رفیق غار۔ مخلص جان نثار ہونا۔ ثانی اثنین کے معزز ومحترم درجہ پر فائز ہونا۔ صحابی رسول ہونا۔ ایسا کہ جو آپ کے صحابی رسول ہونے کا انکار کرے اس کا منکرِ قرآن ہونا۔ اللہ تعالیٰ کا حضرت صدیق اکبر پر اپنا سکینہ نازل کرنا۔ حضور کا صدیق اکبر کو مخاطب بنا کر فرمانا غم نہ کھا اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے —— قرآنِ مجید کی وہ تصریحات ہیں۔ جو گروہِ صحابہ میں صرف اور صرف حضرت صدیق اکبر ہی کے ساتھ خاص ہیں اور جن سے حضرتِ امیر المومنین صدیقِ اکبر کا مخلص مسلمان ہونا، خلیفہ بلافصل ہونا۔ اور افضلِ امت ہونا۔ آفتابِ نیمروز سے زیادہ واضح ہے۔

خاص اس سابقِ سیرِ قربِ خدا　　　اوحدِ کاملیت پہ لاکھوں سلام
سایۂ مصطفےٰ مایۂ اصطفاء　　　عز و نازِ خلافت پہ لاکھوں سلام
یعنی اس افضل الخلق بعد الرسل　　　ثانی اثنین ہجرت پہ لاکھوں سلام
اصدق الصادقین سید المتقین
چشم و گوشِ وزارت پہ لاکھوں سلام

رفیقِ قبر۔

حضرت صدیقِ اکبر کا حضور کے پہلو میں دفن ہونا۔ بعدِ وفات بھی حضور کی دائمی حضوری کا شرف پانا۔ آپ کے ذوق محبت وعقیدت کی قبولیت اور آپ کے مخلص مسلمان ہونے کی کھلی ہوئی برہان ہیں۔

علامہ جامی قدس سرہ العزیز شواہد النبوت میں تحریر فرماتے ہیں۔ حضرتِ صدیقِ اکبر نے بوقتِ وفات وصیت فرمائی تھی۔ کہ مرنے کے بعد میرا جنازہ تیار کر کے روضہ اقدس کے سامنے رکھ دینا اور حضور سے حضور کے پہلو میں دفن کئے جانے کی اجازت چاہنا تو اگر روضہ اقدس سے اجازت مرحمت ہو جائے۔ تو مجھے میرے رسول کے پہلو میں دفن کر دینا بصورتِ دیگر مقابرِ مسلمین میں لیجانا جب حضور سے اجازت طلب کی گئی تو روضۂ اقدس سے آواز آئی۔

اُدْخِلُوا الحبیبَ اِلَی الحبیب　　　حبیب کو اس کے حبیب کے پاس رکھ دو۔

چنانچہ حضور کی صریح اجازت حاصل ہونے کے بعد پہلوئے نبوت میں آپ کو دفن کیا گیا۔

ترے ذوقِ محبت کو شرف اللہ نے یہ بخشا　　　کہ حاصل ہے حضوری دائمی تجھکو پیمبرؐ کی

حضرت صدیق اکبر کی یہ شان بھی منفرد حیثیت رکھتی ہے اور اس خصوصیت و افضلیت میں بھی آپ کا کوئی ثانی نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس مقدس مٹی سے حضور سرورِ[لہ] عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقدس جسم کو بنایا اسی کی قریب کی مٹی سے حضرتِ صدیق اکبر کے جسم اقدس کی ترکیب عمل میں آئی اور یہ بات حضرتِ صدیق اکبر کے افضلِ امت ہونے کی دلیل واضح ہے۔

حضرت صدیق اکبر کے فضل و شرف بزرگی اور عظمت کی انتہا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس مٹی سے جسم صدیق کو بنایا اسی کی قریب کی مٹی سے حضرت امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جسم کو بنایا۔ حتیٰ کہ حضرت صدیق اکبر کی جلالتِ شان کا یہ عالم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس مٹی سے حضرت صدیق اکبر کو بنایا اسی کی قریب کی مٹی سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے جسم مبارک کو بنایا حالانکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام صاحبِ کتاب رسول ہیں اور حضرت ابو بکر حضور کے مقدس صحابی اور خلیفہ رسول ہیں۔ نبی ہونے کی حیثیت سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام بلاشبہ حضرت صدیق اکبر سے افضل و اکرم ہیں۔ لیکن بایں ہمہ حضرت صدیق اکبر کی یہ خصوصیت بہت ہی اہم ہے اور انبیاء علیہم السلام کے بعد ان کے افضلِ امت ہونے کی دلیل ہے۔

لہ کیونکہ ضابطہ یہ ہے اور اس ضابطہ پر مسلمانوں کے تمام طبقات کا اتفاق ہے کہ آدمی جس جگہ کی مٹی سے پیدا ہوتا ہے وہیں دفن ہوتا ہے۔ مولوی مقبول احمد نے اپنے ترجمہ قرآن کے ص ۶۲۷ پر حضرت امام جعفر صادق کی یہ حدیث ذکر کی ہے۔ جب نطفہ رحم مادر میں قرار پاتا ہے تو ایک فرشتہ بحکمِ الٰہی اس کے مدفن کی مٹی نطفہ میں ملا دیتا ہے پھر اس شخص کا دل ہمیشہ اسی مٹی کی طرف مائل رہتا ہے جب تک کہ اس میں دفن نہ ہو جائے ——

روضہ اقدس میں ترتیب یہ ہے

حضور صلی اللہ علیہ وسلم

صدیق اکبرؓ

فاروق اعظمؓ

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لئے قبر کی جگہ جو خالی ہے۔

از ڈاکٹر بشیر احمد صدیقی
پنجاب یونیورسٹی لاہور

عشق رسول ﷺ اور سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

علامہ اقبالؒ نے کیا خوب فرمایا ہے :

شیشۂ دہر میں مانندِ مئے ناب ہے عشق — رُوحِ خُورشید ہے خُونِ رگِ مہتاب ہے عشق
دلِ ہر ذرہ میں پوشیدہ کسک ہے اس کی — نُور یہ وہ ہے کہ ہر شے میں جھلک ہے اسکی

تاریخ ادیانِ عالم بلکہ پوری تاریخ عالم کا مطالعہ کریں تو عشق و محبت کے مسحور کن نغمے، مختلف افسانوں، داستانوں اور حکایتوں کی صورت میں دلوں کو گرماتے اور کانوں میں رس گھولتے نظر آتے ہیں۔ عشق و محبت کی ان داستانوں کا مرکز و محور اگر "حسنِ بتاں" رہا ہے تو ایسے اہلِ دل بھی موجود رہے ہیں جنہوں نے عشق مجازی کی دلدل سے نکل کر عشق حقیقی کی وادی میں قدم رکھا ہے اور اپنے محبوب سے والہانہ وابستگی کی روشن مثالیں پیش کی ہیں۔ لیکن اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں کہ عشق و مُحبّت کا جو پاکیزہ، مثالی اور متوازن تصور اور حضور رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم سے کامل وابستگی کی جو درخشندہ اور تابناک مثال، اعلان رسالت کے مُصَدِّق اور آیت خلافت کے مُخاطَبِ اوّل سیدنا صدیق اکبرؓ نے پیش کی ہے پوری تاریخ انسانی اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔

اس دعوے کا محرک محض عقیدت و ارادت کا وہ جذبہ نہیں جو ہمارے دلوں میں کارفرما ہے بلکہ ایسے تاریخی شواہد اور حقائق کی میزان عدل پر تولا جاسکتا ہے اور دلائل و براہین کی روشنی میں جانچا اور پرکھا جاسکتا ہے۔

عشق و مُحبّت سے کیا مراد ہے؟ کتاب و سنت کی روشنی میں عشق رسولؐ کی اہمیت اور اس کا مقصود کیا ہے۔ سیدنا صدیق اکبرؓ نے عشق رسولؐ کی کونسی درخشندہ مثالیں پیش کی ہیں۔ اور یہ کہ سیدنا صدیق اکبرؓ نے عشقِ رسولؐ کا جو نمونہ پیش کیا ہے اس نے عالمِ انسانیت کو کیا سبق دیا ہے۔ یہ وہ مفید مباحث ہیں جو زیر نظر مضمون میں قارئین کرام کی خدمت میں پیش کئے جا رہے ہیں۔ عشق کے لغوی معنی ہیں کسی شے کے ساتھ دل کا وابستہ ہوجانا۔ المنجد میں ہے عَشِقَ عِشْقاً وَ عَشَقاً وَ مَعْشَقاً — تَعَلَّقَ بِهٖ قَلْبُهٗ۔ چنانچہ عَشِقَ بِالشَّیِٔ

کے معنی ہیں لَصِقَ بِہٖ (وہ اس کے ساتھ چمٹ گیا)۔ عشق و محبت کے الفاظ اکثر ہم معنی استعمال ہوتے ہیں لیکن اہل زبان نے ان میں یہ فرق کیا ہے کہ محبت جب حدِ اعتدال سے تجاوز کر جائے تو اُسے عشق کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ العِشقُ اِفراطُ الحُبِّ ویکون فی عفافٍ ودَعَادَۃٍ[۲]۔ ابن منظور نے لسان العرب میں اسی مفہوم کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے: اَلعِشقُ: فرطُ الحُبِّ وقیل: ھُوَ عُجبُ المُحِبِّ بالمحبوب یکون فی عفاف الحُبِّ وَ دَعادتہٖ[۳] (عشق، محبت کی زیادتی ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ عشق محِبّ کا محبوب کے ساتھ والہانہ شغف ہے جو محبت کی پارسائی اور غیر پارسائی دونوں طرح ہو سکتا ہے)

ابن منظور نے عشق و محبت کا موازنہ کرتے ہوئے احمد بن یحییٰ کے حوالے سے لکھا ہے!

"وسئل ابوالعباس احمد بن یحییٰ عن الحبّ والعشق ایّھما احمد؟ فقال الحُبّ، لانّ العشق فیہ افراط"[۴] (احمد بن یحییٰ سے جب پوچھا گیا کہ عشق و محبت دونوں میں سے کون زیادہ قابل ستائش ہے؟ تو انہوں نے کہا، محبتَ، کیونکہ عشق میں انسان حدِ اعتدال سے تجاوز کر جاتا ہے)

ابن منظور نے اس افراط یا زیادتی کی توجیہہ یہ پیش کی ہے:

"وَسُمِّیَ العَاشِقُ عاشِقًا لانّہٗ یذبل من شدّۃ الھوی کما تذبل العشقۃ اذا قطعت، والعشقۃ شجرۃ تخضرّ ثم تدقّ وتصفرّ"[۵]

(عاشق کو عاشق اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ شدتِ آرزو اور محبت سے دُبلا ہوتا چلا جاتا ہے جیسا کہ ایک جھاڑی "العشقۃ" جب اسے کاٹ دیا جائے تو پتلی ہو جاتی ہے۔ اور عشقۃ وہ پودا ہے جو سرسبز و شاداب ہوتا ہے لیکن پھر پژمردہ ہو جاتا ہے اور زرد پڑ جاتا ہے۔)

اگرچہ زبان و ادب میں لفظ خُلُق کی طرح لفظ عِشق بھی اچھے اور بُرے دونو معنوں میں استعمال ہو سکتا ہے لیکن اکثر یہ دونو الفاظ اچھے معنوں میں ہی استعمال ہوتے ہیں۔ چنانچہ خلق کا مذموم پہلو بیان کرنے کے لئے اہل زبان سوءِ خلق یا خلق بد کے الفاظ استعمال کرتے ہیں۔ اور عشق کا مذموم پہلو بیان کرنے کے لئے ہوس کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ اور لفظِ عشق کامل وابستگی کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ حکیم الامت، علامہ اقبالؒ تو بس عشق کے رسیا ہیں۔ ان کی نگاہ میں عشق وہ بادۂ جانفزا ہے جس سے ہاتھ کی لکیریں رگِ جاں ہو جاتی ہیں۔ کیف و مستی اور جذب و شوق نہ ہو تو ان کے نزدیک من کی دنیا آباد ہی نہیں ہوتی۔ مستانہ دل کی ایک لغزش ان کے ہاں رشکِ صد سجدہ نظر آتی ہے۔ اور عشق کے مقابلے میں علم و اعتدال کی صد فضیلتیں ان کی نگاہ میں ہیچ نظر آتی ہیں۔ ضرب کلیم میں علم و عشق کے عنوان سے، علامہ مرحوم نے، جو نظم لکھی ہے اس کا حسب ذیل بند ان کے جذبات کی عکاسی کرتا ہے:

عشق کی گرمی سے ہے معرکۂ کائنات — علم مقامِ صفات، عشق تماشائے ذات
عشق سکون و ثبات، عشق حیات و ممات — علم ہے پیدا سوال، عشق ہے پنہاں جواب[۶]

علم کا تعلق عقل سے ہے تو عشق کا دل سے، عقل و دل کے عنوان سے شاعر مشرق نے ایک مکالمہ پیش کیا ہے۔ عقل اپنی برتری کا احساس دلاتی ہے لیکن دل اس کی عظمت و احترام کا اعتراف کرتے ہوئے، اپنی فوقیت ان الفاظ میں ثابت کرتا ہے:

علم تجھ سے، تو معرفت مجھ سے — تُو خدا جُو، خُدا نما ہوں مَیں
علم کی انتہا ہے بے تابی — اِس مرض کی مگر دوا ہوں مَیں
شمع تُو محفل صداقت کی — حُسن کی بزم کا دِیا ہوں مَیں
تُو زمان و مکان سے رشتہ بپا — طائرِ سدرہ آشنا ہوں مَیں
کس بلندی پہ ہے مقام مرا — عرش ربّ جلیل کا ہوں مَیں [۸]

علامہ اقبالؒ کی نظم محبت[۸] کا مطالعہ کیجئے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک یہ پوری کائنات، بس عشق و محبت کے دم قدم سے ہی آباد ہے۔ یہ عشق کا جذبہ ہی ہے جو دل کو سوز و گداز سے لذت آشنا کرتا ہے اور یہ سوز و گداز روحانی زندگی کی جان ہے۔ اسی سے روح پرور نغمے ابھرتے ہیں۔ حضرت بلالؓ کے حضور میں ان الفاظ میں ہدیۂ عقیدت پیش کرتے ہیں:

اذان ازل سے ترے عشق کا ترانہ بنی — نماز اس کے نظارے کا اِک بہانہ بنی [۹]

گویا یہ عشق کا ہی جذبہ اور فیضان ہے جو روح کو گرماتا ہے۔ دل کو تڑپاتا ہے۔ آواز میں سوز و ساز اور مستی کی ایک نشاط آفریں کیفیت پیدا کرتا ہے۔ ع ہوش کا دارو ہے گویا مستیٔ تسنیم عشق

لیکن یہ عشق اس عشق سے یکسر مختلف ہوتا ہے جو ہوس کی ارتقائی صورت ہو۔ جو درحقیقت عشق نہیں ہوتی لیکن عشق کا روپ دھار لیتی ہے۔ اس کا اثر محض وقتی اور عارضی ہوتا ہے اور وقت کے ساتھ ساتھ یہ اثر زائل ہوتا چلا جاتا ہے۔ ورنہ عشق حقیقی تو ہمیشہ پائندہ اور تابندہ ہوتا ہے۔ بقول مولانا رُوم ؎

زانکہ عشق مردگان پائندہ نیست — چونکہ مُردہ سوئے ما آئندہ نیست
عشق آں زندہ گزیں کو باقی است — وز شراب جانفزا انت ساقی است

اور یہ عشق حقیقی ہی ہے جو انسان کو اعلیٰ وارفع مقام پر لے جاتا ہے اور "انگارۂ خاکی" کو "بال و پر روح الامین" عطا کرتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنی "شدید" محبت کو "وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِلّٰهِ" [۱۰] کے ارشاد میں، مومن کے ایمان کا نشان قرار دیا ہے۔ یہ ایک مسلّمہ حقیقت ہے کہ جس سے عشق ہو، انسان کے لئے اس کی بات ماننا آسان ہو جاتا ہے، وہ تعمیل کے لئے سرگرم اور مستعد نظر آتا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ سے عشق ہے تو اس کے احکام کی اطاعت آسان ہو جاتی ہے اور اگر رسالتمآبؐ سے عشق ہے تو ان کے فرامین کی متابعت سہل ہو جاتی ہے۔ گویا عشق حقیقی کا مقصود یہ ہے کہ انسان اپنے محبوب کے ساتھ، والہانہ محبت کے اظہار کے ساتھ ساتھ اس کے احکام و فرامین کی بے چون وچرا تعمیل کرے اور اس کے مشن کی تکمیل کرے۔

قرآن حکیم نے جو خزینۂ معرفت و بصیرت ہے، انسان کو عشق کی وادی میں یونہی دھکیل نہیں دیا بلکہ گوہر مقصود حاصل کرنے کے لیے اسے متعین راستہ بھی سُجھا دیا ہے تاکہ وہ جادۂ مستقیم سے بھٹکنے نہ پائے۔ چنانچہ نباضِ فطرت، محبوب ازلی جلشانہٗ نے فرمایا: قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ کہ اگر واقعی تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری اتباع کرو اللہ تم سے محبت کرے گا۔

اور اتباع اطاعت کا وہ درجہ ہے کہ تعمیل ارشاد "مجبوراً" نہ ہو بلکہ "برضا و رغبت" انجام پائے اور یہ رضا و رغبت اسی صورت میں پیدا ہو سکتی ہے کہ جب محبوب سے محبت اور کامل وابستگی حاصل ہو۔ اسی لئے قرآن حکیم نے حُبِ الٰہی کے ساتھ ساتھ حُبِ رسول کی تلقین بھی فرمائی، ارشاد باری ہے:

قُل ان کان اٰباؤکم وابناؤکم واخوانکم وازواجکم وعشیرتکم واموالُ اقترفتموھا وتجارۃٌ تخشون کسادھا ومسٰکن ترضونھا احبَّ الیکم من اللّٰہ وَرَسُوْلِہٖ وَجِھَادٍ فِی سَبِیْلِہٖ فتربصوا حتّٰی یاتی اللّٰہ بامرہ ۔ واللّٰہ لایھدی القومَ الفٰسقین٥

[اے نبی اکرم! کہہ دو کہ اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیویاں اور تمہارے عزیز و اقارب اور تمہارے وہ مال جو تم نے کمائے ہیں اور تمہارے وہ کاروبار جن کے ماند پڑ جانے کا تم کو خوف ہے۔ اور تمہارے وہ گھر جو تم کو پسند ہیں۔ تم کو اللہ اور اس کے رسول اور اس کے راستے میں جدّ و جہد سے عزیز تر ہیں تو انتظار کرو۔ یہاں تک کہ اللہ اپنا فیصلہ تمہارے سامنے لے آئے اور اللہ فاسق لوگوں کی رہنمائی نہیں کیا کرتا۔]

مذکورہ بالا آیات کریمہ سے واضح ہُوا کہ اللہ تعالیٰ سے محبت کا انحصار اتباع رسولؐ پر ہے۔ اور اتباع رسولؐ، حُبِ رسولؐ سے ممکن ہے اور جب حُبِ الٰہی اور حُبِ رسولؐ کے جذبے سے مومن سرشار ہوتا ہے تو وہ جہاد فی سبیل اللہ میں صحیح معنوں میں حصّہ لیتا ہے یا دوسرے الفاظ میں اپنے معبود حقیقی کے مشن کی واقعی تکمیل میں کوشاں ہوتا ہے گویا عشقِ الٰہی کا زینہ عشقِ رسولؐ ہے۔ اور جب تک حُبِ رسول اپنے کمال پر نہ پہنچے۔ مومن ایمان کامل کی حلاوت سے لذت آشنا نہیں ہو سکتا۔ خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک فرمانِ عالی سے اس کی توثیق ہوتی ہے۔ حدیثِ عُمرؓ میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے بارگاہِ رسالتمآبؐ میں اپنی عقیدت و محبت کا اظہار ان الفاظ میں کیا:

اَنْتَ اَحَبُّ اِلَیَّ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ مِنْ کُلِّ شَیءٍ اِلَّا نَفْسِی الَّتِی بَیْنَ جَنْبَیَّ ۔

[یارسول اللہ آپ مجھے ہر چیز سے عزیز ہیں سوائے میری اُس جان کے جو میرے دونو پہلوؤں کے درمیان ہے۔]

رحمت عالمؐ نے فرمایا:

لا تکون مؤمنًا حتّٰی اَکُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْکَ مِنْ نَّفْسِکَ ۔ (تم اس وقت تک ایمان کے

مدعی نہیں ہو سکتے جب تک تم میرے ساتھ اپنی جان سے بھی زیادہ محبت نہ کرو۔)
حضرت عمرؓ نے شدتِ احساس سے اسی وقت عرض کیا:
وَالَّذِیْ اَنْزَلَ عَلَیْكَ الْكِتَابَ لَاَنْتَ اَحَبُّ اِلَیَّ مِنْ نَفْسِی الَّتِیْ بَیْنَ جَنْبَیَّ (قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ پر کتاب نازل کی آپ مجھے میری اس جان سے بھی زیادہ محبوب ہیں جو میرے پہلو میں ہے)
نبی رحمتؐ نے فرمایا:
اَلْاٰنَ یَا عُمَرُ تَمَّ اِیْمَانُكَ[13] (اے عمر اب تمہارا ایمان مکمل ہوا)
حضرت انسؓ سے، اسی بارے میں، جو حدیث مروی ہے وہ اس سے بھی زیادہ واضح ہے۔ ارشاد نبوی ہے:
لایؤمن احدکم حتّٰی اکون اَحَبَّ اِلَیْهِ مِنْ نَفْسِهٖ وَمَالِهٖ وَوَلَدِهٖ وَوَالِدِهٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ[14]
(تم میں سے کوئی بھی اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک وہ مجھے اپنی جان اپنے مال اپنے والدین اور دیگر تمام لوگوں سے بڑھ کر محبت نہ کرے)
مذکورہ بالا بحث سے عشقِ رسولؐ کی اہمیت اور اس کا مقصود روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جاتا ہے۔ اب اس ہستی عظیم کا ذکر کرتے والے ہیں۔ جس نے اپنا تن۔ من۔ دھن ـــــ سب کچھ، حضور رسالتمآبؐ میں پیش کر دیا۔ لیکن اس تواضع اور انکسار کے ساتھ، گویا زبانِ حال سے یہ کہہ رہے ہیں کہ ع

حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

میری مراد سیدنا صدیق اکبرؓ سے ہے۔ جس نے عشقِ رسولؐ کا ایک ایسا مثالی نمونہ پیش کیا ہے کہ قیامت تک آنے والی نسل انسانی اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔ سیدنا صدیق اکبرؓ کے عشقِ رسول کی توثیق خود قرآن حکیم نے کی ہے۔ احادیث نے کی ہے۔ اور تاریخ اسلامی کے اوراق تو سیدنا صدیق اکبر کے عشقِ رسولؐ کے واقعات سے معمور اور روشن ہیں۔ سب سے پہلے ہم ان حقائق کا قرآن حکیم کی روشنی میں جائزہ لیتے ہیں،
قرآن حکیم میں ارشاد ربانی ہے:
اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا ثَانِیَ اثْنَیْنِ اِذْ هُمَا فِی الْغَارِ اِذْ یَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِیْنَتَهٗ عَلَیْهِ وَاَیَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِیْنَ كَفَرُوا السُّفْلٰى ۔ وَكَلِمَةُ اللّٰهِ هِیَ الْعُلْیَا ۔ وَاللّٰهُ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ[15]
[تم نے اگر نبی کی مدد نہ کی تو کچھ پروا نہیں۔ اللہ اس کی مدد اس وقت کر چکا ہے جب کافروں نے اُسے نکال دیا تھا۔ جب وہ صرف دو میں کا دوسرا تھا۔ جب وہ دونوں غار میں تھے۔ جب وہ اپنے ساتھی سے کہہ رہا تھا کہ "غم نہ کر اللہ ہمارے ساتھ ہے"۔ اس وقت اللہ نے اس پر اپنی طرف سے سکون قلب نازل کیا۔ اور اسکی مدد ایسے لشکروں سے کی جو تم کو نظر نہ آتے تھے۔ اور کافروں کا بول نیچا کر دیا۔ اور اللہ کا بول تو اونچا ہی ہے۔ اللہ زبردست اور دانا ہے۔]

"ثانی اثنین" کی تشریح کرتے ہوئے علامہ ابو سعود اپنی مشہور تفسیر "ارشاد العقل السلیم" میں لکھتے ہیں:
"وجعله علیه الصلوٰة والسلام ثانیهما لمشی الصدیق امامه ودخوله فی الغار اوّلاً ... لکنسه وتسویة البساط۔" (اور اس (اللہ تعالیٰ) نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دو میں دوسرا قرار دیا کہ حضرت صدیقؓ آپ کے آگے آگے چلتے تھے اور غار میں آپ سے پہلے داخل ہوئے تاکہ غار کو صاف کر دیں۔ اور جگہ کو ہموار کر دیں۔)

"لِصَاحِبِهٖ" کی تشریح کرتے ہوئے علامہ ابو سعود فرماتے ہیں:
"لِصَاحِبِهٖ: أی الصدیق (یعنی حضرت صدیقؓ) والمراد بالمعیة الولایة الدائمة التی لا تحوم حول صاحبها شائبة شیٔ من الحزن۔" (اور معیت سے مراد ایسی دائمی ولایت ہے جس کے مالک کے دل میں حزن (غم) کا شائبہ تک پیدا نہیں ہوتا۔

حضور رسالتمآب ﷺ سے، سیدنا صدیق اکبرؓ کے عشق و محبت اور عظیم جاں نثاری کا ذکر ان الفاظ میں کرتے ہیں:
"وفیه من الدلالة علی علو طبقة الصدّیق رضی الله عنه وسابقة صحبته مالا یخفی ولذلك قالوا من أنکر صحبة أبی بکر رضی الله عنه فقد کفر لانکاره کلام الله سبحانه وتعالیٰ۔"
[اور اس میں حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے مرتبے کی بلندی کا ثبوت ہے اور حضور سے صحبت کی اولیت کا جو مخفی نہیں ہے۔ اور اسی لیے کہا گیا ہے کہ جس نے حضرت صدیق اکبرؓ کی صحبت سے انکار کیا اس نے کفر کیا کیونکہ یہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے کلام کا انکار ہے۔]

علامہ محمود آلوسی نے اپنی شاہکار تصنیف رُوح المعانی میں سفرِ ہجرت کے ضمن میں غارِ ثور کا واقعہ درج کرتے ہوئے۔ بیان کیا ہے کہ اس رات نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم انگلیوں کے بل چلتے۔ سیدنا صدیق اکبرؓ سے اپنے محبوب ﷺ کی یہ تکلیف دیکھی نہ گئی۔ اور آپ کو بڑے ادب سے اٹھا لیا۔ اور مضبوطی سے تھامے رکھا۔ حتیٰ کہ غار پر پہنچ گئے۔ تو آپ کو آہستگی سے اُتارا اور بصد ادب عرض کیا:
"والذی بعثك بالحق لا تدخل حتیٰ ادخله فان کان فیه شیٔ نزل بی قبلك۔"[19]
[قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے۔ آپ اس میں نہ داخل ہوں جب تک میں اس کے اندر نہ جاؤں تاکہ اگر کوئی (تکلیف دہ) چیز اس کے اندر ہو تو آپ سے پہلے مجھ پر وارد ہو۔]

مُحِبِّ صادق، سیدنا صدیق اکبرؓ داخل ہوئے تو اندر کوئی مضر جانور نظر نہ آیا۔ تو انہوں نے رسالتمآب ﷺ کو پھر اُٹھایا اور غار کے اندر لے آئے۔ جذبۂ عشق سے سرشار اس مُحِبِّ صادق پر ایک اور کڑی آزمائش کا وقت آ پہنچا۔ بقول علامہ محمود آلوسی:
"وکان فی الغار خرق فیه حیات وافاعی فخشی ابوبکر ان یخرج منهن شیٔ یوذی

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فالقمہ قدمہ فجعلن یضربنہ و یلسعتہ"[۲۰]

[اور غار کے اندر سوراخ تھا جن میں سانپ تھے اور حضرت ابوبکرؓ کو خدشہ لاحق ہُوا کہ مبادا اس میں سے کوئی چیز نکل کر حضورؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف پہنچائے۔ لہٰذا انہوں نے اپنا پاؤں رکھ کر اُسے بند کر دیا۔ مگر سانپ نے ان کے پاؤں پر ڈس لیا۔]

اس واقعہ کے ذکر کے بعد علامہ آلوسی، سیدنا صدیق اکبرؓ کے عشقِ رسول کی جیتی جاگتی تصویر ان الفاظ میں پیش کرتے ہیں :

"وجعلت دموعہ تنحدر وھو لا یرفع قدمہ حُبّاً لرسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم"[۲۱]

[(اس ڈنک کی ٹیس اتنی سخت تھی کہ) آپ کے آنسو ٹپ ٹپ گرنے لگے مگر آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں اپنا پاؤں نہ اُٹھایا]

گویا آنسوؤں کے موتی آنکھوں سے ٹپ ٹپ گر رہے تھے مگر دل عشقِ رسولؐ کی حلاوت سے لذت آشنا ہو رہا تھا بقول علامہ اقبالؒ ؏

عشق کی لذت مگر خطروں کی جانکاہی میں ہے

امام رازیؒ نے اس واقعے کو ان الفاظ میں ذکر کیا ہے۔

"فلما وصل الی الغار دخل ابو بکر اولاً، یلتمس ما فی الغار۔ فقال لہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم مالک؟"[۲۲] (اور جب دونو غار تک پہنچ گئے تو پہلے ابوبکر داخل ہوئے تاکہ غار کو اچھی طرح دیکھ لیں (کہ اس میں کوئی موذی جانور تو نہیں)[۲۲] عاشقِ رسولؐ نے حضور رسالتمآبؐ میں مؤدبانہ عرض کیا :

"بأبی انت و اُمی، مأوی السباع والھوام۔ فان کان فیہ شئٌ کان بی لا بک وکان فی الغار جُحر، فوضع عقبہ علیہ لئلا یخرج ما یؤذی الرسول"[۲۳]

[یارسول اللہ! آپؐ پر میرے ماں باپ قربان ہوں! یہ درندوں اور موذی جانوروں کی آماجگاہ ہے۔ پس اگر کوئی شے خدانخواستہ اس میں موجود ہے تو اس کی اذیت مجھے پہنچ جائے آپ کو نہ پہنچے۔ اور غار میں ایک سوراخ تھا۔ ابوبکرؓ نے اپنی ایڑی اس پر رکھ دی تاکہ کوئی موذی جانور نکل کر رسالتمآبؐ کو اذیت نہ پہنچائے۔]

امام رازیؒ نے سیدنا صدیق اکبر کے دامنِ رسالت سے کامل وابستگی کو، دلائل و براہین کی روشنی میں بڑی تفصیل سے بیان کیا ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے :

۱۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب غار کا رُخ اس لئے اختیار فرمایا کہ آپ کو یہ خدشہ لاحق تھا کہ کہیں کفار آپ کو قتل نہ کر ڈالیں تو آپؐ کو ابوبکر صدیقؓ کی باطنی کیفیت سے متعلق قطعی یقین حاصل تھا کہ صدیق اکبرؓ مؤمنین ثابت قدم۔ صادقین اور صدیقین میں سے ہیں ورنہ بصورت دیگر حضورؐ کبھی بھی ایسے پُرخطر اور نازک موقع پر صدیق اکبرؓ کی معیت اختیار نہ فرماتے۔ کیونکہ اگر انہیں سیدنا صدیق اکبرؓ

کے متعلق شائبہ بھی ہوتا تو یہ خدشہ لاحق تھا کہ وہ ان کے بارے میں دشمنوں کو باخبر نہ کر دیں۔

۲۔ یہ امر مُسلّم ہے کہ ہجرت کرنے کا حکم اللہ تعالیٰ کی طرف سے دیا گیا تھا۔ اور اس وقت حضور رسالت مآبؐ میں مخلص و جاں نثار صحابہ کرام کی ایک پوری جماعت موجود تھی۔ جو نسب کے اعتبار سے سیدنا صدیق اکبرؓ کی نسبت رسول اکرمؐ کے زیادہ قریبی تھے۔ اس سے ثابت ہُوا کہ ایسے نازک موقع پر سیدنا صدیق اکبرؓ کی ہمراہی و مُصاحبت کا حکم بھی اگر مِنَ اللہ نہ ہوتا تو حضور انہیں اس مُصاحبت کے لئے مختص نہ فرماتے۔ اور بارگاہِ خداوندی سے سیدنا صدیقِ اکبرؓ کا اس خدمت کے لئے مختص ہونا اس امر پر دال ہے۔ کہ وہ دین میں کس قدر عالی منصب پر فائز ہیں۔

۳۔ سیدنا ابوبکر صدیق کے علاوہ دیگر صحابہ کرام نے رسول اکرمؐ سے قبل ہجرت اختیار کی۔ لیکن یہ شرف رفاقت کے متمنی رہے اور آپؐ سے پہلے جانا گوارا نہ کیا بلکہ ایسے پُر خطر اور نازک موقع پر آپ کی مؤانست کے لیے وابستہ خدمت رہے۔ اور اس امر سے آپؓ کی عظیم فضیلت کا واضح ثبوت ملتا ہے [۲۴]

۴۔ اللہ تعالیٰ نے سیدنا صدیق اکبرؓ کو رسول اکرمؐ کے "صاحب" کے لفظ سے متصف فرمایا ہے۔ اس سے آپؓ کی فضیلت اپنے کمال پر نظر آتی ہے [۲۵]

امام رازیؒ نے "ثانی اثنین" کی تشریح کرتے ہوئے سیدنا صدیق اکبرؓ کے حضور ہدیۂ تحسین ان الفاظ میں پیش کیا ہے:

"کان ثانی محمد فی اکثر المناصب الدینیہ" (آپ (ابوبکر صدیق) بہت سے دینی مناصب میں آپ کے ثانی تھے) اور اس کی تفصیل یہ بیان کی ہے:

- آپؓ دعوت الی اللہ میں حضورؐ کے ثانی تھے۔
- آپؓ غزوات میں حضورؐ کے ثانی تھے۔
- آپؓ مجلس میں حضورؐ کے ثانی تھے۔
- آپؓ مرض کی حالت میں امامت نماز میں حضورؐ کے ثانی تھے [۲۶]
- آپ فوت ہوئے تو حضور کے جوار میں جگہ پائی اور یہاں بھی آپ حضور کے ثانی تھے [۲۶]

اب ہم حدیث اور تاریخ کی روشنی میں سیدنا صدیق اکبرؓ کے جذبۂ عشقِ رسولؐ اور مثالی کردار کا جائزہ لیتے ہیں:

صحیح بخاری میں ہے کہ عُروہ بن زبیر نے ابن عمرو بن العاص سے پوچھا:

اخبرنی باشد شیءٍ صنعہ المشرکون بالنبیؐ: (مجھے کسی ایسے سنگین واقعہ کا بتایئے جو مشرکین نے نبی اکرمؐ سے روا رکھا ہو۔

اس نے جواب دیا:

بینا النبیؐ یصلی فی حجر الکعبۃ اذا قبل عقبہ بن ابی مُعَیط۔ فوضع ثوبہ فی عنقہ فخنقہ خنقاً شدیداً فاقبل ابوبکر حتی اخذ بمنکبہ و دفعہ عن النبیؐ وَ قَالَ اتقتلون رجلا ان یقول ربی اللہ [۲۷]

[جب حضور اکرمؐ کعبہ مکرمہ میں حجر کے مقام پر نماز ادا فرما رہے تھے تو اچانک عقبہ بن ابی معیط آگے بڑھا اور اس نے اپنا کپڑا حضورؐ کی گردن میں ڈال دیا اور اسے بڑی شدت سے گھونٹا تو ابوبکر صدیقؓ آگے بڑھے حتیٰ کہ اُسے کندھوں سے پکڑا اور حضورؐ کی مدافعت کی اور کفار کو کہا کہ کیا تم اس ذات گرامی کو محض اس بنا پر قتل کرنا چاہتے ہو جو یہ کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے۔]

حضورؐ سے محبّت اور وابستگی کی بنا پر آپ کو عبادت میں گہرا شغف ہوگیا تھا۔ اور عبادت میں اسقدر سوز وگداز تھا کہ رقت کی کیفیت طاری ہوجاتی۔ جو شخص بھی آپ کو اس عالم میں دیکھ لیتا۔ متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکتا۔ جب قریش آپ کی عبادت میں مزاحم ہونے لگے تو آپ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت لی اور رختِ سفر باندھ کر عازم حبش ہوئے جب آپ مقام برکِ الغماد میں پہنچے تو ابن الدغنہ رئیس قارہ سے ملاقات ہوئی۔ اس نے پوچھا ابوبکرؓ کہاں کا قصد ہے؟ آپ نے فرمایا کہ قوم نے مجھے جلاوطن کر دیا ہے اب ارادہ ہے کہ کسی اور ملک کو چلا جاؤں اور آزادی سے خدا کی عبادت کروں۔ ابن الدغنہ نے کہا کہ تم سا آدمی جلاوطن نہیں کیا جاسکتا۔ تم مفلس و بے نوا کی دستگیری کرتے ہو۔ قرابتداروں کا خیال رکھتے ہو۔ مہمان نوازی کرتے ہو۔ ...... مصیبت زدوں کی اعانت کرتے ہو۔ میرے ساتھ واپس چلو اور اپنے وطن ہی میں اپنے خدا کی عبادت کرو۔ چنانچہ آپ ابن الدغنہ کے ساتھ مکہ مکرمہ واپس آگئے۔ ابن الدغنہ نے قریش میں پھر کر اعلان کر دیا کہ آج سے ابوبکرؓ میری امان میں ہیں۔ ایسے شخص کو جلاوطن نہ کرنا چاہئے جو محتاجوں کی خبر گیری کرتا ہے۔ قرابتداروں کا خیال رکھتا ہے مہمان نوازی کرتا ہے اور مصائب میں لوگوں کے کام آتا ہے۔ قریش نے ابن الدغنہ کے امان کو تسلیم کیا لیکن فرمائش کی کہ ابوبکرؓ کو سمجھا دو کہ وہ جب اور جس طرح جی چاہے اپنے گھر میں نماز پڑھیں اور قرآن کی تلاوت کریں لیکن گھر سے باہر نماز پڑھنے کی ان کو اجازت نہیں۔"[28]

بخاری شریف میں ہے کہ قریش نے یہ الفاظ کہے:

"ولا یستعلن بہ فانا نخشی ان یفتن نساءنا و ابناءنا"[29] (کہ وہ علی الاعلان قرآن حکیم کی تلاوت نہ کریں ہمیں خدشہ ہے کہ کہیں وہ ہماری عورتوں اور بچوں کو مسحور نہ کرلے)

چنانچہ آپؓ نے اپنے گھر کے صحن میں ایک چھوٹی سی مسجد بنالی اور وہاں عبادت الٰہی انجام دینے لگے لیکن بقول علامہ اقبالؒ:

جب سے آباد ترا عشق ہوا سینے میں نئے جوہر ہوئے پیدا میرے آئینے میں

صحیح بخاری میں اس عاشقِ رسولؐ کی پُرسوز عبادت کا نقشہ ان الفاظ میں بیان ہوا ہے۔

"وکان یُصلّی فیہ و یقرا القرآن فینقذف علیہ نساء المشرکین وابناءھم وھم یعجبون منہ وینظرون الیہ وکان ابوبکر رجلاً بکّاءً لایملک عینیہ اذا قرا القرآن"[30]

[آپ وہاں نماز ادا فرماتے اور قرآن حکیم کی تلاوت کرتے۔ پس (اس پُرسوز تلاوت سے متاثر ہوکر) مشرکین

کی عورتیں اور بچے آپ کے قریب جمع ہو جاتے اور آپ کی کیفیت کو بنظر تعجب دیکھتے اور آپ کو دیکھتے رہتے۔ اور ابوبکرؓ پر کیفیت یہ ہوتی کہ جب قرآن حکیم کی تلاوت کرتے تو زار و قطار روتے اور انہیں اپنی آنکھوں پر قابو نہ رہتا تھا۔]

چنانچہ قریش کو "اس پر بھی اعتراض ہوا اور انہوں نے ابن الدغنہ کو خبر کر دی۔ کہ ہم نے تمہاری ذمہ داری پر ابوبکرؓ کو اس شرط پر امان دی تھی کہ وہ اپنے مکان میں چھپ کر اپنے مذہبی فرائض ادا کریں لیکن اب وہ صحنِ خانہ میں مسجد بنا کر اعلان کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں۔ اس سے ہم کو خوف ہے کہ ہماری عورتیں اور بچے متاثر ہو کر اپنے آبائی مذہب سے بدعقیدہ نہ ہو جائیں۔ اس لئے تم انہیں مطلع کر دو کہ اس سے باز آئیں ورنہ تم کو ذمہ داری سے بری سمجھیں۔ ابن الدغنہ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ سے جا کر کہا۔ تم جانتے ہو کہ میں نے کس شرط پر تمہاری حفاظت کا ذمہ لیا ہے۔ اس لئے یا تو تم اس پر قائم رہو یا مجھے ذمہ داری سے بری سمجھو۔ میں نہیں چاہتا کہ عرب میں مشہور ہو کہ میں نے کسی کے ساتھ بدعہدی کی ہے۔"[۳۱]

لیکن عشق بھی کبھی مصلحت کوش ہوا ہے؟ انہیں ایسی قدغن کب راس آ سکتی تھی؟ چنانچہ بقول علامہ اقبالؒ ؎

بے خطر کود پڑا آتشِ نمرود میں عشق

اس محبِّ صادق نے اذیتوں کے تلاطم کے لئے اپنی آغوش وا کر دی اور تمام مصلحتوں کو کمال استغنا سے کام لیتے ہوئے، یکسر نظر انداز کر دیا اور فرمایا:

فانی ارد الیک جوارک و ارضی بجوار اللہ عزوجل[۳۲] (میں تمہاری پناہ اور امان تمہیں واپس لوٹاتا ہوں اور اللہ عزوجل کی پناہ پر راضی ہوں)

علامہ ابن حجر العسقلانی نے الاصابۃ میں ام الخیر کے ترجمے میں لکھا ہے:

"لما اسلم ابوبکر قام خطیباً فدعا یدعاء الی اللہ و رسولہ فثار المشرکون فضربوہ ...... انہ سأل عن رسول اللہ ﷺ بعد ان افاق من غشیۃ فقالت لہ امہ لا ندری، فقال سلی ام جمیل بنت الخطاب فذھبت الیھا فسألتھا ...... الخ "[۳۳]

[جب ابوبکرؓ اسلام لائے تو کھڑے ہو کر خطبہ دیا اور اللہ اور رسولؐ کی طرف دعوت دی پس کافران پر ٹوٹ پڑے اور انہیں زد و کوب کیا ..... جب ابوبکرؓ کو غش سے افاقہ ہوا تو حضورؐ کی خیریت پوچھی تو آپ کی والدہ نے کہا کہ ہمیں علم نہیں۔ آپ نے کہا ام جمیل کی معرفت معلوم کرو پس آپ کی والدہ گئیں اور ان سے آپؐ کی خیریت معلوم کی۔]

رسول اکرمؐ سے آپ کے عشق و وابستگی کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ کفار کے ہاتھوں پہنچنے والی اذیت اور تکلیف کو یکسر نظر انداز کرتے ہوئے جب تک آپؐ کی خیریت معلوم نہیں ہو گئی۔ محبِ صادق کو چین نہیں آیا۔ حضور اکرمؐ نے قریش مکہ کی "ایذا رسانی کے باوجود تیرہ برس تک مکہ میں تبلیغ و دعوت کا سلسلہ جاری رکھا جحضرت

ابوبکر صدیقؓ اس بے بسی کی زندگی میں جان - مال - رائے و مشورہ غرض ہر حیثیت سے آپؐ کے دست و بازو اور رنج و راحت میں شریک رہے - آنحضرتؐ روزانہ صبح و شام حضرت ابوبکرؓ کے گھر تشریف لے جاتے اور دیر تک مجلسِ راز قائم رہتی۔"[۳۴]

ایک روز حضورؐ، خلافِ معمول، ناوقت، گھر تشریف لائے اور فرمایا کہ کوئی ہو تو ہٹا دو، میں کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں - حضرت ابوبکرؓ نے عرض کی کہ گھر والوں کے سوا اور کوئی نہیں ہے یہ سُن کر آپ اندر تشریف لائے اور فرمایا کہ مجھے ہجرت کا حکم ہوگیا ہے - حضرت ابوبکرؓ نے جو پہلے بھی شرف رفاقت کی تمنا کا اظہار کرچکے تھے اب پھر ہمرہی کی تمنا کا اعادہ کیا - ارشاد ہوا: ہاں تیار ہو جاؤ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے پہلے ہی سے دو اونٹ تیار کر لئے تھے - ایک آنحضرتؐ کی خدمت میں پیش کیا اور ایک پر خود سوار ہوئے۔"[۳۵]

محبوب کے آرام کا اسقدر خیال تھا کہ غار ثور میں زہریلے سانپ نے کاٹا لیکن" اس خادم جاں نثار نے اپنے آقا کی راحت میں خلل انداز ہونا گوارا نہ کیا - زہر اثر کرنے لگا - درد و کرب کے باعث آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے - لیکن اس وفا شعار رفیق نے اپنے جسم کو حرکت تک نہ دی کہ اس سے خواب راحت میں خلل اندازی ہوگی۔"[۳۶]

مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ تک کے پورے سفر میں سیدنا صدیق اکبرؓ ایک لمحہ بھی اپنے محبوبؐ کی خدمت سے غافل نہیں ہوئے - اور ہر طرح ان کے آرام و آسائش کا پورا پورا خیال رکھا - جب حضورؐ بنی عمرو بن عوف میں قیام پذیر ہوئے تو انصار جوق در جوق زیارت کے لئے آنے لگے - آنحضرتؐ خاموشی کے ساتھ تشریف فرما تھے اور حضرت ابوبکرؓ کھڑے ہو کر لوگوں کا استقبال کر رہے تھے - بہت سے انصار جو پہلے آنحضرتؐ کی زیارت سے مشرف نہیں ہوئے تھے وہ غلطی سے حضرت ابوبکرؓ کے گرد جمع ہونے لگے - یہاں تک کہ جب آفتاب سامنے آگیا تو جان نثار خادم نے بڑھ کر اپنی چادر سے آقائے نامدارؐ پر سایہ کیا تو اس وقت خادم و مخدوم میں امتیاز ہوگیا - اور لوگوں نے رسالت مآبؐ کو پہچانا۔"[۳۷]

صحیح بخاری میں ہے:

"فاقبل ابوبکر حتّٰی ظَلَّلَ عَلَیْہِ بردائہ - فعرف الناس رسول اللہ ؐ عند ذٰلک۔"[۳۸]

(پس ابوبکر آگے بڑھے حتیٰ کہ حضورؐ پر اپنی چادر سے سایہ کیا تب لوگوں کو معلوم ہوا کہ رسول اللہؐ یہ ہیں -)

آنحضرتؐ کے مدینہ تشریف لانے کے بعد سے فتح مکہ تک خونریز جنگوں کا سلسلہ جاری رہا - اور ان سب لڑائیوں میں صدیق اکبرؓ ایک مشیر و وزیر باتدبیر کی طرح ہمیشہ ہمرکابی سے مُشرف رہے -

سیدنا صدیق اکبر نے مالی خدمت و ایثار میں بھی کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا - چنانچہ مکہ میں ابتداء میں جن لوگوں نے داعی توحید کو لبیک کہا - ان میں کثیر تعداد غلاموں اور لونڈیوں کی تھی جو اپنے مشرک آقاؤں کے پنجہ ظلم و ستم میں گرفتار ہونے کے باعث طرح طرح کی اذیتوں میں مبتلا تھے - حضرت ابوبکرؓ نے ان مظلوم بندگان توحید کو ان کے جفا کار مالکوں سے خرید کر آزاد کر دیا - چنانچہ حضرت بلالؓ، عامر بن فہیرہ، نذیرہ، نہدیہ اور بنت نہدیہ

وغیرھم نے اسی صدیقی جود و کرم کے ذریعے سے نجات پائی۔[۴۰]

رحمت عالمؐ کو جب مدینہ میں تعمیر مسجد کا خیال پیدا ہؤا اُس کے لئے جو زمین منتخب ہوئی وہ دو یتیم بچوں کی ملکیت تھی۔ گو ان کے اولیاء و اقرباء بلا قیمت پیش کرنے پر مُصر تھے تاہم رحمۃ للعالمینؐ نے یتیموں کا مال لینا پسند نہ فرمایا۔ اور حضرت ابوبکرؓ سے اس کی قیمت دلوا دی۔[۴۱]

سنہ ۹ھ میں افواہ پھیلی کہ قیصر روم عرب پر حملہ آور ہونا چاہتا ہے چونکہ مسلسل جنگوں کے باعث یہ نہایت عُسرت و تنگ حالی کا زمانہ تھا۔ اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگی تیاریوں کے لئے صحابۂ کرام کو انفاق فی سبیل اللہ کی ترغیب دی۔ تمام صحابہؓ نے حسب حیثیت اس میں شرکت کی۔ حضرت عثمانؓ دولتمند تھے اس لئے بہت کچھ دیا۔ لیکن اس موقع پر بھی حضرت ابوبکرؓ کا امتیاز قائم رہا۔ گھر کا سارا اثاثہ لاکر آنحضرتؐ کے سامنے ڈال دیا۔ آپؐ نے دریافت فرمایا: تم نے اہل و عیال کے لئے کیا چھوڑا ہے؟ عرض کی۔ اُن کے لئے اللہ اور اس کا رسول کافی ہے۔[۴۱]

حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ رسول اکرمؐ نے ایک روز ہمیں انفاق فی سبیل اللہ کے لئے ارشاد فرمایا۔ میرے پاس مال تھا میں نے دل میں کہا۔ آج ابوبکرؓ سے سبقت لے جاؤں گا چنانچہ میں نے نصف مال حضور کی خدمت میں پیش کیا۔ آپؐ نے فرمایا اپنے اہل کے لئے کیا چھوڑا ہے؟ میں نے عرض کیا۔ اتنا ہی۔ اس کے بعد ابوبکرؓ آئے اور اپنا سارا مال حضور رسالتمآبؐ میں پیش کر دیا۔ آپؐ نے فرمایا:

ما ابقیت لاھلك؟ قال ابقیت لھُمُ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ۔[۴۲] (آپ نے اپنے گھر والوں کے لئے کیا چھوڑا ہے۔ کہنے لگے ان کے لئے اللہ اور اس کے رسول کو چھوڑ آیا ہوں)

بقول علامہ اقبالؒ۔ ؎ حُسن کامل ہے ترا عشق ہے کامل میرا

حضرت عمرؓ یہ دیکھ کر بے حد متاثر ہوئے اور فرمایا:

قُلتُ لا اسابقك الی شیٔ ابداً۔[۴۳] (میں نے کہا میں کبھی بھی کسی کام میں آپ سے سبقت نہیں لے جاسکتا)

حکیم الامت نے بانگِ درا میں صدیقؓ کے عنوان سے جو نظم کہی ہے۔ مذکورہ بالا واقعہ بیان کرنے کے بعد سیدنا صدیق اکبرؓ کے حضور ان الفاظ میں ہدیۂ تحسین پیش کیا گیا ہے:

اتنے میں وہ رفیق نبوت بھی آگیا   جس سے بنائے عشق و محبت ہے استوار
لے آیا اپنے ساتھ وہ مرد وفا سرشت   ہر چیز، جس سے چشم جہاں میں ہو اعتبار
ملک یمین و درہم و دینار و رخت و جنس   اسپِ قمر سم و شتر و قاطر و حمار
بولے حضورؐ چاہیے فکرِ عیال بھی   کہنے لگا وہ عشق و محبت کا رازدار
"اے تجھ سے دیدۂ مہ و انجم فروغ گیر   اے تیری ذات باعثِ تکوین روزگار
پروانے کو چراغ ہے بلبل کو پھول بس
صدیق کے لئے ہے خُدا کا رسول بس"[۴۴]

سیدنا صدیق اکبرؓ کے مالی ایثار کا ذکر کرتے ہوئے انسائیکلوپیڈیا برٹینکا میں آرٹیکل صدیق کا مصنف رقمطراز ہے:

"HE WAS ONE OF THE EARLIEST OF MOHAMMAD'S CONVERTS AND SPENT THE CONSIDERABLE WEALTH WHICH HE HAD ACQUIRED BY TRADE IN THE SERVICE OF THE NEW RELIGION AND IN RAN-SOMING SLAVES." 45.

(وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر سب سے پہلے ایمان لانے والوں میں سے تھے۔ انہوں نے تجارت میں کمائی ہوئی بے شمار دولت نئے مذہب کی خدمت اور غلاموں کو آزاد کرانے میں صرف کی)

المختصر "ایمان لانے کے بعد حضرت ابوبکرؓ نے اپنی تمام قوت و قابلیت، سارا اثر و رسوخ، کل مال و متاع، جان اور اولاد، غرض جو کچھ آپ کے پاس تھا وہ سب دین کی راہ میں وقف کر دیا۔ قبول اسلام کے بعد ان کی تمام زندگی اطاعت و استقامت کی داستان ہے۔" ۴۶

احادیث و تاریخ کی کتابوں میں ہے کہ اگرچہ سب صحابہ کرام حضور اکرمؐ سے گفتگو کرتے وقت ادب و احترام کو ملحوظ رکھتے تھے۔ لیکن سیدنا صدیق اکبرؓ اپنی والہانہ وابستگی کی بنا پر ادب و احترام کے اظہار میں بھی سب سے بازی لے گئے تھے۔ آپ کی گفتگو سے احترام ہی کا نہیں بلکہ عشق و محبت کے جذبات کا بے ساختہ اظہار ہوتا ہے۔ اور آپ بات بات پر اپنے محبوب پر قربان ہو رہے ہیں۔ بخاری شریف کی صرف ایک حدیث سے اس امر کا اندازہ آسانی سے لگایا جا سکتا ہے۔ حضورؐ کو ہجرت کا حکم ہو گیا ہے۔ آپ کی ناوقت تشریف آوری کی خبر سیدنا صدیق اکبرؓ کو ہوتی ہے۔ حضورؐ کی اس غیر متوقع آمد پر آپ کی زبان سے بے ساختہ نکلتا ہے۔

فِداءٌ لہ ابی و امی۔ واللہ ماجاء بہ فی ھذہ الساعۃ الا امرٌ (آپ پر میرے ماں باپ قربان ہوں آپ اس وقت یقیناً کسی اہم کام کے لئے آئے ہیں۔) دروازہ کھولتے ہیں۔ حضورؐ تشریف لاتے ہیں اور ابوبکرؓ سے فرماتے ہیں أَخْرِجْ مَنْ عِنْدَكَ (تمہارے پاس جو لوگ موجود ہیں انہیں باہر بھجوا دو) تو ابوبکرؓ جواباً عرض کرتے ہیں۔

"انما ھم اھلك بابی انت یا رسول اللہ" (یا رسول اللہ! آپ پر میرے ماں باپ قربان ہوں یہ سب آپکے گھر والے ہی ہیں)

جب حضورؐ بتاتے ہیں کہ آپ کو ہجرت کا حکم مل چکا ہے تو شرفِ رفاقت کی تمنا پیش کرتے ہیں:

"الصحابۃ - بابی انت یا رسول اللہ" (یا رسول! آپ پر میرے ماں باپ قربان ہوں۔ رفاقت کا متمنی ہوں)

حضورؐ اثبات میں جواب دیتے ہیں۔ اور آپؓ حضورؐ کی خدمت میں سواری کے لئے اونٹ پیش کرتے ہوئے یوں عرض گذار ہوتے ہیں:

"فَدَاکَ اَبِی اَنْتَ یَا رَسُولَ اللّٰہِ احدیٰ راحلتی ھاتین"[۴۷] (یا رسول اللہ! آپ پر میرے ماں باپ قربان ہوں آپ ان دو سواریوں میں سے کوئی ایک اپنے لئے پسند فرمالیں۔)

مذکورہ بالا ہر ایک جملے سے آپ کے عشق و محبت اور ادب و احترام کی عکاسی ہوتی ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ آپ کی پوری زندگی حُبّ رسولؐ سے سرشار گزری ہے۔ یہاں صرف دو واقعات اور عرض کرتا ہوں۔ جب رسول اکرمؐ کا وصال ہوتا ہے تو شمعِ رسالت کا یہ پروانہ فرطِ محبت و عقیدت سے اپنے محبوب کی پیشانی پر بوسہ دیتا ہے اور بے ساختہ حضور پر قربان ہوا جاتا ہے۔ بخاری شریف میں ہے:

"فجاء ابوبکر۔ فکشف عن رسول اللہؐ۔ فقبلہ قال بابی انت و اُمی طبت حیًّا و میتًا والذی نفسی بیدہ لا یُذیقک اللہ الموتتین ابدًا"[۴۸]

(پس ابوبکرؓ آئے۔ حضورؐ کے چہرے سے کپڑا اٹھایا۔ اور فرطِ ادب سے بوسہ دیا اور کہا آپ پر میرے ماں باپ قربان ہوں آپ زندگی اور موت ہر دو صورت میں پاکیزہ رہے قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے آپؐ کو کبھی اللہ تعالیٰ دوسری موت کا ذائقہ نہ چکھائے گا)

وصال سے کچھ روز پہلے جب رسول اکرمؐ نے فرمایا کہ: ان اللہ خیر عبدًا بین الدنیا و بین ما عندہ فاختار ذلک العبد ما عند اللہ" (بے شک اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے کو دنیا میں رہنے اور اپنے حضور میں آنے میں سے کسی ایک کا اختیار دیا۔ پس اس بندے نے اللہ کے جوار کو اختیار کر لیا۔) تو "عشق و محبت کا رازدار" بے اختیار رو پڑا اور بے ساختہ ان کے منہ سے یہ الفاظ نکلے:

"فدیناک بآبائنا و امھاتنا" [۴۹] (آپ پر ہمارے ماں باپ قربان!)

ان جملہ شواہد سے یہ امر روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جاتا ہے کہ اس مُحبِّ صادق کو اپنے آقا و مولا سے کس قدر والہانہ عشق تھا۔

محبوب کے مشن کی تکمیل

یہاں اس امر کا ذکر بے حد ضروری ہے کہ سیدنا صدیق اکبرؓ مئے عشقِ رسولؐ سے سرشار ہو کر "خبرش باز نہ آمد" تک محدود نہ رہے۔ بلکہ آپ نے اپنی تمام تر مساعی اپنے محبوبؐ کے مشن کی تکمیل میں صرف کر دیں۔

۱۔ آپ کی دعوت پر حضرت عثمانؓ بن عفان، حضرت زبیرؓ بن العوام، حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف، حضرت سعدؓ بن ابی وقاص اور حضرت طلحہؓ بن عبید اللہ جو معدنِ اسلام کے سب سے تاباں و درخشاں جواہر ہیں مشرف باسلام ہوئے۔ حضرت عثمانؓ بن مظعون۔ حضرت ابو عبیدہؓ۔ حضرت ابو سلمہؓ اور حضرت خالدؓ بن سعید بن العاص بھی آپ ہی کی ہدایت سے اسلام میں داخل ہوئے۔[۵۰]

۲۔ آپ کے والد ابو قحافہ فتح مکہ تک نہایت استقلال کے ساتھ اپنے آبائی مذہب پر قائم رہے۔ لیکن بفضلہ تعالیٰ اپنے فرزند سعید حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ساتھ بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئے۔ حضورؐ نے نہایت

شفقت سے ان کے سینے پر ہاتھ پھیرا اور کلمات طیبات تلقین کرکے مشرف باسلام فرمایا۔[۵۱]

۳۔ مکہ مکرمہ میں آپ کے شریعت حقہ کے فضائل و محامد پر تقریر کرنے کی بنا پر کفار و مشرکین نے "ابوبکر صدیقؓ کو نہایت بے رحمی اور خدا ناترسی کے ساتھ اسقدر مارا کہ بالآخر بنو تیم کو باوجود مشرک ہونے کے اپنے قبیلہ کے ایک فرد کو اس حال میں دیکھ کر ترس آگیا۔ اور انہوں نے مشرکین کے پنجۂ ظلم سے چھڑوا کر ان کو مکان تک پہنچا دیا۔ شب کے وقت بھی حضرت ابوبکرؓ باوجود درد و تکلیف کے اپنے والدین اور خاندانی اعزہ کو اسلام کی دعوت دیتے رہے۔ صبح ہوئی تو رسول اللہؐ کا پتہ دریافت کرکے اپنی والدہ کے ساتھ ابن ارقمؓ کے مکان میں آئے اور آنحضرتؐ سے عرض کی کہ میری والدہ حاضر ہیں ان کو رہِ حق کی ہدایت کیجئے۔ آنحضرتؐ نے انہیں اسلام کی دعوت دی اور وہ مشرف باسلام ہو گئیں۔[۵۲]

علامہ ابن حجر عسقلانی نے الاصابہ میں لکھا ہے:

لما هلك ابوبكر ورثه ابواه وماتت ام الخير قبل ابي قحافه وكانا قد اسلما[۵۳]

(جو ابوبکر فوت ہوئے تو ان کے والدین ان کے وارث ہوئے ان کی والدہ ام الخیر ان کے والد ابو قحافہ سے پہلے فوت ہوئیں اور وہ دونو مشرف باسلام ہو چکے تھے)

سیدنا صدیق اکبرؓ نے، اپنے محبوب کے مشن کی تکمیل میں، اپنے عہد خلافت میں جو عظیم خدمات انجام دی ہیں وہ تاریخ میں زریں حروف سے رقم ہیں۔ خطرات و مشکلات کے باوجود، حضرت اسامہؓ بن زید کو شام کی مہم پر روانہ کرنا۔ مدعیان نبوت کا قلع قمع، مرتدین کی سرکوبی، جمع و ترتیب قرآن اور منکرین زکوٰۃ کو تنبیہ آپ کے وہ گرانقدر کارنامے ہیں جو ملتِ اسلامیہ کے لئے باعثِ صد افتخار ہیں۔

اپنے محبوب کے مشن سے وابستگی کا یہ عالم ہے کہ حضرت عمرؓ جیسے جلیل القدر صحابی اور صاحب رائے بزرگ نے جب منکرین زکوٰۃ کے بارے میں نرم رویہ اختیار کرنے کا مشورہ دیا تو آپ کے پائے ثبات کو، وقتی مصلحتوں کے پیش نظر، ذرا لغزش نہ آئی۔ یقین محکم اور نعمتِ اخلاص سے مالامال اس پُرعزم عاشقِ رسول نے واشگاف الفاظ میں فرمایا:

"والله لاقاتلن من فرق بين الصلوٰة والزكوٰة - فان الزكوٰة حق المال - والله لو منعوني عقالا كانوا يؤدونه الى رسول الله لقاتلتهم على منعه"[۵۴]

(خدا کی قسم، میں اس سے قتال کروں گا جس نے نماز اور زکوٰۃ کے درمیان فرق کیا۔ بے شک زکوٰۃ مال کا حق ہے خدا کی قسم اگر انہوں نے ایک رسی کی بھی زکوٰۃ میں کمی کی جو وہ حضور کو ادا کرتے تھے تو میں اس کمی پر بھی ان سے جہاد کروں گا۔)

سیدنا صدیق اکبرؓ کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر ارشاد پر کلی اعتماد اور یقین ہوتا تھا۔ اس کی عقلی توجیہہ (JUSTIFICATION) کے کبھی طلبگار نہ ہوئے۔ چنانچہ حدیبیہ میں جو معاہدہ طے

پایا وہ بظاہر کفار کے حق میں زیادہ مفید تھا۔ اس بنا پر حضرت عمرؓ کو نہایت اضطراب ہوا۔ اور حضرت ابوبکر صدیقؓ سے کہا کہ کفار سے اس قدر دب کر کیوں صلح کی جاتی ہے۔ حضرت ابوبکرؓ محرم اسرار نبوت تھے۔ فرمایا: آنحضرت خدا کے رسول ہیں۔ اس لئے آپ اس کی نافرمانی نہیں کر سکتے اور وہ ہر وقت آپ کا معین و ناصر ہے۔"[۵۵]

حضرت اسامہ بن زید کو حضورؐ نے اپنی حیات ہی میں شام پر حملہ آور ہونے کا حکم دیا تھا۔ اسی مہم کے متعلق صحابہ کرام نے رائے دی کہ اسکو ملتوی کر کے پہلے مرتدین و کذاب مدعیان نبوت کا قلع قمع کیا جائے لیکن خلیفہ اول کی طبیعت نے گوارا نہ کیا۔ اس پیکر عزم نے فرمایا:

" خدا کی قسم اگر مدینہ اس طرح آدمیوں سے خالی ہو جائے کہ درندے اگر میری ٹانگ کھینچنے لگیں جب بھی میں اس مہم کو روک نہیں سکتا۔"[۵۶]

آپؓ کے اس کامل جذبۂ اطاعت اور کلی اعتماد کے جواب میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقتیں بھی آپؓ پر بے پایاں تھیں، چنانچہ حضورؐ نے فرمایا:

"اِنَّ مِنْ اٰمَنَّ النَّاسِ عَلَیَّ فِی صُحْبَتِہٖ وَمَالِہٖ ابوبکر"[۵۷]

(بے شک لوگوں میں سے اپنی رفاقت اور اپنے مال کے خرچ کے اعتبار سے سب سے بڑھ کر احسان ابوبکرؓ کا ہے)

مسجد کی تعمیر ہوئی تو آپؐ نے فرمایا:

لا یبقین فی المسجد باب الا سُدَّ الا باب ابی بکر[۵۸]

(مسجد میں کھلنے والا کوئی دروازہ ایسا نہ رہے جسے بند نہ کیا گیا ہو۔ البتہ ابوبکر کا دروازہ (کھڑکی) کھلا رہے)

ایک عورت حضور کی خدمت میں حاضر ہوئی تو حضور نے فرمایا۔ دوبارہ آنا۔ اس نے عرض کیا! یا رسول اللہ اگر میں آؤں اور آپ کو نہ پاؤں (یعنی آپ کا وصال ہو گیا ہو)؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"ان لم تجدینی فاتی ابابکر"[۵۹] (اگر تم مجھے نہ پاؤ تو ابوبکر کے پاس جاؤ)

حضرت عمرو بن العاص نے رسول اکرم سے استفسار کیا:

"ای الناس احب الیک؟" (آپ سب سے زیادہ کس سے محبت فرماتے ہیں)

حضور اکرمؐ نے فرمایا: "عائشۃ"۔ انہوں نے پوچھا: "من الرجال؟" تو رحمت عالم نے فرمایا: "ابوھا"[۶۰] (اس کے والد سے)۔ حضور نے آپؓ کو مُبَشَّر بِالجَنَّۃ فرمایا۔ صدیق کے لقب سے نوازا[۶۱] اور اپنی علالت کے دوران آپ کو اپنی جگہ امامت پر مامور فرمایا۔

حضرت سیدنا صدیق اکبرؓ کو بارگاہِ رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم میں جو مقام عالی حاصل تھا دوسرے صحابہ کرامؓ اس سے بخوبی واقف تھے۔ چنانچہ ابو یعلیٰ نے محمد بن الحنفیہ سے روایت کیا ہے کہ میں نے

اپنے والد سے پوچھا:

"ای الناس خیرٌ بعد رسول اللّٰہ ؟" (رسول اللہ کے بعد لوگوں میں سے سب سے بہتر کون ہے ؟)

تو انہوں نے جواباً کہا : "ابوبکر"[۶۳]

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے فوری بعد جب سقیفہ بنی ساعدہ میں لوگ خلیفہ کے انتخاب کے لئے جمع ہوئے تو حضرت عمرؓ نے سیدنا صدیق اکبرؓ کا ہاتھ تھام لیا۔ اور بیعت کرتے وقت یہ ہدیۂ تحسین پیش کیا:

"بل نبایعک أنت ۔فانت سیدنا و خیرنا و احبُّنا الی رسول اللّٰہ"[۶۴]

(میں آپ کی بیعت کرتا ہوں۔ کہ آپ ہمارے سردار ہیں۔ہم سب سے بہتر ہیں اور ہم میں سے سب سے بڑھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب ہیں)

عشق کا متوازن تصوّر :

ایک مُحبِّ صادق اور محبوب کا محبوب ہونے کے باوجود، آپ کے عشق میں "سُکر" نہیں "صحو" تھا۔ افراط نہ تھا۔ اعتدال اور توازن تھا، آپ عشق سے مدہوش نہیں ہوئے تھے بلکہ بقول علامہ اقبالؒ:

ع ہوش کا دارو ہے گویا مستئ تسنیم عشق

عشقِ رسولؐ نے آپ کے ہوش کو اور زیادہ جِلا بخشی، چنانچہ تاریخ شاہد ہے کہ حضور کے وصال کے موقع پر جب صحابہ کرام ایک عجیب تذبذب کی کیفیت سے دوچار تھے۔ اور" حضرت عمرؓ جوش وارفتگی میں تقریر کر رہے تھے اور قسم کھا کھا کر رسول اللہ کے انتقال فرمانے سے انکار کر رہے تھے۔ تو حضرت ابوبکرؓ نے ان کا یہ حال دیکھ کر فرمایا: "عمر تم بیٹھ جاؤ۔" لیکن انہوں نے وارفتگی میں کچھ خیال نہ کیا۔ تو آپ نے الگ کھڑے ہو کر تقریر شروع کر دی۔ تمام مجمع آپ کی طرف جھک پڑا اور حضرت عمرؓ تنہا رہ گئے آپؓ نے فرمایا:[۶۵]

"اما بعد فمن کان یعبد محمداً فان محمداً قد مات ومن کان یعبد اللّٰہ فان اللّٰہ حیٌّ لا یموت' قال اللّٰہ تعالیٰ: وما محمدٌ الا رسول قد خلت من قبلہ الرسل...... الآیہ"

[سو جو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی عبادت کرتا تھا جان لے کہ وہ وصال فرما گئے اور جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا ہے وہ جان لے کہ وہ زندہ و پائندہ ہے ۔ اس کے بعد آپ نے یہ آیت پڑھی: وما محمد الا رسول الآیہ]

یہ تقریر ایسی دلنشیں تھی کہ ہر ایک کا دل مطمئن ہو گیا۔

صدیق اکبرؓ نے عشق رسول کی لاثانی مثال پیش کر کے عالمِ انسانیت کو لافانی سبق دیا ہے کہ عشق و مُحبّت

کا تقاضا یہ نہیں کہ بھگوان کی بھگتی میں بھگت اسقدر محو اور منہمک ہو جائے کہ دنیا و مافیہا کو فراموش کر دے اور محبت کا افیونی بن کر رہ جائے۔ بلکہ عشق وہ مے ہے جو بے ہوش کرنے کے بجائے ہوش میں لے آئے۔ قوت عمل کو مہمیز لگائے۔ ذہن کو جلا بخشے انسان نہ تو مغربیوں کی طرح جذبہ عشق سے عاری مادیت اور عقل پسندی کا غلام بن کر رہ جائے اور نہ مشرقیوں کی طرح ترکِ دُنیا اور بیراگ کی طرف مائل ہو۔ بلکہ اس کارگہِ حیات میں، مثبت، فعال، مؤثر اور بھرپور کردار ادا کرے۔ مے عشق اسے بے خود نہ کرے بلکہ اس کی خودی کو اس قدر مضبوط کرے کہ ممولے کو شہباز سے لڑا دے۔ وہ ظاہری چمک دمک اور طاقت کا توازن نہ دیکھے۔ بلکہ ہر حالت میں اصول کے توازن کو قائم رکھے۔

سیدنا صدیق اکبرؓ کی پوری زندگی عشقِ رسول اکرم کی آئینہ دار ہے۔ دل حُبِ رسول سے سرشار ہے۔ جسم فرمانِ رسول کے مطابق زہد و طاعت اور عبادت کے لئے حضورِ حق میں جھکا ہُوا ہے۔ مالی ایثار اسقدر ہے کہ پورا مال و متاع راہِ حق میں قربان ہے۔ اقتدار ہے لیکن نشہ اقتدار نام کو نہیں۔ مجال ہے کسی موقع پر پائے ثبات کو لغزش آئی ہو۔ اس شان اور اس رنگ میں سیدنا صدیق اکبر قومی اور ملی تقاضوں کی تکمیل میں ہمہ تن مصروف نظر آتے ہیں۔

المختصر ذاتی زندگی ہو یا منصب خلافت پر فائز زندگی، صدق و صفا اور حیا و وفا کا یہ پیکر حُبِ رسولؐ اور اطاعت رسول کا کامل نمونہ پیش کرتا ہے۔ عشقِ صدیق اکبرؓ نے عالم انسانیت کے لئے عشق کا ایک ایسا معتدل اور متوازن تصور پیش کیا ہے۔ جس کی مثال دنیا کی پوری تاریخ پیش کرنے سے قاصر ہے۔

ہم اپنے اس مضمون کو شاعرِ بارگاہ رسالت، حضرت حسان بن ثابتؓ کے اشعار پر ختم کرتے ہیں جن میں سیدنا صدیق اکبرؓ کے عدیم النظیر جذبۂ عشق رسول کو ہدیۂ تحسین پیش کیا گیا ہے:

وثانی اثنین فی الغار المنیف وقد　　طاف العدو به اذ صاعد الجبلا
وکان حِبَّ رسول اللّٰہ قد علموا　　من البریة لم یعدل به رجلا[۶۷]

(اور اس بلند غار میں وہ دو میں سے دوسرے تھے جب کہ دشمن پہاڑی پر چڑھ کر تلاش میں سرگرداں تھے۔ اور آپ رسول اکرم کے محبوب تھے۔ سب لوگ اس امر سے بخوبی واقف ہیں لوگوں میں سے کوئی بھی اس کا ہمسر نہیں۔)

حضرت حسانؓ کی یہ تعریف محض شاعرانہ نہ تھی۔ حقیقت پر مبنی تھی واقعی پوری نوع انسانی میں عشق رسول میں سیدنا صدیق اکبرؓ کے ہم پایہ کوئی نہیں۔ علامہ محمود آلوسی نے لکھا ہے کہ جب رسول اکرم نے حضرت حسانؓ کے یہ اشعار سُنے۔ تو فرطِ مسرت سے خندہ فرمایا۔ اور کہا:

"صَدَقْتَ یا حَسّان۔ هُوَ كَمَا قُلْتَ۔"[۶۸]

[اے حسان تو نے سچ کہا۔ صدیق واقعی ویسا ہی ہے جیسا تم نے کہا۔]

ممکن ہے کوئی شخص آج حضرت حسان کے ان اشعار کو صرف مدح پر محمول کر لیتا۔ لیکن محسن انسانیت ﷺ نے سیدنا صدیق اکبرؓ کے عدیم النظیر جذبۂ عشق رسول پر مہر توثیق ثبت کر دی۔ تاکہ قیامت تک آنے والی نسل انسانی سوز صدیق سے قلب و روح کو گرماتی رہے۔

حاشیہ جات

(۱) المنجد، بیروت، ۱۹۵۶ء، ص ۵۰۷۔ (۲) المنجد، بیروت، ۱۹۵۶ء، ص ۵۰۷۔ (۳) ابن منظور: لسان العرب، بیروت، ۱۹۵۶ء، جلد دہم، ص ۲۵۱۔ (۴) ابن منظور: لسان العرب، بیروت، ۱۹۵۶ء جلد دہم ص ۲۵۲ (۵) ابن منظور: لسان العرب، بیروت، ۱۹۵۶ء جلد دہم۔ (۶) ضرب کلیم، لاہور، ۱۹۶۵ء طبع دوازدہم، ص ۱۳ (۷) بانگ درا، لاہور، ۱۹۶۸ء، طبع بست و پنجم، ص ۲۸-۲۹۔ (۸) بانگ درا، لاہور ۱۹۶۸ء، طبع بست و پنجم، ص ۱۱۵-۱۱۶، یہاں یہ امر ملحوظ رہے کہ علامہ مرحوم نے محبت کا لفظ عشق کے ہم معنی استعمال کیا ہے۔ (۹) بانگ درا، لاہور، ص ۷۹۔ (۱۰) القرآن الکریم، سورۃ البقرۃ، آیت ۱۶۵ (۱۱) القرآن الکریم، سورۃ آل عمران، آیت ۳۱۔ (۱۲) القرآن الکریم، سورۃ التوبۃ، آیت ۲۴ (۱۳) محمد سلیمان جزولی: دلائل الخیرات، لاہور، ص ۲۵-۲۶ (۱۴) محمد سلیمان جزولی: دلائل الخیرات، لاہور، ص ۲۵ (۱۵) القرآن الکریم، سورۃ التوبہ، آیت ۴۰ (۱۶) ابو سعود: ارشاد العقل السلیم، مصر، ۱۹۲۸ء، الجزء الثانی ص ۲۷۰ (۱۷) ابو سعود: ارشاد العقل السلیم، مصر، ۱۹۲۸ء، الجزء الثانی، ص ۲۷۰۔ علامہ محمود آلوسی نے "لِصَاحِبِہٖ" کی تشریح ان الفاظ میں کی ہے: وھو ابوبکر الصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ، انہوں نے حضرت ابن عمرؓ کی یہ روایت اس کی تائید میں نقل کی ہے: "انت صاحبی فی الغار وانت معی علی الحوض" (تم غار میں میرے ساتھی تھے اور تم حوض (کوثر) پر بھی میرے ہمراہ ہوگے۔) روح المعانی، بیروت، الجزء العاشر ص ۹۷۔ (۱۸) ابو سعود: ارشاد العقل السلیم، مصر، ۱۹۲۸ء، الجزء الثانی، ص ۲۷۰ (۱۹) علامہ محمود آلوسی: روح المعانی، بیروت، الجزء العاشر، ص ۹۸۔ (۲۰) علامہ محمود آلوسی: روح المعانی، بیروت، الجزء العاشر ص ۹۸۔ (۲۱) علامہ محمود آلوسی: روح المعانی، بیروت، الجزء العاشر، ص ۹۸۔ (۲۲) الامام الفخر الرازی: التفسیر الکبیر، مصر، ۱۹۳۸ء، الجزء السادس عشر، ص ۶۳ (۲۳) الامام الفخر الرازی: التفسیر الکبیر، مصر، ۱۹۳۸ء، الجزء السادس عشر، ص ۶۳ (۲۴) الامام الفخر الرازی: التفسیر الکبیر، مصر، ۱۹۳۸ء، الجزء السادس عشر، ص ۶۴۔ (۲۵) الامام الفخر الرازی: التفسیر الکبیر، مصر، ۱۹۳۸ء، الجزء السادس عشر ص ۶۵۔ (۲۶) الامام الفخر الرازی: التفسیر الکبیر، مصر، ۱۹۳۸ء، الجزء السادس عشر ص ۶۴۔ (۲۷) ابو عبداللہ محمد بن اسمٰعیل البخاری: الجامع الصحیح، مصر، ۱۳۴۵ھ، الجزء الخامس، ص ۵۸ (۲۸) حاجی معین الدین ندوی: —

خلفائے راشدین، اعظم گڑھ، ۱۹۳۰ء، ص ۱۸-۱۹ (۲۹) الجامع الصحیح، الجزء الخامس، ص ۴۲ ـ
(۳۰) الجامع الصحیح، الجزء الخامس، ص ۴۲ (۳۱) خلفائے راشدین، ص ۱۹ (۳۲) الجامع الصحیح،
الجزء الخامس، ص ۷۵ ـ (۳۳) ابن حجر العسقلانی: الاصابۃ فی تمییز الصحابہ، مصر، ۱۹۳۹ء .....
الجزء الرابع، ص ۴۳۹ (۳۴) خلفائے راشدین، ص ۱۶ (۳۵) خلفائے راشدین، ص ۲۰، نیز دیکھئے
الجامع الصحیح، الجزء الخامس، ص ۷۵ (۳۶) خلفائے راشدین ص ۲۱ (۳۷) خلفائے راشدین ص ۲۴
(۳۸) الجامع الصحیح، الجزء الخامس، ص ۷۸ (۳۹) خلفائے راشدین، ص ۱۷ (۴۰) خلفائے راشدین
(۴۱) خلفائے راشدین، ص ۳۱ (۴۲) سنن ابی داؤد، کراچی، جلد اول، ص ۶۲۷ ـ (۴۳) سنن ابی داؤد،
کراچی، جلد اول، ص ۶۲۷ ـ (۴۴) علامہ محمد اقبال: بانگ درا، ص ۲۵۰-۲۵۱ (۴۵) انسائیکلو پیڈیا
برٹینکا، لندن، ۱۹۶۰ء، جلد اول، ص ۶۹ ـ (۴۶) اردو دائرہ معارف اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی
لاہور، ۱۹۶۴ء، جلد ۱، ص ۷۵۲ (۴۷) الجامع الصحیح، الجزء الخامس، ص ۷۵ (۴۸) الجامع الصحیح،
الجزء الخامس، ص ۸ (۴۹) الجامع الصحیح، الجزء الخامس ص ۷۳ (۵۰) خلفائے راشدین، ص ۱۶
(۵۱) خلفائے راشدین، ص ۱۳ (۵۲) خلفائے راشدین، ص ۱۴ (۵۳) الاصابہ، الجزء الرابع،
ص ۴۳۹ (۵۴) سنن ابی داؤد، کراچی، جلد اول، ص ۵۷۶ (۵۵) خلفائے راشدین، ص ۳۰ ....
(۵۶) خلفائے راشدین، ص ۴۰ (۵۷) الجامع الصحیح، الجزء الخامس، ص ۴ نیز دیکھئے ص ۴۳ ....
(۵۸) الجامع الصحیح، الجزء الخامس، ص ۵ نیز ص ۴۳ پر ایک روایت ہے جس کے الفاظ یہ ہیں:
"لا یبقین فی المسجد خوخۃ الاخوخۃ ابی بکر" (۵۹) الجامع الصحیح، الجزء الخامس، ص ۵
(۶۰) الجامع الصحیح، الجزء الخامس، ص ۶ (۶۱) الجامع الصحیح، الجزء الخامس، ص ۱۰ ......
(۶۲) انسائیکلو پیڈیا برٹینکا میں اس کی توجیہہ یہ بیان کی گئی ہے:

"HIS FIRM BELIEF IN MUHAMMAD AND HIS TEACHINGS WON FOR HIM THE APPEALATION OF AL-SIDDIK ("THE FAITHFUL").

(انسائیکلو پیڈیا برٹینکا، لندن، ۱۹۶۰ء، جلد اول، ص ۶۹)

(۶۳) الجامع الصحیح، الجزء الخامس، ص ۹ (۶۴) الجامع الصحیح، الجزء الخامس ص ۸ (۶۵) .....
خلفائے راشدین، ص ۳۵ (۶۶) القرآن الکریم، سورۃ آل عمران، آیت ۱۴۴ (۶۷) علامہ سید محمود آلوسی،
روح المعانی، الجزء العاشر، ص ۹۷ (۶۸) علامہ سید محمود آلوسی: روح المعانی، الجزء العاشر، ص ۹۷

پروفیسر مرزا محمد منور

صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کی استقامت

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم "الامین" تھے ۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امانت پر کفار و مشرکین مکہ گواہ تھے ۔ حتیٰ کہ خود ابوجہل بھی شاہد تھا بندوں کی طرف سے آپ کی امانت کا اقرار پہلے کیا گیا ۔ اللہ کی طرف سے خلعتِ رسالت بعد میں ملی ——— مگر جب حضرت سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رسول ہونے کا اعلان کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امانت و صداقت کے قائلین چکرا کر رہ گئے وہ بہت ہی کم تھے جنہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا اقرار کیا ۔ ایسے اقدام کے لیئے بلند حوصلے اور بھرپور قوتِ ارادی کی ضرورت ہوتی ہے ۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو اللہ نے یہ وصف بمقدار کثیر عطا فرمایا تھا ۔ آپؓ نے اپنے دوست صلی اللہ علیہ وسلم ، رفیقؐ اور حبیب امین صلی اللہ علیہ وسلم کی بات سنی تو فوراً تصدیق فرمائی ——— آپؓ مردوں میں سب سے اول ایمان لائے لڑکوں میں شرف حضرت علی رضی اللہ عنہ کو عورتوں میں یہ افتخار حضرت خدیجہ الکبریٰ کو حاصل ہوا ۔

حضرت صدیق اکبرؓ کی ولادت باسعادت ۵۷۲ھ یا ۵۷۳ء ہے ۔ آپ حضور نبی خاتم صلی اللہ علیہ وسلم سے تقریباً اڑھائی برس چھوٹے تھے ۔ عہد جاہلیت میں بھی نیکوکار اور بھلے لوگوں میں شمار ہوتے تھے ۔ آپ تاجر تھے خوش حال تھے مگر دیگر خوش حال لوگوں سے مختلف تھے ۔ خوش حالی جس اخلاقی لاابالی پن کا تقاضا کرتی ہے ۔ آپ ایسے اخلاقی لاابالی پن سے کوسوں دور تھے ۔ آپ کی قوت اور آپ کا اعتبار سر بسر آپ کا کردار تھا ۔ یہی باعث ہے کہ آپ کے زیر اثر جن افراد عالی نژاد نے اسلام کو قبول کیا اور شرک کو خیرباد کہا ان میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ، حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ ، حضرت زبیرؓ ، حضرت طلحہؓ ، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ اور حضرت ابوعبیدہؓ جیسے جلیل القدر اصحاب کبار شامل ہیں اور یہ سب عشرہ مبشرہ میں سے ہیں ——— یہ تھا حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ذاتی کردار کا کمال ۔ حضور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی امانت کی طرح آپ رضی اللہ عنہ کی صداقت کو بھی عہد جاہلیت ہی میں سارے قبیلۂ قریش نے تسلیم کر رکھا تھا ، جبھی تو دیات و امانات کے خصومات

کے فیصلے آپؓ کے سپرد تھے۔ حضرت صدیق اکبرؓ ہی کا ارشاد ہے۔ " أَصْدَقُ الصِّدْقِ الأَمَانَةُ " عظیم ترین صداقت امانتداری ہے۔

حضرتِ "الامین" صلی اللہ علیہ وسلم کی اوّلین جانشینی کا بارِ نازک وگراں "الصدّیق رضؓ" کے سپرد ہوا۔ ظاہر ہے کہ اس امر میں بھی ایک بہت بڑی حقیقت مضمر ہے ____ تاریخ گواہ ہے کہ قریش میں سب سے زیادہ قوی خاندان "بنو امیہ" تھا، یہ لوگ قریش کے علم دارانِ جنگ تھے۔ دوسرا خاندان بنو مخزوم تھا، یہ لوگ میدانِ جنگ میں شہسواروں کی قیادت کرتے تھے تیسری جگہ پر بنو ہاشم تھے یہ لوگ تولیت کعبہ کے باعث بھی محترم تھے اور نفری کی رو سے بھی چوتھا مقام بنو سہم کو حاصل تھا۔ حضرت ابو بکر صدیق رضؓ کا خاندان بنو تیم اور اسی طرح حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا خاندان بنو عدی نفری اور قوت و شوکت کے اعتبار سے کسی نمایاں حیثیت کا مالک نہ تھا۔ اگر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جانشینی کا نازک فرض سب سے اوّل حضرت صدیق اکبرؓ اور پھر حضرت عمر فاروق رضؓ کو سونپا گیا تو اس کا سبب واضح ہے اور وہ یہ کہ اسلام نے نقطۂ نظر ہی بدل کر رکھ دیا تھا۔ "إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ" (تم میں سے خدا کے یہاں سب سے مکرم وہ ہوگا جو سب سے بڑھ کر متقی ہوگا)، اگر ان دونوں اماماں امت رضؓ کے قبائل کو عددی، مالی اور عسکری سطوت اور وجاہت حاصل ہوتی تو کہا جا سکتا تھا کہ دوسرے حقدار نقصان کے خوف یا فتنے کے خیال سے چپ رہے ____

شیخین رضؓ کی فضیلتِ ایمان و اتقا نے انہیں حضور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی خلافت کا اوّلین امین بنایا

حضرت صدیق اکبرؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کی بیعت کے باب میں اس امر کو لازماً پیش نظر رکھا جانا چاہیے کہ یہ اسلام کی تعلیمات کا اثر تھا کہ امت کے اوّلین ہر دو سربراہ قریش کے کمزور خاندانوں سے تعلق رکھتے تھے۔

____ حضرت صدیق اکبرؓ کی بیعت سے ایک امر اور بھی کھل کر سامنے آجاتا ہے اور اس ضمن میں سقیفۂ بنو ساعدہ میں ہونے والے مکالمات کو خصوصی اہمیت حاصل ہے۔ موضوع مکالمات یہ تھا کہ خلافت کے حقدار کون ہیں مہاجر یا انصار۔ اس بحث سے بالکل عیاں ہو جاتا ہے کہ حضرت خواجہ کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی فرد کے بارے میں کھل کر کوئی ارشاد نہیں فرمایا تھا ورنہ انصاری خاندانوں کے باہمی مباحثہ اور پھر حضرت ابوبکرؓ، عمرؓ اور ابو عبیدہ رضؓ کے ساتھ تبادلۂ آراء عمل میں نہ آتا۔ ساتھ ہی یہ بات بھی ذہن نشین رہنی چاہیے کہ حضرت صدیق اکبرؓ کی بیعت کا فیصلہ مدینہ کے بھرے شہر میں ہوا تھا۔ جس میں بعض روایات کے مطابق تیئیس ہزار سے لیکر پچیس ہزار تک اصحابِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم مقیم تھے۔ ایسے عالم میں چند اشخاص زبردستی کوئی ایسا فیصلہ نافذ نہ کر سکتے تھے جو حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے واضح ارشاد کے خلاف ہوتا۔ ہزاروں اصحابِ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم پر ضعفِ ایمان کا مظاہرہ کرنے کا الزام لگانے سے قبل اپنے ہی مؤقف کی روایت کو درایت کے ساتھ جانچ لینا چاہیے۔

حضرت صدیق اکبرؓ کی سیرت کا تاثر عموماً یہ ہے کہ آپؓ بڑے ہی دھیمے، بڑے ہی نرم خو اور

دلجو بزرگ تھے۔ یہ بالکل بجا، مگر ہم یہ کیوں بھول جاتے ہیں کہ ساتھ ہی ساتھ آپؓ بہادر بھی تھے۔ آپؓ ثابت قدم بھی تھے۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ آپؓ کو اللہ تعالیٰ نے فائق و ممتاز قوّتِ فیصلہ سے بھی نوازا تھا ـــــــ آپؓ جملہ غزوات میں حضور نبی اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کے مشیر اور رفیق رہے۔ آپؓ کے پائے استقلال میں کبھی لغزش نہ آئی۔ قوّتِ فیصلہ کا عالم یہ تھا کہ مردوں میں سب سے پہلے اسلام قبول کیا اور یہ پروا نہ کی اپنے اعزّہ اور احباب کا رویّہ اس باب میں کیا ہوگا اور پھر ان کے برتاؤ کا روپ کیا ہوگا۔ یقین کا عالم یہ تھا کہ حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے واقعۂ اسراء کا ذکر ابوجہل مخزومی نے از رہِ تمسخر کیا کہ دیکھا تمہارا دوست اب یہ اور یہ کہہ رہا ہے۔ آپؓ نے معاً ارشاد فرمایا اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کہا ہے تو میں تصدیق کرتا ہوں کہ بالکل صحیح اور حق کہا ہے ـــــــ اسی طرح صلح حدیبیہ کے موقع پر جب کہ اصحابِؓ رسولِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی حاوی اکثریت کی دلشکنی ہوئی ـــــــ اور صلح حدیبیہ کی بعض شرائط کی رُو سے بظاہر تاثر بھی یہی ملتا تھا۔ مگر حضرتِ صدیق اکبرؓ نے فوراً حضور سیّد الانبیاء کی تائید کی اور اس صلحنامے پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد دوسرے دستخط حضرت صدیق اکبرؓ ہی کے ثبت ہوئے۔

بلاتردید بلکہ بلاتردّد مؤرخین نے تسلیم کیا ہے کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا تو حادثے کی گیرائی نے اصحاب کبارؓ تک کو چکرا کر رکھ دیا ـــــــ ان کے رسول، ان کے قائد۔ ان کے معلّم ان کے شفیق دوست، بھائی اور محبت کی آماجگاہ، عقیدت کے مرکز، اچانک خالق حقیقی سے جا ملیں۔ اصحابؓ بھی آخر انسان تھے ایک بار تو آخر ہل کر رہ گئے۔ عین اس عالم میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قدیم ترین دوست اور رفیق نے اعلان کیا کہ تم اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی پرستش کرتے تھے تو جان لو کہ وہ رحلت فرما گئے اور اگر تم خدا کی پرستش کرتے تھے تو وہ زندہ ہے، وہ کبھی رحلت نہ کرے گا ـــــــ صدمہ سب سے زیادہ انہی کو تھا۔ استقامت بھی سب سے زیادہ انہی کے پاس تھی۔ ایمان و ایقان نے وہ تقویت دے رکھی تھی کہ امّت کا مسئلہ ہو، اسلام کے کسی اصول کی پاسداری ہو حضرت صدیق اکبرؓ کبھی موشگافیوں میں نہیں پڑتے تھے۔ مکّے میں تجارتی کاروبار کا منافع کوئی چالیس ہزار درہم کی شکل میں میسّر تھا۔ ضعیف اور بے بس مسلمانوں کی مدد پر دل کھول کر خرچ کیا۔ کئی ایک کو رقوم دے کر غلامی سے چھڑایا، اور پھر جب مدینہ پہنچے تو کل پانچ ہزار درہم پاس تھے۔ مدینے میں جناب رسالتمآب نے مسجد کے لیے زمین خریدی۔ قیمت پانچ ہزار درہم قرار پائی۔ زمین کے مالک دو نوجوان سہل اور سہیل تھے جنہوں نے وہ زمین نذر کرنی چاہی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد کے لیے زمین بطور نذر لینا پسند نہ فرمایا اور صدیق اکبرؓ کو اشارہ فرمایا کہ رقم آپ ادا کر دیں۔ آپؓ نے پردیس میں آخری پونجی بلاتامّل پیش کر دی، گویا امّتِ مسلمہ کی اوّلین مسجد کا سفیدہ حضرت صدیق اکبرؓ نے خرید کر دیا ـــــــ اسی طرح

غزوہ تبوک کے موقعے پر ہوا - حالات تشویشناک صورت اختیار کر گئے تھے - رومیوں کی جانب سے پیش قدمی کا خطرہ تھا - نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُمت سے مدد طلب فرمائی - حضرت صدیق اکبرؓ نے گھر کا سارا اثاثہ پیش کر دیا - جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ گھر والوں کے لیے بھی کچھ چھوڑا تو عرض کیا، اللہ اور اللہ کا رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) ـــــــــ یہ تذکرہ بظاہر محض سخاوت کے شعبے سے تعلق رکھتا ہے مگر ویسی سخاوت جیسی حضرت صدیق اکبرؓ فرماتے تھے وہ کمال ایثار ہے اور یہ وہ وصف ہے جو یقین کامل اور عزم صمیم کی دولت کے بغیر ظہور میں نہیں آتا - اگر اعلیٰ دولت میسر ہو تو ادنیٰ دولت ہیچ در ہیچ ادنیٰ نظر آتی ہے یقین کی دولت سے برتر اور دولت ہے کون سی -

حضور نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کے زیرِ تربیت حضرت صدیق اکبرؓ کو خدائے واحد پر ایمان و توکل کا جو درس ملا اس نے انہیں خلیفۃ الرسول (صلی اللہ علیہ وسلم) بننے کے بعد بڑا حیرت انگیز سہارا دیا ـــــــ بعض افراد ایسے ہوتے ہیں کہ اپنے قائد کے احکام کی تعمیل اور تنفیذ میں انتہائی مستعد اور کامیاب ثابت ہوئے ہیں ـــــــ لیکن جب خود انہی کو کسی اہم فیصلے کا اختیار کامل حاصل ہوتا ہے تو ڈھلمل ہو کر رہ جاتے ہیں اس وقت قوتِ فیصلہ سُست پڑ جاتی ہے مطلب یہ کہ وہ نائب بہت اچھے ہوتے ہیں مگر قائد اچھے ثابت نہیں ہوتے - لیکن حضرت صدیق اکبرؓ قائد بننے پر اور بھی زیادہ صاحب عزم والیقان انسان کی شکل میں جلوہ افروز ہوئے - نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہیا اور ہر حکم کی بلاچون وچرا اور بے عدیل تعمیل اپنی جگہ مگر جب خود زمام کار اپنے ہاتھوں میں لی تو بصیرت و عزیمت کی تمثال بن گئے ـــــــ ذمہ داری نے بے پناہ پائیداری عطا کر دی -

کسی بڑے سے بڑے صاحب ہمت کے لیئے بھی اپنے آپ کو اس صورت حال سے شخصاً دوچار کرنے کا تصور تک آسان نہیں جب حضور پُر نور خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا عرب کی کیفیت کیا تھی، نئی نئی وجود میں آنے والی مملکت اسلام کو کن خطرات سے دوچار ہونا پڑ گیا تھا ـــــــ زیادہ تفصیل میں پڑے بغیر ہم کچھ سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں - جزیرۃ العرب مطیع تو ہو گیا تھا مگر ابھی سارا مسلمان تو نہ ہوا تھا - دوسری یہ بات کہ حجاز سے باہر جو لوگ مسلمان ہوئے تھے وہ ابھی اقرار لسانی کی منزل میں تھے، ان کے دلوں میں تو ایمان ابھی داخل ہی نہ ہوا تھا - بدوی آبادی ہی آبادی کی کثرت کثیرہ تھی اور بدوی لوگ مزاجاً بے لگام تھے اور قرآن انہیں انتہائی لالچی حریص اور ہوس پرست قرار دیتا ہے - ان کے اس لالچ نے ان کے لیئے خراج و زکوٰۃ کو بارگراں بنا دیا تھا جو لوگ لوٹ مار کے عادی ہوں وہ ایثار اور بخشش سے کس طرح کام لیں - چنانچہ انہوں نے کہا کہ ہم نمازیں پڑھ لیں گے روزے رکھ لیں گے - کلمۂ شہادت کا ورد بھی ہوتا رہے گا - حج بھی عمل میں آئے گا مگر زکوٰۃ ادا نہیں کریں

گے۔ مالی قربانی اور وہ بھی بخوشی اس امر کی دلیل ہے کہ صاحب ایثار، احترام آدمیت کا شعور رکھتا ہے اور یہ کتاب ہدیٰ کا اہم ترین درس ہے اور اسلام کی واضح ترین تعلیم ہے۔ ————

———— اس سے بھی کچھ آگے بڑھیں تو عربوں کی قبائلی زندگی کا نمایاں شعار سامنے آتا ہے یعنی وہ یہ جان ہی نہ سکتے تھے کہ مرکزی حکومت بھی کوئی شے ہوتی ہے اور اس کی اطاعت واجب ہوتی ہے۔ اس کا ضابطہ نافذ العمل ہوتا ہے۔ ———— مزید آگے چلیں تو قبائل کی ذہنی مشکل مزید واضح ہوتی ہے۔ وہ لوگ یہ سمجھتے تھے کہ محمدؐ بن عبداللہ قرشی جو ایک خدا کو مانتے تھے اور خود کو اس خدا کا رسول کہتے تھے۔ فاتح کی صورت میں جلوہ گر ہوئے اور ان لوگوں میں اپنی حکومت نافذ کر دی وہ فوت ہو گئے۔ لہٰذا جو کچھ ان کے ساتھ طے پایا تھا وہ خود بخود ختم ہو گیا۔ اہل قبائل کی سمجھ ہی میں یہ بات نہ آئی کہ ان کا واسطہ ایک شخص سے نہیں پڑا تھا۔ لہٰذا ان کے کئے ہوئے عہد و پیماں بھی ایک شخص کے ساتھ نہ تھے بلکہ ایک مستقل ادارے کے ساتھ کئے جانے والے پیمان تھے۔ یہ پیمان اسلامی خلافت کے ہر سربراہ کے ساتھ عمل میں آتے تھے۔ صحرا نشینوں کی سمجھ میں یہ مسئلہ کیونکر آتا۔ مثلاً شاعر حطیئہ کہتا ہے:۔

أَطَعْنَا رَسُولَ اللّٰہِ مَاکَانَ بیننا
فیا لِعبادِ اللّٰہِ مَا لِاَبی بکر

(ہم نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی جب تک وہ ہم میں رہے یا اس ضمن میں کہ جو کچھ ہمارے مابین طے پایا تھا۔ اب اے بندگانِ خدا ذرا یہ تو بتاؤ کہ ابوبکرؓ کا کیا حق بنتا ہے)

بدو عرب اپنی روایات میں ڈوبا ہوا اور مخصوص قبائلی ذہنیت کا پروردہ سمجھے تو کیونکر سمجھے کہ جو عہد و پیماں محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ طے پایا اس کے وارث ابوبکرؓ ہیں۔ علاوہ ازیں انہوں نے یہ دیکھا تھا کہ رسولِ مبعوث ہونے کا دعویٰ کر کے قبیلۂ قریش کے ایک فرد نے کتنی بڑی قوت حاصل کر لی۔ کیوں نہ ہم بھی کہیں کہ ہم پر بھی وحی نازل ہوتی ہے اور ہم بھی پیغمبر ہیں۔ جب ہمارے قبیلے کا اپنا پیغمبر ہوگا تو قریش کے پیغمبر کی اطاعت کیونکر لازم رہے گی۔ لہٰذا ہر عہد و پیماں سے جان چھوٹ جائے گی۔ خصوصاً عشر و زکوٰۃ وغیرہ کے نام پر لیئے جانا والا مال بچ رہے گا۔

اب ادھر حضور ختم المرسلین کا وصال ہوا اور ادھر قبائل نے سر اٹھا لیا ———— حجاز کے سوا ہر طرف سے بغاوت و ارتداد کی خبریں آنے لگیں ———— ایسے عالم میں عمیق بصیرت کے ساتھ شدید عزیمت و ثبات کی ضرورت تھی ———— واضح رہے کہ اکثر باغی قبائل کو زکوٰۃ پر اعتراض تھا اگر کچھ دیر کے لیئے انہیں اس بارے میں رعائیت دے دی جاتی تو باغیوں کے بہت بڑے حصے کو رام کیا جا سکتا تھا اور پھر دیگر ان قبائل سے نمٹا جا سکتا تھا جو سرے سے مرتد ہو گئے تھے یا جن کے یہاں مقامی نبی "مبعوث" ہو پڑے تھے۔

خزانہ تقریباً خالی تھا۔ حضور احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہمہ جہتی سہارا چھن چکا تھا۔ ہر جگہ بغاوت کی آگ بھڑک اٹھی تھی۔ خود مدینہ باغیوں میں گھر کر رہ گیا تھا۔ کیونکہ گرد و نواح کے قبائل بھی اسی روش پر گامزن تھے جس پر دوسرے تھے۔ عین اس عالم میں حضرت صدیق اکبرؓ نے وہی رویّہ اختیار کیا جو صلح حدیبیہ کے موقع پر کیا تھا۔ یعنی یہ حضور رسالتمآب کا ارشاد ہے لہٰذا واجب التعمیل ہے اور اسی میں خیر ہے۔ میری مراد ہے حضرت اسامہ بن زیدؓ کی مہم سے۔ سات سو کے لگ بھگ آزمودہ کار مجاہد اس لشکر میں شامل تھے۔ حضرت صدیق اکبرؓ نے بیعت کے بعد اوّلین چند فیصلے جو کیئے ان میں سے ایک یہ تھا کہ اس جیش کو روانہ ہونے کا حکم دے دیا۔ اکابر اصحاب نے مشورہ دیا کہ حالات کا تقاضا کچھ اور ہے۔ مدینہ دشمنوں میں گھرا ہوا ہے ہر جانب سے حملے کا خطرہ ہے اور آپ مدینے کی قوّت کا ایک قابلِ لحاظ حصّہ مدینے سے باہر روانہ کر رہے ہیں۔ لیکن حضرت صدیق اکبرؓ نے وہی صدیق اکبرؓ جو ثانی اثنین تھے، ایک نہ مانی۔ جواب یہ تھا کہ جس مہم کی تیاری محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی اور جس جیش کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خاص مہم کو سر کرنے کے لیئے مرتب کیا تھا اس کو میں کیونکر روک سکتا ہوں؟ ——————

علامہ اقبال نے بجا ہی تو کہا ہے۔

تمہیں بتاؤں مسلماں کی زندگی کیا ہے؟
یہ ہے نہایت اندیشہ و کمالِ جنوں!!

مسلمان کمال دانش کا بھی مظہر ہوتا ہے اور بوقت ضرورت اس عشق کا بھی اظہار کرتا ہے جو دانش کی رسائی سے ماوراء ہوتا ہے۔ حضرت صدیق اکبرؓ کے اس عمل نے اپنے امثال واقران کی بھی پرورش عشق و جنوں فرمائی اور آئندہ نسلوں کے لیئے بھی یہ دائمی ہدایت چھوڑ گئے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی بھی واضح حکم کی تعمیل میں ڈھلمل ہونا ایقان کا نشان نہیں ہے۔

حضرت صدیق اکبرؓ نے اس مہم کے ضمن میں لشکر کی مشایعت بھی کی۔ یعنی اس لشکر کی معیّت میں راہِ جہاد پر گامزن بھی ہوئے۔ آپ نے حضرت اسامہ بن زیدؓ کے گھوڑے کی لگام بھی خود تھام رکھی تھی۔ اس سے اہل جیش پر یہ واضح کرنا مقصود تھا کہ ان کا امیر خواہ ایک آزاد کردہ غلام ہی کا فرزند کیوں نہ ہو مگر اس کے گھوڑے کی لگام خلیفۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم نے تھام رکھی ہے لہٰذا لشکر میں خواہ کوئی کتنا ہی بڑا اور عالی نسب سردار کیوں شامل نہ ہو اس کو اطاعت امیر پورے خلوص و انقیاد کے ساتھ کرنا ہوگی۔ اس طرح حضرت صدیق اکبرؓ نے نظم و ضبط کا دائمی درس دیا اور اطاعت امیر کی گراں بہا تعلیم دی۔ ہاں اس ضمن میں ایک بات اور یاد آتی ہے ——— حضرت صدیق اکبرؓ نے حضرت اسامہؓ سے درخواست کی کہ عمر بن الخطابؓ کو اگر ممکن ہو تو چھوڑ جائیں اس لیئے کہ مجھے بہت سے معاملات میں ان کے مشورے کی ضرورت ہوگی۔ ——— دیکھا آپ نے۔ حضرت صدیق اکبرؓ خلیفۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم تھے اس کے باوصف

حضرت اسامہؓ کے جیش میں شامل حضرت عمر بن الخطابؓ کو براہِ راست کوئی حکم نہیں دیا بلکہ ان کے قائد سے التجا کی۔ یہ امر ڈسپلن اور نظم و ضبط کی پاسداری اور حاکمِ متعلق کی ذمہ داری کے لحاظ کی کتنی شاندار مثال ہے۔

حضرت صدیق اکبرؓ کے اس مومنانہ فیصلے نے کہ حضرت اسامہؓ کی مہم کو التوا میں نہیں ڈالا جا سکتا قبائل عرب پر بھی اور رومیوں پر بھی بھرپور اثر ڈالا۔ وہ لوگ یہ سمجھنے پر مجبور ہو گئے کہ مرکزی قوت اسلام بہر حال قائم ہے اور استوار ہے۔ اگر اس میں ضعف در آیا ہوتا تو مدینے سے یہ جیش ہرگز نہ روانہ ہوتا اتباع احکام رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم میں کفار کی حوصلہ شکنی کا کس قدر سرمایہ موجود ہے۔

تاہم یہ حقیقت اپنی جگہ قائم ہے کہ پورے عرب میں ارتداد کا فتنہ اٹھ کھڑا ہوا خود مدینہ ایک طرح سے گھیرے میں آگیا۔ اگر اس وقت زکوٰۃ کے باب میں نرمی اختیار کرلی جاتی تو فوری خطرہ بڑی حد تک ٹل سکتا تھا اور قدرے آرام کے ساتھ انتظامی امور کی جانب توجہ دی جا سکتی تھی۔ اس بارے میں اکثر اصحاب نے یہی رائے دی کہ فی الوقت زکوٰۃ سے متعلق سختی نہ ہی کی جائے تو بہتر ہے۔ ان مشیروں میں حضرت عمرؓ جیسے جری اصحابؓ بھی شامل تھے۔ لیکن حضرت ابوبکرؓ نے ایک ہی بات کہی کہ میں زکوٰۃ کو صلوٰۃ سے کیونکر جدا کر دوں۔ خدا کی قسم اگر ان لوگوں نے ان اموال میں سے جو وہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں ادا کرتے تھے ایک رسی (عقال) بھی کم دی تو میں جہاد کروں گا خواہ مجھے اکیلے ہی لڑنا پڑے۔ ساتھ ہی انہوں نے حضرت عمرؓ سمیت اصحاب کو سرزنش بھی کر دی کہ عہدِ جاہلیت میں وہ تندی اور اب عہد اسلام میں یہ نرمی اور پھر یہ کہ میں زندہ و سلامت یہ دیکھوں۔؟ میں اپنے جیتے جی دین کے ضمن میں کوئی کمی اور کوتاہی برداشت نہ کروں گا۔

اس عزم صمیم کو دیکھ کر دیگر اصحاب نے بھی کمر ہمت باندھی۔ بیرون مدینہ سے تقریباً ہر امیر (حاکم) کا قاصد پوری سرعت کے ساتھ مدینہ پہنچا تھا اور اپنے نواح کی اضطراب انگیز خبر سنائی تھی۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے قاصدوں کو ان کے علاقوں کی جانب لوٹا دیا۔ استقامت کی تلقین کے ساتھ ——— اور خود مدینہ طیبہ کے دفاع کی جانب متوجہ ہوئے۔ اہم مقامات پر حضرت علیؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ اور اسی طرح دیگر جنگجو اور صاحب تجربہ اصحابؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مقرر فرمایا۔ مسجد نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی حیثیت ایک فوجی مستقر کی بن گئی تھی جہاں ہر دم مسلح اہل ایمان حکم کے منتظر موجود رہتے تھے ——— ہاں حضرت علیؓ کے شامل دفاع مدینہ ہونے سے ایک بات واضح ہو جاتی ہے کہ حضرت علیؓ کے چھ ماہ تک ابوبکر صدیقؓ کی بیعت نہ کرنے کی روایت مشکوک ہے ورنہ بغیر بیعت یہ اطاعت کیوں؟ چند ہی روز بعد مدینے پر حملہ ہو گیا۔ مگر حملہ آوروں کو منہ کی کھانی پڑی ——— حضرت صدیق اکبرؓ نے دفاعی جنگ کی کمان خود اپنے ہاتھ میں لے لی تھی۔

جلد ہی بعد حضرت اسامہؓ کا جیش مظفر و منصور واپس آگیا۔ اس سے اہل مدینہ کے حوصلوں میں مزید وسعت پیدا ہوئی۔ اب حضرت صدیق اکبرؓ نے مختلف علاقوں کی جانب مختلف مہمیں روانہ کرنا شروع کیں۔ ان مہموں میں حضرت خالد بن ولیدؓ کی وہ لڑائیاں بطور خاص تاریخ اسلام کا روشن باب ہیں جن میں کذاب نبی کیفر کردار کو پہنچے۔ یمامہ کا معرکہ ان سب معرکوں میں اس لئے ممتاز ہے کہ اس معرکے میں کئی درجن حفاظ قرآن نے جام شہادت نوش فرمایا اور اس واقعہ نے قرآن کو "نسخے" کی صورت قلمبند کرنے کی طرف انہیں متوجہ کیا۔ قرآن لکھا ہوا موجود تھا مگر مختلف چیزوں پر تھا اور وہ بکھری ہوئی تھیں۔ ترتیب وہی تھی جس میں آج قرآن مجید موجود ہے۔ بہت سی تعداد اصحاب کبار میں موجود تھی جنہوں نے قرآن کریم حفظ کر رکھا تھا۔ یہ تو نہیں ہو سکتا کہ کسی حافظ نے کسی ترتیب میں اور کسی نے کسی ترتیب میں یاد کیا ہو۔ ترتیب تو خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مقرر فرماتے تھے وحی آتی تو ارشاد ہوتا کہ اس کو فلاں سورۃ کے بعد درج کریں اسی ترتیب سے یہ نسخہ قلمبند ہوا۔

یہی نہیں کہ حضرت صدیق اکبرؓ نے مدینہ سے جیوش باہر روانہ کئے بلکہ خود بھی فتنۂ ارتداد کا قلع قمع کرنے کے لیئے مدینہ سے باہر نکل گئے۔ اصحابؓ نے بہت روکا مگر آپؓ نے ان مرتدین کو جو ابرق کے مقام پر ایک خطرناک قوت بن گئے تھے خود سبق سکھانے کا عزم کر لیا۔ چنانچہ آپؓ نے اس فتنے کا استیصال کر دیا ــــــ باغیوں کو سخت سزائیں دیں ایسی جو حضرت صدیق اکبرؓ کے عمومی مزاج سے موافقت نہیں رکھتیں لیکن حضرت صدیق اکبرؓ نے اپنے عمل سے ثابت کر دیا کہ اسلام کا مزاج یہ ہے کہ نرمی کی جگہ نرمی اور سختی کی جگہ بھرپور سختی ــــــ اگر سختی کی جگہ سختی سے کام نہ لیا جائے تو فتنے سر اٹھاتے چلے جاتے ہیں۔ ان حالات میں آپؓ کی اس استقامت کو دیکھ کر حضرت عمر بن الخطاب نے فرمایا تھا۔ "انا فداک لولا انت لھلکنا۔" "میں آپ کے قربان۔ آپ نہ ہوتے تو ہم مارے گئے تھے"۔ حق یہ ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی استقامت نے خلافت کی بنا محکم و استوار کر دی اور پھر اہل مدینہ، اہل حجاز، اہل یمامہ اور اہل یمن نے دیکھا کہ جلدی سب چین ہو گیا ہے اور اسلام اپنی کامل شان اور پوری شرائط کے ساتھ مان لیا گیا ہے۔ اس سے یہ بات بالکل کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ اسلام کے بنیادی ارکان میں کوئی بھی اسلامی حکومت خواہ وہ کیسے ہی پریشان کن حالات سے دوچار ہو جزوی یا کلی کوئی رعایت نہیں دے سکتی اور کسی بھی سربراہ مملکت اسلامیہ کو خواہ وہ کسی بھی طرح حکومت کی رو سے سربراہ ہو ایسی رعایت دینے کا کوئی حق حاصل نہیں ــــــ دوسری بات جو حضرت صدیق اکبرؓ کے رویے سے واضح ہوئی وہ یہ ہے کہ اسلامی نظام ان معنوں میں جمہوری نظام ہرگز نہیں جن معنوں میں یورپی اہل سیاست سمجھتے اور سمجھاتے ہیں ــــــ مملکت اسلامیہ کا سربراہ مملکتی امور اور دینی معاملات میں اپنی صوابدید کے مطابق مشیروں کے مشورے کو حتماً اور کاملاً رد بھی کر سکتا ہے،

وہ کثرت رائے کا قطعاً پابند نہیں ـــــــ نیز یہ کہ اسلام کے بنیادی ارکان سے کسی طرح کی بھی چھیڑ چھاڑ ممکن نہیں ۔ مزید براں یہ کہ اطاعتِ امیر کا حکم جازم پابند کرتا ہے کہ جب امیر کوئی فیصلہ کرے تو سرتابی ہرگز عمل میں نہ آئے ـــــــ فوراً کامل اتباع اور فرمانبرداری کا رویّہ اختیار کر لیا جائے یہ امر شرطِ ایمان ہے ـــــــ یہاں بھی عمومی جمہوری طرزِ عمل سے بیّن اختلاف پایا جاتا ہے جمہوریت میں جب کسی اُصولی مسئلے پہ قائد سے اختلاف ہوتا ہے تو یا استعفیٰ دے دیا جاتا ہے یا پارٹی بدل لی جاتی ہے۔ اسلام میں فقط اطاعت ہے۔ استعفیٰ کا مطلب کیا اور گنجائش کہاں؟ رہی پارٹی تو اسلام ایک ہی پارٹی ہے۔ یورپی طرز کی پارٹیاں اسلام میں نہیں بن سکتیں ـــــــ

ہاں تو جب حضرت صدیق اکبرؓ عرب کے جزیرہ نما کو دینِ اسلام کا حلقہ بگوش بنا چکے تو پھر حالات کے تقاضے کے مطابق عراق اور شام کی جانب سے متوقع خطرات کی سرحدیں پرے دھکیل دینے کی جانب متوجہ ہوئے ـــــــ اور ان کی خلافت کے دور ہی میں ان کے جرنیلوں نے ایک جانب ایران کی افواج کو اور دوسری جانب روما کی افواج کو پسپا کرنا شروع کر دیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عراق و شام کے وسیع اقطاع خلافت اسلامیہ میں شامل ہو گئے ۔ پھر وہ سلسلۂ فتوحات تین چار سال کے توقف (حضرت علیؓ کا دور خلافت) کے سوا مسلسل جاری رہا حتیٰ کہ ولید بن عبدالملک کے دور میں منگولیا کی دیواروں سے لے کر ہسپانیہ تک ایک ہی مملکت بن گئی ۔ واضح ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خلافت کے دور میں اندرونی مسائل ہی نے مہلت نہ دی تھی ۔

آج تاریخ کا مطالعہ کرتے وقت ہم حضرت صدیق اکبرؓ کے کارناموں کی داد دیتے ہیں مگر حق یہ ہے کہ صحیح معنوں میں یہ اندازہ نہیں لگا سکتے کہ بقولِ عمر بن الخطاب اگر صدیق اکبرؓ نہ ہوتے تو خلافت کیونکر استوار ہوتی ۔ حضرت صدیقؓ کی شانِ صدیقیت صحیح معنوں میں اسی وقت جلوہ گر ہوئی جب انہوں نے بے مثال استقامت کے ساتھ اور پوری ذمہ داری لے کر وہ اقدام کئے کہ اگر ہم دل میں ڈوب کر ازرہِ خلوص غور کریں تو لرز کر رہ جاتے ہیں۔ ہاں مگر یہ کام "ثانی اثنین" ہی کے کرنے کا تھا ۔ انہی نے کیا ـــــــ

ارتداد کا قلع قمع کرنے کی خاطر لڑی جانے والی جنگوں نے عربوں کے طریق جنگ میں ایک نئی کیفیت پیدا کر دی ۔ عرب تو قبائلی جنگ لڑنا جانتے تھے ۔ لڑنے والوں کی مقدار بیک وقت سینکڑوں اور کبھی کبھی ہزاروں تک بھی پہنچ جاتی تھی ـــــــ مگر یہ کہ عرب عساکر ایک مرکزی حکومت کی طرف سے مختلف کمانداروں کے زیرِ فرمان نکلیں جن کمانداروں کا ان کے قبیلے سے کوئی نسبتی اور نسبی رشتہ نہ ہو عربوں کے لیئے ایک بالکل جدید تہذیبت تھی ۔ مسیلمہ اور الاسود العنسی وغیرہ کے خلاف لڑی جانے والی جنگوں نے عربوں کو باضابطہ عسکری آداب سے آگاہ کر دیا ۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو ایران اور روم

کے خلاف لڑتے وقت عربوں کو بڑی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ۔ گویا فتنۂ ارتداد نے اہل عرب کو گھر ہی میں بڑی جنگوں کے لیئے درکار مہارت بہم پہنچادی ۔

یہ تھا حضرت صدیق اکبرؓ کی بصیرت، ایقان، ثبات اور توکل کا جوہر جس نے خلافت اسلامیہ کی بنا استوار کر دی ۔ آپ رضؓ نے ایسے لمحات میں بھی استقلال کا دامن نہ چھوڑا ۔ جب اکثر دل گردے والے رفقاء بھی ڈول گئے، گویا آپ رضؓ کی شخصیت ایک مومن حاکم کی حیثیت سے دیکھی جائے تو جو تصویر سامنے آتی ہے اسے ایک لفظ میں بھی بیان کیا جا سکتا ہے اور وہ لفظ ہے "استقامت" قل امنت باللہ ثم استقم ۔ کا عملی مظاہرہ ــــ عرب کے دائیں اور بائیں ایران اور روما کی دو بڑی سلطنتیں تھیں جو اس دور کی سپر پاور (SUPER POWER) فرض کی جا سکتی ہیں ــــ لیکن اہل اسلام کے دلوں میں ان کی جانب سے کوئی خوف جاگزیں نہ تھا ۔ انہوں نے یہ کبھی نہ سوچا کہ اندرونی احوال سے اگر یوں اور یوں نپٹنے کا ارادہ کیا تو ایران والے یا روما والے ناخوش ہوں گے، یا یہ کہ اگر ہم نے یہ اور یہ عقیدہ اپنا لیا اور اسکی تبلیغ بھی کی تو یہ دونوں قوتیں ناراض ہو جائیں گی، حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم "اللہ" کی طرف سے جس فرض کو ادا کرنے آئے تھے اسے ایک امانت کی طرح بطریق احسن ادا فرما دیا ــــ یہی عالم آپ کے خلفاء کا رہا بالخصوص شیخین یعنی صدیق اکبرؓ اور فاروق اعظمؓ کا ــــ گویا ہمیشہ کے لیئے ایک اصول قائم کر دیا گیا کہ مومن ڈرتا ہے تو خدا سے اور خوشنودی چاہتا ہے تو خدا کی، اگر وہ خدا کے سوا کسی شخص یا حزب یا مملکت یا بادشاہ وغیرہ سے ڈرتا ہے تو گویا دل میں کسی قدر اثر شرک موجود ہے" وراء کل خوف شرک" ہر خوف کے پیچھے شرک جاگزیں ہوتا ہے ۔ آج بھی سربراہان عالم اسلام کو "خیر القرون" کے ایمان کے پرتو کا مظاہرہ کرنا چاہیئے اور فیصلے کرتے وقت خواہ وہ اندرونی ہوں خواہ بیرونی، انہیں یہ نہیں دیکھنا چاہیئے کہ کونسی طاقت کتنی خوش یا کتنی ناخوش ہوتی ہے ۔ اگر یہ سوچ کار فرما رہتی تو دنیا میں اسلام عمل، تحریک اور انقلاب کی صورت کبھی اختیار نہ کر سکتا ــــ اللہ اور اللہ کے رسول کے احکام کے نفاذ سے بڑھ کر انقلابی عمل کون سا ہے ؟

حضرت صدیق اکبرؓ نے کوئی سوا دو سال خلافت فرمائی مگر اس خلافت کی روح امین وصادق آج بھی روشنی کا منار ہے اور آج بھی معیار ہے ۔ آپ رضؓ نے تھوڑی سی مدت میں بہت کچھ کر دکھایا، مگر اپنی مزاجی درویشی میں کوئی فرق نہ آنے دیا ۔ آپ رضؓ کا بیت المال سے ملنے والا وظیفہ بس اتنی ہی کفالت وکفایت کرتا تھا جتنی خلافت کی حدود میں بسنے والے کسی بھی غریب فرد بشر کو میسر آ سکتی تھی اور پھر اس ضمن میں بھی احتیاط کا عالم یہ کہ جو وظیفہ لیا وہ بھی دم واپسیں کے قریب بیت المال کو واپس کر دینے کی وصیت فرما دی اور وہ واپس کر دیا گیا ۔ چند معمولی سی چیزیں اور ایک گھوڑا

بیت المال کا رہ گیا تھا۔ بوقت رحلت اس کے باب میں بھی ہدایت کر دی کہ بیت المال کو واپس کر دیا جائے ۔جب ان چیزوں کو آپ کے جانشین حضرت عمر بن الخطابؓ نے دیکھا تو رو دیئے اور زبان سے نکلا " رحم اللہ ابابکر قد اتعب من بعدہ " خدا ابوبکر پر رحم کرے، وہ اپنے ہر جانشین پر بار گراں ڈال گئے"۔ ٹھیک ہے ۔اُن کے معیار ایثار اور درجۂ تواضع کو اپنانا بڑی عزیمت کا طالب تھا اور حق یہ ہے کہ وہ معیار کماحقہٗ ، بمشکل ہی کوئی بحال رکھ سکا،

آپ رضی اللہ عنہ نے خلیفہ منتخب ہو جانے کے بعد پہلا خطبہ جو دیا وہ مختصر ہونے کے باوصف کسی بھی فرمانروا کے دستور عمل سے بدرجہا بلند تر ہے ______ آج جب کہ حکومت کرنے کے نئے نئے ڈھب ایجاد ہو چکے ہیں صدیوں کو شامل بین الاقوامی تجربات سامنے ہیں اس کے باوجود احترام انسانیت، خدمت انسانیت ، تواضع ، انصاف گستری، حق کی پاسداری ، خدا خوفی ،ظلم دشمنی ، صداقت شعاری ، بے لوث پاس عہد اور اصول پسند کے ضمن میں جو روشن مثال الشیخین ابوبکرؓ و عمرؓ قائم کر گئے وہ ان کے بعد آنے والے تمام حاکموں کے لیئے تا حال درس ہدایت ہے ۔آپ رضی اللہ عنہ نے اس اوّلین خطبے میں جن امور پر زور دیا وہ یہ تھے کہ انہوں نے کبھی بھی امیر و سربراہ بننے کی خواہش دل میں پالی نہ تھی ۔ انہوں نے تو افتراق کی راہ روکنے کی خاطر یہ بار گراں اٹھایا تھا ۔ انہیں معلوم تھا کہ وہ عظیم اور پرخطر ذمہ داری قبول کر رہے تھے انہیں تاسف کے ساتھ اظہار کرنا پڑا تھا کہ اے کاش کوئی ان سے زیادہ طاقت ور فرد اس بار گراں سے عہدہ برآ ہوتا ______ انہوں نے برملا کہا کہ اے اہل ایمان مجھے تمہارا امیر بنا دیا گیا ہے گو میں کسی اعتبار سے بھی تم سے برتر نہیں ہوں ۔ اگر میں حق پر کاربند رہوں تو میری مدد کرنا ورنہ مجھے سیدھا کر دینا ۔ صدق امانت ہے اور کذب خیانت ۔ تم میں خواہ کوئی کتنا ہی کمزور ہو میرے لیئے قوی ہے ۔جب تک میں اس کا حق نہ دلا دوں ، اور جو قوی ہے وہ میرے نزدیک کمزور ہے ،میں اس سے کمزور کا حق وصول کر کے رہوں گا ۔جس قوم نے جہاد فی سبیل اللہ ترک کر دیا وہ ذلیل و عاجز ہو کر رہ گئی اور جس قوم میں بے حیائی رہ پا گئی اس پر عذاب الٰہی ٹوٹ پڑا ۔ جب تک میں اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرتا رہوں تم میری اطاعت کرتے رہنا اور جب میں اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت سے سرتابی کر دوں تو تم پر بھی میری اطاعت واجب نہیں ______ گویا حضرت صدیق اکبرؓ نے بالوضاحت سمجھا دیا کہ اطاعت اس امیر کی لازم و واجب ہے جو اطاعت خدا و رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کر رہا ہو ۔خدا و رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے باغی کی اطاعت کا مطلب کیا ؟

آپ رضی اللہ عنہ نے نو مفتوحہ علاقوں کے سوا باقی علاقوں میں تقریباً وہی گورنر اور حاکم بحال رکھے جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تعینات فرمایا تھا ۔ آپ رضی اللہ عنہ نے اپنے امرا اور عمال کو جو خطوط لکھے وہ

خیر سگالی اور انصاف کی تلقین سے پُر ہیں ۔ خوفِ خدا اور تقویٰ کی روح ہر سطر میں ساری و جاری ہے ۔
آپؓ اپنے امراء جیوش کو ہمیشہ تلقین فرمایا کرتے تھے اور وہ تلقینی نقاط یہ تھے
خیانت نہ کرنا، دھوکا نہ دینا ۔ حکم امیر سے سرتابی نہ کرنا ۔ کسی کی ناک وغیرہ نہ کاٹنا، بچوں بوڑھوں اور عورتوں کو موت کے گھاٹ نہ اتارنا، کھجور کے درخت اور میوہ دار دیگر درختوں کو ہرگز نہ کاٹنا اور نہ نذرِ آتش کرنا ۔ غذا کی مجبوری کے سوا بکری گائے یا اونٹ کو ذبح نہ کرنا ۔ جو لوگ عبادت گاہوں میں گوشہ گیر پڑے ہوں اُن سے تعرض نہ کرنا ۔ تمہیں ایسے لوگوں سے بھی پالا پڑے گا جو الوانِ نعمت لے کر حاضر ہوں گے تم ان کھانوں کو کھاتے ہوئے خدا کے نام سے غافل نہ ہونا ـــــ وعلیٰ ہٰذا القیاس ۔

گویا حضرت صدیق اکبرؓ نے یہ عملاً واضح کر دیا کہ اسلام کے روشن اصول عالم انسانیت کی فلاح و بہبود کے لیے بہترین اصول ہیں یعنی شریعت کے روبرو سب کے حقوق برابر ہیں کوئی طاقتور شخص زبردستی کر کے بچ نہیں سکتا کوئی بے بس محض کمزوری کے باعث محروم اور مظلوم نہیں ـــــ جو کردار کی رو سے برتر وہی بہتر انسان ۔ کوئی حاکم حتیٰ کہ سربراہ مملکت قانون سے بالا نہیں اور یہ بات خود حضرت صدیق اکبرؓ نے علی الاعلان کہہ دی کہ جب تک میں اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کروں تم میری اطاعت کرو، اور اگر میں اللہ اور اللہ کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت سے منہ موڑ لوں تو تم پر میری اطاعت فرض نہیں ـــــ یعنی کسی بھی شخص کی ذات یا شخصیت شریعت کے مقابلے میں بے حیثیت تھی ۔ حضرت صدیق اکبرؓ نے مشیر عامل اور امیر و کمانڈر وہی لوگ بنائے جو صورت حال سے بہترین طور پر نپٹ سکیں " تؤدّ الامانات الی اھلھا " کا مفہوم بہت وسیع جانتے تھے ۔ ان کے نزدیک ہر فرض اور ہر منصب امانت تھا اور اس امانت کو کسی ایسے ہی شخص کے سپرد کیا جا سکتا تھا جو اس امانت سے عہدہ برآ ہونے کی کامل اہلیت کا مالک ہوتا دوست پروری، جنبہ داری، قبیلہ نوازی، بے ضرورت رعایت و بخشش کی کوئی گنجائش نہ تھی ـــــ

حضرت صدیق اکبرؓ کے نزدیک " اصدق الصداقۃ الامانۃ " سے بڑی صداقت شعاری امانت داری تھی اور ظاہر ہے کہ جس امت کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا خطاب " امین " ہو اس امت کے ہر فرد کی نمایاں ترین خاصیت امانت داری ہونی چاہیئے اور حق یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلے خلیفہ نے امانت کا حق ہر میدانِ عمل اور ہر شعبۂ حیات میں اس طرح ادا کیا کہ جانشینوں کے لیئے روشن مثال چھوڑ گئے وہ مثال جس کو عملاً اپنانا بے حساب عزیمت کا طالب تھا ۔

ڈاکٹر حامد حسن بلگرامی

صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کا اندازِ تعلیم و تربیت

حقیقت یہ ہے کہ حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر اللہ رب العزت کے ذکر اور حمد کے بغیر ممکن ہی نہیں اور حضرت صدیق اکبرؓ کا ذکر حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر کے بغیر ناممکن ہے۔ حضرت صدیق اکبرؓ کی وابستگی جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قبل نبوت سے لے کر آخر لمحہ تک رہی اللہ رب العزت کو ایسی پسند آئی کہ مراتب کے ذکر میں انبیاء کے بعد صدیقین ہی نے جگہ پائی۔ اور دنیا میں ہر رفاقت کا اجر یوں دیا کہ جب تک وہ حضورؐ کے بعد زندہ رہے ان کے نائب اور خلیفہ اوّل کی حیثیت سے جانے گئے اور جب اپنے رب کے سامنے حاضر ہونے کے لئے اس دنیا کو خیرباد کہا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت کچھ اس انداز سے حاصل ہوئی کہ اس کی مثال ملنا مشکل ہے۔ جسطرح حجاج کا حج قبولیت کی منزلوں میں اس وقت تک نہیں پہنچتا جب تک حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں حاضر ہو کر صلوٰۃ و سلام کا نذرانہ پیش نہ کریں۔

اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آدابِ دربار کی تکمیل اسوقت تک نہیں ہوتی جب تک سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خلیفہ اوّل اور نائب رسولؐ کو عقیدت مندانہ طور پر سلام پیش نہ کیا جائے اور ان کے بعد حضرت عمرؓ رضی اللہ عنہ کو۔

اس موضوع پر جس قدر بھی آپ غور کرتے جائیں اس کے گوشے آپ کے قلب و نظر کے لئے انوار و بصیرت کی فراہمی کرتے چلے جائیں گے۔ دل چاہتا ہے کہ بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر، جو حضور سرورِ کائناتؐ کی شان میں کسی نے کہا حضرت صدیق اکبرؓ کو یوں نذرانہ عقیدت پیش کر دوں " بعد از انبیاء بزرگ توئی قصہ مختصر"، اور خلافتِ راشدہ کے متعلق ایک بنیادی نکتہ کی وضاحت کرتا چلوں تاکہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تعلیمی، تبلیغی بلکہ زندگی کے ہر گوشہ کو سمجھنے میں سہولت حاصل ہو۔

حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا اس عالمِ رنگ و بو میں تشریف آوری کا مقصد ہی یہ تھا کہ بندہ اپنے رب کو پہچانے، اس کی نعمتوں کا قدردان بنے۔ کائنات کو اپنے علم سے مسخر کرے۔ قلب کو انوارِ توحید سے منور کرے اور ظاہر و باطن کی یکسانیت کے ساتھ اپنے رب کے حضور اس طرح سربسجود ہو کر خود ملائکہ کو اس کے ہر سجدے

ہیں رب العزت کی پاکی پاکیزگی کا ایک نیا جلوہ نظر آئے اور بے ساختہ ان کی زبان سے نکلے۔

سبحان اللہ وبحمدہ، سبحان اللہ العظیم

پاک ہے وہ ذات جس نے اپنے عبد اپنے حبیب کو حضوری کی منزلوں سے گزار کر قرب کی نعمتوں اور جلووں سے نوازا اور مومنوں کے لئے نماز کا وہ تحفہ دے کر رخصت کیا کہ وہ بھی ہر نعمت دید سے اپنے اپنے مقام کے مطابق فیض یاب ہو سکیں۔

اسی لئے مسلمان کے لئے علم کے دو رخ ہیں۔ ایک کا رخ ظاہر سے باطن کی طرف ہے اور دوسرے کا باطن سے ظاہر کی طرف ہے۔ ایک کے حصول کا ذریعہ مشاہدۂ کائنات اور دوسرے سے فیض یاب ہونے کا طریقہ عرفانِ ذات اور سلوک حقہ، عوام کے لئے ایک کا نام علوم ظاہری اور دوسرے کا نام علوم باطنی۔ ایک کا سرچشمہ اسلام دوسرے کا سرچشمہ ایمان، اور یہ دونوں ایک ہی حقیقت کے دو رخ ہیں۔

دین کی اس عظیم فہم کو عام کرنا اور زندگی کے ہر شعبہ کے لئے اس میں ہدایت اور رہنمائی کی ضیا باریاں فراہم کرنا ہی منشاءِ نبوت تھا۔ اور اس کے حصول کا طریقہ تعلیم تھا اور ہے۔ خواہ یہ کتابوں سے دیجائے۔ مدرسوں میں دی جائے یا کسی کی نظرِ فیض کرم اس کے حصول کا ذریعہ بن جائے۔

اسلامی تعلیم کا یہ نکتہ بھی بڑی اہمیت کا حامل ہے کہ صحابۂ کرام کی عظیم جماعت میں بظاہر پڑھے لکھے زیادہ تھے لیکن ان میں ہر فرد خود ایک کتاب معرفت تھا اور اخلاق کا پیکر، جن کو آقائے دوجہاں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت نے اس مقام پر پہنچا دیا کہ ان کے بعد کوئی بڑے سے بڑا عالم اور رہرو راہ طریقت و حقیقت ان کی گرد راہ کو نہ پا سکا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد دراصل دو اہم سوال تھے۔

۱۔ اسلام کے بنیادی تعلیمی پہلوؤں کو مستحکم کرنا۔

۲۔ اسلامی شریعت اور اقدار کے حدود کا تعین کرنا۔

ایک صاحب بصیرت عالم دین کا کہنا ہے کہ خلافت راشدہ کی صداقت و حقیقت کو انہی دو حقائق کے آئینہ میں دیکھنا چاہیئے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اسلام کے بنیادی تعلیمی پہلوؤں کو زندگی کے ہر شعبہ میں مضبوط اور مستحکم بنایا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس درجہ احتیاط برتی کہ زندگی کے کسی رخ میں کسی قسم کی کسی تبدیلی کو بھی روا نہ رکھا۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے بنیادی تعلیمات اسلامی کو استحکام دیتے ہوئے اس کی بالیدگی اور وسعتوں کی طرف توجہ ضرور فرمائی لیکن انضباط و استحکام ہی پیش نظر رہا جس کا جوہر عدل ہے:

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا دورِ خلافت اسی پہلی اہم ضرورت کی تکمیل کا دور تھا۔ انہوں نے اپنی پوری سعی اور توجہ انہی بنیادی حقائقِ تعلیمات اسلامی کو مستحکم اور استوار کرنے میں کی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو یہاں بھی یہ فضیلت حاصل ہے کہ انہوں نے سرِمو کسی تبدیلی کا تصور ہی نہ کیا۔ اگر

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال سے قبل فوج کو کوچ تک کا حکم دیا جا چکا ہے تو ان کے وصال کے بعد حالات کے تحت اس حکم کو تبدیل کرنے کے تصور کو بھی آپ نے روا نہ سمجھا۔ اور ان کا یہی نکتہ ایمانی مومنوں کی کامیابی کا سبب بن جاتا ہے۔ اس کے بعد دو عظیم ہستیوں کا دورِ خلافت یعنی حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ اور سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ کا دورِ خلافت اسلامی اقدار کے حدود کے تعین کا دور ہے۔ اسلام کی وسعتوں، رفعتوں اور گہرائیوں سے بدلتے ہوئے حالات کے تحت مسلمانوں کو روشناس کرنے کے ساتھ ان کے مقابلہ کے لیے ان کو تیار کرنا تھا۔ اسی لیے جس کسی نے اس نورِ ایمانی اور نورِ عرفانی کے سوا کسی پہلو سے ان بزرگ ہستیوں کے دورِ خلافت کو سمجھنے کی کوشش کی تو اس نے ٹھوکر کھائی۔

بلکہ اس احقر کا تو ایمان ہے کہ حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسوں، حضرت سیدنا امام حسن اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہم نے اس دورِ خلافت کے بعد انتہائی صبر آزما حالات میں بھی حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمرؓ کی مستحکم کی ہوئی بنیادوں اور حضرت سیدنا عثمان غنیؓ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی وسعتوں کو پیشِ نظر رکھنے کے بعد صلح اور شہادت کی حدود کا تعین کیا ہے۔

گویا "صراط المستقیم" کی شاہراہ کی ایک جانب سبز درخت لہرا رہے ہیں اور دوسری جانب گلنار کے۔ جو اس بات کا ثبوت دے رہے ہیں کہ مسلمانوں کے لئے صلح کی حدود کہاں تک ہیں۔ اور جب اسلام کے بنیادی حقائق سے ٹکراؤ ہو تو سرفروشی کس حد تک واجب ہو جاتی ہے۔ ایک حضرت امام حسنؓ کی زندگی کے ترجمان ہیں تو دوسرے حضرت امام حسینؓ کی شہادت کی یادیں تازہ کرتے ہیں۔ اقبال نے خوب کہا ہے

بدتر از اندیشۂ سود و زیاں ہے زندگی
ہے کبھی جاں اور کبھی تسلیم جاں ہے زندگی

حضرت ابوبکر صدیقؓ کے اس مقامِ رفاقت اور خلافت کو سمجھ لینے کے بعد ان کی تعلیمی اور تربیتی نظریہ حیات کو سمجھنا آسان ہو جاتا ہے بلکہ یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ خود انہوں نے جس قرب سے حقیقت کو دیکھا تھا اسی نورِ بصیرت کو عام کرنا ان کا مقصدِ حیات تھا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصدِ حیات اپنے اقوال و افعال، احوال سے لا الٰہ الا اللہ کے جلوے عام کرنا تھا۔ اور حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا مقصدِ حیات کلمۂ طیبہ کے جزو محمد رسول اللہ کے آئینۂ حق میں توحید مطلقہ کا گرویدہ بنانا تھا۔ اور یہ سمجھانا تھا کہ رسول سے اللہ کو پانا ہے۔ لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنہ اور جزو قولاً، فعلاً اور حالاً ان کی اتباع اور محبت میں سرشار ہو کر فیضانِ نبوت کو عام کرنا تھا۔ حضرت صدیق اکبرؓ کی تعلیم کے مقاصد بھی وہی تھے جو ان کے آقا کے۔ ان کی تبلیغ کا منشا بھی وہی تھا جو ان کے آقا کا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

لقد من اللہ علی المومنین اذ بعث فیھم رسولاً من انفسھم یتلوا علیھم ایٰتہٖ ویزکیھم و یعلمھم الکتٰب والحکمۃ وان کانوا من قبل لفی ضلٰل مبین ۵ (آل عمران ۱۶۴)

حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمی جدوجہد کے یہی گوشے جس میں اولیت تلاوت اور پاکیزگیٔ قلب کو

دی گئی تھی۔ اور پھر علم و عرفان کو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی تعلیمی بصیرت کے اہم اجزاء ہیں۔

ان کی نظر میں قلب کی پاکی، جس کا واحد ذریعہ قرآن صامت کو قرآن ناطق کی روشنی میں پڑھنا تھا۔ اس کو مستحکم اور مضبوط دیکھنے کی خواہش مندرہیں۔ صلح حدیبیہ کے موقع پر جب عظیم صحابہ کرام کے قلوب میں یہ خطرہ پیدا ہوا کہ ہم اس درجہ دب کر کیوں صلح کر رہے ہیں۔ کیا ہم مسلمان نہیں۔ اس وقت بھی حب رسولؐ اور اتباع رسولؐ سے سرشار قلب کی آواز یہی تھی کہ وہ اللہ کے رسولؐ ہیں وہ جانتے ہیں ہم نہیں جانتے۔" اور اس حقیقت کی تصدیق خود بعد میں رب العزت نے یوں فرمائی۔ انا فتحنا لک فتحا مبینا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع اور محبت سے کس صحابی کا قلب معمور نہ تھا لیکن یہ معاملہ ہمارا آپ کا نہیں۔ ان کے آپس کا ہے۔ جہاں ہماری فہم کی بھی رسائی نہیں۔ ہمارے لئے تو ہر ستارہ جو آسمان نبوت پر جلوہ گر ہوا موجب ہدایت ہے۔ دو سال کے مختصر دورِ خلافت میں یہ شمع معرفت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اندازِ تعلیم، اندازِ تبلیغ، اندازِ اصلاح اور اندازِ تزکیہ قلب کو عام کرنے میں کس طرح مصروف عمل رہی ہے۔ آیئے مجموعی حیثیت سے اس پر ایک نظر ڈالیں اور ان انوار معرفت سے قلب کو منور کریں۔

۱۔ مسلمانوں کو اپنے رب کا پہلا فرمان اپنے آقائے دوجہاں کے ذریعہ اقرأ باسم ربک" ملا تھا۔ اپنے رب کے نام سے پڑھ۔ تاکہ کائنات اور کائنات کے خالق کا تعلق اور اپنے رب کی معرفت اس کا نصیبہ ہو۔ اس کو تسخیر کائنات کے ساتھ، اپنی قوتوں کے صحیح صرف سے آگاہی ہو۔ جس دور میں اسلام انسانیت کو لا رہا تھا۔ وہ مشاہدات و تجربات کا دور تھا۔ اس لئے مسلمان کو کتاب اور قلم کی دولت سے سرفرازی بخشی گئی تھی۔ قرآن کی نعمت "سمع" سے میسر آئی تھی اس لئے ابتدائی دور میں ہر چند آیاتِ الٰہی اور کلامِ ربانی کو محفوظ کرنے کا کام تحریراً بھی شروع ہو گیا تھا لیکن بالعموم صحابہ کرام کو یہ آیات زبانی یاد تھیں اور تحریر میں بھی اس درجہ احتیاط برتی گئی تھی کہ عرصہ تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آیاتِ قرآنی کے علاوہ حدیثوں کے لکھنے کی بھی اجازت نہ دی۔ اس بات کو گوش گزار کرنے کی ضرورت اس لئے ہوئی کہ صدیق اکبرؓ کے مختصر دورِ میں تعلیم میں قرآن ہی کو اہمیت حاصل تھی جب بھی کوئی مسجد بنتی اور وہاں امام کا تعین کیا جاتا تو امام ایسے شخص کو بنایا جاتا جو مسجد میں قرآن کی تعلیم دے سکے۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت صدیق اکبرؓ کا دور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اندازِ تعلیم و تربیت سے اس درجہ ہم آہنگ تھا کہ اس میں کوئی فرق کرنا مشکل ہے۔ صرف یہی فرق ہے اور بڑا فرق ہے کہ وہ خاتم الانبیاءؐ کا دور تھا۔ براہ راست اللہ جن کا معلم تھا، یہ خلافت کا دور ہے۔

اب صرف قرآن اور صاحبِ قرآن کا اسوۂ حسنہ ہی اس کا ترجمان ہے لیکن جہاں تک اندازِ تعلیم و تربیت کا تعلق ہے، صدیقِ اکبرؓ اپنے آقائے دوجہاںؐ کے نقش قدم پر ثابت قدم ہیں۔ قرآن حکیم کی یہی اہمیت جو خلافت راشدہ اور صحابہ کرام کے ہمیشہ پیش نظر رہی وہی اسلام کے فروغ کا ذریعہ بنی اور اس وقت جب دنیا تاریکی میں تھی علم مشاہدہ، تاریخ، ہیئت، اخلاق، سائنس کے مختلف شعبوں میں مسلمانوں نے ایک ہزار سال تک اپنی برتری قائم رکھی جس کے بیان کا یہاں موقع نہیں لیکن ہم کو یہ بھولنا چاہیئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے انہی مبلغین کا یہ فیض تھا

اور آج بھی اسی کی طرف خود قرآن ہم کو دعوتِ فکر و عمل دے رہا ہے۔

۲۔ قرآن حکیم کی تربیت کا یہ کام بھی حضرت صدیق اکبرؓ کی زندگی میں شروع ہو چکا تھا۔ جیسا کہ کتب احادیث سے پتہ چلتا ہے۔

۳۔ مساجد میں تعلیم جاری رکھنے کے علاوہ خود حضرت علی کرم اللہ وجہہ، حضرت عبداللہ ابن عباس، عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم مدینہ میں مساجد ہی میں درس دیتے جن میں کثیر تعداد میں لوگ شامل ہوتے اور اسی طرح قرآنی تعلیمات اور احادیث رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دلوں میں جگہ پاتیں۔

۴۔ تعلیم کا اہم جزو مدرسہ نہیں معاشرہ ہے۔ مدرسہ کا تعلق معاشرے سے یوں سمجھیئے جیسے گھر کا ایک کمرہ ہے۔ جب تک گھر درست نہ ہو ایک کمرہ گھر کا نعم البدل نہیں ہو سکتا۔ اگر معاشرہ اخلاق سے آراستہ ہے تو مدرسہ اس اخلاق میں چار چاند لگا سکتا ہے۔ لیکن اگر معاشرہ اخلاق سے خالی ہے تو ما صرف مدرسہ اس اخلاق کو واپس نہیں لا سکتا اور اگر حالات یہاں تک بگڑ جائیں کہ معاشرہ بدعنوانیوں کا شکار ہو جائے تو مدرسہ اصلاح حال سے خالی ہو جاتا ہے۔

حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمی برتری کا اہم ترین راز یہی ہے کہ حضور نے تعلیم، تبلیغ، اصلاحِ حال، اصلاحِ معاشرہ کو الگ الگ موضوع قرار نہ دیا بلکہ انسانیت کی ترقی کے لئے سب کی اہمیت کو اپنے اپنے مقام پر برقرار رکھا۔ وہ ہر جگہ معلم اعظم، مصلحِ اعظم، مبلغ اعظم تھے گھر پر بھی، مسجد میں بھی، نجی معاملات میں بھی، اہم ترین حالات میں بھی، بچوں کے سامنے بھی، بڑوں کے سامنے بھی، مردوں کے سامنے بھی، عورتوں کے سامنے بھی اور یہی وہ اندازِ تربیت تھا جس نے ۲۳ سال کی مختصر مدت میں ایک لاکھ چالیس ہزار مسلمانوں کی ایک ایسی جماعت تیار کر دی جو ہر بدلے ہوئے حالات کے مقابلہ کے لئے سینہ سپر تھی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا مختصر دورِ خلافت اسی اندازِ تعلیم و تبلیغ، یہی اندازِ فکر، یہی اصلاحِ معاشرہ، یہی تزکیۂ نفس کی ہم آہنگی کے پہلو لئے ہوئے ہے۔

ہم ایک نازک دور سے گزر رہے ہیں۔ کاش ہم اپنی تعلیمی فکر و بصیرت کے مزاج کو سمجھ سکیں۔ اور اس کی جامعیت اور معنویت سے استفادہ کریں اور توحید کے صحیح مفہوم کو "وحدتِ تعلیم" سے بروئے کار لائیں۔ ظاہر و باطن کی یکسانیت، قول و فعل کی مطابقت، دین و دنیا کے صحیح امتزاج، دینی اور دنیوی علوم کی حقیقی ہم آہنگی سے خود بہرہ ور ہوں اور قوم و ملت کو بہرہ ور کریں۔ لیکن یہ تبھی ہو سکتا ہے جب ہم پھر اسی قرآن، اسی نورِ قرآن صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا ہادی بنائیں۔ اور فہم و بصیرت سے کام لے کر خلوص نیت کے ساتھ اس مقصد کے لئے تیار ہو جائیں جس کے لئے خالقِ کائنات نے ہمارا انتخاب کیا تھا۔ تو اللہ کا وعدہ (و انتم الاعلون ان کنتم مومنین) آج بھی اسی طرح سچا اور حق ہے جیسا اس وقت تھا۔ جس کو ہم خلافتِ راشدہ یا مسلمانوں کے عروج کا دور کہتے ہیں اور جس کی بنیادوں کو حضرت صدیق اکبرؓ نے مستحکم بنایا۔

(اللھم اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم ٥

از ڈاکٹر سید عبداللہ

صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عظیم کارنامے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حدیث مروی ہے۔ آپؐ نے فرمایا" اگر تم مجھ کو دنیا میں نہ پاؤ تو ابو بکرؓ کے پاس جانا"

اور واقعی جب ایسا وقت آیا تو امت نے حضرت ابو بکرؓ ہی سے رجوع کیا ——— اور انہوں نے اسلام کی عمارت کو محفوظ رکھنے کے لیئے وہی کیا جس کی توقع آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اپنے صدیق سے تھی۔

حضرت ابو بکرؓ کے فضائل پر بہت کچھ لکھا گیا ہے اور لکھا جا سکتا ہے لیکن اس مختصر تذکرے میں ان کے بعض ایسے کارناموں کا ذکر کیا جا رہا ہے جنہیں بنیادی کہا جا سکتا ہے۔

ان کارناموں میں سے پہلا کارنامہ یہ تھا کہ انہوں نے عرب قبائل کے دلوں میں ایک بار پھر اسلام کا رعب اور دبدبہ قائم کر دیا۔ یہ معلوم ہے کہ کچھ قبیلے عرب میں ایسے بھی تھے جو اسلام کے غلبے سے مرعوب ہو کر سطحی و ظاہری طور پر مسلمان ہو گئے تھے خود مدینہ میں منافقین کی ایک جماعت موجود تھی جو ہر بات میں حوصلہ شکنی کرتی رہتی تھی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد دلوں کی یہ کمزوریاں اور منافقیتیں فوراً ابھر آئیں۔ ان میں ایک عرب قبائل کی سرکشی بھی تھی۔ حضرت ابو بکرؓ نے حضرت اُسامہؓ کی سرکردگی میں ایک جیش شام کے سرکشوں کو دبانے کے لیئے بھیجا جس نے باغی قبیلے کو کچل دیا اور اسلام کا رعب دوبارہ قائم کر دیا۔ اس کے علاوہ بھی بنو تمیم بنو حنیفہ اور بنو عامر وغیرہ کو راہِ راست دکھایا۔

حضرت ابو بکرؓ کے زمانے میں فتنۂ ارتداد نے سر اٹھایا اور کئی مدعیان نبوت پیدا ہو گئے۔ حضرت ابو بکرؓ نے اپنی قوت ایمانی اور قوت تدبیر سے ان فتنوں کا قلع قمع کر دیا۔

اسلام میں پہلا شخص جو مرتد ہوا وہ یمن کا الاسود العنسی تھا۔ اس نے نبوت کا دعویٰ کر دیا۔ کچھ مدعیان نبوت اور بھی تھے لیکن ان کا خاتمہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے زمانے میں ہو گیا تھا لیکن فتنے پھر بھی موجود تھے اور مختلف مقامات سے سرکشی کی خبریں ملتی تھیں اس لیئے حضرت ابوبکرؓ نے مصمم ارادہ کر لیا کہ اس طغیان و بغاوت کا فیصلہ کن مقابلہ کیا جائے۔ چنانچہ انہوں نے ایک لشکر تیار کیا اور اسے گیارہ حصوں میں تقسیم کر کے ہر ایک دستے کا ایک علمبردار مقرر کر دیا اور خود مرکزی قیادت کی خاطر مدینہ میں ہی رہے۔ ان مہمات میں مدعیۂ نبوت سُجاح، اور مدعی نبوت مسیلمہ کذاب جیسے باغیوں سے بھی مقابلہ ہوا اور کم و بیش ایک سال میں ارتداد اور تمرد کے زور سے اٹھے ہوئے شعلے بجھا دیئے گئے۔

عرب کے اکثر قبائل کی سرکشی تو سمجھ میں آتی ہے لیکن مستشرقین کی سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ اتنا ہمہ گیر فتنہ ایک سال کی مختصر مدت میں کیسے فرو ہو گیا؟ لیکن وہ سمجھ نہیں سکتے کہ صدیقیت کا مقام کیا ہے۔

یہ حضرت ابوبکرؓ کی شان افضلیت تھی جس نے اسلام کی حقانیت اور قوت کو از سرِ نو ثابت کر دکھایا اور رہتی دنیا تک اسلام کی عظمت کو سرکشوں سے محفوظ کر کے ایک بڑھتا ہوا مذہب و تمدن ظاہر کر دکھایا۔

اس سیاسی کارنامے کے ساتھ، ان تہذیبی و تمدنی امور کا ذکر بھی کرنا چاہیئے جو جنگوں کے پہلو بہ پہلو مختلف سیاسی وثیقوں اور اعلانوں کی صورت میں نظر آتے ہیں جن سے مسلمانوں کے سیاسی اصولوں کی بنیادیں مستحکم ہوئیں۔

حضرت ابوبکرؓ نے جو لشکر مرتدین اور مدعیان نبوت کی سرکوبی کے لیئے روانہ کیئے اُن کے سرداروں کو چند ہدایات دیں جو بصورت تحریر کتابوں میں موجود ہیں۔

ان ہدایات میں اسلام کی برکتوں کے ذکر کے بعد چند اصولی باتیں یہاں قابل ذکر ہیں۔ ان میں اہم یہ ہے کہ ہر چند کہ حضرت ابوبکرؓ کا لشکر مرتدین کی سرکوبی کے لیئے جا رہا تھا لیکن اسے یہ تاکیدی حکم ملا کہ فوراً جنگ میں اتر نہ پڑنا۔ اتمام حجت ضرور کرنا۔ مرتدین سے اپیل کرنا کہ وہ واپس اسلام میں لوٹ آئیں۔ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا کہ "میرے سالاران فوج اس وقت تک کسی سے قتال نہ کریں نہ قتل کریں جب تک اللہ کی طرف پہلے دعوت نہ دے دیں۔"

حضرت ابوبکرؓ کا یہ اعلان طریقۂ نبوی کے عین مطابق تھا ——— اور آئندہ بھی اکثر حالات میں، قرون اولیٰ کے مسلمانوں میں معمول یہ رہا۔

تو حضرت ابوبکرؓ کا پہلا کارنامہ فتنۂ ارتداد کا قلع قمع تھا۔

حضرت صدیق رضؓ اکبر کا دوسرا اہم کارنامہ، منکرینِ زکوٰۃ سے جنگ اور فرضیت زکوٰۃ کو بحال اور محکم کرنا ہے۔

حوالی مدینہ کے بعض قبائل ایسے اٹھ کھڑے ہوئے جو یہ کہتے تھے کہ ہم نماز تو پڑھیں گے لیکن زکوٰۃ نہ دیں گے۔ یہ قدرے بر بنائے بخل تھا۔ لیکن ایک عذر یہ بھی تھا کہ زکوٰۃ دیں گے لیکن مرکز خلافت کو نہ دی جائے گی۔

اس موقعہ پر حضرت ابوبکرؓ کی اجتہادی بصیرت کا تذکرہ کرنا ضروری ہے۔ جب مذکورہ بالا قبائل نے ادائی زکوٰۃ کے بارے میں تردد کا اظہار کیا اور مدینہ کو اپنے وفود اپنا نقطۂ نظر بیان کرنے کے لیئے بھیجے تو صحابہؓ کا ایک حصہ ان کے اس استدلال سے قدرے متاثر ہو گیا کہ زکوٰۃ آخر زکوٰۃ ہی ہے جو اپنے اغنیاءؔ سے لے کر اپنے ہی فقراء میں تقسیم کر دی جانی چاہیئے۔ لہٰذا اگر یہ اعراب اپنے اغنیاءؔ سے لے کر اپنے فقراء میں اسے تقسیم کر دیتے ہیں تو ان کی اس تجویز کو مان لینا چاہیے۔

لیکن حضرت ابوبکرؓ نے بڑی سختی سے اختلاف کیا اور فرمایا کہ "خدا کی قسم اگر یہ لوگ اونٹ کی رسی سے بھی جس کو وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ادا کرتے تھے انکار کریں گے تو میں اس پیمان سے جنگ کروں گا"۔

حضرت ابوبکرؓ کی دینی و سیاسی بصیرت نے ان کے دل میں یہ یقین پیدا کیا کہ اگر ارکانِ خمسہ کے معاملہ میں ذرا سی بھی لچک دکھائی گئی تو پھر اس عمارت کی کوئی اینٹ نہ بچے گی۔

سب سے اہم معاملہ یہ ہے (جس کی ہمارے زمانے میں پھر تصدیق ہو رہی ہے)، کہ زکوٰۃ چونکہ اسلام کے معاشی نظام میں کفالت عمومی کا سنگِ بنیاد ہے اگر اس کے معاملے میں ضعف ارادہ جو تشکیک کا ارادہ ہوا تو نماز، روزہ اور حج وغیرہ بھی بے اثر ہو جائیں گے۔ قرآن مجید میں اکثر موقعوں پر صلوٰۃ اور زکوٰۃ کا یکجا ذکر فرمایا ہے۔ اس کی حکمت حضرت ابوبکرؓ پر واضح تھی۔ اسلام کی دو بنیادیں ہیں اوّل خدا سے تعلق دوم مسلمانوں میں نظام عدل اور غربا کے لیئے کفالت عمومی کا حکم۔

یہ دونوں باتیں ساتھ ساتھ چلتی ہیں ــــــ اور کفالت معاش کے حصے پر، حضرت ابوبکرؓ نے جو زور دیا، اور بے لچک طرزِ عمل اختیار کیا وہ بلا وجہ نہ تھا وہ جانتے تھے کہ زندگی کی اس معاشی بنیاد کو تسلیم کیئے بغیر معاشرہ میں بے اطمینانی کا پیدا ہونا لازمی ہے ــــــ لہٰذا وہ زکوٰۃ کی فرضیت اور اس میں نظام کی مرکزیت پر ڈٹ گئے ــــــ اور آنے والے مسلمانوں کے لیئے ایک محکم ہدایت اور روشن مثال قائم کر دی۔

حضرت ابوبکرؓ کی شاندار دینی خدمات میں ایک جمع قرآن بھی ہے اس کے علاوہ حضرت ابوبکرؓ

نے جو سیاسی و انتظامی نظام قائم کیا اور ملکداری اور ریاست کے قیام کے لیئے جو اصول وضع کر کے اختیار کیئے ان کی گفتگو طویل ہے۔ ان سے صرفِ نظر کر کے ان کے فقہی اجتہادات کے بارے میں مختصر سی بحث کافی ہوگی۔

یہ معلوم ہے کہ استنباط احکام کے لیئے اصول شرعی چار ہیں۔ ۱۔ قرآن ۲۔ سنت ۳۔ اجماع اور ۴۔ قیاس۔

لیکن یہ امر واقعہ ہے کہ قیاس کا معاملہ قدرے دیر سے سمجھ میں آنے والا مسئلہ ہے۔ اس لیئے اس کے بارے میں اکثر تردد رہا اور جہاں اس سے کام لیا گیا اس کی شکلیں مختلف رہیں۔ تاہم کسی بدلتے ہوئے معاشرے میں اور انسانی دنیا کے گوناگوں تنوعات مزاج و کردار کی صورت میں پہلے تین اصولوں کے بعد چوتھے اصول (قیاس) کی ضرورت واضح ہے اور حق یہ ہے کہ انسانی زندگی کے مشکل اور پیچیدہ معاملات میں قیاس کے اصول سے استفادہ کے بغیر چارہ نہیں اور اس کا جواز خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و احادیث سے نکلتا ہے۔

حضرت ابوبکر رضؓ نے بھی کئی موقعوں پر قیاس سے کام لیا۔ اس سلسلے میں منع زکوٰۃ کے معاملے میں قتال کی فرضیت کے معاملے میں حضرت عمر رضؓ کے اختلاف کے باوجود۔ حضرت ابوبکر رضؓ کا اپنے قیاس سے قتال کو ضروری قرار دینا ایک واضح مثال ہے۔

دادا کی وراثت کا مسئلہ بھی ان مسائل میں ہے جن میں حضرت ابوبکر رضؓ نے اجتہاد کرتے ہوئے دادا کو باپ کے مماثل قرار دیا۔

اسی قبیل سے خیبر اور فدک کی زمینوں کا مسئلہ بھی ہے۔ اس میں حضرت ابوبکر رضؓ نے جو اجتہاد فرمایا وہ ان کی بالغ نظری کا ثبوت ہے۔ ——— اس کے ذریعے، منصب نبوت کی بے نیازانہ حیثیت کا اثبات کیا گیا ہے۔

دادا کے سلسلے میں وراثت کا تذکرہ پہلے آچکا ہے۔ اس کا تعلق قرآن مجید کے ایک لفظ کلالہ سے بھی آتا ہے جس کے معنی ہیں ایسا شخص جس کی وفات پر اس کے نہ بیٹا ہو اور نہ باپ۔

صحابہ میں اختلاف اس امر میں تھا کہ کلالہ کے مفہوم میں دادا بھی شامل ہے یا نہیں۔ حضرت ابوبکر رضؓ دادا کو اس میں شامل سمجھتے تھے۔ دراصل کلالہ کا مسئلہ۔ اسلام کے نظام وراثت کا ایک بڑا اختلافی باب ہے۔ حضرت ابوبکر رضؓ کے بعد صحابہ رضؓ کے ایک حصے نے دادا کی وراثت کو قبول نہیں کیا لیکن اقرب الی الصواب وہ ہے جو حضرت ابوبکر رضؓ نے فرمایا۔

غرض حضرت ابوبکر رضؓ نے اجتہاد کے لیئے اصول او قواعد مقرر کیئے اور ادلۂ شرعیہ کے

نظام میں قیاس کو اہم جگہ دی ۔

حضرت ابوبکرؓ کی اجتہادی بصیرت کا کئی اور صورتوں میں بھی ظہور ہوا جن کا ذکر متعلقہ کتابوں میں بہ تفصیل ملتا ہے لیکن اس کے علاوہ بھی آپ کے فضائل بے شمار تھے ۔ وہ علم الانساب کے ماہر تھے ۔ ایام الحرب سے اچھی خاصی واقفیت رکھتے تھے ۔ ذوق شعری سے بھی بہرہ مند تھے ۔ تقریر اور خطابت کا خاص ملکہ رکھتے تھے ان کے خطبے مدبرانہ اور بلیغ ہوتے تھے اور اسلوب بیان حکیمانہ ہوتا تھا

بہر حال حضرت ابوبکرؓ کا سینہ گنجینۂ کمالات تھا اور یہ معارف انہیں صحبت نبوی سے حاصل ہوئے تھے اس وجہ سے شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی نے فرمایا :۔

"کہ علوم پیغامبر در نفس وے چگونہ منطبع می باشد" اور اس سے مراد قرآن کا فہم بھی ہے اور سنت (حدیث) کا بھی ۔ اور آپ اس اخلاص فی العمل سے بھی مالا مال تھے جسے قرآن مجید میں احسان کہا گیا ہے اور بعد میں تصوف کے شعبہ پر خلوص کے طور پر اس کی تعبیر ہوئی ۔

حضرت ابوبکرؓ کی اولیات میں چند چیزیں شامل ہیں ۔ مثلاً مردوں میں سب سے پہلے انہوں نے اسلام قبول کیا ۔ قرآن مجید کا نام مصحف انہوں نے سب سے پہلے رکھا ۔ قرآن مجید کو پہلی مرتبہ انہوں نے جمع کرایا ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں پہلے شخص تھے جن کو حج کی امامت کا شرف حاصل ہوا ۔ بیت المال انہوں نے بھی قائم کیا اور بہت سے اور امور میں انہیں اولیت کا اعزاز نصیب ہوا ۔

اب یہ مختصر سا تذکرہ حضرت صدیق اکبرؓ کے متعلق اس دعا پر ختم ہوتا ہے کہ خداوند تعالیٰ ہمیں توفیق دے کہ ہم سب انوار صدیقیت کی شعاعوں سے کسب نور کر سکیں ۔


جدید
امنگوں
کا
ترجمان
ڈان
پریشر ککر
آٹومیٹک
سیفٹی
پلگ
کے ساتھ
ڈان
Dawn
آٹومیٹک جدید پلانٹ پر تیار کردہ
تیار کردہ:- ڈان میٹل ویئر انڈسٹریز لمیٹڈ مسلم بازار سیالکوٹ
فون نمبرز:- ۵۷۰۲، ۵۸۰۲ رہائش:- ۵۵۰۲، ۵۶۰۲، ۲۶۰۲

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے علمی مفاخر

تحریر: پروفیسر سعید احمد

اسلام سے پہلے عرب میں اگرچہ روحانیت کا فقدان تھا لیکن ان کا اپنا ایک ضابطہ اخلاق تھا جو المروءۃ کہلاتا تھا۔ جو لوگ اس ضابطہ اخلاق میں اعلیٰ درجہ کا کمال رکھتے تھے وہ نہایت عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے، اس کے علاوہ شاعری اور قوت تقریر و خطابت اور اعلیٰ نسبی میں جو لوگ ممتاز ہوتے تھے وہ قوم کے سردار مانے جاتے تھے، حضرت ابوبکرؓ ان تمام اوصاف و کمالات کے جامع تھے۔

علم الانساب میں مہارت

علم الانساب حضرت ابوبکرؓ کا خاص فن تھا۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں۔

وکان ابوبکر مقدماً فی کل خیر و — ابوبکر ہر اچھے کام میں آگے آگے رہتے تھے

کان رجلاً نسابۃ" [1] — اور علم الانساب میں بڑے ماہر تھے۔

اس سلسلہ میں حضرت علیؓ ہی اپنا ایک چشم دید واقعہ سناتے ہیں کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہوا کہ قبائل میں جا کر اسلام کی تبلیغ کریں تو ایک دن آپؐ ۔ ابوبکرؓ اور میں ہم تینوں عربوں کے ایک اجتماع میں پہنچے ۔ حضرت ابوبکرؓ نے ان سے پوچھا "آپ لوگ کس قبیلہ سے تعلق رکھتے ہیں؟" وہ بولے "ربیعہ" سے اس کے بعد حسب ذیل گفتگو ہوئی۔

ابوبکر :۔ ربیعہ کے اونچے طبقہ سے یا ادنیٰ طبقہ سے؟

اہلِ قبائل :۔ اونچے طبقہ سے

ابوبکر :۔ اونچا طبقہ کون سا؟ ذہل الاکبر یا ذہل الاصغر؟

اہل قبائل :۔ ذہل الاکبر۔

اس کے بعد حضرت ابوبکرؓ نے چند ناموران عرب کے الگ الگ نام لے کر پوچھا کہ کیا یہ شخص تمہارے ہی قبیلہ سے تعلق رکھتا تھا؟ یہ لوگ ہر ایک کا جواب نفی میں دیتے رہے۔ آخر حضرت ابوبکرؓ نے کہا۔

"تو پھر تم لوگ ذہل الاکبر سے نہیں - بلکہ ذہل الاصغر سے تعلق رکھتے ہو۔"

ان لوگوں میں ایک سبزہ آغاز نوجوان تھا، اب وہ آگے بڑھا اور بولا - آپ نے تو ہم سے سوالات کر لیے لیکن اب ہم کو اجازت دیجئے کہ ہم بھی آپ سے کچھ پوچھیں - حضرت ابوبکرؓ نے کہا شوق سے - لیکن اب اس نوجوان نے سوالات کا جو سلسلہ شروع کیا وہ کہیں جاکر رکتا ہی نہیں تھا - آخر حضرت ابوبکرؓ تنگ آکر اونٹنی پر بیٹھ کر چل دیئے اس پر نوجوان نے ایک شعر پڑھا جسکا ماحصل یہ تھا کہ کبھی چت اور کبھی پٹ - آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ دیکھ کر بے اختیار ہنسی آگئی ۲۹؎

جبیر بن مطعم نسب دانی میں تمام عرب میں ممتاز تھے مگر وہ بھی کہتے تھے کہ میں نے یہ فن حضرت ابوبکرؓ سے سیکھا ہے۔ ۳۰؎

حضرت ابوبکرؓ کی یہ نسب دانی اسلام کے بھی کام آئی - مشرکین قریش میں سے بعض لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو میں اشعار کہتے تھے۔ دربار نبوت کے خاص شاعر حضرت حسان بن ثابت نے اجازت چاہی کہ وہ بھی قریش کی ہجو کریں - آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا "جب میں خود قریش میں سے ہوں تو تم ان کی ہجو کیسے کروگے - حسان بولے "میں آپ کو ان سے اس طرح الگ کر لوں گا جس طرح بال کو آٹے میں سے نکال لیتے ہیں - اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو مشورہ دیا کہ حضرت ابوبکرؓ کے پاس جائیں کیونکہ وہ ان (حسان) سے زیادہ قریش کے انساب سے واقف ہیں - چنانچہ حسان حضرتِ ابوبکرؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر باقاعدہ درس لیتے تھے - اس کا اثر یہ ہوا کہ قریش حضرت حسان کے اشعار سنتے تھے تو فوراً پہچان جاتے تھے کہ ان کی تصنیف میں حضرت ابوبکرؓ کا مشورہ شامل ہے ۳۱؎

ایام العرب

علم الانساب کی طرح ایام العرب یعنی عربوں کی خانہ جنگی کی تاریخ کے بھی بہت بڑے عالم تھے - حضرت عائشہؓ جو اپنے زمانے میں اعلم بحدیث العرب والنسب سمجھی جاتی تھیں ان کا یہ علم و فضل بھی درحقیقت حضرت ابوبکرؓ کا ہی فیضان تعلیم و تربیت تھا، چنانچہ حضرت ہشام بن عروہ روایت کرتے ہیں -

کان عروۃ یقول لعائشۃ یا امتاہ لا اعجب من فہمک اقول زوجۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و بنت ابی بکر ولا اعجب من علمک بالشعر و ایام الناس اقول ابنۃ ابی بکر و کان اعلم الناس ولکن اعجب من

عروہ حضرت عائشہؓ سے پوچھا کرتے تھے کہ اماں! مجھ کو آپ کی سمجھ پر تو حیرت نہیں ہوتی، کیونکہ میں کہتا ہوں کہ رسول اللہ کی بیوی اور ابوبکرؓ کی بیٹی ہیں، اور نہ مجھ کو آپ کے علم شعر و تاریخ پر تعجب ہوتا ہے، میں کہتا ہوں کہ آپ ابوبکرؓ کی بیٹی ہیں جو ان چیزوں کے سب سے بڑے عالم تھے - مگر ہاں مجھ کو آپ کے علم طب پر

علمك بالطب كيف هو ومن اين هو؟ قال فضربت على منكبه وقالت اى عروة ان رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يسقم عند آخر عمره فكانت تقدم عليه وفود العرب من كل وجه، فتنعت له الانعات فكنت اعالجها له فمن ثم ۵

بڑی حیرت ہے کہ یہ علم آپ کو کیونکر حاصل ہوا؟ راوی کا بیان ہے کہ یہ سن کر حضرت عائشہ نے حضرت عروہ کے کاندھے پر ہاتھ مارا اور فرمایا کہ سنو! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آخر عمر میں بیمار رہتے تھے اور آپ کے پاس عرب کے وفد آیا کرتے تھے وہ طرح طرح کی دوائیں اور ان کے اوصاف بیان کرتے تھے اور میں ان دواؤں کو تیار کرتی تھی۔ پس میرا علم طب اسی وجہ سے ہے۔

ذوقِ شعر وسخن

شعر وشاعری کا ذوق عرب کے بچہ بچہ کی گھٹی میں پڑا ہوا تھا جو ان کے لطافت وجودتِ طبع کی دلیل تھا۔ حضرت ابوبکرؓ بھی اس سے بہرہ وافر رکھتے تھے۔ خود بھی شعر کہتے تھے۔ چنانچہ ابن سعد نے آپ کے وہ اشعار نقل کئے ہیں جو آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر کہے تھے۔ ابن رشیق نے پندرہ اشعار کی ایک نظم نقل کی ہے۔ جو آپ کی طرف منسوب ہے۔ لیکن اصل یہ ہے کہ عہدِ جاہلیت میں شعر کہتے ہوں گے۔ اسلام قبول کرنے کے بعد آپ نے کوئی شعر نہیں کہا اور حق یہ ہے کہ جس رسول برحق کے لئے قرآن میں۔

وما علمناه الشعر وما ينبغي له ۔

ہم نے اس پیغمبر کو شعر نہیں سکھایا اور یہ ان کے لیئے موزوں بھی نہیں ۔

کہا گیا ہو اس کے خلیفہ اولین کی شان سے یہ بعید بھی تھا۔ چنانچہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں۔

ان ابابكر ما قال بيت شعر فى الاسلام حتى مات ۶

بے شک ابوبکرؓ نے اسلام کے زمانہ میں اپنی وفات تک کبھی ایک شعر بھی نہیں کہا۔

ابن رشیق نے جو اشعار نقل کئے ہیں ان کے متعلق ابن ہشام اور سہیلی دونوں نے بیان کیا ہے کہ اکثر اہل علم حضرت ابوبکرؓ کی طرف ان کا انتساب صحیح نہیں مانتے۔

البتہ کبھی کبھی شعر پڑھنا ثابت ہے۔ چنانچہ آپ اکثر یہ شعر پڑھتے تھے جو خود آپ کے حسب حال تھا۔

اذا اردت شريف الناس كلهم — فانظر الى ملك فى زى مسكين ۱۰

"اگر تم لوگوں میں سب سے شریف انسان کو دیکھنا چاہو تو اس بادشاہ کو دیکھو جو فقیر کی گدڑی میں ہو۔"

تقریر وخطابت

شاعری کی طرح تقریر وخطابت کا فن بھی عربوں کا خاص فن تھا جس میں وہ دوسری قوموں سے ممتاز تھے، قرآن نے ایک خاص اسلوب بیان ایک نیا اندازِ فکر، ایک وسیع مگر ٹھوس نقطۂ نظر دیا تھا۔ اس لیئے اسلام کے بعد عربوں کے اس

فن کو غیر معمولی ترقی ہوئی اور ان کی فطری صلاحیت خطابت اسلام کی شان پر جلا پا کر شمشیر دو دم بن گئی، تاہم شاعری کی طرح تقریر و خطابت کا فن بھی کسی سے زیادہ وہبی اور ایک ملکۂ خدا داد ہے۔ جو فطری استعداد و مناسبت کے بغیر محض مشق و تمرین سے حاصل نہیں ہوتا اور اس میں امتیاز و کمال پیدا نہیں ہو سکتا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ میں بھی یہ ملکہ خدا داد تھا اس سلسلہ میں عہد جاہلیت کا تو کوئی ایسا واقعہ نظر سے نہیں گذرا جس میں انہوں نے اپنی اس قابلیت کا مظاہرہ کیا ہو۔ البتہ زندگی کے اسلامی دور میں انہوں نے جو تقریریں کیں اور خطبے دیئے وہ اس بات کا بیّن ثبوت ہیں کہ وہ اپنے زمانہ کے بلند پایہ اور نہایت ممتاز خطیب تھے۔

ایک تقریر یا خطابت کا سب سے بڑا معیار کامیابی یہ ہے کہ مقرر کی زبان سے جو لفظ نکلے سامعین کے دلوں میں گھر کرتا چلا جائے اور بڑے سے بڑا مخالف بھی اس کو سننے کے بعد محسوس کرے کہ مقرر نے جو کچھ کہا ہے وہ گویا خود اس کے دل کی بات تھی۔ چنانچہ قرآن مجید میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے فرمایا گیا۔

وقل لھم فی انفسھم قولاً بلیغاً۔	اے پیغمبر! آپ ان لوگوں کے دل میں اتر کر ان سے بلیغ کلام میں خطاب کیجئے۔

اسی مضمون کو غالب نے اس طرح ادا کیا ہے۔ ؎

دیکھنا تقریر کی لذت کہ جو اس نے کہا　　میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے

ایک تقریر میں یہ بات اسی وقت پیدا ہو سکتی ہے جب کہ حسب ذیل چیزیں پائی جائیں۔

۱۔ مقرر جو کچھ کہے اس کو خود پہلے اس کا کمال یقین اور اذعان ہو اور اس کے متعلق وہ کسی شک و شبہ میں مبتلا نہ ہو۔

۲۔ سامعین کی نفسیات سے پوری طرح واقف ہو کہ ان کو کون سی چیز زیادہ اپیل کر سکتی ہے۔

۳۔ تقریر فصیح و بلیغ ہو، یعنی کلام مقتضائے حال کے مطابق اور الفاظ بھی عام فہم۔ دلنشین اور مؤثر ہوں۔

۴۔ آواز میں عزم و اعتماد اور ذمہ داری کا پورا احساس پایا جائے۔ حضرت ابوبکرؓ کی خطابت میں یہ تمام اوصاف تمام و کمال پائے جاتے تھے اور اس کا اثر یہ ہوتا تھا کہ اس کو سننے کے بعد کوئی شخص ان کی مخالفت نہیں کر سکتا تھا۔ سامعین کو ایسا محسوس ہوتا تھا گویا اب تک ان کی فہم و بصیرت پر پردے پڑے ہوئے تھے۔ تقریر سن کر وہ سب پردے اٹھ گئے ہیں۔

صحابۂ کرام کے لیے وفات نبوی سے بڑھ کر اور کون سا حادثہ ہو سکتا تھا۔ حضرت عمر فاروقؓ جیسے شیر دل انسان کے ہوش و حواس بجا نہیں رہے تھے۔ اس عالم میں بے ربط باتیں عموماً زبان

سے نکل جاتی ہیں اور شدت غم کا ایسا غلبہ ہوتا ہے کہ اچھی سے اچھی تقریر کا اثر نہیں ہوتا۔ لیکن صدیق اکبرؓ کی تقریر سنتے ہی بادل چھٹ گئے اور مطلع یک قلم صاف ہو گیا۔ جس کا اعتراف خود حضرت عمرؓ نے کیا ہے سقیفۂ بنو ساعدہ کا معرکہ کس قدر سخت تھا۔ حضرت عمرؓ اس کے لیے پہلے سے تقریر سوچ کر اور اس کو دماغ میں جما کر گئے تھے۔ لیکن حضرت ابوبکرؓ نے فی البدیہہ جو تقریر کی وہ اس درجہ مؤثر اور دل نشین تھی کہ حضرت عمرؓ کو محسوس ہوا کہ جو باتیں سوچ کر وہ آئے تھے حضرت ابوبکرؓ نے وہ سب نہایت خوبی اور بلاغت سے ادا کر دی ہیں۔

حضرت ابوبکرؓ کے بعض خطبوں کے اقتباسات نقل کیے جاتے ہیں۔ ان سے زور کلام فصاحت و بلاغت اور حکیمانہ اسلوب بیانؐ کا اندازہ ہو گا۔ ایک موقع پر آپ نے خطبہ دیا اور فرمایا۔

اوصيكم بتقوى الله وان تثنوا عليه بما هو اهله وان تخلطوا الرغبة بالرهبة وتجمعوا الالحاف بالمسئلة فان الله اثنى على زكريا وعلى اهل بيته فقال "انهم كانوا يسارعون في الخيرات ويدعوننا رغبا ورهبا وكانوا لنا خاشعين" ثم اعلموا عباد الله ان الله قد ارتهن بحقه انفسكم واخذ على ذالك مواثيقكم وعوض بالقليل الفاني الكثير الباقي ـ وهذا كتاب الله فيكم لا تفنى عجائبه ولا يطفأ نوره فثقوا بقوله وانتصحوا بكتابه فانه خلقكم لعبادته ووكل بكم الكرام الكاتبين يعلمون ما تفعلون ـ ثم اعلموا عباد الله

میں تم لوگوں کو وصیت کرتا ہوں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنے کی اور اس بات کی کہ تمہیں اس کی شایان شان تعریف کرنی چاہیئے۔ اور اس کی طرف رغبت کے ساتھ تمہارے دلوں میں اس کا ڈر بھی موجود رہے اور اس سے سوال کرنے میں خوب الحاح وزاری کیا کرو۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ حضرت زکریا اور ان کے اہل بیت کی تعریف میں فرماتا ہے۔ یہ لوگ نیکیوں میں ایک دوسرے سے آگے نکل جانا چاہتے تھے اور ہم سے اپنی حاجت چاہتے تھے۔ گڑگڑا کر اور عجز و انکسار سے اور یہ لوگ ہمارے حضور میں فروتنی کرنے والے تھے۔

بندگانِ خدا۔ تمہیں یہ بھی جاننا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حق کے عوض تمہاری جانیں گروی رکھی ہیں اور اس معاملہ کا تم سے پختہ عہد لیا ہے اور کمتر فانی چیز کا عوض کثیر باقی سے دیا ہے اور یہ کتاب اللہ تمہارے درمیان ہے جس کے عجائب ختم ہونے والے نہیں اور جس کی روشنی ماند نہیں پڑے گی رسول اللہ کے فرمان پر ایمان رکھو اور اس کی کتاب سے فائدہ

انکم تغدون و تروحون فی
اجل قد غیب عنکم علمہ - فان
استطعتم ان تنقضی الآجال
و انتم فی عمل اللہ ولن
تستطیعوا ذلک الا باللہ - فسابقوا
فی مھل باعمالکم فان اقواما
جعلوا آجالھم بغیرھم
فانھاکم ان تکونوا امثالھم
فالوحا الوحا ثم النجا النجاء
فان وراءکم طالبا حثیثا
امرہ سریعا سیرہ ؎

اٹھاتے رہو۔ اِس نے اپنی بندگی کے لیئے پیدا کیا ہے۔ جو تمہارے افعال کو جانتے ہیں۔ خدا کے بندو تم یقین مانو کہ تمہاری صبح اور شام اس مقررہ وقت میں ہوتی رہے گی۔ جس کی حد تمہیں معلوم نہیں۔ پس اگر تم سے یہ ہو سکے کہ اللہ کی اطاعت میں رہتے ہوئے۔ تمہارا وقت پورا ہو جائے (اور ایسا ہونا توفیق الہی کے بغیر ممکن نہیں) تو زندگی کی فرصت میں عمل میں پیش قدمی کرو اس لیے کہ بہت سی قومیں فرصت کے لمحات دوسروں کی نذر کر چکی ہیں۔ تمہیں ان کی مانند نہ ہونا چاہیئے۔ پس تمہاری رفتار تیز ہونی چاہیئے۔ بہت ہی تیز اس لیے کہ تمہارا پیچھا کرنے والا بڑا ہی تیز رفتار ہے۔

ایک مرتبہ خطبہ دیا تو حمد و صلوۃ کے بعد فرمایا :-

انی اوصیکم بتقوی اللہ العظیم فی
کل امور علی کل حال ولزوم الحق فیما
احببتم وکرھتم فانہ لیس فیما دون
الصدق من الحدیث خیر من یکذب
یفجر ومن یفجر یھلک - وایاکم والفخر
وما فخر من خلق من تراب والی التراب
یعود، ھو الیوم حی وغدا میت
فاعملوا وعدوا انفسکم فی الموتی و
ما اشکل علیکم فردوا علمہ الی
اللہ وقدموا لانفسکم خیرا
تجدوہ محضرا - فانہ قال عزوجل
یوم تجد کل نفس ما عملت من خیر
محضرا وما عملت من سوء
تود لو ان بینھا و بینہ

میں تمہیں وصیت کرتا ہوں کہ اللہ بزرگ و برتر کا ڈر تمام میں اور ہر حال میں تمہارے پیش نظر رہے اور اپنی پسند اور ناپسندیدگی کے بارہ میں حق کا التزام رہے۔ سچائی سے ہٹ کر خیر (کی سبیل) نہیں۔ دروغ گو حق سے انحراف کرتا ہے اور حق سے انحراف کرنے والا (انجام کار) ہلاک ہو جاتا ہے۔ خبردار اپنی بڑائی نہ کرو خاکی مخلوق جو پھر خاک میں مل جائیگی۔ اسے بڑائی کب زیب دیتی ہے؟ جو آج زندہ ہے اور کل مردہ۔ عمل جاری رکھو اور اپنا شمار مرجانے والوں میں کرتے رہو، جو بات تمہاری سمجھ میں نہ آئے اسے اللہ کے حوالے کر دو۔ اپنے فائدے کے لیئے اچھے اعمال پہلے سے کر رکھو۔ کل یہی ذخیرہ تمہارے پاس ہوگا۔ خدائے برتر فرماتا ہے۔ جس دن ہر شخص اپنے اچھے اعمال کو سامنے پائے گا اور اپنے برے اعمال

امدًا بعیدًا ۱۲

کا سامنا کرتے وقت یہی چاہے گا کہ کاش اس کی بدی اس سے کوسوں دور ہوتی۔

حضرت ابوبکرؓ چونکہ فطرۃً خطیب تھے۔ اس لیے آپ کی معمولی گفتگو بھی فصاحت و بلاغت کی جان ہوتی اور خطبہ سے کم نہیں ہوتی تھی۔ عبدالرحمٰن بن عوفؓ کا بیان ہے کہ میں ایک دن حضرت ابوبکرؓ کے مرض وفات میں عیادت کے لیئے حاضر ہوا اور کہا! اے خلیفہ رسول اللہ اب تو آپ بہتر معلوم ہوتے ہیں۔ تو فرمایا :۔

انی علی ذالک لشدید الوجع ولما لقیت منکم یا معشر المھاجرین اشد علی وجعی انی ولیت خیرکم فی نفسی فکلکم ورم انفہ ان یکون لہ الامر من دونہ و اللہ لتتخذن نضائد الدیباج وستور الحریر ولتالمن النوم علی الصوف الاذربی کما یالم احدکم علی حسک السعدان۔ والذی نفسی بیدہ لان یقدم احدکم فتضرب عنقہ فی غیر حد خیر لہ من ان یخوض غمرات الدنیا یا ھادی الطریق جرت انما ھو واللہ الفجر او البحر۔ ۱۳

سنو! میں اس کے باوجود شدید درد میں مبتلا ہوں اور جو کچھ اے گروہِ مہاجرین میں نے تمہارا برتاؤ دیکھا ہے وہ میرے درد سے زیادہ میرے لیئے وجہ تکلیف ہے۔ میں نے اپنے نزدیک جو تم میں سب سے زیادہ بہتر ہے (حضرت عمرؓ) اس کو تمہارا ولی بنایا لیکن تم میں سے ہر ایک کی ناک پھول گئی کہ خلافت اس کے علاوہ کسی اور کو کیوں ملے۔ بخدا تم لوگ دیبا کے گدّے اور ریشمیں پردے کرو گے اور آذربائیجانی اون سے تم کو تکلیف ہوگی جیسے کسی کو چراگاہِ سعدان کے کانٹوں سے ہوتی ہے۔ جس کے قبضہ میں میری جان ہے اس کی قسم! تم میں سے کسی شخص کی گردن بغیر کسی جرم کے اڑا دیجائے، یہ اس کے لیے اس سے بہتر ہے کہ وہ دنیا کی گہرائیوں میں گھسے، اے رہنما! تو نے حد سے تجاوز کیا ہے۔ بس اب صورتیں دو ہی ہیں۔ یا تو صبح کے وقت روشنی میں چلو یا اندھیرے میں چل کر مصیبت میں پڑو۔

تحریر وکتابت

جو رنگ تقریر و خطابت کا تھا وہی تحریر وکتابت کا تھا۔ حضرت خالدؓ عراق کی مہم سے فارغ ہو کر حضرت ابوبکرؓ کی اجازت کے بغیر چپ چپاتے حج کر آئے تھے۔ حضرت ابوبکرؓ کو اطلاع ہوئی تو حضرت خالد کے نام ایک عتاب نامہ لکھا۔

سرحتی تاتی جموع المسلمین بالیرموک فانھم قد شجو فاشجو۔

تم چل پڑو یہاں تک کہ یرموک میں مسلمانوں کے لشکروں سے مل جاؤ۔ کیونکہ وہ پریشان ہیں

و ایاك ان تعود لمثل ما فعلت فانہ لم یشج الجموع من الناس بعون اللہ شجاك ولم ینزع الشجی من الناس. نزعك فلیھنئك ابا سلیمان النیۃ والحظوۃ فاتمم یتمم اللہ لك ولا یدخلنك عجب فتخسر وتخذل وایاك ان تدل بعمل فان اللہ عز وجل لہ المن وھو ولی الجزاء

غمزدہ ہیں اور مشکلات میں پھنس گئے ہیں اور خبردار پھر آئندہ ایسی حرکت نہ کرنا (یرموک جانے کا حکم اس لیے دیا جا رہا ہے) کہ دشمن کی فوجوں کو تم زیادہ زک پہنچا سکتے ہو (اگر اللہ کی مدد شامل رہی) اور لوگوں کی مشکلات کا ازالہ تم سے بہتر کسی اور سے ممکن نہیں۔ پس اے ابوسلیمان تمہاری نیت اور منزلت باعث برکت ہو۔ تم پوری خدمت انجام دو۔ اللہ تمہیں پوری جزا دے گا۔ تمہارے دل میں پندار نہ پیدا ہو۔ ورنہ گھاٹے میں رہو گے اور تائید الہی سے محروم ہو جاؤ گے اور اپنے کسی کارنامہ پر خبردار نہ اترانا اس لیے کہ احسان جتانا صرف اللہ تعالیٰ کو شایان ہے۔ اور وہی بدلہ دینے والا بھی ہے۔

حضرت عمر بن الخطاب کو اپنا جانشین نامزد کیا تو پروانۂ نیابت کی عبارت یہ تھی۔

ھذا ما عھد بہ ابوبکر خلیفۃ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عند اخر عھدہ بالدنیا واول عھدہ بالاخرۃ فی الحال التی یومن فیھا الکافر و یتقی الفاجر انی استعملت علیکم عمر بن الخطاب فان بر وعدل فذالك علمی بہ ورائی فیہ۔ وان جار وبدل فلا علم لی بالغیب والخیر اردت۔ ولکل امری ما اکتسب وسیعلم الذی

یہ وہ پروانہ ہے جو ابوبکر، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خلیفہ اس وقت لکھ رہا ہے جب کہ دنیا کے ساتھ اس کے تعلق کی آخری گھڑی اور آخرت کے ساتھ اس کے تعلق کی پہلی گھڑی شروع ہو رہی ہے اور یہ تحریر ایسے عالم میں لکھائی جا رہی ہے جب کہ کافر بھی مومن ہو جاتا ہے۔ اور گنہگار فاجر بھی ڈرنے لگتا ہے۔ میں نے عمر کو تم پر حاکم بنایا ہے اگر انہوں نے نیکی کی راہ اختیار کی اور عدل کیا تو یہ وہی بات ہوگی جو میں ان کے متعلق جانتا ہوں اور جو میری رائے ان کے بارہ میں ہے۔ لیکن اگر انہوں نے ظلم کیا اور وہ بدل گئے تو مجھ کو غیب کا علم نہیں ہے اور میں نے تو خیر خواہی کا ارادہ کیا ہے۔ بہرحال ہر انسان

ظلموآ ایّ منقلبٍ ینقلبون

جیسا کرے گا ویسا پائے گا۔ اور جو لوگ کہ ظالم ہیں ان کو جلد پتہ چل جائے گا کہ وہ کیسی پلٹی کھاتے ہیں

اہل ارتداد و بغاوت کے نام جنگ شروع کرنے سے قبل جو ایک طویل تحریر بھیجی تھی جس کی حیثیت چیلنج کی تھی۔ اس میں ایک مقام پہ فرماتے ہیں۔

وانی اوصیکم بتقوی اللہ وحظکم و نصیبکم من اللہ وما جاء بہ نبیکم و ان تھتدوا بھدیہ و ان تعتصموا بدین اللہ عز وجل فانہ من لم یھد اللہ ضلّ۔ وکل من لم یعافہ مبتلی وکل من لم ینصرہ مخذول۔ فمن ھداہ اللہ کان مھدیا ومن اضلہ اللہ کان ضالاً۔ ولم یقبل منہ فی الدنیا عمل حتی یقربہ فلم یقبل لہ فی الاخرۃ صرف ولا عدل فمن امن فھو خیرٌ لہ و من ترکہ فلن یعجز اللہ

میں تم لوگوں کو سمجھاتا ہوں کہ اللہ سے ڈرو۔ اور اللہ کی طرف سے جو تمہارا حصہ مقرر ہوا ہے اور تمہارے نبی تمہارے پاس جو چیز لائے ہیں اسکو قبول کرو اور نبی کے بتائے ہوئے راستہ پہ چلو اور اللہ کے دین کی رسّی کو مضبوط پکڑو۔ کیونکہ جس شخص کو اللہ ہدایت نہیں دیتا وہ گمراہ ہو جاتا ہے اور ہر وہ آدمی جس کو اللہ تندرست نہیں رکھتا وہ بیمار ہو جاتا ہے اور جس کی مدد اللہ نہیں کرتا وہ رسوا ہو جاتا ہے۔ جس کو اللہ ہدایت دیتا ہے وہ ہدایت یافتہ ہوتا ہے۔ اور جس کو اللہ گمراہ کر دیتا ہے وہ گمراہ ہو جاتا ہے اور (پھر) دنیا میں اس کا کوئی عمل مقبول نہیں ہوتا جو اس کو خدا سے قریب کر دے اور آخرت میں اسکی طرف سے کوئی فدیہ یا بدلہ نہیں لیا جاتا۔ پس جو شخص ایمان لائے گا وہ اس کے لیئے بہتر ہو گا اور جو اس کو چھوڑ دے گا تو اس کو معلوم رہنا چاہیئے کہ وہ اللہ کو عاجز نہیں کر سکتا۔

فنِ کتابت

اسلام سے پہلے عرب میں چند ہی لوگ تھے جو لکھنا جانتے تھے اور اس وجہ سے وہ سب میں ممتاز تھے۔ انہیں چند لوگوں میں سے حضرت ابوبکر صدیق رضؓ بھی تھے۔ چنانچہ آپ کا شمار خود کاتبین وحی کے زمرہ میں بھی ہے[۱۲]

علم القرآن

اب تک جن کمالات کا ذکر ہوا وہ تھے جن کی استعداد حضرت ابوبکر میں فطری اور طبعی طور پر تھی۔ اب ہم ان علوم و کمالات کا ذکر کرتے ہیں جو آپ میں اسلام

کے بعد پیدا ہوئے۔

حضرت ابوبکرؓ چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت و معیت میں آغازِ بعثت سے لے کر آخری لمحہ حیات تک جلوت میں اور خلوت میں، سفر حضر میں۔ رزم اور بزم میں ہر جگہ اور ہر موقع پر برابر ساتھ رہے تھے۔ اس بنا پر آپ کا سینہ درحقیقت علوم و کمالاتِ نبویہ کا گنجینہ بن گیا تھا۔ چنانچہ شاہ ولی اللہ صلح حدیبیہ کا واقعہ بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں۔

"ازیں جا دانستہ شد کہ حضرت صدیق را با پیغامبر چہ نسبت بود و علوم پیغامبر در نفس وے رضی اللہ عنہ چگونہ منطبع می شد" ۱۵

اسی خصوصیت کے باعث صحابہ عام طور پر کہا کرتے تھے کہ ھُوَ (ابوبکر صدیق) اعلمنا برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ۱۶ ظاہر ہے کہ ان علوم و کمالات میں سب سے اول نمبر علوم قرآنی کا ہے۔ حضرت ابوبکرؓ ایک آیت کو سننے کے بعد اس کی اصل روح اور اسپرٹ کو معلوم کرتے تھے اور اس سلسلہ میں ان کا ذہن ان نکات و رموز تک پہنچ جاتا تھا جہاں تک دوسروں کی رسائی نہیں ہوتی تھی۔ حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ کے لوگوں نے ہجرت پر مجبور کر دیا تو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے کہا انا للہ وانا الیہ راجعون۔ ان لوگوں نے اپنے نبی کو ترک وطن پر مجبور کیا ہے، یہ ضرور ہلاک ہوں گے۔ اس پر یہ آیت اُتری۔

اذن للذین یقاتلون بانھم ظلموا و ان اللہ علی نصرھم لقدیر۔	جو لوگ قتال کرنا چاہتے ہیں اس لیے کہ وہ مظلوم ہیں، ان کو اس کی اجازت دی جاتی ہے۔ اور اللہ ان کی مدد کرنے پر پوری طرح قادر ہے۔

حضرت ابوبکرؓ اس کو سننے کے بعد ہی سمجھ گئے کہ جہاد کا حکم نازل ہوگا۔ ۱۷

وفات نبوی کے وقت ایک کہرام برپا تھا بعض کی سمجھ میں تو آہی نہیں رہا تھا کہ پیغمبر کی بھی وفات ہو سکتی ہے۔ لیکن جونہی حضرت ابوبکرؓ نے قرآن کی آیت انک میت و انھم میتون پڑھی سب کی آنکھیں کھل گئیں اور حضرت عمرؓ تک کو یہ محسوس ہوا کہ گویا انہوں نے یہ آیت اس سے پہلے سنی ہی نہیں تھی۔ ۱۸

ہر وقت کی معیت کیوجہ سے حضرت ابوبکرؓ کو یہ موقع تھا کہ جس آیت کے متعلق ان کو کچھ پوچھنا ہوتا تھا بے تکلف پوچھ لیتے تھے۔ ایک مرتبہ دریافت کیا کہ یا رسول اللہ اس آیت کے بعد اب کیا چارہ ہے، کیا ہم کو ہر برے کام کا بدلہ دیا جائے گا؟

لیس بامانیکم ولا امانیّ اھل الکتاب ۔ من یعمل	(نجات) نہ تمہاری آرزوؤں پر موقوف ہے اور نہ اہل کتاب کی آرزوؤں پر جو شخص برا کام کرے گا

مَن یَّعمَل سُوءً یُجزَ بِہ ۔ اس کو اس کا بدلہ ملے گا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اے ابوبکر! خدا تمہاری مغفرت کرے۔ کیا تم بیمار نہیں ہوتے؟ کیا تم کو کوئی رنج اور صدمہ نہیں ہوتا؟ کیا تم کو کوئی مصیبت پیش نہیں آتی؟ یہ سب انہیں اعمالِ بد کا نتیجہ اور بدلہ ہے"[19]

ایک مرتبہ کسی چیز کی قسم کھا کر اس کو توڑ دینا بزدلی اور غیر مستقل مزاجی کی دلیل ہے۔ اس وجہ سے حضرت ابوبکرؓ بھی قسم کھا کر توڑتے نہیں تھے۔ لیکن جب قرآن میں کفارۂ یمین کی آیت نازل ہو گئی تو وہ فوراً سمجھ گئے کہ اس آیت کا مقصد ہی یہ ہے کہ جس چیز کی قسم کھائی گئی ہے۔ اس سے بہتر کوئی دوسری چیز ہو تو قسم توڑ دی جائے۔ محض بات کی پیچ کی وجہ سے اپنی قسم پر قائم رہنا کوئی چیز نہیں ہے۔ چنانچہ حضرت عائشہ رض فرماتی ہیں۔

ان ابابکر لم یکن یحنث فی یمین قط حتی انزل اللہ کفارۃ الیمین فرأیت غیرھا خیراً منھا الا اتیت الذی ھو خیر وکفرت عن یمینی[20]

ابوبکرؓ ایک مرتبہ قسم کھا کر اس کو توڑتے نہیں تھے لیکن جب کفارۂ قسم کا حکم نازل ہوا تو کہا کہ اب میں قسم کھانے کے بعد اس سے بہتر کوئی چیز پاؤں گا تو میں اس کو اختیار کر لوں گا اور قسم کا کفارہ ادا کر دوں گا۔

حضرت ابوبکرؓ کے اس ارشاد سے فقہا نے استدلال کیا ہے کہ صورتِ مذکورہ میں حنث بذاتِ خود کوئی گناہ نہیں ہے۔ اگرچہ کفارہ ادا کرنا بہرحال ضروری ہے۔

اس سلسلہ میں ایک دلچسپ واقعہ ہے جس کا ذکر کرنا بے محل نہیں ہوگا۔ حضرت ابوبکرؓ کے صاحبزادہ حضرت عبدالرحمٰن بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہمارے گھر چند مہمان آئے ہوئے تھے۔ رات ہوئی تو میرے والد ابوبکر صدیق رضؓ نے مجھ سے کہا کہ میں تو اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جا رہا ہوں واپسی میں دیر ہو جائے گی تم مہمانوں کو کھانا کھلا دینا۔ عبدالرحمٰن کہتے ہیں میں نے اس حکم کی تعمیل میں مہمانوں سے درخواست کی کہ کھانا کھالیں۔ لیکن انہوں نے کہا کہ جب تک صاحبِ خانہ نہیں آجائیں گے ہم کھانا نہیں کھائیں گے۔ اس میں رات زیادہ ہو گئی۔ اب حضرت ابوبکرؓ گھر آئے اور معلوم ہوا کہ مہمانوں نے اب تک کھانا نہیں کھایا ہے تو سخت برہم ہوئے اور اسی برہمی میں قسم کھالی کہ اب اس رات کھانا ہی نہیں کھائیں گے۔ یہ دیکھ کر مہمانوں نے بھی قسم کھا لی کہ جب تک آپ کھانا نہیں کھائیں گے ہم بھی نہیں کھائیں گے۔ حضرت ابوبکرؓ کو اب اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ فوراً کھانا طلب کیا اور توڑ کر پہلے خود دو چار لقمے تناول فرمائے پھر مہمانوں کو شریک کیا۔[21]

قرآن فہمی میں حضرت ابوبکرؓ کو جو مقام رفیع حاصل تھا اس کی وجہ سے حضرت ابوبکرؓ اگر قرآن

کے کسی ایک لفظ کی مراد متعین کر دیتے تھے تو اکابر صحابہ تک کو اسکی مخالفت کی جرأت نہیں ہوتی تھی۔ چنانچہ کلالہ کے لفظ کی مراد اور اس کے صحیح مفہوم و معنی کا مسئلہ نہایت پیچیدہ تھا۔ لیکن حضرت ابوبکرؓ نے اپنی رائے سے جب اس کے ایک معنی متعین کر دیئے اور اس کے بعد حضرت عمر فاروقؓ سے ان کے عہد خلافت میں اس کے متعلق استفسار کیا گیا تو فرمایا۔

انی لا ستحیی اللہ ان ارد شیأ قالہ ابو بکر۔ ۲۲ مجھ کو اللہ سے اس بات میں شرم آتی ہے کہ جو ابوبکرؓ نے کہا ہے میں اس کو رد کروں۔

صحیح بخاری کے حوالہ سے پہلے گذر چکا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ کے عہد میں کلالہ کی تفسیر کے بارہ میں کسی نے حضرت ابوبکرؓ کی مخالفت نہیں کی۔

حدیث علوم نبوت میں قرآن کے بعد حدیث کا مرتبہ ہے۔ ظاہر ہے نبوت کی صبح و شام کے تمام جلوے حضرت ابوبکرؓ کی نگاہ میں لبسے ہوئے تھے اس بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اعمال و اقوال کا جو خزانہ ان کے سینہ میں محفوظ ہو گا کوئی دوسرا مشکل سے ہی اس میں ان کا حریف ہو سکتا تھا۔ لیکن اس باب میں وہ حد درجہ محتاط تھے۔ علامہ ذہبی نے نقل کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ نے لوگوں کو جمع کیا اور فرمایا کہ "تم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے احادیث روایت کرتے ہو اور پھر ان میں اختلاف کرتے ہو۔ جب تمہارا یہ حال ہے تو تمہارے بعد جو لوگ آئیں گے وہ تم سے بھی زیادہ اختلاف کریں گے۔ اس لئے تم رسول اللہ سے کوئی چیز نقل مت کرو۔ مگر ہاں جب تم سے لوگ کچھ دریافت کریں۔ اسوقت بیشک تم کچھ ضرور کہو اور دیکھو تمہارے درمیان اللہ کی کتاب ہے، پس جو چیز کتاب اللہ میں حلال ہے اس کو حلال سمجھو اور جو چیز اس میں حرام ہے اس کو حرام سمجھو۔ ۲۳

غور کرو خلیفہ رسول نے اس ارشاد میں کس بلاغت کے ساتھ حدیث کا مرتبہ اور اس کے نقد کا معیار بیان کر دیا ہے۔ مراد یہ ہے کہ چونکہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی وقت کسی ضرورت سے کوئی حکم دیا ہے اور کسی وقت کسی ضرورت سے کوئی اور پھر سننے والے اعرابی اور غیر اعرابی ذہین اور غیر ذہین، قریب التعلق اور بعید التعلق ہر قسم کے لوگ تھے۔ کسی نے کوئی بات پوری سنی اور کسی نے ادھوری، کسی نے کسی جملہ کا کوئی مطلب لیا اور کسی نے کچھ اور، پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ عین وبین کس کو یاد رہے ہوں گے۔ اس لیئے جو روایت ہوگی وہ عموماً روایت بالمعنی ہوگی اور اس میں ایک دو لفظوں کا ادھر ادھر ہو جانا مستبعد نہیں ہے۔ لیکن ان دو ایک لفظوں کے الٹ پھیر سے معنی کچھ سے کچھ ہو سکتے ہیں۔ ان وجوہ کی بنا پر حضرت ابوبکرؓ یہ سمجھتے تھے۔ اور بالکل صحیح سمجھتے تھے کہ اگر روایات کی کثرت شروع ہو گئی اور جس کسی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

سے تھوڑا بہت جو کچھ بھی سنا ہے اس کو وہ بغیر حزم و احتیاط کے نقل کرنے لگا تو اس سے طرح طرح کے اختلافات پیدا ہوں گے اور ان کا اثر اصل دین اور شریعت کے استحکام پر پڑے گا۔ اس صورتِ حال کا انسداد کرنے کی غرض سے ہی آپ نے ایک طرف تو اس کی تاکید کی کہ وقت ضرورت ہی روایت کریں اور دوسری جانب اسکی تصریح فرما دی کہ کسی حدیث کے صحت و سقم کو پرکھنے کی اصل کسوٹی قرآن مجید ہے۔ جو روایت قرآن کی نص صریح کے خلاف ہوگی مقبول نہیں ہوگی۔

حافظ ذہبی نے حضرت عائشہ رضؓ کی ایک اور روایت نقل کی ہے کہ حضرت ابوبکر رضؓ نے پانچسو احادیث جمع کی تھیں۔ لیکن ایک شب دیکھا کہ وہ بہت مضطرب اور بے چین تھے۔ آخر صبح ہوتے ہوتے اس ذخیرہ کو نذرِ آتش کر دیا۔ ان سے وجہ پوچھی گئی تو فرمایا "مجھ کو اس کا اندیشہ تھا کہ میں مر جاؤں اور اس ذخیرہ کو اس حالت میں چھوڑ جاؤں کہ اس میں کچھ احادیث ایسی بھی ہوں جن کو میں نے ایک ایسے شخص سے لیا ہو۔ جس کو میں ایماندار اور معتبر سمجھتا تھا لیکن درحقیقت وہ روایت ایسی نہیں تھی جیسی کہ اس نے مجھ سے بیان کی تھی، تو اب ایسی صورت میں اس روایت کو بیان کرنے کی ذمہ داری درحقیقت میرے سر ہوگی"

اگرچہ حافظ صاحب نے اس روایت کو غیر صحیح کہا ہے لیکن حضرت ابوبکرؓ کا جو مزاج اور نقطۂ نظر تھا۔ اس کے پیش نظر اس میں کوئی بات ایسی نہیں ہے جو درآیت کے خلاف ہو۔ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن جو کہ اصل و اساس شریعت ہے اس کو معرض سقط و اوہام بننے اور التباس مع الغیر سے بچانے کے لیئے ایک مرتبہ حکم دیا تھا کہ " لا تکتبوا عنی غیر القرآن" قرآن کے علاوہ تم مجھ سے کوئی روایت مت لکھو۔ حق یہ ہے کہ حدیث کی روایت کے بارے میں حضرت ابوبکر رضؓ کی یہ غایت حزم و احتیاط اسی ارشادِ نبوی کی اصل روح اور اسپرٹ کی آئینہ دار تھی۔ اور بس ورنہ ان کا منشا ہرگز یہ نہیں تھا کہ روایت حدیث کا باب ہی سرے سے بند کر دیا جائے بلکہ مقصد یہ تھا کہ جس طرح بے ضرورت روایتِ حدیث سے اجتناب کرنا چاہیے اسی طرح عند الضرورت خاموش بھی نہیں رہنا چاہیے۔

چنانچہ خود حضرت ابوبکر رضؓ کا اپنا عمل بھی یہی تھا۔ اس میں شک نہیں کہ ان سے جو مرفوع احادیث مروی ہیں وہ تعداد میں زیادہ نہیں ہیں ۲۵ کیونکہ بلاضرورت وہ روایت بیان ہی نہیں کرتے تھے لیکن ساتھ ہی یہ بھی واقعہ ہے کہ ضرورت پڑتی تھی تو پھر خاموش بھی نہیں رہتے تھے۔ اور فوراً حدیث بیان کرتے تھے۔ تم پڑھ آئے ہو کہ سقیفۂ بنو ساعدہ میں جب انصار و مہاجرین کے درمیان ہنگامہ برپا ہوا تو آپ نے حدیث الائمۃ من قریش سنا کر اس پر قابو پایا۔ وفاتِ نبوی کے وقت اس پر گفتگو ہوئی کہ جسدِ اطہر کو دفن کہاں کیا جائے تو آپ نے ہی ارشادِ نبوی سنا کر اس کا قطعی فیصلہ کیا۔ حضرت فاطمہ رضؓ اور حضرت علی رضؓ و عباس رضؓ کی جانب سے فدک و خیبر کا مطالبہ ہوا تو آپ نے حدیثِ نبوی پر ہی اپنے جواب کی

بنیاد رکھی، عمال و محصلین صدقات کے نام نصاب و مقدار زکوٰۃ کے متعلق مفصل ہدایات روانہ کیں تو ان کی اساس احادیث نبویہ ہی تھیں۔

خبر واحد کے متعلق اصول

اس سلسلہ میں حضرت ابوبکرؓ کا ایک بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے خبر واحد کے متعلق ایک یہ قاعدہ مقرر کر دیا کہ ایسی روایت اسوقت تک قابلِ قبول نہیں ہوگی جب تک کہ اس راوی کے پیچھے کوئی دوسرا شخص گواہ نہ ہو یعنی اس روایت کی تائید کسی اور طریق سے نہ ہوتی ہو۔ چنانچہ میراثِ جدہ کے بارے میں حضرت ابوبکرؓ نے حضرت مغیرہ بن شعبہ کی روایت سننے کے بعد ان سے گواہ طلب کیا اور جب انہوں نے محمد بن مسلمہ کو بطور گواہ پیش کر دیا تو وہ روایت قبول کی اسی طرح جمع قرآن کے سلسلہ میں کوئی آیت اگر کسی ایک صحابی کے پاس ملتی تھی تو آپ بغیر شہادت کے اسے قبول نہیں کرتے تھے۔ اس کے علاوہ خبر واحد سے قرآن پر زیادتی یا اس میں کمی کرنے کو وہ جائز نہیں سمجھتے تھے۔[۲۶]

حضرت ابوبکرؓ کی روایات کی تعداد

علامہ جلال الدین سیوطی نے تاریخ الخلفا میں ایک سو بیالیس[۱۴۲] روایتیں یک جا جمع کی ہیں جو حضرت ابوبکر صدیقؓ سے مروی ہیں مسند امام احمد بن حنبل میں پہلی ہی روایات حضرت ابوبکر صدیقؓ کی روایت کردہ ہے، حافظ ابن حجر نے الاصابہ میں صحابہ میں حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ، ابن عمرؓ، ابن عمروؓ، عبداللہ ابن عباسؓ، زید بن ثابتؓ، حذیفہؓ، معقل بن یسارؓ، عقبہ بن عامرؓ، انسؓ، ابوہریرہؓ، ابوامامہؓ، ابوبرزہؓ، ابوموسیٰؓ اور آپ کی دونوں صاحبزادیاں حضرت عائشہؓ اور اسماءؓ اور کبار تابعین میں الصنابحی، مرۃ بن شراحیل، واسط البجلی، قیس ابن ابی حازم اور سوید بن غفلہ کے اسمائے گرامی لکھے ہیں جنہوں نے حضرت ابوبکر صدیقؓ سے حدیث کی روایت کی ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ اصل رواۃ کی تعداد اس سے کہیں زیادہ ہے۔ یہ صرف کبار صحابہ و تابعین کے نام ہیں۔

فقہ

استنباط احکام فقہیہ کے اصول چار ہی ہیں۔ کتاب اللہ، سنت رسول اللہ، اجماع اور قیاس۔ ان چاروں اصولوں کی تشخیص و تعیین سب سے پہلے حضرت ابوبکرؓ نے کی اور آج تک مسلمانوں کا اسی پر عمل ہے۔ چنانچہ حضرت شاہ ولی اللہ اصول اربعہ کا ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں۔

وکانت هذه الاصول مستخرجة عن صنیع الاوائل وتصریحاتهم[۲۷]

اور یہ اصول اوائل صحابہ کے عمل اور ان کی تصریحات سے مستنبط ہیں۔

یہ اوائل کا عمل اور ان کی تصریحات کیا ہیں؟ اس سلسلہ میں شاہ صاحبؒ نے سب سے پہلے حضرت ابوبکرؓ کے تعامل کے متعلق میمون بن مہران کی وہ روایت نقل کی ہے حضرت عمر فاروقؓ نے اس بارہ میں جو کچھ کیا اور ولاۃ و قضاۃ کو جو ہدایات بھیجیں وہ سب درحقیقت اسی متن کی شرح تھیں جو حضرت

ابوبکرؓ نے تیار کیا تھا۔

وکفی بہ فخراً"۔

فقیہ کے لیئے سب سے ضروری وصفِ تفقہ ہے جو محض ایک وصفِ خداداد ہے۔ حضرت ابوبکرؓ میں یہ وصف کمال درجہ کا تھا۔

تعبیر رویا علومِ نبوت میں ایک علم تعبیر رویا بھی ہے خود رویائے صالح کو صحیح حدیث میں نبوت کا چالیسواں حصہ اور بعض میں سترواں جز کہا گیا ہے۔ تعبیر رویا میں یوسف علیہ السلام کو جو کمال حاصل تھا اس کا ذکر قرآن مجید میں ہے۔ چونکہ اس فن کا تعلق عالم مادیات کے بجائے عالم روحانیت سے زیادہ ہے اس لیئے جس شخص میں روحانی لطافت و نظافت زیادہ ہوگی اسی قدر اس کو اس فن میں دستگاہ ہوگی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کو اس میں بھی کمال حاصل تھا۔ فنِ تعبیر کے امام ابن سیرین کا قول ہے۔

کان ابوبکرؓ اعبر ھذہ الامۃ بعد النبی صلی اللہ علیہ وسلم	ابوبکرؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تعبیر رویا کے فن کے سب سے بڑے عالم تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب کوئی اہم خواب دیکھتے تھے تو حضرت ابوبکرؓ سے اس کا تذکرہ کرتے تھے اور حضرت ابوبکرؓ اس خواب کی جو تعبیر بیان کرتے تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی توثیق و تصدیق فرماتے تھے۔ چنانچہ غزوۂ طائف کے موقع پر جب کہ صحابہ کرامؓ شہر کا محاصرہ کیئے پڑے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خواب دیکھا کہ آپ کو ایک بھرا ہوا پیالہ ہدیہ کیا گیا ہے۔ لیکن ایک مرغ نے اس میں ٹھونگ ماردی اور اس کی وجہ سے پیالہ میں جو کچھ تھا گر پڑا۔ حضرت ابوبکرؓ نے سنتے ہی عرض کیا۔ "یارسول اللہ! میں نہیں سمجھتا کہ اس موقع پر آپ کو کامیابی ہوگی۔" ارشاد ہوا۔ ہاں میرا خیال بھی یہی ہے۔" ۲۸

ایک مرتبہ حضرت عائشہؓ نے خواب میں دیکھا کہ ان کے حجرہ میں تین چاند گر پڑے ہیں۔ حضرت ابوبکرؓ سے اس کا ذکر آیا اور پھر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی اور حضرت عائشہؓ کے حجرہ میں آپؐ دفن ہوئے۔ تو حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا۔ بیٹی! ایک چاند تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں جو تمہارے حجرہ میں مصروف استراحت ہیں۔ ۲۹

شاہ ولی اللہ صاحب نے اور بھی اسی طرح کے متعدد واقعات لکھے ہیں جن حضرات کو اس کا ذوق ہو وہ مراجعت کر سکتے ہیں اس سلسلہ میں شاہ صاحب کا یہ فقرہ بہت اہم ہے لکھتے ہیں "در تعبیر دے وصدیق اکبرؓ خواب ہائے مردم را واصابت عجیبہ در آن تا آنکہ آنحضرت صلی اللہ

علیہ وسلم خوابہائے خود را بر صدیق اکبرؓ عرض می فرمود و در خواستِ تعبیر می نمود" ۔ ۳۰

تصوّف

دین کے دو پہلو ہیں ایک صوری اور دوسرا معنوی ۔ صوری پہلو کا نام شریعت ہے جس کا تعلق احکام ظاہری کے اتباع و امتثال سے ہے اور معنوی پہلو کا نام طریقت یا تصوّف ہے جس کا تعلق قلبی سوز و گداز، روحانی لطافت و طہارت سے ہے اور جس کا مقصد یہ ہے کہ تذکیۂ نفس اور تصفیۂ باطن کے ذریعہ ایک انسان اپنے جذبات اور امیال و عواطف کو مرضیاتِ خداوندی کے اسطرح تابع کر دے کہ احکام الٰہی خود اس کا جذبہ اور داعیۂ نفس بن جائیں اور وہ سراپا عبدیت و بندگی ہو جائے ۔ شریعت اور طریقت دونوں میں جسم اور روح کا تعلق ہے ، اور ایک وجود دوسرے کے بغیر ۔ جہاں تک کہ دین کی اصل روح کا تعلق ہے بے معنی ہے اگر صرف ظاہری اور رسمی طریقہ پر نماز، روزہ اور زکوٰۃ و حج ہو لیکن دل حُبِّ الٰہی اور عشقِ ربانی کی نعمت سے محروم ہو تو وہ اس پھول کی مانند ہے جو خوش رنگ اور موزوں ہونے کے باوجود بغیر خوشبو کے ہو اور اگر محض حب الٰہی ہو تو اس کی مثال اس نغمہ کی ہے جو بے آہنگ اور بے سر ہو ۔ اس بنا پر دینی نقطہ نظر سے جب کبھی اسلام کی کسی بڑی شخصیت کا جائزہ لینا ہو تو لازمی طور پر یہ بھی دیکھنا چاہیے کہ تصوّف اور طریقت کے اعتبار سے اس کا کیا مقام اور مرتبہ تھا ورنہ اس کی اصل شخصیت کا مرقع مکمل نہیں ہو سکتا ۔

حضرت شاہ ولی اللہ نے تصوفِ صدیقی پر ایک طویل بحث کر کے یہ ثابت کیا ہے کہ کمالِ طریقت کے لیئے جن اوصاف و ملکاتِ نفسانی کی ضرورت ہے ۔ مثلاً توکل ۔ احتیاط ۔ کفِ لسان ، تواضع ۔ شفقت بر خلقِ خدا ۔ رضا ۔ نفیِ ارادہ ۔ زہد ، خشیت ، عبرت ، عجز و انکسار ، رقتِ قلب ، تحمل ، فقر و درویشی یہ سب حضرت ابوبکر صدیقؓ میں بتمام و کمال پائے جاتے تھے اور اس بنا پر آپ طائفہ اصفیاء و اہل طریقت کے سر خیل و امام تھے ۔ علامہ ہجویری صاحبِ کشف المحجوب لکھتے ہیں کہ تصوّف کی جڑ اور بنیاد صفا ہے ۔ اس صفت کی ایک اصل ہے اور ایک فرع ۔ اصل انقطاع عن الاغیار ہے ۔ اور فرع دنیا سے دل کا خالی ہونا ہے اور چونکہ صفا صدیقیت کی صفتِ لازمہ ہے ۔ اس بنا پر حضرت ابوبکر صدیقؓ " امام اہل ایں طریقہ " ہیں ۔ ۳۱

حضرت ابو العباس بن عطاء جو اکابر و مشائخ صوفیہ میں سے ہیں اُن سے کسی نے پوچھا کہ " کونو ربانیین " کا کیا مطلب ہے ؟ فرمایا " اس سے مراد یہ ہے کہ ابوبکر صدیقؓ کی طرح ہو جاؤ ۔ ایک ربانی درحقیقت وہی شخص ہے کہ دونوں جہان زیر و زبر ہو جائیں لیکن اس میں کوئی تشویش اور اضطراب پیدا نہ ہو ۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی شان یہی تھی ۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت تمام صحابہ ہی مضطرب اور پریشان تھے لیکن صدیق اکبرؓ میں کوئی اضطراب پیدا نہیں ہوا

انہوں نے نہایت جرأت اور دلیری سے فرمایا "لوگو! تم میں جو شخص محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی پوجا کرتا تھا اس کو معلوم ہونا چاہیے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہو گیا ہے۔ لیکن ہاں البتہ جو شخص اللہ کی پوجا کرتا ہے تو اسے باور کرنا چاہیے کہ اللہ حی ہے اور اس کو کبھی موت نہیں آئے گی [۳۲]

غزوۂ تبوک کے موقع پر حضرت ابوبکرؓ نے اپنا تمام اثاثہ سرور عالم کے قدموں میں لا کر ڈال دیا تھا۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ ابوبکرؓ! تم نے اپنے بال بچوں کے لیے کیا چھوڑا ہے؟ تو بولے "اللہ اور اس کے رسول کو چھوڑا ہے"۔ حضرت ابوبکر الواسطی فرماتے ہیں کہ صدیق اکبرؓ کا یہ فقرہ طریقت و معرفت کی دنیا میں وہ پہلا فقرہ ہے جس سے صوفیائے کرام نے بڑے اہم لطائف و رموز تصوف کا استخراج کیا ہے [۳۳]

حضرت بکر بن عبداللہ المزنی سے روایت ہے کہ ابوبکر صدیقؓ جو تمام صحابۂ کرام سے افضل تھے تو نماز روزہ کی وجہ سے نہیں تھے بلکہ اس ایک چیز کی وجہ سے تھے جو ان کے قلب میں تھی اور وہ تھی اللہ کی محبت اور اس کے لیے جینا اور مرنا [۳۴]

حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں کہ توحید سے متعلق سب سے زیادہ بلند وہ مقولہ ہے جو حضرت ابوبکر صدیقؓ کی زبان سے ادا ہوتا تھا اور وہ یہ ہے۔

سبحان من لم یجعل للخلق طریقا الی معرفتہ الا العجز عن معرفتہ [۳۵]

پاک ہے وہ ذات جس نے مخلوق کے لیے اپنی پہچان کا راستہ اس کے سوا اور کچھ نہیں بتایا ہی نہیں کہ لوگ اس کی معرفت سے عاجز ہیں۔

معرفت و طریقت میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کا یہی وہ مرتبہ و مقام اعلیٰ ہے جس کی وجہ سے وہ ارباب تصوف کے امام و پیشوا ہیں اور صوفیا کے اکثر بڑے بڑے سلسلوں مثلاً چشتیہ اور نقشبندیہ وغیرہ کی انتہا خلفائے راشدین میں حضرت ابوبکرؓ اور حضرت علیؓ انہی دو پر ہوتی ہے۔

عشقِ نبوی

باایں ہمہ اوصاف و کمالات حضرت ابوبکر صدیقؓ کا اصل سرمایۂ فخر و نازش وہ عشق تھا جو آپ کو محبوب رب العلمین کی ذات ستودہ صفات کے ساتھ تھا اور جو درد بن کر رگ رگ میں جان کے عوض ہر وقت ساری رہتا تھا۔ یہ عشق ہی در حقیقت وہ سرچشمہ تھا جس سے دوسرے کمالات پیدا ہوئے تھے۔ جب تک رسالت و نبوت کا آفتاب جہاں تاب اس عالم ناسوت میں ضوفگن رہا اس سے ایک دن کے لیے بھی جدا نہ ہوئے۔ وفات کے بعد حالت یہ ہو گئی تھی کہ زبان پر نام مبارک آیا اور آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی۔ حضرت عروہؓ عرض کرتے ہیں کہ وفات نبویؐ کے دوسرے برس حضرت ابوبکرؓ ایک مرتبہ خطبہ دینے کھڑے ہوئے تو ابھی اتنا ہی کہا تھا۔

قام فینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عام الاول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پہلے سال جب خطبہ دینے کھڑے

ہوئے۔ کہ حضور کی وفات کا سانحہ یاد آگیا اور بلک بلک کر رونے لگے۔ سنبھل کر پھر خطبہ شروع کیا۔ لیکن پھر ہچکی بندھ گئی۔ آخر تیسری بار ضبط سے کام لے کر خطبہ تمام کیا[۳۶]

حضرت ام ایمن نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو گود کھلایا تھا۔ اس رشتہ سے آپ ان کے گھر آتے جاتے تھے۔ آپ کی وفات کے بعد حضرت ابوبکرؓ نے بھی یہ وضع قائم رکھی چنانچہ ایک دن وہ اور حضرت عمرؓ وہاں پہونچے تو ام ایمن ان کو دیکھتے ہی رونے لگیں، یہ دونوں بولے "روتی کیوں ہو؟ اللہ کے رسول کے لیئے بہتر یہی تھا کہ اللہ سے تقرب ہو جائے"۔ حضرت ام ایمن نے کہا۔ یہ تو میں بھی جانتی ہوں لیکن صدمہ اس بات کا ہے کہ اب وحی کا آنا بند ہو گیا یہ سن کر حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ دونوں پر یہ اثر ہوا کہ بے ساختہ رونے لگے۔[۳۷]

طبری اور ابن اثیر میں ایک روایت ہے کہ دراصل حضرت ابوبکرؓ کی وفات کا باعث ہی یہ ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جدائی کا غم برداشت نہ ہو سکا۔ وہ سوزِ دروں سے اندر ہی اندر پگھلتے رہے اور آخر اپنے محبوب سے جا ملے۔

ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کاشانۂ قدس میں داخل ہو رہے تھے کہ حضرت عائشہ کو دیکھا بلند آواز سے بول رہی ہیں۔ چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے رفع صوت خلاف ادب تھا اس لیئے غصہ آگیا اور حضرت عائشہ کو مارنے کے لیئے طمانچہ اٹھایا۔[۳۸]

واقعہ افک میں حضرت ابوبکرؓ کو اپنی بیٹی کی بے گناہی کا یقین تھا۔ بایں ہمہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ابوبکرؓ کے مکان پر تشریف لائے اور حضرت عائشہؓ کو خطاب کر کے فرمایا کہ "اگر تم اس تہمت سے بری ہو تو اللہ تعالیٰ تمہاری براءت کا اعلان کر دے گا اور اگر تم سے کوئی لغزش ہو گئی ہے تو تم اللہ سے استغفار کرو اور توبہ کرو۔ کیونکہ بندہ جب توبہ کر لیتا ہے تو اس کے سارے گناہ دھل جاتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ تقریر سننے کے بعد حضرت عائشہؓ نے اپنے پدر بزرگوار سے درخواست کی کہ میری طرف سے رسول اللہ کو جواب دیجئے۔ لیکن فرطِ ادب واحترام کے باعث حضرت ابوبکرؓ کی زبان نہ کھلی اور بولے "میں نہیں جانتا کہ کیا کہوں؟"[۳۹]

واقعہ ایلاء میں ازواجِ مطہرات نے نان نفقہ کا مطالبہ کیا تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ناراض ہو کر ایلا کر لیا تھا اس سے تمام صحابہ سخت ناراض تھے۔ خاص طور پر حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ جن کی صاحبزادیاں ازواجِ مطہرات میں شامل تھیں زیادہ پریشان تھے۔ آخر دونوں بزرگ در دولت پر حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ آپ فرمائیں تو دونوں (عائشہ وحفصہ) کی گردن اڑا دیں۔[۴۰]

حضرت حفصہ بنت عمر پہلے شوہر سے بیوہ ہو گئیں تو حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکرؓ سے پیش کش کی کہ وہ ان سے نکاح کر لیں۔ حضرت ابوبکرؓ سن کر خاموش رہے۔ حضرت عمرؓ کو اس پر ناگواری ہوئی

توجب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حفصہؓ سے نکاح کر لیا۔ ایک مرتبہ حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عمرؓ سے فرمایا کہ تم نے مجھ کو حفصہ کی جو پیش کش کی تھی۔ میں نے اسے صرف اس لیئے قبول نہ کیا تھا کہ آنحضرت کی ایک گفتگو سے مجھ کو یہ محسوس ہوا تھا کہ حضور خود ان سے نکاح کرنا چاہتے تھے۔ اس وقت میں نہیں چاہتا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بھید ظاہر کروں۔ ۱؎

ایک مرتبہ عید کے دن حضرت ابوبکرؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر تشریف لے گئے تو دیکھا کہ حضرت عائشہؓ کے پاس دو لڑکیاں بیٹھی ہیں جو گانا نہیں جانتی تھیں لیکن لشٹم پشٹم ایک گیت گا رہی تھیں۔ حضرت ابوبکرؓ سے چپ نہ رہا گیا بولے "ارے رسول اللہ کے گھر میں یہ گانے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم منہ پھیرے لیٹے تھے حضرت ابوبکرؓ کو یہ کہتے سنا تو فرمایا" اے ابوبکر! ہر قوم کی عید ہوتی ہے۔ آج یہ ہماری عید ہے ۲؎

بعض مصنفین نے اس واقعہ کو حضرت ابوبکرؓ کے تقویٰ کے واقعات کے ماتحت درج کیا ہے لیکن حق یہ ہے کہ اگر تقویٰ کی بات ہوتی تو اس کا خیال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کسی اور کو نہیں ہو سکتا تھا۔ اصل یہ ہے کہ حضرت ابوبکرؓ اس چیز کو ادب واحترام نبوی کے خلاف سمجھتے تھے۔ اور اسی لیئے انہوں نے اس پر سخت الفاظ میں اپنی ناگواری خاطر کا اظہار کیا تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے قرض کی ادائیگی

حضرت ابوبکرؓ خلیفۂ رسول بھی تھے اور عاشق رسول بھی اس بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد اعلان کرا دیا تھا کہ جس شخص سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی وعدہ کیا ہو یا جس کسی کا آپ کے ذمہ کوئی قرض ہو وہ میرے پاس آئے ۳؎

اہل بیت کیساتھ محبت

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات قدسی صفات کے ساتھ غیر معمولی عشق ومحبت کا نتیجہ یہ تھا کہ آپ کو اہل بیت اطہار کے ساتھ بھی بڑی محبت تھی اور ان کا خود اپنے متعلقین سے زیادہ خیال رکھتے تھے۔ فدک وخیبر کی بحث میں ان کا یہ قول ہے کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل قرابت مجھ کو اس سے زیادہ محبوب ہیں کہ میں اپنے اہل قرابت کے ساتھ صلہ رحمی کا معاملہ کروں۔

خلیفہ ہونے کے بعد جب حضرت ابوبکرؓ حضرت فاطمہؓ کے گھر تشریف لے گئے اور وہاں علیؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنا تعلق بیان کرنا شروع کیا تو حال یہ تھا کہ حضرت علیؓ (اور بعض روایات کے مطابق حضرت فاطمہ) ایک ایک بات کرتے جاتے تھے ادر ادھر حضرت ابوبکرؓ اسے سن سن کر روتے جاتے تھے ۵؎

وفات نبویؐ کے چند ہی روز بعد کا ذکر ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نماز عصر سے فارغ ہو کر مسجد سے نکل رہے تھے کہ حضرت حسن بن علی نظر آ گئے جو محلہ کے بچوں کے ساتھ کھیل رہے تھے۔ حضرت ابوبکرؓ نے جگر گوشۂ بتول کو دوش پر اٹھا لیا۔ ۴۶

فتوحات عراق کے سلسلہ میں ایک مرتبہ حضرت خالدؓ نے جو مال غنیمت مدینہ بھیجا اس کے ساتھ ایک قیمتی طیلسان بھی تھا جو حضرت ابوبکرؓ کے پاس بطور تحفہ بھیجا گیا تھا۔ حضرت ابوبکرؓ نے وہ طیلسان امام حسین ابن علی کی نذر کر دیا۔ ۴۷

حضرت ابوبکرؓ اہل بیت اطہار کیساتھ لطف و مدارات کا معاملہ خود تنہا نہیں کرتے تھے بلکہ مسلمانوں کو بھی عام طور پر اس کی تاکید کرتے تھے کہ ان کا خاص طور پر خیال رکھیں، ان کے اصل الفاظ یہ ہیں۔ ارقبوا محمدا صلی اللہ علیہ وسلم فی اھل بیتہ۔ ۴۸

عام روایت ہے کہ حضرت فاطمہؓ کی وفات ہوئی تو حضرت علیؓ نے راتوں رات ان کی تجہیز و تکفین کی نماز جنازہ پڑھی اور ان کو دفن کر دیا۔ لیکن جعفر بن محمد نے اپنے والد سے روایت کی ہے کہ جب حضرت فاطمہؓ کی وفات ہوئی تو حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ مکان پر حاضر ہوئے۔ جنازہ تیار ہو کر آ گیا تو صدیق اکبرؓ نے حضرت علیؓ سے کہا چلئے نماز جنازہ پڑھائیے۔ انہوں نے انکار کیا اور فرمایا "آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ ہیں آپ آگے بڑھیئے اور نماز پڑھائیے"۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور حضرت ابوبکرؓ نے امامت کی۔ ۴۹

یہی روایت قرین قیاس اور مقتضائے درایت ہے،

حضرت علیؓ نے حضرت ابوبکرؓ سے بیعت عامہ کے دن ہی بیعت کی تھی اور حضرت علیؓ برابر حضرت ابوبکرؓ کے رفیق اور ان کے معاون بنے رہے۔ حضرت فاطمہؓ بھی ناراض نہیں رہی تھیں اور خلیفۂ رسول کے تعلقات خانوادہ نبوت سے ہرگز کشیدہ نہیں تھے بلکہ خوشگوار تھے، ان سب امور کے پیش نظر یہ کیونکر باور کیا جا سکتا ہے کہ جگر پارۂ رسول کی وفات ہو جائے اور جانشین رسول کو اس کی خبر بھی نہ ہو اور وہ ان کے جنازہ تک میں شریک نہ ہوں۔ اصل یہ ہے کہ بنوامیہ میں کچھ لوگ ایسے ضرور تھے جن کا آئینۂ قلب گرد کدورت سے صاف نہیں تھا۔ جیسا کہ عام طور پر ہوتا ہے۔ وہ لگائی بجھائی کی باتیں کرتے رہتے تھے۔ عام مجلسوں میں اس کا تذکرہ ہوتا ہو گا اور اس سے بدگمانیاں پھیلتی ہوں گی۔ یہی وہ بدگمانیاں ہیں جن کا اثر روایات میں ظاہر ہے ایک نقطہ شناس نفسیات معلوم کر سکتا ہے کہ ان روایات میں کتنی بات واقعی ہے اور کتنی وہ ہے جو اس طرح کی عام بدگمانیوں کے زیر اثر راوی کا اپنا اضافہ اور خود اس کے اپنے احساس یا قیاس کا نتیجہ ہے۔

۱ العقد الفرید ج ۳ ص ۲۷۴
۲ ۔ ایضاً ج ۳ ص ۲۷۵
۳ سیرت ابن ہشام باب سیاقۃ النسب من ولد اسمٰعیل
۴ استیعاب ابن عبد البر باب حسان
۵ مسند امام احمد بن حنبل ج ۶ ص ۶۷
۶ کتاب العمدہ ج ۱ ص ۱۹
۷ استیعاب حرف العین
۸ سیرت بن ہشام ج ۲ ص ۳
۹ الروض الانف ج ۲ ص ۵۵
۱۰ کنز العمال بر حاشیہ مسند امام احمد ج ۲ ص ۱۴۳
۱۱ العقد الفرید ج ۴ ص ۱۴۶
۱۲ العقد الفرید ج ۴ ص ۱۴۶
۱۳ الکامل للمبرد ج ۱ ص ۵
۱۴ استیعاب ابن عبد البر تذکرہ حضرت ابوبکرؓ
۱۵ ازالۃ الخفا مقصد دوم ص ۱۴
۱۶ ازالۃ الخفا مقصد دوم ص ۲۰
۱۷ ازالۃ الخفا مقصد دوم ص ۲۰
۱۸ حضرت عبد اللہ بن عمر کے الفاظ یہ ہیں فو الذی نفسی بیدہ لکانما کانت علی وجوھنا اغطیۃ فکشفت بروایت طبری
۱۹ مسند امام احمد بن حنبل ج ۱ ص ۱۱
۲۰
۲۱ صحیح بخاری ج ۲ ص ۹۸۰
۲۲ سنن الدارمی ج ۲ ص ۳۶۶
۲۳ تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۳
۲۴ تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۳
۲۵ شاہ ولی اللہ صاحب نے ازالۃ الخفا میں حضرت ابوبکرؓ کی قلت روایت کے وجوہ یہ لکھے ہیں کہ ۱۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بہت کم زندہ رہے ۲۔ وہ مختصر مدت بھی مہمات امور کے انصرام و انجام میں گزر گئی ۳۔ ان کے ہمعصر سب صحابہؓ تھے اور وہ خود حاملین روایت تھے اس لئے صدیق اکبرؓ کو استغنا تھا

ہم کو اس سے انکار نہیں کہ حضرت ابوبکرؓ کی قلت روایت میں ان ہر سہ امور کا دخل ہے لیکن اس کا اصل سبب وہی ہے جو ہم نے بیان کیا اور درحقیقت یہ چیز حضرت ابوبکرؓ کی غایت ژرف نگاہی اور دقیقہ شناسی شریعت کی دلیل ہے۔ بعد میں مسلمانوں میں جو فتنے کھڑے ہوئے۔ طرح طرح کے فرقے پیدا ہوئے اور ان میں تحزب و تشتت عام ہوا غور کرو تو اسکی تہہ میں یہی کثرت و بے احتیاطی روایت نظر آئے گی

۲۶ـ استنباطِ احکام کے اصولِ اربعہ کی طرح خبر واحد کے قبول سے متعلق اس قاعدہ کی تاسیس وایجاد بھی مولانا شبلی نے الفاروق میں حضرت عمر فاروقؓ کی ہی طرف منسوب کی ہے، حالانکہ حدیث اور فقہ کے باب میں قواعد و ضوابط کی تعیین کا جہاں تک تعلق ہے وہ سب حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکرؓ سے لیے ہیں اور اس معاملہ میں وہ انہیں کے نقش قدم پہ چلے ہیں۔ ہاں البتہ حضرت عمرؓ نے ان کی توسیع اس طرح ضرور کی ہے کہ بعد میں وہی چیزیں فن کی بنیاد بن گئیں۔

۲۷ـ حجۃ اللہ البالغہ ج ا ص ۱۱۹ باب: فرق بین اہل الحدیث واصحاب الرائ

۲۸ـ طبری ج ۲ ص ۲۵۵

۲۹ـ ازالۃ الخفا ج ۲ ص ۲۰ بحوالہ موطا امام مالک دوسرے اور تیسرے چاند حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ ہیں جو اسی حجرہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں مدفون ہیں

۳۰ـ ازالۃ الخفا ج ۲ ص ۲۰

۳۱ـ بحوالہ ازالۃ الخفا ج ۲ ص ۲۱

۳۲ـ کتاب اللمع فی التصوف مطبوعہ لیدن ص ۱۲۱

۳۳ـ کتاب اللمع فی التصوف مطبوعہ لندن ص ۱۲۱

۳۴ـ کتاب اللمع فی التصوف مطبوعہ لیدن ص ۱۲۳

۳۵ـ کتاب اللمع فی التصوف ص ۱۳۴ دیکھو اسی مضمون کو اکبر آلہ آبادی نے کس بلاغت سے ادا کیا ہے

شعر تو دل میں تو آتا ہے سمجھ میں نہیں آتا　　　بس جان گیا میں تری پہچان یہی ہے

۳۶ـ مسند امام احمد بن حنبل ج ا ص ۸

۳۷ـ البدایۃ والنہایۃ ج ۵ ص ۲۷۵

۳۸ـ ازالۃ الخفا مقصد دوم ص ۱۵

۳۹ـ صحیح بخاری ج ۲ ص ۵۹۶

۴۰ـ صحیح مسلم کتاب الایلاء

۴۱ـ بخاری ج ۲ ص ۵۷۱

۴۲ـ بخاری ج ا ص ۱۳۰

۴۳ـ استیعاب ابن عبدالبر باب القاف

۴۴ـ بخاری ج ا ص ۳۴۴ و ج ۲ ص ۶۴۹

۴۵ـ طبری ج ۲ ص ۹۴۹

۴۶ـ بخاری ج ا ص ۵۳۰ والبدایہ ج ۵ ص ۲۸۶

۴۷ـ فتوح البلدان بلاذری ص ۲۵۴

۴۸ـ بخاری ج ا ص ۵۳۰

۴۹ـ کنز العمال بر مسند امام احمد ج ۴ ص ۳۵۵

ڈاکٹر امین اللہ وثیر

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شعر گوئی

اپنے قیام ترکیہ (۷۲-۱۹۶۹ء) کے زمانے میں استنبول کے مشہور عالم کتب خانہ "سلیمانیہ" جو عظیم عثمانی سلطان سلیمان قانونی کی طرف منسوب ہے، سے راقم الحروف کو استفادہ کا موقع ملا۔ اس کتب خانے میں عربی فارسی اور ترکی زبانوں کے اسی ہزار کے قریب مخطوطات موجود ہیں جن میں نوادر کی کثیر تعداد بھی موجود ہے۔

مخطوطات کی ورق گردانی کے دوران راقم کو خلیفۂ اول حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کے اشعار پر مشتمل ایک مختصر سے مجموعہ کی زیارت بھی نصیب ہوئی۔ یہ مجموعہ جو اکیس صفحات پر محیط ہے۔ ظاہری طور پر بڑی اچھی حالت میں ہے مگر اس کی کتابت اغلاط سے خالی نہیں جسکی تصحیح کے لئے خاصی محنت درکار تھی۔ بعض اشعار میں عروض و قوافی کی بھی غلطیاں تھیں اور وہ وزن سے گرتے تھے۔ ان اشعار کی تصحیح و تحقیق کے سلسلے میں سیرت نبوی، کتب تاریخ اور دیگر بنیادی ماخذ و مصادر سے رجوع کیا گیا اور ان کی ورق گردانی سے اشعار کی تصحیح میں مدد لی گئی۔ یہ نادر مجموعۂ اشعار ۱۳۹۴ھ میں لاہور سے راقم نے اپنے ذاتی خرچ پر شائع کیا۔

یہ مخطوط کس شخص کا لکھا ہوا ہے؟ یہ معلوم نہ ہو سکا۔ کتابت سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ نقل کرنے والا عالم نہیں ہے بلکہ کاتب ناقل نے آخر میں اتنا لکھا ہے کہ اس نے یہ مجموعہ اشعار ۱۰۹۷ھ میں ایک فاضل شیخ عبدالحق سلیمی کے مخطوطے سے نقل کیا ہے۔ شیخ سلیمی کے مخطوطے کا کیا نام تھا یہ بھی ناقل نے درج نہیں کیا۔ وہ اپنے دیباچے میں لکھتا ہے

یہ مجموعہ امام ابوبکر صدیق رضؓ کے شعری کلام کا ایک مبارک نمونہ ہے جو مجھے متقدمین میں سے کسی عالم کے خط سے منقول دستیاب ہوا ہے۔ اس میں اسناد کا ذکر نہیں اور نہ ہی کتب سیرت میں سے کسی معتبر کتاب کا حوالہ ملتا ہے لیکن مجھے ان اشعار کی حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کی طرف نسبت کی تصدیق الہامی طور پر ہوئی ہے کیونکہ مجھے ان سے آپ کے نفس قدسیہ کی خوشبو آرہی ہے۔ یقیناً محب پر محبوب کے حالات مخفی نہیں رہتے بلکہ اس سلسلے میں اسے کوئی التباس نہیں ہوتا۔ اس بات کی رہنمائی انسان کو غیبی طور پر ہوتی ہے کیونکہ قلب انسانی ایک سچا رہنما ہے۔ جیساکہ

روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ دل اللہ تعالیٰ کی دو انگلیوں کے درمیان ہے وہ جیسے چاہے تصرف میں لاسکتا ہے اور وہی حقائق کو سب سے بہتر جاننے والا ہے۔ بہر حال میں نے اس مجموعے میں آنجناب حضرت صدیق اکبرؓ کے اشعار کو بطور تبرک محفوظ کر لیا ہے"

یہ مجموعہ اشعار کل ۲۵ قصائد پر مشتمل ہے جنکی تفصیل درج ذیل ہے۔ طائف کے بنو ثقیف کی عداوت اسلام و پیغمبر اسلام، ذکر غزوۂ عبیدۃ بن الحارث، ذکر غزوہ عبداللہ بن جحش، ذکر قصہ طلحہ بن عبیداللہؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چھ مرثیے، اپنے مسلمان ہونے پر اظہار فخر اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا، ذکر یوم حنین، واقعۂ افک اور منافقین پر طعن، دین اسلام اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قصائد نعتیہ، غار ثور کا ذکر، معراج نبویؐ کا ذکر، انصار کا قصیدۂ مدحیہ۔

کیا خلیفۂ رسولؐ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ شاعر تھے۔ اور آپ کو شعر گوئی کا طبعی ملکہ تھا۔؟

یہ ایک اختلافی امر ہے۔ آپ کے معروف تذکرہ نگار عباس محمود العقاد اپنی تالیف "عبقریۃ الصدیقؓ" میں لکھتے ہیں :۔

ممکن ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے شعر گوئی میں ملکہ حاصل کیا ہو۔ کیونکہ فصاحت و بلاغت کو آپؓ فطری طور پر بہت محبوب رکھتے تھے۔ عرب کے فصیح و بلیغ خطباء اور شعراء کا کلام آپ کے مطالعہ میں رہتا تھا۔ آپ اشعار کثرت سے روایت کرتے تھے اور امثال عرب آپ کو حفظ تھیں۔

ام المومنین، سیدہ عائشہ رضؓ کو بھی شعر و ادب اور خطابت کا گہرا ذوق جناب صدیقؓ ہی سے ورثہ میں ملا۔ وہ اکثر اشعار اور خطبات کا حوالہ دیا کرتی تھیں۔ شعر و ادب کا یہ ذوق حضرت ابوبکر صدیقؓ کی دوسری اولاد میں بھی جاری رہا۔ چنانچہ آپؓ کے دونوں بیٹے عبداللہؓ اور عبدالرحمٰنؓ شعر گوئی کا اچھا ملکہ رکھتے تھے۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے بذات خود شعر نہیں کہا۔ ثقات کا اس پر اتفاق ہے مگر یہ حقیقت ہے کہ از خود شعر نہ کہنے کے باوجود آپ شعر و سخن کا نفیس ذوق رکھتے تھے۔ بہت سے اشعار آپ کو یاد تھے اور آپ ان کے حوالے بھی دیتے تھے۔

ابن ہشام، سیرت نبویہ میں حضرت صدیق اکبرؓ کے ایک قصیدے کا ذکر کرنے کے بعد جو آپ نے غزوہ عبیدۃ بن الحارث کے بارے میں کہا تھا لکھتے ہیں کہ

"ماہرین شعر و ادب نے اس بات کا انکار کیا ہے کہ یہ قصیدہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کا ہے۔"

قرطبی کی "الاستیعاب" میں ہے کہ سفیان بن حسین، زہری سے روایت کرتے ہیں کہ مجھ سے عبدالملک بن مروان نے پوچھا! حضرت ابوبکر صدیقؓ سے جو اشعار روایت کئے جاتے ہیں کیا یہ انہی کے ہیں؟ تو میں نے کہا نہیں۔ یہ اشعار آپ کے نہیں ہیں۔ عروۃ، حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا

کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے عہدِ اسلام میں کبھی کوئی شعر اور قصیدہ نہیں کہا تا آنکہ آپؓ وفات پا گئے۔

لیکن ان روایات کے باوجود تاریخ و سیرت کی بعض قدیم کتابوں میں امیر المومنین حضرت ابوبکر صدیقؓ کے بعض قصائد نقل کئے گئے ہیں۔ مثلاً ابن سعد کی "الطبقات الکبریٰ" ابن ہشام کی "السیرۃ النبویہ اور سہیلی "الروض الانف"، ان حوالوں سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت صدیق اکبرؓ کو خطابت اور شعر و ادب میں خاص ملکہ تھا۔

امام احمد بن حنبل، اپنی مسند میں محمد بن عبداللہ بن الزبیر سے روایت کرتے ہیں کہ عقبہ بن الحارث بیان کرتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وصال کے کچھ عرصہ بعد میں عصر کی نماز سے فارغ ہو کر حضرت ابوبکر صدیقؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ نکلا، حضرت علیؓ، حضرت صدیق اکبرؓ کے ساتھ ساتھ چل رہے تھے۔ راستے میں آپؓ نے حسنؓ بن علیؓ کو دیکھا کہ وہ بچوں کے ساتھ کھیل رہے ہیں۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے وفورِ محبت سے حضرت حسنؓ کو اپنی گود میں اٹھا لیا اور یہ شعر پڑھا۔

وبأبی شبہ النبی لیس شبیھا لعلی

(ارے یہ تو اللہ کے نبی کے مشابہ ہے، علی کے مشابہ تو نہیں)

حضرت علی مسکرائے اور محظوظ ہوئے۔

ابن سعد نے "الطبقات الکبریٰ (جزء ثالث ذکر صحابہ بدریین) میں یہ روایت ثابت سے نقل کی ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ یہ شعر تمثیلاً پڑھا کرتے تھے۔

لاتزال تنعیٰ حبیباً حتی تکونہ وقد یرجو الفتیٰ الرجا یموت دونہ

جب تک تو زندہ ہے اپنے محبوب پر نوحہ خواں رہے گا۔ لبسا اوقات انسان کسی چیز کی تمنا کرتا ہے مگر اس کے حصول سے پہلے خود ختم ہو جاتا ہے۔

امام طبری تاریخ الرسل والملوک میں نقل کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ اپنے مرضِ وفات میں یہ اشعار پڑھتے تھے۔

وکل ذی ابلٍ موروثٌ وکل ذی سلب مسلوب

وکل ذی غیبۃٍ یئوب وغائب الموت لا یئوب

یہ اونٹ والے یعنی مال و متاع کے مالک کا کوئی وارث ہوگا اور جو کوئی کسی دوسرے کا حق چھینتا ہے وہ اس سے سلب کر لیا جائے گا۔ ہر غائب چیز لوٹ آتی ہے لیکن جسے موت نے غائب کر دیا وہ دوبارہ کبھی لوٹ کر نہیں آتا۔

آپ کا قصیدہ غزوہ عبیدہ بن الحارث کے بارے میں سیرۃ ابن ہشام جزء دوم میں موجود ہے۔

اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مرثیہ جس کا مطلع حسب ذیل ہے۔

أمن طیف سلمیٰ بالبطاح الدمائث أرقت، وأمرٍ فی العشیرۃ حادث

طبقات ابن سعد جزو دوم میں دیکھا جا سکتا ہے۔
رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کا ایک اور مرثیہ جس کا مطلع ہے

یا عین جودی ولا تسامی — وحق البکاء علی السید

بھی الطبقات کی زینت ہے۔
ایک اور مرثیہ جو اس مجموعہ میں چار اشعار پر مشتمل ہے وہ بھی بعض الفاظ کی تبدیلی کے ساتھ طبقات کے جزو ثانی میں موجود ہے مگر وہاں اس کے اشعار کی تعداد سات ہے۔
علیٰ ھذا القیاس وہ قصیدہ جس میں صدیق اکبرؓ نے غارِ ثور کا ذکر کیا ہے اور جو اس مخطوطے میں موجود ہے اس کا حوالہ سہیل کی الروض الانف ۲۱-۲ میں دیکھا جا سکتا ہے۔
العمدہ میں ابن رشیق نے "باب اشعار الخلفاء" کے تحت حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کا ایک قصیدہ نقل کرنے کے بعد جو آپ نے غزوہ عبیدۃ بن الحارث کے موقع پر کہا تھا لکھا ہے۔ خلفائے راشدین میں سے کوئی ایسا نہ تھا جو شعر نہ کہتا ہو۔
آپ اکثر یہ شعر بھی تمثیلاً پڑھا کرتے تھے!

اذا اردت شریف الناس کلھم
فانظر الی ملک فی زی مسکین

ترجمہ۔ اگر تو شریف ترین انسان کو دیکھنا چاہے تو ایسے بادشاہ کو دیکھ جو درویشانہ لباس میں ہو۔

جانشینِ احمد مختار

ہم پایۂ نجوم ہیں اصحابِ مصطفےٰ ہر ایک ان میں ہے رہِ ہستی میں رہ نما
گم کردہ رہ کو ان میں سے کوئی اگر ملا راہِ نجات مل گئی منزل کو پا لیا

تھا بے مثال ان میں ہر اک اپنی شان میں
پیدا ہوئے نہ ایسے بشر پھر جہان میں

گردوں پہ گر ستارے چمکتے ہیں صبح تک اصحابؓ سے ہے روئے زمیں پر یونہی چمک
بوبکر کو ہے ان میں فضیلت تہِ فلک ہیں افضل الصحابہ نہیں ان میں کوئی شک

حق ہے کہ جانشینِ رسولِ امیں ہیں یہ
کچھ شک نہیں کہ رہبرِ دنیا و دیں ہیں یہ

ہوگا ثبوت ان کی فضیلت کا اور کیا خود مصطفےٰ نے حکمِ امامت انہیں دیا
کی اقتدا میں ان کی نماز آپ بھی ادا یہ حال دیکھ کر ہوئے مسرور مصطفےٰ

صدیق ہیں خلیفۂ اول رسولؐ کے
جن کی دعاؤں میں ہیں محاسن قبول کے

پہلے ہی دن قبول کیا دینِ مصطفےٰ مردوں میں ان کو مسلمِ اوّل کہا گیا
حاصل ہوئی انہیں کو فضیلت کی انتہا ہر مرحلے پہ ساتھ دیا آں حضور کا

ہجرت میں بھی مہاجرِ اوّل یہی ہوئے
حزبِ مہاجرین میں افضل یہی ہوئے

معراج کا سنایا پیمبر نے حال جب   حیران سُن کے ہوگئے ذی فہم سب کے سب
سنتے ہی کی عتیق نے تصدیقِ سیرِ شب   تصدیق پر عطا ہوا صدّیق کا لقب

معراج کے مصدّقِ اوّل یہی تو ہیں
صدق و شرف میں کامل و اکمل یہی تو ہیں

نرم و خلیق، عابد و زاہد، نکو سیر!   ذی ہوش، سخت کوش، ردا پوش، معتبر
فقر و غنا سے زہد و ریاضت سے بہرہ ور   مشہور اتقا میں سخاوت میں نامور

گھر کا تمام مال نبی پر نثار ہے
گہ جاں نثارِ دیں ہے گہے زر نثار ہے

باقی رکھی نہ اپنے لیے گھر میں کوئی شے   باقی جو ہے تو عشقِ خدا اور رسول ہے
بدلے میں جس کے ہے نہ کوئی تاج و تختِ کے   جس کے عوض قبول نہ ہو باجِ روم و رے

لو شمع کی پتنگ کو بلبل کو پھول کی
مومن کو صرف چاہ دلائے رسوؐل کی

صدّیق جن کو سب میں فضیلت ہے، بے گماں   ہر گام ہے نبی کی رفاقت میں کامراں
قربِ حبیب سے وہ مشرف تھے ہر زماں   چھوڑا کبھی نہ دامنِ سرکارِ دوجہاں

ہجرت میں بھی رفیق ہیں، بدر و احد میں بھی
ہے بعدِ انتقال تقرب لحد میں بھی

بعدِ نبی جو فتنہ و شر کا ہوا، ہجوم!   سرکش ہوئے منافق و ملحد علے العموم
جھوٹے نبی مچانے لگے غل مثالِ بوم   منکر زکوٰۃ کے ہوئے کچھ جاھلانِ شوم

اس شیر دل نے سب کو مٹا کر ہی دم لیا
اشرار کو ٹھکانے لگا کر ہی دم لیا

اس ہولناک وقت میں ہارا نہ حوصلہ مردانہ وار سب سے ہوئے جنگ آزما
عزم و ثبات کو نہ کبھی ہاتھ سے دیا! اللہ کی مدد پہ بھروسا رکھا سدا
ہر مرحلے پہ جنگ کی اللہ کے نام پر
کھائی شکست ملحدوں نے ہر مقام پر

اے جانشینِ احمد مختار السلام اے قائدِ مہاجر و انصار السلام
اے دینِ مصطفےٰ کے نگہدار السلام اے مومنوں کے قافلہ سالار السلام
اے تیری ذات باعثِ صد افتخارِ دیں
تیرا وجود وجہِ عروج و وقارِ دیں!

شمشیر تیری تیز و شرر ریز و سینہ در تدبیر تیری زورِ مشیت سے بہرہ ور
تقریر تیری افصح و پر زور و پختہ تر تحریر تیری احسن و سرنامۂ ظفر!
مجموعۂ محاسن و برکات تیری ذات
فردوس زارِ جملہ کمالات تیری ذات

تیرا نظام سنتِ آقائے دو جہاں تیرا کلام مصحفِ یزداں کا ترجماں
تیرا پیام عظمتِ اسلام کا نشاں تیرا مقام شاہ مدینہ کا آستاں!
تو رہ نما ہے اہلِ نظر ہیں ترے رفیق
عثمان و مرتضےٰ و عمر ہیں ترے رفیق

آیا ہے تیرے در پہ نظیرِ فسردہ جاں میرِ عرب اور ان کے صحابہ کا مدح خواں
ابرار و صالحیں کی ستائش سے تر زباں نذر و نیاز و بندگی و عجز کا نشاں
لایا ہے برگِ سادہ جو کمتر ہے پھول سے
بن جائے پھول یہ ترے حسنِ قبول سے

نظیرؔ لودھیانوی

برّ و کریم و عتیق

رجالِ پختہ میں پہلے رفیق تھے صدّیق
کہ ابتدا سے نبیؐ کے صدیق تھے صدیق

بغیرِ ہیچ تامّل قبول کی دعوت
کہ صاف دل تھے، عقیل و انیق تھے صدّیق

وہ جن کے مال کے احساں کا حق ادا نہ ہوا
سخا و بذل کے بحرِ عمیق تھے صدّیق

وہ غارِ ثور، وہ اژدر، وہ آیۂ تسکیں،
جہاں حضور کے واحد رفیق تھے صدّیق

وہ اولیّت تصدیقِ قصۂ معراج
کہ آشنائے رموزِ دقیق تھے صدّیق

ہوا ذرا سا اشارہ لٹا دیا سب کچھ
نبیؐ کے عشق میں ایسے غریق تھے صدّیق

کتابِ پاک کے خُم خانۂ حقیقت میں
ہمیشہ مستِ شرابِ رحیق تھے صدّیق

کسی کی مال سے خدمت، کسی کا ہاتھ سے کام
خدا کے بندوں پہ کتنے شفیق تھے صدّیق

وہ منکرینِ نبوت، وہ مانعینِ زکوٰۃ!
سبھی کے حق میں نفیرِ شہیق تھے صدّیق

تھے ایک تیغِ کشیدہ عدو سے وقتِ جہاد
وگرنہ دل کے بہت ہی رقیق تھے صدّیق

اگر خلیفۂ اول ہوئے تو کیا حیرت
یہ ایسا حق تھا کہ اس کے حقیق تھے صدّیق

وہ مملکت کے لیے قائدِ حکومت تھے
تو معرفت میں بھی خضرِ طریق تھے صدّیق

کشادہ دست، کشادہ جبیں، قدِ رعنا
خوشا کہ صاحبِ روئے بریق تھے صدّیق

ہے آنجناب کی نسبت مرے لیے اعزاز
کہ مردِ برّ و کریم و عتیق تھے صدّیق

نعیم صدیقی

ثانیِ لاثانی

ساطع النور، واضح الآثار
ثانی اثنین اذ ہما فی الغار

ایک صادق تھا دوسرا صدیق
ماہِ نوّار و کوکبِ زہّار

آفتاب ایک، دوسرا مہتاب
دونوں بحرِ وجود بے قیاس و شمار

آئے ہیں کس نگر سے جانے کہاں ہیں
کس نگر کے یہ دونوں ناقہ سوار

یہ سعادت ملے نہ شاید پھر
دور کر تھا ہوڈاچیوں کی قطار

پیشرو ایک، دوسرا پیرو
ہمرکاب ایک موجِ گرد و غبار

باوجودِ تفکّراتِ سفر
دونوں تازہ نگار و تازہ بہار

دیکھتا ہے فضا دھڑکتے سے
یہ تجمّل، یہ تمکنت، یہ وقار!

طور ان کے مسافرانہ نہیں
ان کے چہروں پہ ہیں عجب انوار

عامر ابنِ فُہَیرہ، عبداللہ
اور اسما کا ان سے کیا سروکار؟

راستہ پوچھتے ہیں یثرب کا
ہے کوئی رہ شناسِ دشت و دیار

بنِ اُرَیقط سے بڑھ کے کون حضور!
نہیں ان منزلوں کا واقفِ کار

یہ وہ بے برگ و ساز ہیں جن کے
ہفت اقلیم ہیں خراج گزار

کیا کوائف کا ان کے پوچھو ہو
یہ تو ملکِ خدا پہ ہیں مختار

نقشِ اللہ ان کی مہر سے ہو
جملہ احکامِ لوح کا اصدار

افضل الناس و اشرف المخلوق
ایک ساکن تھا، دوسرا طیّار

تیسرا ساتھ تھا خدا ان کے
مہربان و مہیمن و ستّار

جانے موضوعِ گفتگو کیا تھا
جانے کیا تھا ذریعۂ گفتار!

بزمِ راز و نیاز جمتے ہی
در پہ بہرِ صیانتِ اسرار

فوراً انڈے کبوتروں نے دیئے
تننے جھٹ آ کے عنکبوت نے تار

ثور ہے مہبط اس تجلی کا
طورِ سینا میں تھی جس کی بہار

خیرہ چشمِ سُراقہ بن جُعشُم
تیرہ بینائیِ اولی الابصار

کُرز بن عَلقمہ خزاعی ہو
یا امیّہ کا فارسِ مغوار

فرطِ احساسِ نامرادی سے
سر فگندہ بسانِ بوتیمار

مثلِ محمودِ ابرہہ اشرم
ہے زمیں گیر اشہبِ ستیار

امِّ معبد کی خوش بیانی سے
مست و مدہوش و بیخود و سرشار

سن کے قولِ سدیدِ لاتحزن
میں بھی ہوتا تو کرتا جان نثار

ساتھ دیتا بُرَیدہ اسلمی کا
رکھ کے نیزے پہ طرۂ دستار

کون تھا دوسرا پیدہ رنگ
فکر مندِ گزندِ کژدم و مار؟

بند کرتا ہے پیر سے سوراخ
جس کے زانو پہ ہے سرِ سردار

وہ عطا کا سحابِ دریا پاش
وہ سخاوت کا ابرِ گوہر بار

ماورائے خیالِ سود و زیاں
برتر از فکرِ اندک و بسیار

جس نے آوازِ دوست سنتے ہی
بے تامّل لٹا دیا گھر بار

ربات یہ غزوۂ تبوک کی ہے
جیشِ عسرت تھا جب نذر و نثار،

بہرِ اہل و عیال کیا چھوڑا؟
"عشق اللہ کا، رسول کا پیار"

ملا جس کو خطابِ "سمع و بصر"
وہ شعار اور دوسرے ہیں دثار

وہ نکو ہیں ہے آفتاب میں
اور باقی کواکبِ اقمار

"ہو حبی و صاحبی واخی
و رفیقی فی اشرف الاسفار"

"فہو صدّق و اسانی — بہ کمال استقامت و ادار"
"اشہد انک رسول اللہ — امرِ ناطق کا کیوں کروں انکار؟"
ہاں وہی ثالثِ ثلاثہ ہے — پہلوئے یار میں ہے جس کا مزار
(زہے نیلِ مرام و فوزِ کبیر — خوب ہمسایہ و خجستہ جوار)
کہے روح الامین جسے صدیق — ہمہ اخلاص، سربسر ایثار
سب سے بہتر ہے رسولؐ کے بعد — حسبِ تصدیقِ حیدرِ کرار
شان ہے حق و صدق و رفق تری — تو ہے یعسوبِ ملتِ مختار
تجھ سے ثابت قدم ہوا اسلام — اور ایماں قوی جلی، نہمار
آندھیاں بھی جسے ہلا نہ سکیں — تو ہے وہ کوہِ محکم و پادار"
وہ صحابہ میں ہے سرِ فہرست — آنکھ اس کی ہے محرمِ دیدار
قائدِ کاروانِ اہلِ خبر — خضرِ راہِ اہلِ استبصار
ملکِ حکمت عطا ہوئے جس کو — جس کا سینہ خزینۂ اسرار
وہ یگانہ امام ربّانی — مرجعِ استناد و استظہار
پھول اپنی سگندسے سرمست — ثمر اپنی مٹھاس سے سرشار
وہ جگر بندِ سلمیٰ و عثمان — وہ جگر دارِ آفتاب آثار
باعثِ فخرِ تیم بن مُرّہ — مایۂ نازشِ بنی قیدار
سلسلے اس سے فقر کے منسوب — وہ ہے گنجورِ دولتِ بیدار
نقشبندی مرید ہیں اس کے — جن اولی الاجنحہ کا عرش مطار
راکبِ مرکبِ حرونِ جہاں — رائضِ اسپِ چرخِ کج رفتار
حکمرانی کی رمز سے آگاہ — پختہ کارِ مسائل و افکار
شرطِ صلح حدیبیہ سن کر — ہو عمر کی طرح نہ شکوہ گزار
فتنۂ ارتداد کے آگے — قدِ آدم اک آہنی دیوار
بہرِ تنبیہِ مانعینِ زکوٰۃ — جو نکالے نیام سے تلوار
وہ اسیرانِ بدر کا شافع — صاحب الوحی کا مشیر و مشار
انکسار و فروتنی دیکھو — پا پیادہ ہے خود اسامہ سوار
علم و حلم و تدبر و تدبیر — عزم و حزم و ثبات و صبر و قرار
خشیت و زہد و ضبط و فقر و ورع — عفو و احسان و عدل و عز و فخار
چند پہلو شبیہِ روشن کے — چند اجزائے عظمتِ کردار
ساری امت سے افضل و ازکیٰ — لیس فی الدار غیرہ دیار
وہ کہ خَیْرُ الْبَرِیَّہ بعدِ نبی — ثانئ حوض و قبر و بدر و غار
وہ کہ محبوبِ شافعِ محشر — وہ کہ مقبولِ ایزدِ دادار
نہیں مجھ کو مداہنت کا دماغ — کردوں حق کا علانیہ اظہار
میں ابوالفضل الاکبر اس کو لکھوں — وہ ہے سالار و سرورِ احرار
صبحِ کاذب کی مثل ہیں مبہم — وہ مبرہن ہے صبحِ صادق وار
ہے بیاں اس کی افضلیت کا — ایک امرِ ضروری الاظہار۔
ملی اس کو بشارتِ جنت — سائے فردوس میں ہے اس کی لکار

وَعَلَیہِ السَّلَام وَالاِکرَام
سرمدًا صبح و شام لیل و نہار

عبدالعزیز خالد

---

۸۶ اشعار پر مشتمل "قصیدہ رائیہ" میں سے ضیائے حرم کے اس نمبر کی گنجائش کے پیشِ نظر ۷۵ اشعار کا ایک مختصر سا اقتباس،

امیرِ ملّتِ بیضا

کلیمِ اوّلِ سینائے ما، دمسازِ پیغمبر
اَمِینُ النّاسِ بر مولائے ما، ہمدم، یقیں پرور

نصیبش جلوۂ انوارِ رحمت ہر نفس یکسر
ز شمعِ حسنِ انوارش منوّر آں رُخِ انور

سراپا آئنہ، عکسِ جمالِ دلبرِ خوشتر
زِ آبِ رودِ کوثر، آں خلیلے خوش نظر گوہر

کہ در حسن و لطافت آں گُلِ نازک ادا احمر
کہ در ہمت، عزیمت، پیل تن، کوہِ گراں پیکر

زر افشاں نوریاں بر اُو، خوشا رفتے، خوشا منظر
گُلِ رعنا گلستانِ محبّت، آں نظر پرور

متاعِ زندگی نذرِ وَلا اش آں وفا خوگر
باُو کافی رسول اللہ، آں مردِ غنی، ازہر!

وہ جس کے ذوق و شوقِ آرزو سے ہے جہاں پیدا
وہ جس کا ہر نفس مثلِ صبا خوشتر، چمن پرور

عتیقِ محترم ہے، وہ رفیقِ محسنِ اعظمؐ
جو عبداللہ بنا ہے، عبدِ کعبہ سے وہ بختاور

جو اونٹوں کی نگہبانی سے پہنچا تا جہانبانی
وُہی بوبکرؓ لاثانی، وہی ایثار کا پیکر

اَدب پرور وہ حُسنِ رفاقت دُودماں جس کا
وُہی صدیقِ اکبر ہے مہ و خورشید سے بڑھ کر

خدا کے آخری شہکار کا وہ والہ و شیدا
ادب گاہِ محبّت میں رُخِ زیبا ہے زیبا تر

کبھی مکّے کی گلیوں کا، مدینے کا کبھی ساتھی
حضر میں اور سفر میں ہے شریکِ کارِ پیغمبر

جوانانِ عرب میں اوّلیں شاہد نبوّت کا
خدا کی رحمتیں اُس پر، علیؓ، زیدؓ و خدیجہؓ پر

سمایا جس کے سر میں رات دن بس ایک ہی سودا
چڑھے اسلام کا سورج، رہے روشن سے روشن تر

غلاموں کا نگہباں، چارہ گر، دورِ غلامی میں
رہائی سے بلالؓ خوش اذاں کی جو گرامی تر

وہ جس نے دینِ حق کی راہ میں سو سختیاں جھیلیں
نہ آنچ آنے دی پر جس نے کبھی ذاتِ پیمبر پر

وہ جس نے واقعہ معراج کا سُن کر کہا سب سے
مجھے یارو! یقیں، حق الیقیں ہے اپنے آقا پر

رہا وہ مدتوں ہم میں، پلا ہے سامنے سب کے
نظر سے دیکھتا جو آپ سے، کرتا عیاں ہم پر

اگر اس نے کہا سارے مظاہر اس نے دیکھے ہیں
سخن سازی نہیں اس میں، ہے سچا قول میں یکسر

رہِ ہجرت میں آنحضرتؐ کا غارِ ثور کا ساتھی
سبھی توشہ کیا جس نے نچھاور اپنے ہادی پر

وہ جس کا تذکرہ آیاتِ قرآں سے مشرف ہے
وُہی "ثانیِ اثنین" وہی "فی الغار" کا منظر

پریشاں کر گئی جس کو محبت کی فراوانی
عَقَب میں جب رسول اللہ کے دشمن چڑھے سر پر

کہا ساتھی سے "لَا تَحْزَنْ"، خدا ساتھی ہمارا ہے
رسول اللہ نے جس کو تسلی آپ دی بڑھ کر

رفاقت میں رسول اللہ کی کامل ہوا ایسا
کہ ہے اک اک ادا اُس کی نظر افروز وجاں پرور

سواری جب رسول اللہ کی پہنچی مدینے میں
سرِ اقدس پہ سایہ کر رہی تھی آپ کی چادر

کہ خوشنودی رسول اللہ کی مطلوب تھی اس کو
محبت کے لطائف میں کوئی اُس کا نہیں ہمسر

وُہ اخلاص و وفا میں، پیکرِ یکتا شجاعت میں
رفیقِ بدر، دکھلائے جوانمردی کے جوجوہر

وُہ اُم المومنینؓ محبوب تھی جو ذاتِ اقدس کو
وہ جس کا قولِ فیصل معتبر خُلقِ پیمبر پر

رِدائے نور جس کے واسطے قرآن میں آئی
وُہ جس سے اِفک و بہتاں کا چلا جھگڑا تھا یکسر

وُہ جس نے محصناتِ دہر کو حفظ واماں دی ہے
مصیبت بن کے رہ جاتی ہیں جھوٹی تہمتیں جن پر

وُہ صدیقہؓ، عفیفہؓ، عائشہؓ جس کا جگر گوشہ
وُہی صدیقِ اکبر ہیں، حمیراؓ کے اَب اطہرؓ

وہ جس کے ہوش تھے قائم، اُڑے جب ہوش یاروں کے
وہ جس کی گفتگو تھی اعتماد افزا، سکوں پرور

محمدؐ ہو گئے رخصت مگر اَللّٰہ باقی ہے
یقیں جس کا نظر افروز تھا ربِّ محمدؐ پر

امامت سونپ دی جس کو دمِ آخر پیمبر نے
امیرِ ملتِ بیضا، ہمارے پیشوا، رہبر

وہ فیضاں یافتہ حسنِ دبستانِ نبوت کا
مکمل، کامل و اکمل نمونہ، خوش نظر پیکر

خلیفہ ہو کے بھی جو بکریوں کا دودھ دہتا تھا
کہاں ہے سادگی، خدمت میں ایسا خوش نظر پیکر

رموزِ سلطنت میں قافلہ سالارِ ابراراں
خلافت کا تصور معتبر جس کی امارت پر

بنایا میں گیا حاکم ہوں گو، تم پر، سنو، لوگو!
میں تم جیسا ہی انساں ہوں مگر تم سے نہیں بہتر

اگر بھٹکوں رہِ حق سے مجھے روکو، مجھے ٹوکو — یہی راہِ عمل رمزِ حکومت جس میں ہے مضمر
کہا جس نے خیانت کذب، سچائی امانت ہے — ضعیفوں کا محافظ تھا، قوی تھا جن کا حق اُس پر
نہ پہنچے جب تلک حقدار کو حق، مضطرب رہتا — قوی کمزور تھے جس کے قریں، وہ معدلت گستر
وہ جس کے سامنے فتنے اُٹھے اور سو گئے آخر — وہ جس کی ہمتِ عالی پہ سارے رہ گئے ششدر
جہادِ فی سبیل اللہ کا عقدہ کُشا ایسا — نہ روکے پُرخطر میداں، اُسے گھاٹی نہ دشت و در
وہ جس کا ہر عمل ذاتِ نبیؐ کا حُسنِ آئینہ — وہی جیشِ اُسامہؓ ہے، اسامہؓ ہے سرِ لشکر
چلا جو پا پیادہ ساتھ ساتھ اُس میرِ لشکر کے — غُبار آلود راہِ حق میں تھے جس کے قدم یکسر
وہ جس کو دیکھ کر ارض و سما سے یہ ندا آئی — خوشا راہی سرِ راہے، خوشا اسوارِ خوش منظر!
جو سیف اللہؓ کا جوہر شناس و قدرداں ایسا — رکھا اُس کو مُسلّط آپ نے کفّار کے سر پر
اطاعت میں رسول اللہ کے نقشِ قدم پر وہ — ہمیشہ گامزن تھا، تیز تر، خوش تر، خجستہ تر
وہ جس کا قولِ فیصل آج بھی ہے رہنما اپنا — نہ کر اُس کی اطاعت جو رہِ حق سے چلے ہٹ کر
غریبوں، بے سہاروں اور محتاجوں کا رکھوالا — غلاموں، بے نواؤں اور بیواؤں کا چارہ گر
کہا جس نے پُرانے پارچوں میں مجھ کو کفنانا — کہ زندوں کا نئے کپڑوں پہ حق مُردوں سے ہے بڑھ کر
کوئی بڑھ کر کہے اِس سے، کوئی بڑھ کر کرے اِس سے — یہ کیسا قولِ محکم ہے، یہ ہے کیسا عمل خوشتر
دمِ آخر اثاثہ بیچ کر جس نے تھا بھجوایا — کہ بیت المال کا حبّہ تلک تھا بارِ جاں اُس پر
وہ جس کے اقربا، ماں، باپ، بیوی، بیٹیاں، بیٹے — رفاقت میں ہیں مثلِ کہکشاں، شمس و قمر، اختر
رسالت کا مُصدّق، الامیں کا چاہنے والا — رفیقِ جلوت و خلوت، سراپا عشق کا مظہر
رسولُ اللہ کے پہلو میں آسودہ ابد تک ہے — وہ یارِ غار اُس کا، وہ رفیق محترم، ازہر!

شہِ بطحاؐ کا صاحبؓ، ازہرِ بے کس کا مولا ہے
ہوں لاکھوں رحمتیں اُس پر، ہوں لاکھوں ہی سلام اُس پر

غلام رسول ازہر

جاں نثارِ رسالت

صدیق وہ نگاہِ پیمبر کا انتخاب
جس کو نصیب شانِ حضوری ہے تا ابد

اس کا وجود ملتِ بیضا کا اعتبار
قول اس کا معتبر ہے عمل اس کا مستند

تھے مال و جاں نثار رسالت مآب پر
طاعت کی مثل ہے نہ سعادت کی کوئی حد

اس کے ثبات و عزم پہ قربان جائیے
دینِ مبیں پہ آنے نہ دی جس نے کوئی زد

ملحوظ اتباعِ رسولِ کریم تھا
منظور کوئی شے تھی تو خوشنودیِ صمد

شیرِ خدا نے اس کو کہا اشجع الناس
کیا اس سے بڑھ کے اس کی شجاعت کی ہو سند

ترویجِ دینِ پاک میں سبقت وہ لے گیا
یکجا تھے اس میں نورِ یقیں، جوہرِ خرد

حکمت سے ارتداد کا فتنہ کیا فرو
ہر کذب اس کے نورِ یقیں سے ہے مسترد

ملت پھر اضطرابِ مسلسل میں ہے اسیر
یارب! بحقِ حضرتِ صدیق، المدد

حفیظ تائب

طبیبِ دلفگاراں

مشکلاتِ راہِ دیں میں رہنمائی تو نے کی — جب کوئی آفت پڑی عقدہ کشائی تو نے کی
تو انیسِ جاں، تو اسرارِ نبوّت کا امیں — عشق کی کن کن منازل تک رسائی تو نے کی
شاملِ احوالِ ہجرت، یارِ غار و سر بکف — ایک اک فرضِ وفا کی حق ادائی تو نے کی
اے طبیبِ دلفگاراں! اے رفیقِ خستگاں! — اے شفیقِ بیکساں! سب سے بھلائی تو نے کی
ایک اک گردن کو دی طوقِ غلامی سے نجات — ایک اک مظلوم کی حاجت روائی تو نے کی
جو قدم اس نے اٹھایا، تو برابر ہم قدم — جو پیام اس نے سنایا، ہم نوائی تو نے کی
کر دیا سب کچھ نثارِ جنبشِ ابروئے دوست — کس قدر توقیرِ رسمِ آشنائی تو نے کی
انجمن سے جب وہ جانِ عاشقاں رخصت ہوا — زمرۂ اہلِ وفا کی پیشوائی تو نے کی
کشتیِ اسلام سے ٹکرائی کیا کیا موجِ تند — ایسی نازک ساعتوں میں ناخدائی تو نے کی
دین کے ہر مرحلے میں حق ترے ہمراہ تھا — حق شناسی، حق پرستی، حق نمائی تو نے کی
زندگی کے بعد بھی رنگِ تقرب ہے وہی — اپنے ساتھی سے رفاقت انتہائی تو نے کی

قوم کے اذہان پر، افکار پر، اعمال پر
اپنی سیرت کے سبب فرمانروائی تو نے کی

عاصی کرنالی

دمسازِ پیمبرؐ

بیاں ہو شان کس سے حضرتِ صدیقِ اکبر کی
میسر جس کو خوشنودی رہی محبوبِ داور کی

یہ ارشادِ نبی صدیقِ اکبر کا ہے سرمایا
کہ خیر الخلق بعد الانبیا حضرتؐ نے فرمایا

بشارت جس کو جنت کی ملی نطقِ پیمبر سے
کیا آغازِ ہجرت آپ نے بوبکرؓ کے گھر سے

عجب تھے شوق کے نقشِ حسیں صدیق کے دل پر
مدینے کے سفر میں جو رہا دمسازِ پیغمبرؐ

مزیّن تھا امامت کے شرف سے قلبِ نورانی
سیادت کی خبر دیتا تھا جس کا خطِ پیشانی

وہ پیکر تھا جو دنیا میں امینِ حق و صداقت کا
وہی تھا مستحق محبوبِ باری کی نیابت کا

حبیبِ کبریا کی ہر ادا کو جاننے والا
نبوّت کے ہر اک انداز کو پہچاننے والا

رہا بختِ رسا کو ناز اس عالی وقاری پر
کہ تھا مامور جو سرکار کی خدمت گزاری پر

اسے ہر شے سے تھا حکمِ پیمبر برتر و بالا
کہ جو کچھ گھر میں تھا محبوب کے قدموں میں لا ڈالا

رسولِ پاک کی صحبت سے تھا دل مثلِ آئینہ
تجلّی گاہِ عرفاں تھا نبیؐ کے فیض سے سینہ

خدا نے اس کو بخشا تھا کمالِ فہمِ قرآنی
نرالی شان کا تھا شارحِ آیاتِ ربانی

جنوں نے جس سے سیکھے ہیں سلیقے جاں نثاری کے
سکھائے عشق کو آداب جس نے خاکساری کے

متاعِ جاں کو جس نے سوز کے سانچے میں ڈھالا ہے
وہ جس کے فقر کا انداز دنیا سے نرالا ہے !

نثار اس کی ادائے فقر پر سلطانی و میری
کیا کرتا تھا ناداروں کی جو شب کو خبر گیری

خلافت کی قبا کو جس نے حسنِ سادگی بخشا
جہانبانی کی فطرت کو شعورِ عاجزی بخشا

عمرؓ، عثمانؓ و حیدرؓ تھے خلافت میں مشیر اس کے
جلیل القدر اصحابِ پیمبرؐ تھے وزیر اس کے

نگہباں تھا رعایا کا لبوں پر تھیں مناجاتیں
خلافت کے لیے دن تھے عبادت کیلئے راتیں

سعادت سے مشرّف آج بھی صدیقِ اکبر ہے
میسر جس کو بعدِ مرگ بھی قربِ پیمبرؐ ہے

حافظ لودھیانوی

قافلۂ قدس کے سالار

یہ موسمِ گل اور شبِ مہتاب کا عالم
ہے صحنِ چمن نکہت و انوار کا سنگم

تاروں کی اگر چرخ پہ بارات سجی ہے
گلشن کی پھبن بھی تو سہاگن سے نہیں کم

معمورۂ ہستی کا ہر اک برگ ہے مسرور
اللہ غنی عرصۂ گلزار کا عالم

ارزاں ہوئی نرگس کی نگاہوں کو بصیرت
کیا ناز سے یہ گیسوئے سنبل ہوئے برہم

ہاں داغِ جگر لے کے چلے ہیں گلِ لالہ
تا جشنِ چراغاں کا ہو سامان فراہم

پھیلائے ہوئے غنچۂ نورس بھی ہیں دامن
قربان کرے لیلیٔ شب گوہرِ شبنم

گلشن میں کوئی سرو قد آنے کو ہے اے دل!
شمشاد و صنوبر پئے تعظیم ہوئے خم

شبنم کی کشید آنے لگی ساغرِ گل میں
ہے ابرِ نشاط آج محیطِ ہمہ عالم

تنویر میں ہر ذرہ ہے خورشید کا ہمسر
ہر خوشہ ہوا نکہتِ گلزار کا محرم

افلاک سے نغمات کا اک تار بندھا ہے
گویا کہ فضاؤں نے بھی اب چھیڑی ہے سرگم

اک نعرہ مستانہ ہے سوسن کی زباں پر
گلشن میں ہر اک سمت ہے، اک کیف کا عالم

طاؤس جو رقصاں ہے تو بلبل ہے غزل خواں
سب جشنِ بہاراں کے ہیں اسباب فراہم

فطرت کا یہ اخلاص یہ تعظیمِ بہاراں
حقا کہ ہے تیرے لیے اے صدقِ مجسم!

اے قافلۂ قدس کے سالارِ معظم
اے بعدِ رسولانِ خدا سب سے مکرم

آنکھیں تری انوارِ رسالت سے منور
سینہ ترا فیضانِ نبوت سے متمم

قرآں کی ترتیب ازل سے ترا مقسوم
تصدیقِ احادیث میں رتبہ ترا محکم
معراجِ محمد کا ہے تو شاہدِ اوّل
تصدیقِ رسالت میں بھی تو سب سے مقدم
تھا غار کی خلوت میں شبِ ہجرتِ نبویؐ
اک تو ہی فقط صاحبِ پیغمبرِ اعظم
قرآں نے تجھے ثانیِ اثنین کہا ہے
اُترا ہے ترے واسطے تسکین کا مرہم
آنکھوں کو ہے اکسیر تری خاکِ کفِ پا
تو مردہ ضمیروں کے لیے عیسیٰ مریم
چنتے ہیں شہِ کون و مکاں بہرِ امامت
اللہ رے تری عزت و توقیر کا عالم

اڑتا ہے سرِ گنبدِ بے در ترا پرچم
ہیبت سے تری عظمتِ کونین کا سر خم

عثمان و عمر، حیدر و خالد ترے مونس
اے دونوں جہاں میں شہِ ابرار کے ہمدم!
اس غم کدۂ دہر میں گویا کہ تری ذات
داغِ جگرِ لالہ پہ اک قطرۂ شبنم
تو نغمۂ داؤد و یدِ موسیٰ عمران
تو آبِ بقا، تو نفسِ عیسیٰ مریم
تو فتنۂ کذّاب کے ناسور پہ نشتر
الحاد کی ظلمت تری تلوار سے برہم
تاریخ کا سینہ تری جرأت سے مزیّن
تقدیر کی شوخی تری تدبیر میں مدغم
گنجینۂ کونین ترے پاؤں کی ٹھوکر
راضی ہو خدا جس کی سخاوت سے وہ منعم

قربان شوم بخت رسائے بنی آدم
اسلام فلک گشت و توئی نیرِ اعظم

فریاد کہ محتاجِ یکے جنبشِ مضراب — معمورِ فغاں سازِ دلِ بربطِ جانم!
اظہارِ حقیقت کی اجازت ہو تو کہہ دوں
کیا حال ہے اب قوم کا سلطانِ معظم
ہیں ظلمتِ ماحول میں گم تیرے فدائی
فریاد ہے اسرارِ ہدایات کے محرم

اب تشنہ لبی روحوں کی دیکھی نہیں جاتی — للہ کرم رشد کے اے چشمۂ زمزم!
بیگانے ہیں اب نام سے بھی صدق و صفا کے — کونین میں کل جن کی صداقت تھی مسلّم
دل خون ہے حالاتِ تنزل کے اثر سے — اغیار کے محتاج ہیں کونین کے منعم
وہ مائیں تو اب بانجھ ہوئی ہیں مرے آقا — جن ماؤں کی گودوں میں پلا کرتے تھے ضیغم
کس طرح سناؤں کہ تری قوم کے بیٹے — پامالِ عظمت سے ابھی تک نہیں برہم
اب روحِ بلالی سے معرّیٰ ہیں اذانیں — سجدوں میں نہیں ہے ترے اخلاص کا عالم
بے جان نمازیں ہیں تو بے رُوح سے روزے — بے کیف ہیں نالے تو دعاؤں میں اثر کم
سرچشمۂ عرفاں سے ہیں بے نور نگاہیں — کیا کہئے کہ تریاق کی تاثیر ہوئی سم
اربابِ سیاست ہیں نرے نفس کے بندے — اور حاملِ دیں دست و گریباں ہوئے باہم
احساس پہ طاری ہیں گھٹاٹوپ اندھیرے — ادراکِ حقیقت سے بہت دور ہوئے ہم
ہاں عظمتِ دیرینہ کی یادوں کے سہارے — کچھ دل ہیں کہ مغموم کچھ آنکھیں ہیں کہ پرنم

فریاد کریں کس سے کہ اے نائبِ اعظم!
کوئی بھی نہیں ہے دلِ مغموم کا محرم

اب تیرے وسیلے پہ خدا سے یہ دعا ہے — اے قاضیِ حاجات! خداوندِ دوعالم!
صدیق کا صدقہ مرے اللہ پھر اک بار — تکریمِ خلافت سے مسلماں ہوں مکرم
اور سرو بھی دربارِ خلافت میں بصد ناز — یہ مطلعِ روشن پڑھے باقلبِ مصمم

یک شاعرِ نادارم و مولا تہی دستم
من نذر کنم داغِ دل و دیدۂ پرنم!

حکیم سرو سہارنپوری

سرورِ دیں کا خلیل

عشقِ حبیبِ خدا وجہِ سکون و ثبات — عشقِ حبیبِ خدا کیف و سُرورِ حیات
عشقِ حبیبِ خدا موجبِ فوز و فلاح — عشقِ حبیبِ خدا نورِ حیات و ممات
عشقِ حبیبِ خدا فاتحِ بدر و حنین — عشقِ حبیبِ خدا بے خبرِ حادثات
عشقِ حبیبِ خدا تازگیٔ ذوق و شوق — جذبۂ وجد آفریں عالیٔ والاصفات
عشقِ حبیبِ خدا قاطعِ رنگ و نسب — ماحیٔ فخر و غرور بیخ کنِ منکرات
عشقِ حبیبِ خدا اس کو میسّر نہیں — جو نہ ادا کر سکے خونِ جگر کی زکات

جب نہ سمایا کہیں عالمِ تخلیق میں
عشقِ نبیؐ ڈھل گیا پیکرِ صدیقؓ میں

پیکرِ صدیقؓ میں جذب و سرور و حضور — صدق و صفا کا کمال، صبر و رضا کا وفور
منبعِ عرفان و علم، چشمۂ احسان و حِلم — مخزنِ لطف و عطا، معدنِ کیف و سُرور
محورِ مہر و وفا، مصدرِ عفو و حیا — پاک نگاہ و سُخن، پاک ضمیر و شعور،
نور کی ظلمت بنی غیرتِ صد نیمروز — جس میں ہوا ایک بیک شمس و قمر کا ظہور
اس کی نگاہوں میں تھا حُسنِ رسالتؐ مدام — اس کو ملی تا ابد نعمتِ ربِّ غفور
ثروت و صولت میں بھی صاحبِ فقر و غنا — عُسرت و فاقہ میں بھی عین صبور و شکور

اس کی نوا دلپذیر، اس کا عمل جاں نواز
عظمتِ دیں کے لیے بازوئے آہن گداز

سیرتِ صدیقؓ میں جلوۂ اُم الکتاب قلبِ حقیقت نگر، روحِ صداقت مآب
سطوتِ اسلام کا تاجورِ اوّلیں بعدِ حبیبؐ خدا راہبرِ لاجواب
اس کی امامت کی روح جوش و خروشِ عمرؓ اس کی نظامت کی جاں علم و فنِ بوترابؓ
تھی وہ یمامہ شکن ختمِ نبوت کی ضرب مرکزِ الحاد کا جس سے ہوا سدّباب
جیشِ اسامہؓ کا امر اس کی فراست پہ دال جس سے مکمّل ہوا حکمِ رسالت مآب
حشر کے میداں میں بھی وہ ہے رفیقِ رسول جس کو جہاں میں کیا حق نے سدا کامیاب

مومنِ صادق تھا وہ، اس کا عمل بے ریا
دہر میں اس کی طلب صرف رضائے خدا

اس کے محاسن عظیم، اس کے مکارم جلیل فیضِ نبیؐ کا امیں، سرورِ دیں کا خلیل
حلقۂ احباب میں، مثلِ نسیمِ بہار عرصۂ پیکار میں صورتِ تیغِ اصیل
اہلِ جفا کے لئے صاعقۂ بے اماں اہلِ وفا کے لئے اس کا سخن سلسبیل
سائل و مظلوم کا دادرس و خیر خواہ بیکس و محروم کا یار و وکیل و کفیل
خدمتِ دیں کے لیے بے بدل اس کا خلوص جس کی نہیں ہے نظیر، جس کا نہیں ہے مثیل
ثانیٔ ثور و سفر ثانیٔ قبر و نشور رشکِ شہانِ جہان اس کی حیاتِ جمیل

مجھ سے رقم ہو کہاں منقبت اُس کی علیمؔ
میری زباں ناتواں اس کے مراتب عظیم

علیمؔ ناصری

گلشنِ بے خار

صدیقؓ کی عظمت سے ہے کس شخص کو انکار
صدیقؓ تھے اسلام کی عظمت کے علمدار

صدیق تھے صدق اور صداقت کا مرقع
صدیقؓ تھے اِس دیں کے لیے پیکرِ ایثار

صدیقؓ کی سیرت میں ہیں عظمت کے فضائل
ہر صاحبِ ایماں کو ہے اس بات کا اقرار

صدیقؓ نے بھی اپنے لہو سے اسے سینچا
سرسبز اگر آج ہے اسلام کا گلزار

صدیقؓ تھے اسلام کے وہ بانیِ ثانی
خطروں میں تھے جو اس کے نگہبان و نگہدار

وہ جیشِ اُسامہ ہی کا اک واقعہ لے لو
اللہ نے عطا ان کو کیا تھا دلِ بیدار

جس شخص کو سرکارِ دو عالم نے چنا ہو
صدیق نہیں اس کو بدل دینے کا مختار

روکے گا کوئی شخص اگر اونٹ کی رسّی
اُس شخص کی گردن پہ ہے صدیق کی تلوار

صدّیق کے ہوتے ہوئے کس میں تھی یہ جراٴت
اسلام کے قانون کا کرتا جو وہ انکار

میدانِ تبوک اب بھی ہے اس بات پہ شاہد
اسلام کی خاطر وہ لٹا سکتے تھے گھربار

خود رہبرِ اعظم نے امام ان کو بنایا
کیا ادر ابوبکرؓ کی عظمت کا ہو معیار

خطروں کے سفر میں کوئی دیتا ہے کہاں ساتھ
ملتے ہیں ابوبکرؓ سے کب رفقا کار

پھر آج تصوّر میں ہے وہ ثور کا منظر! ہے کون یہاں جان کے ایثار پہ تیّار

کس کے ہے مقدر میں یہ معراجِ محبّت صدّیقؓ کے آنسو ہیں محمّدؐ کے ہیں رخسار

باطل کا تشدّد ہو کہ وہ کفر کی سازش حائل نہ ہوئی ان کی وفا میں کوئی دیوار

اک سمت ابوبکرؓ تھے جو حامیِ حق تھے اک سمت وہ کفّار تھے، باطل کے پرستار

اک سمت ابوبکرؓ کا فہم اور تدبر اور ایک طرف قیصر و کسریٰ سے جہاندار

صدّیقؓ کے کردار پہ انگشت نمائی! کفّار بھی اس خواہش و کوشش میں تھے لاچار

صدّیقؓ کی عظمت کے خلاف ایک بھی کوشش اُس وقت بھی بیکار تھی، ہے آج بھی بیکار

وہ کون ہے جو آج بھی انکار کرے گا اسلام میں ایسا کوئی ہوگا نہ بد اطوار!

ہر قسم کے فتنوں کو مٹانے کے لیے پھر اس دَور میں صدّیقؓ کا وہ عزم ہے درکار

جس شخص کو صدّیقؓ سے ہے بغض و عداوت لاریب کہ وہ شخص قیامت کو ہے فی النار

اصحابِ نبیؐ میں ہے جو صدّیقؓ کا رتبہ ایمان ہو دل میں تو سمجھنا نہیں دشوار

صدّیقؓ کی سیرت ہے ہمارے لیے اسوہ صدّیقؓ کا کردار ہے اک گلشنِ بے خار

کافی ہے یہی عظمتِ صدّیقؓ کو بزمیؔ!
قرآن میں بھی اُن کی فضیلت کا ہے اظہار

خالد بزمی

اصحابؓ میں نہیں کوئی صدّیقؓ کا جواب

اِس بات میں نہیں مجھے عابدؔ کوئی کلام
میرے نبیؐ کے بعد ہے صدّیق کا مقام

ہوں کتنا خوش نصیب کہ ہیں مصطفےٰؐ کے بعد
صدّیق میرے راہبر و مرشد و امام

قدموں میں میرے کیوں نہ ہو فخرِ شہنشہی
سو جان سے ہوں حضرتِ صدّیق کا غلام

وہ پاسبانِ ختمِ نبوّت، وہ یارِ غار
قائم ہے جس کے صدق سے کونین کا نظام

جس نے خدا کی راہ میں سب کچھ لٹا دیا
مولائے کائنات کو تھا جس کا احترام

آساں ہوا تھا جس پہ جیشِ اُسامہؓ کا مرحلہ
اُس جانشینِ سرورِ کونین پر سلام

اِس فخر پر زمانے کی سب عظمتیں نثار
اپنی جگہ نبیؐ نے بنایا انہیں امام

جس دل میں ہے محبّتِ صدّیق جاگزیں
واللہ اس پہ آتشِ دوزخ ہوئی حرام

چاہو اگر کہ دُور ہوں ملّت کی مشکلات
نافذ کرو خلافتِ صدّیق کا نظام

(۲)

اصحابِ مصطفےٰؐ میں وہ اک مظہرِ جمال
میدانِ کارزار میں اللہ کا جلال

وہ اوّلیں مصدّقِ پیغمبرِ خدا
اسلام پر نثار کئے جس نے جان و مال

ہر شخص کی نگاہ تھی صدیق کی طرف
جس وقت سرورِ دوجہاں کا ہوا وصال

بوبکرؓ سا نہیں کوئی امّت میں دوسرا
لائے تو کوئی ڈھونڈ کے صدیق کی مثال

ان کے جلو میں جلوہ نما دیں کے پاسباں
عثمانؓ و حیدرؓ و عمرؓ و بوذرؓ و بلالؓ

غفلت میں جب سے چھوڑی ہے صدیق کی رَوِش
اُس وقت سے ہمارا مقدر بنا زوال

مدّاح جس کے خالقؑ و جبریلؑ و مصطفےٰؐ
میں اُس کی منقبت لکھوں میری کہاں مجال!

(۳)

وہ گلستانِ دیں کا مہکتا ہوا گلاب
جس کو دیا حضورؐ نے صدیق کا خطاب

وہ جس کی نیکیاں تھیں ستاروں سے بھی فزوں
وہ جس سے مصطفےٰ کو محبت تھی بے حساب

وہ جس کا بدترین مخالف مُسیلمہ
وہ جس کا بہترین ثناخوان بُوترابؓ

ہم خواب آج بھی ہے رسولِ خدا کے ساتھ
ہر گام پر رہا جو نبوّت کا ہم رکاب

عالم ہے آفتابِ رسالت سے مُستنیر
لیکن عتیق سب سے زیادہ ہیں فیضیاب

نقشِ قدم پہ اُن کے ہوا جو بھی گامزن
دنیا میں سربلند ہے، عقبیٰ میں کامیاب

اس بات پر سب اہلِ سقیفہ تھے متفق
اصحاب میں نہیں کوئی صدیق کا جواب

عابد یہ کہہ رہی ہیں مرے دل کی دھڑکنیں
اصحاب ہیں نجوم، تو صدیقؓ ماہتاب

عابد نظامی

مزاجِ دانِ رسالت

نیاز کیش، عقیدت شعار ہے صدّیق
رفیقِ راہِ سفر، یارِ غار ہے صدّیق

ضیائے شمعِ تدبّر، ادائے حسنِ خلوص
عروجِ فہم، کمالِ وقار ہے صدّیق

وفا پسند، وفا آشنا، وفا پیکر
ریاضِ صدق و وفا کی بہار ہے صدّیق

مزاج دانِ رسالت، ادا شناسِ کتاب
انیس و معتمد و رازدار ہے صدّیق

فدائے شمعِ رسالت، وہ مومنِ خوددار
شہیدِ شیوۂ تسلیم، صاحبِ ایثار

جہاں میں صاحبِ فکرِ بلند ہے صدّیق
خدا پرست، حقیقت پسند ہے صدّیق

نبیؐ کے جملہ صحابہ ہیں واجب التعظیم!
نبیؐ کے بعد مگر ارجمند ہے صدّیق

نگاہِ قہر ہے وہ ظالم و شقی کے لیے
اگرچہ نیک دل و دردمند ہے صدّیق

حدیث و سنتِ فخرِ رسل کا شیدائی
بڑا رفیع، نہایت بلند ہے صدّیق

وہ پہلا مردِ مسلماں، خلیفۂ اوّل
امیرِ صدق و شریعت، وہ افضل و اکمل

عارف سیالکوٹی

صداقت کے پیکر

سعادت کے مظہر ہیں صدّیقِ اکبر — محبّت کے پیکر ہیں صدّیقِ اکبر
رسولوں میں افضل شفیعِ دوعالم! — صحابہؓ میں برتر ہیں صدیقِ اکبر
ہیں دلدار بزمِ حبیبِ خدا کے — خدائی کے دلبر ہیں صدّیقِ اکبر
شجاعت، سخاوت، اطاعت، نیابت — صداقت کے پیکر ہیں صدّیقِ اکبر
مصاف اور غزوات میں آگے آگے — لکمانڈرِ اکبر ہیں صدّیقِ اکبر
ہیں آقا کے پہلو میں آرام فرما — قریبِ پمیبر ہیں صدّیقِ اکبر

نہیں خوفِ فردا ہمیں کوئی صابرؔ
حمایت کو سرپر ہیں صدّیقِ اکبر

صابر براری

یارِ غار

یارِ غارِ رحمۃ للعالمیں! — جاں نثارِ رحمۃ للعالمیں
وہ سراپا اسوۂ ختمِ رسل — پیروکارِ رحمۃ للعالمیں
حق نگر، اہلِ نظر رمز آشنا — رازدارِ رحمۃ للعالمیں
خلق میں، ایمان میں ایثار میں — ہم شعارِ رحمۃ للعالمیں
نقشِ پا سے اور ضوافروز کی — رہ گزارِ رحمۃ اللعالمیں

دے گئی ہے رازؔ رحمت کی نوید
یادِ یارِ رحمۃ للعالمیں

راز کاشمیری

غمخوارِ نبوّت

نبوّت کا غمخوار، صدیقِ اکبر
رفیقِ وفادار، صدیقِ اکبر

شناسائے حق، رازدارِ نبوّت
صداقت کا معیار، صدیقِ اکبر

صحابی ہے ہر کوئی سالارِ اُمت
صحابہؓ کا سالار صدیقِ اکبر

فدائی ہیں ختمِ نبوت کے ہم سب
ہے پہلا فداکار صدیقِ اکبر

کبھی دینِ حق کے لیے رزم آرا
کبھی مونسِ غار صدیقِ اکبر

ہر اک شے تصدق ہے پائے نبیؐ پر
ہے تاریخ ایثار، صدیقِ اکبر

مجھے فخر اس بات پر ہے کہ میں ہوں
تمہارا رضاکار، صدیقِ اکبر

حکیم افتخار فخرؔ

خلیلِ سرورِ دنیا و دیں

رسالت کی صداقت کے نشانِ اوّلیں تم ہو
یہی اک حرفِ حق ہے صاحبِ حق الیقیں تم ہو

اسی باعث شرف بخشا گیا تم کو امامت کا
حقیقت میں خلیلِ سرورِ دنیا و دیں تم ہو!

جسے محبوبِ حق نے آگ سے محفوظ فرمایا
خدا شاہد ہے وہ آسودۂ خلدِ بریں تم ہو

تمہی صدیق ہو اور والدِ صدیقہ بھی تم ہو
نبی کے ورثۂ رشد و ہدایت کے امیں تم ہو

اَمَنُّ النَّاس کا خلعت ملا ہے کس کو دنیا میں
سعادت جس کو یہ حاصل ہوئی وہ بالیقیں تم ہو

نبیؐ کو ناز تھا جس کی رفاقت اور محبت پر
وہ جس پر فخر ہے ملت کو وہ مسند نشیں تم ہو

جہاں ارشاد فرماتے تھے رسول اللہ وہاں تم تھے
جہاں آرام فرما ہیں رسول اللہ وہیں تم ہو

حافظ سلیم تابانی

سیّدنا صدّیق معظّم

نازِ صداقت، فخرِ رفاقت سیّدنا صدّیق معظم
جانِ سخاوت، روحِ مروّت سیّدنا صدّیق معظم

مطلعِ نظمِ عشقِ محمدؐ، مظہرِ عزمِ شاہِ ممجّد
شانِ تہوّر، آنِ شجاعت سیّدنا صدّیق معظم

سب سے مکرّم سب سے مفضّل، بعدِ رسل مخلوق میں افضل
دال ہے اس پہ قولِ نبوّت سیّدنا صدّیق معظم

وقفِ جبیں ہے بہرِ سعادت، قلبِ امینِ سرِ حقیقت
سر پہ سجا ہے تاجِ خلافت سیّدنا صدّیق معظم

مصحفِ حق کے حافظ، جامع اور فجور و فسق کے قامع
کاسرِ اوثان، قاطعِ بدعت سیّدنا صدّیقِ معظم

ہر متنبّی خائف و ترساں، کاذب، ملحد، مشرک ترساں
اللہ اللہ رعبِ جلالت سیّدنا صدّیقِ معظم

روشنیوں کے حجلۂ خنداں جگمگ جگمگ تاباں تاباں
شمسِ ہدایت، بدرِ عنایت سیّدنا صدّیقِ معظم

کشورِ ورع و وفا کے حاکم، ملکِ صفا و رضا کے ناظم
فخرِ امامت، عزِّ امارت سیّدنا صدّیق معظم

بشیر حسین ناظمؔ

رفیقِ مصطفٰے

گلِ بستانِ حکمت، نکہتِ حسنِ صداقت ہے،
رفیقِ مصطفٰے صدّیقِ اکبر فخرِ امّت ہے

رفیقِ سیدِ عالم بہ غار و قبر و ہم محشر
جو حکمت کا خزینہ ہے، جو ہمرازِ نبوت ہے،

وہ نظمِ عشقِ احمد کا حسیں مطلع حسیں مقطع،
اسی سے جاذب و دلکش یہ دیوانِ محبت ہے

ملا بابِ نبوت سے امامت کا شرف جسکو
وہی فخرِ کرامت ہے، وہی نازِ نجابت ہے

ہے جس کے عشق کی تقلید سے جبریل بھی قاصر
ہے ایسا راہبر جس کے نقوشِ پا میں حکمت ہے،

سخن اندر سخن، افکار در افکار تابندہ
رخِ صدیق کے صدق و صداقت کی صباحت ہے

انہی سے زہد و تقوٰی کے ہے ایوانوں میں رعنائی
جہانِ صدق پر صدّیق اکبر کی حکومت ہے

ہو اب کیا گمرہی کا خوف جب پیشِ نظر سبطینؔ
ابوبکرؓ و عمرؓ، عثمانؓ و حیدرؓ کی قیادت ہے

محمد سبطین شاہجہانی

جانشینِ پیمبر

کروں کیسے رقم توصیف میں صدیقِ اکبر کی
رفاقت عمر بھر حاصل رہی جن کو پیمبر کی
گراں تھی آپ کو فرقت شہِ بطحا سے پل بھر کی
رگ و پے میں رچی تھی آپ کے الفت پیمبر کی
امامت آپ کو سونپی شہنشاہِ دو عالم نے
تھی زیبا آپ ہی کو جانشینی شاہِ برتر کی
مہک اٹھا گلستانِ خلافت آپ کے دم سے
نہاں ہے آپ کی یادوں میں خوشبو مشک و عنبر کی
وہ یارِ غار و بدر و قبر سرکارِ مدینہ کے
عیاں ہے بزمِ عالم میں وفا صدیقِ اکبر کی
کلامِ پاک میں فرما کے صاحب شاہِ بطحا کا
خدا نے مدح کی خود نائبِ محبوبِ برتر کی!
میں سمجھوں دولتِ کونین از خود ہو گئی حاصل
گر مل جائے مجھ کو خاکِ پا صدیقِ اکبر کی

محمد ازہر کوٹلوی

یارِ غارِ مجتبےٰ

حضرتِ صدیق، جانِ مصطفےٰ
یارِ غارِ مجتبےٰ، جانِ وفا
مصطفےٰ بہتر بود بعد از خدا
بہتریں بوبکرؓ بعدِ مصطفےٰ
داد محبوبِ خدا را لختِ دل
حضرتِ صدیقہ آں اُمّ الوریٰ
دم نہ زد چوں نیش زد آں مارِ بد
تا خلل ناید بہ خوابِ مصطفےٰ
بر قدومِ مصطفےٰ ایثار کرد
جان و مال و دولت و سامان را
مصطفےٰ فرمود چہ بگذاشتی؟
گفت نامِ مصطفےٰ، نامِ خدا
بوریا بوبکرؓ چوں در بر نہاد
وحی آمد در لباسِ بوریا!

سلطان احمد چشتی فاروقی

مُصدّقِ اوّل

بڑا ہی مرتبہ اونچا ملا صدیقِ اکبر کو
ہے کرتا یاد قرآں میں خدا صدیقِ اکبر کو

رکھا ہے ساتھ اپنے قبر میں بھی شاہِ عالم نے
کرے پھر کون آقا سے جدا صدیقِ اکبر کو

رسولِ پاک نے معراج کی تصدیق کرنے پر
لقب صدیقِ اکبر کا دیا صدیقِ اکبر کو

لعاب اپنا لگا کر سرورِ عالم نے ایڑی پر
ہمیشہ کے لیے بخشی شفا صدیقِ اکبر کو

سفارش خضر کی کر دیں کبھی دربار احمد میں
پیام اتنا تو دے دینا صبا صدیقِ اکبر کو

سید خضر حسین چشتی

مرتبہ دانِ محمدؐ

اللہ اللہ دہر میں صدیقِ اکبر کا مقام
خود رسولِ پاک بھی کرتے تھے ان کا احترام

ناز تھا جن کی رفاقت پر رسول اللہ کو
اپنا رہبر مانتے تھے جن کو اصحابؓ کرام

حق بیاں، رمز آشنا، آگاہِ آداب حرم
مرتبہ دانِ محمدؐ، صاحبِ خیر الانام

آپ نے کی ہے محمدؐ سے وفا ہر حال میں
اس لیے لیتی ہے دنیا آپ کا عزت سے نام

فیضِ صحبت سے رہی سرشار جن کی زندگی
الفتِ خیر الورےٰ سے جن کا دل تھا شاد کام

تربیت پائی تھی سائے میں نبیؐ کے آپ نے
لطفِ چشمِ مصطفےٰ تھا عام جن پر صبح و شام

آج کے دن ان کی خدمت میں بصد اصغر نثار
پیش کرتے ہیں خلوصِ دل سے اہلِ دل سلام

اصغر نثار قریشی

مخزنِ تصدیق کے گہر

(۱)

اے صاحبِ رسولِ خداوندِ بحر و بر!
صدّیقِ پاک! مخزنِ تصدیق کے گہر
اے یارِ غار! اس سے زیادہ میں کیا کہوں
بعد از نبی بزرگ توئی قصہ مختصر

(۲)

صدق کا فخر ہے ترا کردار
اے محبِّ نبی! عتیق از نار
تیرے حق کا گواہ قرآں ہے
ثانی اثنین اذ ہما فی الغار

(۳)

بچپن، جوانی، ہجرت و غار و مزار میں
وہ صاحبِ یقین بہ تحقیق ساتھ ہے
بے سایہ جس کو حق نے بنایا ہے اسکے ساتھ
سائے کی طرح حضرتِ صدّیق ساتھ ہے

قربان نظامی لاہور

آفتابِ صبحِ ایماں

خاورِ انوارِ عرفاں حضرتِ صدّیق ہیں
آفتابِ صبحِ ایماں حضرتِ صدّیق ہیں

عظمتِ انساں کا ساماں حضرتِ صدّیق ہیں
پیکرِ عزمِ فراواں حضرتِ صدّیق ہیں

جن سے ہیں کفار لرزاں حضرتِ صدّیق ہیں
سربسر کہسارِ ایماں حضرتِ صدّیق ہیں

ظاہر و باطن ہے جن کا تابناک و ضَوفشاں
صورت و سیرت میں یکساں حضرتِ صدّیق ہیں

فائزِ منزل نہ کیوں ہو قافلہ اسلام کا
منزلِ دیں میں حدی خواں حضرتِ صدّیق ہیں

دوڑتا ہے اے فدا جس میں حقیقت کا لہو
وہ شریعت کی رگِ جاں حضرتِ صدّیق ہیں

فدا کھیم کرنی

تحریر: منظور الحق صدیقی

رفیقِ نبوت کلامِ اقبال رحمۃ اللہ علیہ میں

کلام اقبال میں ساڑھے تین سو سے زیادہ مشاہیر کا ذکر آیا ہے۔ انہوں نے مشاہیر کی جن خاص باتوں کا ذکر کیا ہے انہیں یکجا کر دیا جائے تو انسان کی روحانی اور مادی کامیابیوں اور ناکامیوں کی تاریخ بن جائے۔ علامہ نے سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کا ذکرِ خیر اپنے کلام کے چھ مجموعوں میں کیا ہے۔ یہاں ہم رموزِ بیخودی، پیامِ مشرق، بانگِ درا، بالِ جبریل، مسافر اور ارمغانِ حجاز سے وہ شعر پیش کرتے ہیں جو حضرت صدیق اکبر رضؓ کے بارے میں ہیں۔

رموز بیخودی

رموزِ بیخودی کے آخر میں "خلاصہ مطالب مثنوی در تفسیر سورۂ اخلاص" کے عنوان کے تحت ایک سو سولہ شعر ہیں۔ ان میں سورۂ اخلاص کی وہ تفسیر بیان کی گئی ہے جو خواب کی حالت میں علامہ اقبال نے حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کی زبانی سنی۔ ابتدائی پانچ شعروں میں بڑے ہی نپے تلے الفاظ میں صدیق اکبر رضؓ کی زندگی کے چھ اہم واقعات کا مختصر ترین مگر جامع الفاظ میں بیان ہے:

من شبے صدیق رضؓ را دیدم بخواب\
گُل ز خاکِ راہِ او چیدم بخواب

ترجمہ: ایک رات میں نے حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کو خواب میں دیکھا اور آپ کے راستے کی خاک سے پھول چنے

اس شعر کے مصرعہ ثانی کیطرف علامہ سید سلیمان ندوی نے علامہ اقبال کی توجہ دلائی۔ اقبال نے جواب میں لکھا کہ "دوسرے مصرع پر آپ کا ارشاد تھا کہ مطلب زیادہ واضح ہونا چاہیئے اور گل ز خاکِ راہ او چیدم کیا مطلب ہے؟ یہ واقعہ خواب کا ہے جو خواب میں دیکھا گیا، بقیہ اسی طرح نظم کر دیا گیا" (اقبال نامہ ۱۵۰ء) مولانا غلام رسول مہر "بقیہ اسی طرح" کو "بعینہٖ" پڑھتے ہیں (مطالب اسرار و رموز صد ۲۷۱)

آن امنّ الناس بر مولائے ما
آن کلیم اوّلِ سینائے ما

ترجمہ۔ وہ ابوبکرؓ جن کے ہمارے آقا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر احسان تمام انسانوں سے بڑھ کر ہیں۔ وہ صدیقؓ جو ہمارے کوہ سینا کے پہلے کلیم تھے۔

اقبال نے حاشیہ میں وہ حدیث نقل کی ہے جو اس شعر کے پہلے مصرع کا ماخذ ہے: اُمَنُّ النَّاسِ عَلَیَّ فی صحبتہ ومالہ ابوبکر یعنی تمام انسانوں میں مجھ پر رفاقت اور مال میں سب سے بڑھ کر احسان ابوبکر نے کیا۔ اس حدیث کی روشنی میں حضرت ابوبکرؓ کو صحابہ میں یہ امتیاز حاصل تھا کہ آپؓ سے زیادہ کسی اور کو حضورؐ کا شرفِ رفاقت حاصل نہیں ہوا۔ یہ تعلق بعثت سے پہلے بھی تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تک قائم رہا۔ اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رفیقؓ کے جس مالی ایثار پر اظہارِ احسان مندی فرمایا ہے بقول صاحب کشاف اس کا ذکر کلام پاک میں بھی آیا ہے۔

اَلَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَہُمْ
بِاللَّیْلِ وَالنَّہَارِ سِرًّا وَّعَلَانِیَۃً
فَلَہُمْ اَجْرُہُمْ عِنْدَ رَبِّہِمْ
(البقرۃ ۳۴)

جو لوگ دن میں اور رات کو پوشیدہ اور ظاہر طور پر اپنا مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں پس ان کے واسطے ثواب ہے۔

صاحب کشاف لکھتے ہیں کہ یہ آیت حضرت ابوبکرؓ کی شان میں نازل ہوئی۔ آپ نے چالیس ہزار دینار خرچ کئے، دس ہزار رات میں اور دس ہزار دن میں۔ دس ہزار ظاہر اور دس ہزار پوشیدہ۔

قبولِ اسلام کے وقت حضرت ابوبکرؓ کے پاس چالیس ہزار دینار نقد تھے۔ آپؓ نے اس تمام سرمائے کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت گزاری، اسلام کی تقویت اور مسلمانوں کی بہبودی کے لیے خرچ کر دیا۔ جامع الترمذی اور ابن ماجہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد اسطرح منقول ہے۔

عن ابی ھریرہ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما نفعنی مال احد ما نفعنی مال ابی بکر قال فبکی ابوبکر وقال یا رسول اللہ ھل انا ومالی الا لک یا رسول اللہ۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے کسی کے بھی مال سے مطلقاً نفع نہیں پہنچا بجز مال ابوبکر کے۔ راوی نے کہا ابوبکر رونے لگے اور عرض کیا یا رسول اللہ کیا میری ذات اور میرا مال سب آپ کے واسطے نہیں ہے؟

الخطیب نے ابو محمد سعید بن المسیّب سے مرسلاً روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکرؓ کا مال اسی طرح صرف فرماتے تھے جیسا کہ آپؐ اپنا مال خرچ فرماتے تھے۔ ابن عساکر ابن عباس سے روایت

کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "کسی شخص کے ہاتھوں نے مجھے ابوبکر کے ہاتھوں سے زیادہ فائدہ نہیں پہنچایا جس نے مجھے جانی اور مالی امداد دی اور اپنی بیٹی سے میری شادی کی"

اس شعر کے مصرعِ ثانی میں حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کو ہمارے سینا کا پہلا کلیم بتایا ہے۔ اقبال کے شارح مولانا غلام رسول مہر لکھتے ہیں "کہ وہ پہلے مسلمان تھے۔ رسول اللہ صلعم کی ذات بابرکات کو کوہ طور سینا فرض کر لیا جائے تو اس طور پر جو کلیم سب سے پہلے پہنچا وہ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ تھے"۔ ممکن ہے اقبال کے پیش نظر وہ واقعہ ہو جب مسجد حرام میں حضور صلعم کی موجودگی میں حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے پہلی بار کھلے بندوں اسلام کی تبلیغ کا فریضہ سرانجام دیا۔ ابتدائے بعثت سے اس وقت تک مخفی طور پر دعوت اسلام دی جاتی تھی۔ حضرت ابوبکر رضؓ کے خطاب سے کفار بھڑک اُٹھے اور آپ کو اتنا زدوکوب کیا کہ آپؓ قریب المرگ ہو گئے۔

ہمت او کشت ملت را چو ابر
ثانیٔ اسلام و غار و بدر و قبر

ترجمہ۔ حضرت ابوبکر رضؓ کی ہمت ملّت کی کھیتی کے لئے مانند ابر تھی۔ وہ اسلام، غار، بدر اور قبر میں دوسرے تھے۔

مولانا محمد اکبر شاہ خاں نجیب آبادی کے نام اپنے ۲۲ ستمبر ۱۹۲۲ء کے خط میں علامہ اقبال نے لکھا کہ "صدیق رضی اللہ عنہ پر بھی خوب مضمون لکھا گیا ہے۔ میں نے ان کی زندگی کے تمام واقعات ایک شعر میں بند کر دیئے ہیں" (اقبال نامہ ۱: ۵۷) اس کے بعد مذکورہ شعر لکھا ہے۔

اس شعر کے پہلے مصرعے کی تشریح حضرت ابوبکر رضؓ کی پوری کتاب زندگی ہے۔ آپ کے طفیل مسلمانوں کو جو سربلندی نصیب ہوئی اور جو استقلال اور فروغ اسلام کو حاصل ہوا اسے دو دو تین تین حرفی صرف سات لفظوں میں بیان کر دینا دریا کو کوزے میں سمو دینا ہے۔

دوسرے مصرعے میں آپؓ کے چار امتیازات بتائے گئے ہیں۔ اس شعر کا ماخذ تابعین کے سردار ابو محمد سعید ابن المسیب کا وہ قول ہے جو اقبال نے رموز بیخودی کے پہلے ایڈیشن کے حاشیے میں درج کیا تھا:

کان ابو بکر صدیق من النبی و کان لہ وزیر و کان یشاورہ فی جمیع امورہ و کان ثانیہ فی الاسلام و ثانیہ فی الغار و کان ثانیہ فی العریش یوم بدر و کان ثانیہ فی القبر و لم یکن رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم یقدم علیہ احدا؟

ابوبکر صدیق کی حیثیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں وزیر کی تھی۔ آپؐ ہر معاملے میں ابوبکر رضؓ سے مشورہ کرتے۔ ابوبکر اسلام میں اور غار میں دوسرے تھے، جنگ بدر کے دن سائبان میں دوسرے تھے اور قبر میں دوسرے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک ان سے مقدم کوئی نہ تھا۔

یہ قولِ جانِ اختصار ہے۔ اسے ایک شعر میں باندھ دینا کمالِ بلاغت ہے۔ دوسرے مصرعے میں اقبال نے بتایا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر سب سے پہلے ایمان لائے۔ وہؓ غارِ ثور میں آپؐ کے ساتھ تھے، جنگِ بدر میں بھی وہی آپ کے قریب ترین تھے۔ اور موت کے بعد آنحضرتؐ کے پہلو میں دفن ہوئے۔

روایت میں جن ہستیوں کا اوّل اوّل اسلام لانا مسلّم ہے ان میں حضرت ابوبکرؓ کے علاوہ حضرت خدیجہؓ، حضرت علیؓ اور حضرت زیدؓ بن حارث ہیں ان میں سے حضرت خدیجہؓ آپؐ کی حرم تھیں حضرت علیؓ ابھی آٹھ برس کے تھے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زیر کفالت ہی تھے۔ حضرت زیدؓ بن حارث حضرت خدیجہؓ کے غلام تھے۔ ان چاروں میں سے آزاد اور کاملاً خود مختار صرف حضرت ابوبکر صدیقؓ ہی تھے۔

مکّہ سے مدینہ تک ہجرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ کا اہم ترین اور پُرخطر سفر تھا۔ دورانِ سفر میں وہ تین دن تو انتہائی خطرناک تھے، جب آپؐ نے غارِ ثور میں قیام فرمایا۔ اس وقت آپ کے ساتھ صرف حضرت ابوبکر صدیقؓ تھے۔ اس پر قرآن گواہ ہے: ثانی اثنین اذھما فی الغار۔ یعنی جب وہ دو غار میں تھے تو ان دو میں سے دوسرا۔ ثانی غار اسی لئے کہا گیا ہے۔

حضرت صدیق اکبر ثانیٔ بدر بھی تھے اس سے مراد ہے کہ میدانِ بدر میں آپؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رفیق اور محافظ خاص تھے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ سعدؓ بن معاذ کی تجویز پر سرورِ عالم کے لیئے کھجور کا ایک سائبان (عریش) تیار کیا گیا۔ البزار حضرت علیؓ سے روایت کرتے ہیں کہ "یوم بدر میں ہم نے تمازتِ آفتاب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کے لیئے ایک سائبان بنا دیا تھا۔ پھر ہم نے کہا۔ رسول اللہ کے ساتھ کون رہیگا کہیں ایسا نہ ہو کہ مشرکین میں سے کوئی آپ پر چھاپہ مارے۔ بس خدا کی قسم ماسوا ابوبکرؓ کے ہم میں سے کوئی قریب نہ گیا وہ ننگی تلوار سے رسول اللہ پر سایہ کئے ہوئے تھے۔ جس کسی نے آپؐ پر حملہ کیا ابوبکرؓ اس پر ضرور حملہ آور ہوئے۔ اس لیئے آپ بہادر ترین لوگوں میں سے ہیں"۔

آخر میں ثانیٔ قبر کہا گیا ہے۔ ابوبکر صدیقؓ رسول اللہ صلعم کے حجرے میں آپؐ کے پہلو میں دفن ہیں۔

گفتمش اے خاصۂ خاصانِ عشق
عشق تو سر مطلعِ دیوانِ عشق

ترجمہ۔ میں نے عرض کیا کہ اے سرخیل عشاقِ نبیؐ و خدا آپؓ ہی کا عشق دیوانِ عشق کا پہلا مطلع ہے۔

حضرت ابوبکرؓ کی ذاتِ گرامی معیارِ عشقِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ حضورؐ کا ہر فرمان بے چون وچرا اور بلا دلیل وحجت ماننا اور ایسے حالات میں بھی ماننا جب مصلحتِ وقت اور بظاہر اسباب اس کے خلاف ہوں۔ آپؓ کا معمول رہا ہے۔ عشقِ حق میں بھی آپ یگانہ تھے۔ بایں ہمہ جذب کامل آپ نے الوہیت اور نبوت اور خالق ومخلوق کے فرق کو ہمیشہ پیشِ نظر رکھا اور انسانیت کے لیئے ایک مثال چھوڑ گئے۔

دوسرے مصرعے کا مطلب یہ ہے کہ آغازِ اسلام سے اب تک خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جتنے عشاق گذرے ہیں ان میں آپ رضؓ سرِ فہرست ہیں

پختہ از دستت اساس کارِ ما
چارۂ فرما پئے آزارِ ما

ترجمہ۔ ہمارے کام کی بنیاد آپ ہی کے ہاتھ سے پختہ ہوئی۔ اب بھی آپ ہی ہماری بیماری کا علاج فرمائیے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد اقامتِ دین کا فریضہ پہلی دفعہ ایک غیر نبی کے کاندھوں پر رکھا گیا۔ ابھی دنیا کو یہ دیکھنا تھا کہ ایک شخص جو براہِ راست خدا سے ہدایات حاصل نہیں کرتا اور نہ عصمت کا مدعی ہے اس فریضے کو کس طرح بجا لاتا ہے۔ کتاب و سنت کی رہنمائی کی عملی شکل کیا ہوگی۔ دورِ نبوت کے بعد یہ اہم ترین کام تھا جو کسی انسان کے سپرد ہوا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دین کی جو بنیاد رکھی تھی وہ حضرت ابوبکر رضؓ کے ہاتھوں پختہ ہوگئی۔ بحیثیت غیر نبی حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے پہلی بار دنیا کے سامنے اسلامی معاشرے اور اسلامی حکومت کا جیتا جاگتا اور پھلتا پھولتا عملی نمونہ پیش کیا

رموزِ بیخودی میں ایک اور جگہ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کا ذکر آیا ہے۔ اس مثنوی میں "رسالت" کے عنوان سے ۳۳ شعر ہیں (صفحہ ۱۱۵ تا ۱۱۸) شروع کے چودہ شعروں میں بتایا ہے کہ ہم صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نسبت ہونے کی وجہ سے ایک قوم ہیں۔ اس کے بعد ارشاد ہوتا ہے۔

معنیٔ حرفم کنی تحقیق اگر
بنگری با دیدۂ صدیق رضؓ اگر
قوتِ قلب و جگر گردد نبی
از خدا محبوب تر گردد نبی

ترجمہ۔ جو کچھ میں نے کہا ہے اگر تو اس کی تحقیق کرے اور اس کے لیے حضرت ابوبکر رضؓ کی نگاہ پیدا کرے تو تجھے معلوم ہو جائے گا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی قلب و جگر کی قوت بن جاتی ہے اور نبی اللہ سے بھی زیادہ محبوب ہو جاتا ہے۔

پیامِ مشرق

اس کتاب میں فرماں روائے افغانستان امیر امان اللہ خاں سے خطاب میں دو مختلف مقامات پر حضرت صدیق رضؓ کا اسم گرامی آتا ہے :۔

تازہ کن آئینِ صدیق رضؓ و عمر رضؓ
چوں صبا بر لالۂ صحرا گذر (صفحہ ۵)

ترجمہ: حضرت ابوبکر صدیق رضؓ اور حضرت عمر فاروق رضؓ کا طرزِ خلافت اپنی مملکت میں رائج کر (اور وہاں کے رہنے والوں کی بہبودی کے لیے کام کر) تو تیرا وجود اس طرح ہوگا جیسے صحرا میں لالے کے پھول کے لیے بادِ صبا ہوتی ہے۔

یہاں لالہ صحرا سے مراد افغانی مسلمان ہے جو اب تک مغربی تہذیب کے بُرے اثرات سے محفوظ ہے ۔

سوزِ صدیقؓ و علیؓ از حق طلب ذرۂ عشق نبیؐ از حق طلب

ترجمہ ۔ اللہ تعالیٰ سے وہ دردمندی اور سوز طلب کر جو اس نے حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت علیؓ کو عنایت فرمایا تھا ۔ نیز خدا سے دعا کر کہ وہ تجھے بھی نبی صلعم کا والہ و شیفتہ بنا دے ۔

—— بانگ درا ——

اے کہ نشناسی خفی را از جلی ہشیار باش
اے گرفتارِ ابوبکرؓ و علیؓ ہشیار باش
(صہ ۳۰۲)

یہ شعر اقبال کی طویل نظم خضرِ راہ سے ہے ۔ شارح اقبال پروفیسر یوسف سلیم چشتی اس کا مطلب یوں بیان کرتے ہیں : "اے مسلمانو ! مجھے افسوس ہے کہ تم خفی اور جلی یعنی پوشیدہ اور ظاہر میں فرق نہیں کر سکتے ۔ تم کو یہ بھی معلوم نہیں کہ ضروری کیا ہے اور غیر ضروری کیا ہے یعنی تم یہ نہیں جانتے کہ اصولی باتیں کیا ہیں اور فروعی امور کیا ہیں ۔ نیز یہ کہ جو قومیں دنیا میں ترقی کرنے کی آرزومند ہوتی ہیں وہ جلی (واضح اصول) کو چھوڑ کر خفی (فروعی یا مبہم امور) کا اتباع نہیں کیا کرتیں ۔ اے نادانو تم کب تک اس مسئلے پر آپس میں لڑتے رہو گے کہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت علیؓ میں سے کون افضل ہے (شرح بانگ درا صہ ۵۰۵)

بانگِ درا کی ایک نظم کا عنوان ہے "صدیقؓ" اس زوردار نظم میں غزوہ تبوک کے موقع پر صحابہ کی مالی قربانی کا ایک واقعہ بیان کیا ہے اس کا ماخذ ابوداؤد اور ترمذی ہیں ۔ روایت عمرؓ بن الخطاب کی ہے ۔ ترمذی کہتے ہیں یہ حدیث حسن و صحیح ہے ۔ اس نظم کے تیرہ شعر ہیں جن میں سے آخری چھ اشعار میں حضرت ابوبکرؓ کے بے مثال کردار کو نہایت زوردار الفاظ اور والہانہ انداز میں بیان کیا ہے

پوچھا حضور سرورِ عالمؐ نے اے عمرؓ
اے وہ کہ جوشِ حق سے ترے دل کو ہے قرار
رکھا ہے کچھ عیال کی خاطر بھی تو نے کیا
مسلم ہے اپنے خویش و اقارب کا حق گذار
کی عرض نصف مال ہے فرزند و زن کا حق
باقی جو ہے وہ ملتِ بیضا پہ ہے نثار
اتنے میں وہ رفیق نبوت بھی آگیا
جس سے بنائے عشق و محبت ہے استوار
لے آیا اپنے ساتھ وہ مردِ وفا سرشت
ہر چیز جس سے چشمِ جہاں میں ہو اعتبار
مِلکِ یمین و درہم و دینار و رخت و جنس
اسپ قمر سم و شتر و قاطر و حمار

بولے حضورؐ چاہیئے فکرِ عیال بھی　　کہنے لگا وہ عشق و محبت کا رازدار
اے تجھ سے دیدۂ مہ و انجم فروغ گیر　　اے تیری ذات باعثِ تکوینِ روزگار
پروانے کو چراغ ہے بلبل کو پھول بس
صدیق کے لیئے ہے خدا کا رسول بس

بال جبریل

تڑپنے پھڑکنے کی توفیق دے
دلِ مرتضیٰؓ سوزِ صدیقؓ دے

(ساقی نامہ صد ۱۶۸)

"اے خدا، مسلمانوں کے دلوں میں عشق رسولؐ کی بیقراری، تڑپ اور جذبہ پیدا کر دے اور انہیں حضرت علی مرتضیٰؓ کی تب و تاب اور حضرت صدیق اکبرؓ کا سوز و گداز بخش کر انہیں کے رنگ میں رنگ دے۔

مسافر

عہد صدیقؓ از جمالش تازہ شد
عہدِ فاروقؓ از جلالش تازہ شد

شاہ افغانستان نادر شاہ کی طبیعت کے جمالی پہلو کیوجہ سے ان کی مملکت میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کے عہدِ خلافت کی اور جلالی پہلو کے باعث حضرت عمر فاروقؓ کے عہدِ خلافت کی یاد تازہ ہو گئی۔

ارمغانِ حجاز

دگرگوں کرد لادینی جہاں را،　　ز آثارِ بدن گفتند جاں را،
ازاں فقرے کہ با صدیقؓ دادی　　بشورے آور ایں آسودہ جاں را

(صد ۴۹)

ترجمہ - لادینی نے دنیا کی حالت ابتر کر دی ہے۔ مادہ پرست لوگ جان کو بھی آثارِ بدن سے بتاتے ہیں یعنی وہ اس بات کے قائل نہیں کہ ایک انسان کی موت کے بعد بھی اس کی روح باقی رہتی ہے۔ اے باری تعالیٰ! جو فقر تو نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو عطا کیا تھا وہی مجھے بھی عطا کر تاکہ وہ مجھ ایسے تن آسان کی زندگی میں ہنگامہ بپا کر دے۔

سیدنا حضرت ابوبکر صدیقؓ کے تذکرے میں علامہ اقبال ان لوگوں کو تنبیہہ کرتے ہیں جو حضرت ابوبکرؓ اور حضرت علیؓ کو اختلافی مسئلہ بناتے ہیں۔ انہوں نے اپنے کلام میں حضرت صدیق اکبرؓ کی

زندگی کے مندرجہ ذیل پہلوؤں کو اُجاگر کیا ہے :-

- آپؓ پہلے مسلمان تھے ۔
- آپؓ رفیق نبوتؐ تھے آپ کو حضورؐ کا شرف رفاقت سب سے بڑھ کر حاصل رہا ۔ غارِ ثور اور عریش بدر میں صرف آپ ہی حضورؐ کے ساتھ تھے ۔ دفن بھی آپؐ کے پہلو میں ہوئے ۔
- آپؓ نے عشق و مروت کی بنیاد ڈالی اور آپ عشاق نبیؐ میں برگزیدہ ہیں ۔
- مومنین میں آپؓ نے پہلی بار کھلے بندوں موت کا خطرہ مول لے کر اعلائے کلمۃ الحق کیا ۔
- آپ کے نزدیک دنیوی مال و متاع بے حیثیت تھا ۔ اپنا سب کچھ اسلام کی سربلندی اور حضورؐ کی خدمت گذاری میں صرف کر دیا ۔
- سوزِ صدیق رضؓ
- فقرِ صدیق رضؓ
- نگاہِ صدیقی
- حضورؐ کے بعد آپ رضؓ نے اسلام کی بنیادوں کو مضبوط کر دیا ۔
- آپؓ کی ذات کشت ملت کے لیئے مانند ابر تھی ۔
- حکمرانوں کو آئین صدیق رضؓ اپنانا چاہیئے ۔

تحریر: ارشاد احمد مرنا

صدیق اکبرؓ اغیار کی نظر میں

حضرت امیر المومنین خلیفۃ الرسول سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذاتِ گرامی کے متعلق چند ایک اغیار کی رائے ذیل درج کی جاتی ہے۔

ایچ۔ جی ویلز:

مشہور مورخ ایچ جی ویلز اپنی کتاب HISTORY OF THE WORLD (Page 326) میں لکھتے ہیں:-

The true embodiment of the spirit of Islam was not (only) Muhammad but his close friend and supporter Abu Bakr. There can be little doubt that if Muhammad was the mind and imagination of Primitive Islam, Abu Bakr was its conscience and its will. Throughout their life together it was Muhammad who said the thing, But it was Abu Bakr who believed the thing.

سید ذاکر حسین جعفری:

سید ذاکر حسین جعفری دہلوی ایک نہایت غالی شیعہ عالم اپنی کتاب "تحفۃ الاحباب فی تاریخ الاصحاب" باب دوم صفحہ ۱۴ پر رقمطراز ہیں:-

"جب ابو بکر (رضی اللہ عنہ) کی بیعت مکمل ہوگئی تو ابو بکر نے رونا شروع کر دیا۔ اور تین دن تک برابر

روتے رہے اور کہتے رہے کہ لوگو! میری بیعت توڑ دو۔ میں خلافت کا اہل نہیں ہوں۔ جبکہ تم میں علی (رضی اللہ عنہ) جیسا شخص موجود ہے۔ پس میں تم سے اپنی بیعت توڑتا ہوں۔ ہے کوئی تم میں مجھ سے کراہت کرنے والا؟۔ کوئی تم میں مجھ سے بغض رکھنے والا؟ پس ہر بار سب سے پہلے علی (رضی اللہ عنہ) کھڑے ہوتے تھے اور کہتے تھے خدا کی قسم میں تم سے بیعت نہیں توڑوں گا اور نہ تم کو ہرگز اپنی بیعت فسخ کرنے دوں گا۔"

وان کریمر:

وان کریمر VON KREMER اپنی مشہور کتاب THE ORIENT UNDER CALIPHS "مشرق عہدِ خلفاء میں" میں حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی سیرت و کردار پر یوں روشنی ڈالتے ہیں:۔

Abu Bakr the successor and representative of the Prophet in the highest affairs of the Muslim Community was a simple man of the old Arabian fashion and when summoned to the Caliphate, he was changed in no respect. Outside the Town in a small village, called SANAA, he lived with his wife HABAIBAH under a tent of camel hide in a style as simple and unostentatious as that of a Bedouin Shaykh. Thus did he live for seven months after his election. In the morning he used to start for the town either on foot or on horse back, reaching it just before sunrise to conduct the morning prayer In a similar manner he returned home in the evening. He subsequently came to settle in town, but his household always remained as unpretnetious as ever. He had only one slave who after finishing the domestic work, made himself useful by cleaning the swords of the faithful.

اردو ترجمہ:۔ "(حضرت) ابوبکر (رضی اللہ عنہ) پیغمبرِ اسلام کے بعد خلیفہ بنے۔ آپ کے جانشین کی حیثیت سے ان کو نظامِ اسلامی میں اگرچہ وسیع اختیارات حاصل تھے لیکن ان کے طرزِ زندگی اور رہن سہن میں کسی قسم کی تبدیلی نہ ہوئی اور آپ پرانے عرب تمدن پر قائم رہے۔ وہ مدینہ سے باہر "سُنح" نامی ایک چھوٹے سے قصبے میں ایک بدوی شیخ کی مانند اونٹ کی کھال سے بنے ہوئے خیمے میں

اہل و عیال سمیت زندگی بسر کرتے تھے۔ خلافت کے ابتدائی ایام میں سات ماہ تک، آپ ہر روز پیدل یا گھوڑے پر سوار ہوکر مدینہ آتے اور فجر کی نماز مسجد نبوی میں باجماعت ادا کرتے اور مغرب کی نماز ادا کرکے گھر واپس لوٹتے۔ سات ماہ کے بعد آپ نے مدینہ میں سکونت اختیار کر لی۔ مگر اب بھی آپ کی زندگی میں کوئی تبدیلی نہ آئی۔ بڑی سادہ زندگی تھی۔ صرف ایک غلام تھا جو گھر کا کام کاج بھی کرتا اور فالتو وقت میں اپنے آقا کے اسلحہ کو تیز کرتا اور کار آمد رکھتا۔

سید امیر علی:

نامور شیعہ مورخ اور جسٹس سید امیر علی اپنی مشہور عالم تصنیف "سپرٹ آف اسلام" میں رقمطراز ہیں کہ:۔

"پیروانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو فتنہ سے بچانے کے لئے حضرت علی (رضی اللہ عنہ) نے فوراً ابوبکر (رضی اللہ عنہ) کی بیعت کرلی۔

پھر جسٹس سید امیر علی اپنی ایک اور کتاب "تاریخ اسلام" میں لکھتے ہیں:۔

"حضرت ابوبکر اپنی بزرگی اور اپنے اثر و رسوخ کی بنا پر آنحضرت کے جانشین منتخب کر لئے گئے۔ آپ کی دانائی، فراست اور اعتدال پسندی مسلّم تھی۔ (اسی لئے آنحضرت کے بعد) ابوبکر کے انتخاب کو حضرت علی اور آنحضرت کے خاندان نے تسلیم کر لیا۔ (تاریخ اسلام صد ۴۲)۔

مندرجہ بالا چند آراء کے مطالعہ سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ دوسروں کی نگاہ میں بھی لائقِ عزت و احترام تھے

سر ولیم میور:

مشہور متعصب یورپین مؤرخ سر ولیم میور (SIR WILLIAM MUIR) اپنی کتاب (THE CALIPHATE, ITS RISE, DECLINE AND FALL خلافت کا عروج و زوال اور خاتمہ) میں لکھتے ہیں:۔

Abu Bakr had no thought of personal aggrandisement. Endowed with sovereign and the irresponsible power he used it simply for the interests of Islam and the People's good. But the grand secret of his strength was faith in Muhammad. (Page 81)

اُردو ترجمہ:۔ (حضرت) ابوبکر (صدیق رضی اللہ عنہ) کے قلب و ذہن میں شخصی جاہ و حشمت کا خیال تک نہ تھا۔ حالانکہ وہ شاہانہ اختیارات کے مالک تھے اور کسی کے سامنے جواب دہ نہ تھے۔

انھوں نے اپنی ساری طاقت صرف خدمتِ اسلام اور اس کی ترقی و برتری میں صرف کی۔ تاکہ ملتِ اسلامیہ کو فائدہ ہو۔ (حضرت) ابوبکر (صدیق رضی اللہ عنہ) کی کامیابی کا سب سے بڑا راز (حضرت) محمد (مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم) پر کامل ایمان و ایقان تھا۔"

سر ولیم میور مزید لکھتے ہیں:۔

"Call me not the Caliph of the Lord" He would say, "I am but the Caliph of the Prophet of the Lord." The question with him ever was, what did Muhammad command? or what now would he have done? From this he never swerved a hair's breadth And so it was that he crushed apostasy and laid secure the foundations of Islam His reign was short, but after Muhammad himself, there is no one to whom the faith is more beholden.

اردو ترجمہ:۔ آپ نے عوام سے ہمیشہ یہی کہا: "مجھے اللہ کا خلیفہ کہہ کر نہ پکارو! میں رسول اللہ کا خلیفہ ہوں۔ ہر معاملے میں (حضرت) ابوبکر (صدیق رضی اللہ عنہ) یہی دیکھا کرتے تھے کہ رسول اللہ کا کیا طریقِ عمل یا ارشاد تھا۔ آپ نے تمام عمر اس سے سرِ مو انحراف نہیں کیا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ نے تمام مخالفتوں اور شورشوں کو فرو کر کے اسلام کی بنیادوں کو مزید مستحکم کر دیا۔ (حضرت) ابوبکر (صدیق رضی اللہ عنہ) کا زمانۂ خلافت اگرچہ بہت ہی مختصر تھا لیکن بلاشبہ کہا جا سکتا ہے کہ مسلمانوں میں (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بعد کوئی فرد ایسا نہیں ہوا جو ایمان و عمل میں (حضرت) ابوبکر (صدیق رضی اللہ عنہ) سے افضل ہو۔

لین پول:

مسٹر لین پول (LANE POOL) اپنی کتاب "STUDIES IN A MOSQUE" (ایک مسجد میں تعلیم) میں لکھتے ہیں:۔

Abu Bakr's calm judgement and quick sagacity joined to a gentle and compassionate heart, were of incalculable service to the faith of Islam.

اردو ترجمہ: (حضرت) ابوبکر (صدیق رضی اللہ عنہ) فیصلہ کرتے وقت متین اور عادل ہوتے تھے۔ وہ دل کے نرم اور کریم النفس تھے اور خدمتِ اسلام کے بے لاگ جذبے سے سرشار۔

ایڈورڈ گبن :

ایڈورڈ گبن (EDWARD GIBBON) اپنی کتاب (HISTORY OF THE SARACENS) میں رقمطراز ہیں :-

"When Abu Bakr assumed the office of Caliph, he enjoined on his daughter A'isha to take a strict account of his patrimony, that it might be evident whether he were enriched or impoverished by the service of the state. He thought himself entitled to a stipend of 3 pieces of gold, with the sufficient maintenance of a single camel and a black slave; but on the Friday of each week, he distributed the residue of his own and the public money, first to the most worthy then to the most indigent of the muslims. The remains of his wealth, a coarse garment were delivered to his successor, who lamented with a modest sigh, his own inability to equal such an admirable model. (Page 57).

اردو ترجمہ :- (حضرت) ابوبکر (صدیق رضی اللہ عنہ) خلیفہ ہوئے تو آپ نے اپنی بیٹی (ام المومنین حضرت سیدہ) عائشہ (صدیقہ رضی اللہ عنہا) سے فرمایا کہ نہایت پابندی کے ساتھ حساب لکھیں تاکہ ان کو پتہ چل سکے کہ ملک و ملت کی خدمت کرتے ہوئے ابوبکر کس قدر امیر یا نادار ہوا ہے۔ (حضرت) ابوبکر (صدیق رضی اللہ عنہ) نے اپنا وظیفہ تین درہم، اس قدر غذا اور دیگر ضروریات کو کافی سمجھا جس سے وہ ایک اونٹ اور حبشی غلام کی پرورش کر سکیں۔ آپ ہر ہفتے جمعۃ المبارک کو بہت مستحق اور مفلس مسلمانوں میں اپنی اور بیت المال کی رقم تقسیم فرماتے۔ (حضرت) ابوبکر (صدیق رضی اللہ عنہ) کی وفات پر جب آپ کے جانشین (حضرت سیدنا عمر فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ) کو صرف موٹے کپڑے کا ایک جوڑا ورثے میں ملا تو انہوں نے بڑی مسرت کے ساتھ فرمایا۔ ایسی شاندار مثال سے بہتر اور بڑھ کر مثال قائم کرنا ناممکن ہے۔

سائمن اوکلے :

مسٹر سائمن اوکلے (MR. SIMON OCKLEY) لکھتے ہیں :-

As to the character of this Caliph (Abu Bakr) he was a

tall lean man, of a ruddy complexion, and a thin beard, which he used to tinge with such colours as are freqnently used in the Eastern countries, to make it look more graceful. He never saved any money in the public treasury, but every Friday night, distributed what there was among persons of merit, to the soldiers first.

(HISTORY OF SARACENS (Page 204)

اُردو ترجمہ :- (حضرت) ابو بکر صدیق (رضی اللہ عنہ) لانبے قد کے دُبلے پتلے گندمی رنگ اور ہلکی داڑھی جسے آپ مشرقی انداز پر رنگتے تھے اور جس کی وجہ سے آپ کے رُعب اور وقار اور متانت میں مزید اضافہ ہوجاتا تھا۔ آپ نے بیت المال میں کبھی روپیہ جمع نہ کیا بلکہ ہر جمعہ کی رات کو آپ سب سے پہلے مجاہدین میں مال تقسیم کرتے اور اس کے بعد محتاجوں کی امداد فرماتے۔

ڈاکٹر ویل :

ڈاکٹر ویل (DR. WELL) اپنی کتاب A HISTORY OF THE ISLAMIC PEOPLE (مسلمان لوگوں کی ایک تاریخ) میں لکھتے ہیں :-

Abu Bakr's private life was as irreproachable as was his public life Nothing indeed, could be suggested against him except that he was too indulgent towards Khalid. But that was an act of political wisdom. He was kind, simple and pious. As the first collector of the Quraan, to him belonged the credit of its complete preservation. (Page 57)

اُردو ترجمہ :- (حضرت) ابو بکر (صدیق) کی نجی زندگی اور عہد حکومت ایسا گزرا ہے جس پر ...... انگشت نمائی ناممکن ہے۔ (مخالفین کی نظر) ماسوائے اس کے کہ (حضرت) خالد (بن ولید رضی اللہ عنہ) کے بے حد شفیق تھے۔ جو کہ آپ کی سیاسی بصیرت کا عمل تھا۔ (حضرت) ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ میں مردم شناسی کا جوہر بدرجہ اتم موجود تھا اور خوب جانتے تھے کہ کن کن لوگوں کو اپنا معاون بنانا چاہیئے۔ ان سب میں حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ قابلِ ذکر تھے جو ایک زبردست جنگجو اور عرب شیخ تھے اور جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیف اللہ (اللہ کی تلوار) کا خطاب عطا فرمایا۔ (حضرت) ابو بکر نرم دل، سادہ مزاج اور متقی و پرہیز گار تھے۔ آپ کو قرآن پاک جمع کرنے اور اُسے محفوظ کرنے کی سعادت بھی ملی۔"

تحریر: محمد یونس قریشی

حضرت اُمِ رومان رضی اللہ عنہا

(۱)

۹ھ ہجری میں رحمتِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک دن ایک ایسی خاتون کی وفات کی خبر ملی جو شمعِ رسالت پر پروانہ وار فدا تھیں۔ حضورؐ یہ خبر سن کر سخت حُزن و ملال کے عالم میں انکے جنازے پر تشریف لے گئے خود قبر میں اتارا اور پھر ارشاد فرمایا:

من سرہ ان ینظر الی امرأۃ من الحور العین فلینظر الی اُمِ رُومان۔

(جو شخص عورتوں میں حورعین کو دیکھنا چاہے وہ اُمِ رُومان کو دیکھے)

یہ اُمِ رُومانؓ جن کو سیّد المرسلین فخرِ موجودات صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت کی حور قرار دیا، سیدنا صدیقِ اکبرؓ کی رفیقۂ حیات، حضور پُرنورؐ کی خوشدامن اور اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کی والدۂ ماجدہ تھیں۔

(۲)

حضرت اُمِ رومانؓ کا شمار بڑی جلیل القدر صحابیات میں ہوتا ہے۔ ان کا تعلق قبیلہ کنانہ کے خاندان فراس سے تھا، اہلِ سِیَر میں سے کسی نے ان کا اصل نام نہیں لکھا اس لئے اپنی کنیت "امِ رومان" ہی سے مشہور ہیں۔ سلسلۂ نسب یہ ہے۔

اُمِ رُومانؓ بنت عامر بن عویمر بن عبد شمس بن عتاب بن اذینہ بن سبیع بن دہمان بن حارث بن غنم بن مالک بن کنانہ۔

حضرت اُمِ رومان کا پہلا نکاح (زمانۂ جاہلیت میں) عبداللہ بن حارث بن سنجرہ سے ہوا[1] اور انہی کے

۱؎ بعض روایتوں میں حضرت ام رومانؓ کے پہلے خاوند کا نام طفیل بن سنجرہ بیان کیا گیا ہے اور ان کے صلب سے جو بیٹا پیدا ہوا اس کا نام طفیل کے بجائے عبداللہ دیا گیا ہے۔

ساتھ مکہ آکر سکونت پذیر ہوئیں۔ عبداللہ کے صلب سے ان کے ہاں ایک بیٹا پیدا ہوا جس کا نام طفیل رکھا گیا۔ کچھ عرصہ بعد عبداللہ بن حارث نے وفات پائی اور اُمِ رُومانؓ بے سہارا رہ گئیں چونکہ عبداللہ اپنی زندگی میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کے حلیف بن گئے تھے اس لئے ان کے انتقال کے چند ماہ بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اُمِ رومانؓ سے خود نکاح کر لیا، صدیقِ اکبرؓ کے صُلب سے اُمِ رومان کے ہاں حضرت عائشہ صدیقہ اور حضرت عبدالرحمٰنؓ بن ابی بکرؓ پیدا ہوئے جو تاریخ اسلام کی نہایت درخشندہ ہستیاں ہیں۔

بعثت کے بعد سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوتِ حق کا آغاز فرمایا تو حضرت ابوبکر صدیقؓ ان چار عظیم المرتبت ہستیوں میں سے ایک تھے جنہوں نے سب سے پہلے لوائے توحید کو تھاما (یعنی اُمّ المؤمنین حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ، حضرت علی کرم اللہ وجہ، حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت زیدؓ بن حارثہ) حضرت اُمِ رومانؓ کو حضرت ابوبکر صدیقؓ کے اسلام کا حال معلوم ہوا تو انہوں نے بھی بلا تامل ان کی تقلید کی اور یوں سابقون الاوّلون کی مقدس جماعت میں شامل ہو گئیں۔

سفرِ ہجرت میں صدیقِ اکبرؓ کو رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت کا عظیم الشان شرف حاصل ہوا۔ مکہ سے چلتے وقت انہوں نے بھی حضورؐ کی پیروی کرتے ہوئے اپنے اہل وعیال کو اللہ کے بھروسے پر دشمنوں کے درمیان چھوڑ دیا۔ جب مدینہ پہنچ کر کچھ اطمینان ہوا تو حضورؐ نے حضرت زیدؓ بن حارثہ اور حضرت ابورافعؓ کو اپنے اہل وعیال لانے کے لئے مکے بھیجا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ان کے ہمراہ عبداللہ بن اُریقط[1] کو اپنے صاحبزادے حضرت عبداللہؓ کے نام خط دے کر بھیجا کہ وہ بھی اُمِ رومانؓ، اسماءؓ اور عائشہؓ کو اپنے ہمراہ مدینہ منورہ لے آئیں۔ چنانچہ حضرت اُمِ رومانؓ حضرت اسماءؓ اور حضرت عائشہ صدیقہؓ حضرت عبداللہ بن ابی بکرؓ کے ہمراہ مکہ معظمہ سے روانہ ہوئیں۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ سفرِ ہجرت میں جب ہم لوگ بیداء کے مقام پر پہنچے تو میرا اونٹ بدک گیا، میں اور میری والدہ اُمِ رومان اس کے ہودج میں بیٹھی ہوئی تھیں، اُونٹ نے کود پھلانگ شروع کی تو میری ماں بہت مضطرب ہوئیں اور انہوں نے یہ کہنا شروع کر دیا "ہائے میری بیٹی ہائے میری دلہن" بارے اللہ نے خیر کی، اونٹ پکڑا گیا اور ہم لوگ خیریت سے مدینہ منورہ پہنچ گئے۔

مدینہ منورہ میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کے اہل وعیال نے بنو حارث بن خزرج کے محلے میں قیام کیا جہاں

---

[1] عبداللہ بن اُریقط تاریخ اسلام کی ایک حیرت انگیز شخصیت ہے اس کا تعلق بنی الدّیل سے تھا اور مختلف مقامات کو ایک دوسرے سے ملانے والے راستوں سے ماہرانہ واقفیت رکھتا تھا۔ سفرِ ہجرت میں اسی نے مکہ سے مدینہ تک الہجرت پر راہ نمائی کی خدمت انجام دی۔ یہ شخص اگرچہ شرفِ اسلام سے بہرہ ور نہ ہوا لیکن اس نے اپنے آپ کو محیّر العقول اعتماد کا اہل ثابت کیا۔ مشرکینِ قریش نے حضورؐ کی مخبری کرنے کے لئے گرانقدر انعام کا اعلان کر رکھا تھا لیکن اس نے اسے ٹھکرا دیا اور کسی کے کان میں سفرِ ہجرت کے پُرخطر راز کی بھنک تک نہ پڑنے دی۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ایک مکان پہلے ہی سے لے رکھا تھا۔

(۳)

سنہ۶ھ ہجری میں افک کا افسوسناک واقعہ پیش آیا جس میں حضرت عائشہ صدیقہؓ پر منافقین مدینہ کی سازش سے ناپاک تہمت لگائی گئی۔ واقعہ کی صورت کچھ ایسی تھی کہ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی طبع مبارک بھی پُرملال ہوگئی، حضرت عائشہ صدیقہؓ کے لئے اپنے آقاؐ کا ملال قیامت سے کم نہ تھا۔ دُکھیا بیٹیوں کی پناہ گاہ دامانِ مادر ہی ہوتی ہے۔ حضورؐ سے اجازت لے کر گرتی پڑتی اپنے والدین کے گھر پہنچیں یہ ایک دو منزلہ مکان تھا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ اوپر کی منزل میں تھے اور حضرت اُمّ رُومانؓ نچلی منزل میں بیٹھی تھیں۔ بیٹی کو اس حالت میں آتے دیکھ کر پوچھا "میری بچی خیر تو ہے، کیسے آئیں" حضرت عائشہؓ نے واقعہ بیان کیا۔ حضرت اُمّ رومانؓ ماں تھیں، دُکھ تو انہیں بھی بہت ہُوا لیکن حضرت عائشہؓ کا دل رکھنے کو کہا۔

"بیٹی گھبراؤ نہیں، جو عورت اپنے خاوند کو زیادہ محبوب ہوتی ہے اسے شوہر کی نظروں سے گرانے کے لئے ایسی باتیں بنائی جاتی ہیں"

حضرت عائشہؓ کے دل پر بنی ہوئی تھی۔ انہیں ماں کے جواب سے تسکین نہ ہوئی اور فرطِ الم سے ان کی چیخ نکل گئی۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ اپنی بچی کی چیخ سُن کر بالاخانے سے نیچے اترے، واقعہ سنا، رقیق القلب تو تھے ہی خود بھی رونے لگے۔ جب ذرا قرار آیا تو حضرت عائشہؓ سے کہا، بیٹی تم اپنے گھر جاؤ، ہم ابھی آتے ہیں۔

جب وہ چلی گئیں تو صدیق اکبرؓ اُمّ رومانؓ کو ہمراہ لے کر حضرت عائشہ صدیقہؓ کے ہاں پہنچے۔ اُمّ المؤمنین رنج والم کی شدت سے بخار میں مبتلا ہوگئی تھیں، حضرت اُمّ رومانؓ نے انہیں اپنی گود میں لٹا لیا۔ نمازِ عصر کے بعد سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم گھر تشریف لائے اور اس بہتان کے بارے میں حضرت عائشہؓ سے استفسار فرمایا۔ حضرت عائشہؓ نے ماں باپ کی طرف دیکھا اور کہا، آپ لوگ جواب دیں لیکن وہ دونوں رحمتِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے شیدائی تھے اپنے آقاؐ کو ملول دیکھ کر بیٹی کی حمایت کیسے کر سکتے تھے، کہنے لگے "ہم کیا کہہ سکتے ہیں" حضرت عائشہ صدیقہؓ نے عرض کی "یا رسول اللہ میں بالکل بے گناہ ہوں" آخر غیرتِ الٰہی جوش میں آئی اور اللہ تعالیٰ نے خود عائشہ صدیقہؓ کی طہارت کی گواہی بڑے پُرزور الفاظ میں دی۔ ارشاد ہُوا۔

"جب تم نے یہ سنا تو مؤمن مردوں اور مؤمنہ عورتوں کی نسبت نیک گمان کیوں نہیں کیا اور کیوں نہ کہا کہ یہ صریح تہمت ہے۔ (سورۂ نور)

آیت برأت کے نزول سے حضرت اُمِ رومانؓ کو کمال درجے کی مسرت ہوئی اور حضرت عائشہ صدیقہؓ کا سر بھی فخر سے بلند ہوگیا۔ ماں نے بیٹی سے کہا "بیٹی اُٹھو اور اپنے شوہر کے قدم لو۔"

حضرت عائشہ صدیقہؓ نے ناز سے جواب دیا "میں تو صرف اپنے رب کی ممنون اور شکر گزار ہوں جس نے میری بے گناہی کی شہادت دی۔

(۴)

اسی سال کے آخر میں ایک اور یادگار واقعہ پیش آیا، حضرت ابوبکر صدیقؓ اصحاب صُفّہ میں سے تین بزرگوں کو اپنے گھر بطور مہمان لائے۔ انہیں وہاں چھوڑ کر سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں تشریف لے گئے وہاں کچھ زیادہ دیر ہوگئی، گھر واپس آئے تو حضرت اُمِ رُومانؓ نے پوچھا "مہمانوں کو یہاں چھوڑ کر آپ کہاں چلے گئے تھے؟"

حضرت ابوبکرؓ نے جواب دیا "میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں تھا تم مہمانوں کو کھانا کھلا دیتیں۔"

حضرت اُمِ رُومانؓ نے عرض کیا "میں نے انہیں کھانا بھجوایا تھا لیکن انہوں نے میزبان کی غیر حاضری میں کھانا تناول کرنا پسند نہیں کیا۔"

اب حضرت ابوبکر صدیقؓ خود کھانا لے کر گئے اور تینوں بزرگوں کو کھلایا اس کھانے میں اتنی برکت ہوئی کہ مہمانوں اور اہلِ خانہ کے سیر ہونے کے بعد بھی نہایت افراط سے بچ رہا۔ حضرت ابوبکرؓ نے اُمِ رومان سے پوچھا "کتنا کھانا باقی بچ گیا۔"

انہوں نے کہا "تین گنے سے بھی زیادہ۔"

صدیق اکبرؓ نے یہ سارا کھانا اٹھوا کر سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھجوا دیا۔

حضرت اُمِ رُومانؓ کے سالِ وفات کے بارے میں مؤرخین میں اختلاف ہے کسی نے ۴ھ لکھا ہے کسی نے ۵ھ اور بعض نے ۶ھ اور ۹ھ بیان کیا ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے اصابہ میں قوی دلائل سے ثابت کیا ہے کہ حضرت اُمِ رُومانؓ کی وفات ۹ھ ہجری سے پہلے نہیں ہوئی چنانچہ جمہور اہلِ سِیَر نے اسی روایت کو ترجیح دی ہے۔ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت اُمِ رومانؓ کی بہت عزت کرتے تھے۔ چنانچہ ان کی تدفین کے لئے حضور خود قبر میں اترے اور ان کے لئے مغفرت کی دعا کی۔

علامہ ابنِ سعدؒ نے حضرت اُمِ رومانؓ کے بارے میں یہ الفاظ لکھے ہیں۔

کانت اُمِ رُومان امراۃً صالحۃ (اُمِ رُومان بہت نیک خاتون تھیں۔)

رضی اللہ تعالیٰ عنہا

طالب ہاشمی

حضرت عبداللہ بن ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(۱)

رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے صدیق اکبرؓ کی معیت میں ہجرت کے مبارک سفر کا آغاز فرمایا تو پہلے تین شب و روز آپ غارِ ثور میں تشریف فرما رہے۔ اس دوران میں ہر روز جب شب کا اندھیرا گہرا ہو جاتا تو کسرتی بدن کے ایک خوبرو نوجوان حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور قریشِ مکہ کی دن بھر کی تمام کارروائیوں سے آپ کو مطلع کرتے اور پھر وہیں غار میں پڑ رہتے۔ آخر شب میں چپکے سے اُٹھتے اور مکہ جا کر قریش میں گھل مل جاتے۔ یہ ایسا نازک موقع تھا کہ اگر مشرکینِ مکہ کو اس نوجوان پر مخبری کا ذرا سا شبہ بھی ہو جاتا تو شاید وہ اُن کو زندہ نہ چھوڑتے۔ یہ سعادت مند نوجوان جنہوں نے ہجرت کے موقع پر اپنی جان جوکھوں میں ڈال کر سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اعانت و خدمت کی حضرت ابوبکر صدیقؓ کے لختِ جگر حضرت عبداللہؓ تھے۔

(۲)

حضرت عبداللہ بن ابوبکر صدیق (بن ابی قحافہ عثمان بن عامر بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم بن کعب بن لوی بن غالب) ذات النطاقین حضرت اسماءؓ بنت ابوبکر صدیق کے برادرِ حقیقی تھے۔ ماں کا نام قتیلہ (مصغر) بنت عبد العزیٰ تھا جو قبیلہ بنی عامر بن لوی سے تھیں وہ اسلام سے مشرف نہیں ہوئیں اور اسی وجہ سے حضرت ابوبکر صدیقؓ نے انہیں طلاق دی۔ اہلِ سیر نے حضرت عبداللہؓ کے سالِ ولادت کی تصریح نہیں کی لیکن اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ ہجرتِ نبوی کے وقت وہ نوجوان تھے اور شرفِ اسلام سے بہرہ ور ہو چکے تھے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے بڑے فرزند حضرت عبدالرحمٰنؓ تو صلح حدیبیہ تک کفر و شرک کی بھول بھلیوں میں بھٹکتے رہے لیکن چھوٹے حضرت عبداللہؓ کو یہ سعادت نصیب ہوئی کہ

اوائلِ بعثت ہی میں بادۂ توحید سے مخمور ہو گئے اور یوں سابقون الاوّلون کی مقدس جماعت میں شمار ہوئے۔ وہ بڑے ہوشیار اور زود فہم نوجوان تھے۔ ہجرت کے سفر پر روانہ ہونے سے پہلے حضرت ابوبکر صدیقؓ نے انہیں تاکید فرمائی کہ وہ قریش کے ارادوں اور مشوروں سے انہیں برابر آگاہ کرتے رہیں۔ حضرت عبداللہؓ نے یہ خدمت بخوشی اپنے ذمہ لی اور اس کو بطریقِ احسن بڑی رازداری کے ساتھ نباہا۔ وہ دن بھر مشرکین قریش کے منصوبوں کا کھوج لگایا کرتے اور رات کو غارِ ثور میں پہنچ کر تمام خبروں سے سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کو آگاہ کر دیتے اور پھر وہیں سو جاتے طلوعِ فجر سے پہلے اٹھ کھڑے ہوتے اور خاموشی سے مکہ واپس آجاتے۔

ایک روایت میں ہے کہ وہ روزانہ رات کو سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور اپنے والدِ ماجد کے لئے کھانا بھی ساتھ لے جاتے تھے۔ علامہ ابنِ اسحاق کا بیان ہے کہ حضرت اسماءؓ ہر رات حضور اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کو تازہ کھانا بھی پہنچاتی رہیں۔ اس روایت سے بعض علماء نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ حضرت اسماءؓ خود کھانا لے کر جاتی تھیں اور بعض نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ وہ اپنے بھائی عبداللہ کے ہاتھ کھانا بھیجتی تھیں۔ مدینہ منورہ پہنچنے کے کچھ عرصہ بعد رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زیدؓ بن حارثہ اور حضرت ابورافعؓ کو مکے بھیجا تاکہ وہ آپ کے اہل وعیال اور متعلقین کو وہاں سے مدینہ منورہ لے آئیں۔ ان دونوں کے ساتھ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے عبداللہ بن اُریقط کو اپنے فرزند عبداللہؓ کے نام خط دے کر بھیجا کہ وہ بھی اپنی (سوتیلی) والدہ اُمِّ رومانؓ اور بہنوں (حضرت اسماءؓ اور حضرت عائشہ صدیقہؓ) کو لے آئیں۔ چنانچہ حضرت زیدؓ بن حارثہ اُمّ المومنین حضرت سودہؓ، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دو صاحبزادیوں حضرت فاطمۃ الزہراؓ اور حضرت اُمِّ کلثومؓ کو اور اپنی اہلیہ حضرت اُمِّ ایمنؓ اور فرزند اُسامہؓ کو لے آئے اور حضرت عبداللہؓ حضرت اُمِّ رومانؓ، حضرت اسماءؓ اور حضرت عائشہ صدیقہؓ کو ساتھ لے کر مدینہ منورہ پہنچے۔ صحیح بخاری اور مسند ابوداؤد میں ہے کہ حضورؐ کے اہل وعیال مسجد نبوی سے ملحقہ نوتعمیر حجروں میں فروکش ہوئے اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کے اہل وعیال نے بنو حارث بن خزرج کے محلہ میں حضرت حارثہؓ بن نعمان انصاری کے مکان میں قیام کیا۔

(۳)

حضرت عبداللہؓ بن ابوبکرؓ کی شادی جلیل القدر صحابی حضرت سعید بن زیدؓ کی ہمشیرہ عاتکہؓ بنت زید بن عمرو بن نفیل سے ہوئی تھی۔ وہ شرفِ صحابیت سے بہرہ ور تھیں اور نہایت حسین وجمیل اور عاقلہ وفاضلہ خاتون تھیں۔ ابن اثیر جزری نے اُسد الغابہ میں لکھا ہے کہ حضرت عبداللہؓ کو ان سے اس قدر محبت تھی کہ ان کے عشق میں جہاد تک کو ترک کر دیا تھا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ ان کے ترکِ جہاد سے سخت آزردہ تھے چونکہ حضرت عاتکہؓ نے حضرت عبداللہ کو جہاد پر جانے پر مجبور نہیں کیا تھا اس لئے حضرت ابوبکر صدیقؓ نے

حضرت عبداللہؓ کو حکم دیا کہ وہ عاتکہؓ کو طلاق دے دیں پہلے تو وہ کچھ عرصہ ٹالتے رہے لیکن جب والدِ ماجد کی طرف سے سخت اصرار ہوا تو انہوں نے اطاعتِ والدین کے حکمِ الہٰی کے مطابق طلاق دے دی اور یہ اشعار کہے۔

اعاتك لا انساك ماذر شارق وما ناح قمری الحمام المطوق

(اے عاتکہ جب تک سورج چمکتا اور قمری بولتی رہے گی میں تجھے نہ بھولوں گا)

اعاتك قلبی کل یوم و لیلة الیك بما تخفی النفوس معلق

(اے عاتکہ میرا دل شب و روز، بصد ہزار تمنا و شوق تجھ سے لگا ہوا ہے)

ولم ار مثلی طلق الیوم مثلها ولا مثلها فی غیر جرم تطلق

(مجھ جیسے آدمی نے اس جیسی خاتون کو کبھی طلاق نہ دی ہو گی اور نہ اس جیسی خاتون کو بغیر گناہ طلاق دی جاتی)

حضرت ابو بکر صدیقؓ بڑے رقیق القلب تھے وہ ان اشعار سے بہت متاثر ہوئے اور انہوں نے حضرت عبداللہؓ کو رجعت کرنے کی اجازت دے دی۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ فتحِ مکہ (رمضان ۸ھ) سے کچھ پہلے کا ہے کیونکہ کئی ارباب سیر نے لکھا ہے کہ حضرت عبداللہؓ نے فتح مکہ اور حنین و طائف کے غزوات میں شرکت کی۔ طائف کے محاصرے کے دوران میں ایک دن وہ دشمن کی طرف سے آنے والے ایک تیر سے سخت زخمی ہو گئے (کہا جاتا ہے کہ یہ تیر ابو محجن ثقفی نے چلایا تھا) اگرچہ یہ زخم بظاہر مندمل ہو گیا لیکن تیر کا زہر اندر ہی اندر کام کرتا رہا۔ چنانچہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے کچھ عرصہ بعد شوال ۱۱ھ میں زخم عود کر آیا اور اسی کے صدمہ سے حضرت عبداللہؓ نے وفات پائی۔ انہوں نے اپنے پیچھے کوئی اولاد نہیں چھوڑی۔ ایک روایت میں ہے کہ ایک چادر حضورؐ کے کفن مبارک سے بچ گئی تھی۔ حضرت عبداللہؓ نے اس کو سات دینار دے کر بخیالِ تبرک اپنے کفن کے لئے خرید لیا تھا لیکن جب ان کی وفات کا وقت قریب آیا تو انہوں نے وصیت کی کہ اب اس چادر میں مجھ کو نہ کفنانا کیونکہ اس چادر میں کچھ بہتری ہوتی تو سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم ضرور اس میں مکفون ہوتے ۔۔۔ حضرت عبداللہؓ کی نمازِ جنازہ صدیقِ اکبرؓ نے پڑھائی، حضرت عبدالرحمٰنؓ بن ابی بکر حضرت عمر فاروقؓ اور حضرت طلحہؓ بن عبیداللہ قبر میں اترے اور ظہر کی نماز کے بعد خلیفۃ الرسولؐ کے لختِ جگر کو سپردِ خاک کر دیا۔ چونکہ حضرت عبداللہؓ طائف کے غزوے میں لگنے والے زخم کی وجہ سے فوت ہوئے تھے اس لئے بعض اہلِ سیر نے انہیں شہدائے طائف میں شمار کیا ہے ۔۔۔ حضرت عاتکہؓ کو اپنے محبوب خاوند کی وفات سے سخت صدمہ پہنچا اور انہوں نے ایک پُر درد مرثیہ کہا جس کے کچھ اشعار یہ ہیں۔

الیت لا ینفك عینی حزینة علیك ولا ینفك جلدی اغبرا

للہ عیناً من رای مثلہ فتی اکر و احمی فی الھیاج و اصبرا

اذا شرعت فیه الاسنة خاضھا الی الموت حتی یترك الموت احمرا

(قسم کھا کر کہتی ہوں کہ تیرے غم میں میری آنکھ روئے گی اور میرا جسم غبار آلود رہے گا

زہے قسمت اس آنکھ کی جس نے تجھ جیسا جنگجو اور ثابت قدم جوان دیکھا)

اس پر تیر برستے تو ان کی بوچھاڑ میں گھستا ہوا وہ اس وقت تک موت کی طرف چلتا رہتا جب تک کہ خون کی ندیاں نہ بہا لیتا)

سیرت اور تاریخ کی کتابوں میں حضرت عبد اللہؓ بن ابی بکرؓ کے حالاتِ زندگی بہت کم ملتے ہیں۔ شاید اس کا سبب یہ ہو کہ وہ عہدِ رسالت کے بیشتر غزوات میں شریک نہ ہو سکے۔ تاہم ان کی زندگی کے بعض پہلو بڑی فضیلت کے حامل ہیں۔ انہیں نہ صرف سبقت فی الاسلام اور ہجرت کا شرف حاصل ہوا بلکہ ہجرتِ نبوی کے موقع پر انہوں نے آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کی خاطر جس طرح اپنی جان کو خطرے میں ڈالا، اس سعادت میں بہت کم صحابہ ان کے شریک و سہیم ہیں۔ فتحِ مکہ کے موقع پر وہ ان دس ہزار مجاہدوں میں سے ایک تھے جو رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم رکاب تھے اور جنہیں سینکڑوں سال پہلے کتابِ استثنا کی پیشین گوئی میں قدسی کہہ کر پکارا گیا تھا۔ اس کے بعد انہوں نے حُنین اور طائف کے غزووں میں جانبازانہ شرکت کر کے مجاہد فی سبیل اللہ ہونے کا شرف بھی حاصل کر لیا۔ بعض روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت عبد اللہؓ لکھنا پڑھنا جانتے تھے اور شعر و شاعری میں بھی درک رکھتے تھے۔ اپنے عظیم المرتبت والدِ گرامی کے بے حد اطاعت گزار تھے۔ یہاں تک کہ ان کے حکم پر اپنی "دل و جان سے عزیز" بیوی کو طلاق دے دی۔ جس مردِ حق کی نمازِ جنازہ انبیاء علیہم السلام کے بعد دنیا کی افضل ترین ہستی نے پڑھائی ہو اور جس کو فاروقِ اعظمؓ اور طلحۃ الخیرؓ۔ صاحبِ اُحُد جیسی ہستیوں نے ابدی آرام گاہ میں لٹایا ہو اس کی جلالتِ قدر میں کیا کلام ہو سکتا ہے۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

طالب ہاشمی

حضرت عبدالرحمٰن ابن ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(۱)

پہلی صدی ہجری کے چھٹے عشرے کے ایک موسم حج کا ذکر ہے کہ اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ حج بیت اللہ کے لئے مدینہ منورہ سے مکہ معظمہ آئیں۔ اپنے قیامِ مکہ کے دوران میں وہ ایک دن قبرستان تشریف لے گئیں۔ جونہی ایک قبر کے قریب پہنچیں، جوشِ گریہ سے بے تاب ہوگئیں اور زار زار رونے لگیں اس وقت ان کی زبان پر بے اختیار یہ شعر جاری ہو گئے:-

وَكُنَّا كَنَدْمَانَيْ جَذِيمَةَ حِقْبَةً   مِنَ الدَّهْرِ حَتَّى قِيلَ لَنْ يَتَصَدَّعَا

(ہم دونوں جذیمہ (بادشاہ) کے مصاحبوں کی طرح مدت تک ایک ساتھ رہے یہاں تک کہ لوگ کہنے لگے یہ اب ہرگز ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گے)

فَلَمَّا تَفَرَّقْنَا كَأَنِّي وَمَالِكًا   لِطُولِ اجْتِمَاعٍ لَمْ نَبِتْ لَيْلَةً مَعًا

(پھر جب ہم جدا ہو گئے تو گویا میں نے اور مالک نے عرصۂ رفاقت کی درازی کے باوجود ایک رات بھی ساتھ نہیں گزاری) [۱]

---

[۱] یہ عرب کے مشہور شاعر متممؓ بن نویرہ کے ایک مرثیہ کے شعر ہیں۔ جو انہوں نے اپنے محبوب بھائی مالک بن نویرہ کے قتل پر کہے تھے۔ مالک حضرت ابوبکر صدیقؓ کے عہد خلافت میں فتنۂ ارتداد سے متاثر ہو گیا تھا۔ اگرچہ کچھ مدت بعد وہ پھر اسلام کا دم بھرنے لگا۔ لیکن حضرت خالدؓ بن ولید نے اسے ارتداد کے شبہ میں گرفتار کر لیا، حضرت خالدؓ کے دستے میں حضرت ضرارؓ بن ازور بھی شامل تھے، وہ مالک کی نگرانی پر مامور ہوئے، رات کو انہوں نے غلط فہمی کی بنا پر مالک کو قتل کر دیا۔ اس معاملے نے بڑا طول کھینچا اور حضرت خالدؓ کے خلاف دربار خلافت تک شکایت پہنچی حضرت خالدؓ نے صدیق اکبرؓ کی خدمت میں پہنچ کر سارا واقعہ عرض کیا تو انہوں نے حضرت خالدؓ کا عذر قبول کر لیا۔ مالک کے بھائی متمم کو اس سے بڑی محبت تھی۔ انہوں نے اس واقعہ پر ایسے دلدوز مرثیے کہے کہ جو سنتا رو دیتا۔ ایک مرتبہ وہ حضرت عمر فاروقؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے ان سے مرثیہ سننے کی خواہش کی جب متمم نے یہ شعر پڑھے تو حضرت عمرؓ آبدیدہ ہو گئے اور فرمایا "کاش میں بھی (باقی اگلے صفحہ پر)

پھر وہ رقت انگیز لہجے میں فرمانے لگیں۔ "اے صاحبِ قبر! جب تم اپنی جان جان آفریں کے سپرد کر رہے تھے اگر اس وقت میں تمہارے پاس موجود ہوتی تو واللہ اس قدر نہ روتی اور تمہیں اسی جگہ سپردِ خاک کرتی، جہاں تم نے وفات پائی تھی۔"

یہ صاحبِ قبر جن کی یاد نے اُمت کی جلیل القدر ماں صدیقہ حمیراؓ بنت الصدیقؓ کو بے قرار کر دیا۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ بن ابوبکر صدیقؓ تھے، اُم المومنینؓ کے حقیقی برادرِ بزرگ اور حق کے ایک سرفروش سپاہی ــ

(۲)

سیدنا ابوعبداللہ عبدالرحمٰنؓ کے حسب و نسب کے لئے یہی شرف کافی ہے کہ وہ افضل البشر بعد الانبیاء بالتحقیق سیدنا حضرت ابوبکر صدیقؓ کے فرزندِ ارجمند تھے۔ نسب نامہ یہ ہے۔ عبدالرحمٰنؓ بن ابوبکر صدیقؓ بن ابوقحافہ عثمانؓ بن عامر بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم بن مرہ بن کعب بن لوئی القرشی۔ والدہ کا نام ام رومانؓ تھا جو جلیل القدر صحابیہ تھیں، اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ بھی انہی کے بطن سے تھیں اس لحاظ سے حضرت عبدالرحمٰنؓ اور اُم المؤمنینؓ حقیقی بھائی بہن تھے۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت عبدالرحمٰنؓ کا اصل نام عبدالکعبہ تھا جسے ان کے قبولِ اسلام کے بعد سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بدل کر عبدالرحمٰن کر دیا۔

کاشانۂ صدیق اکبرؓ وہ برجِ سعادت تھا جسے آفتابِ اسلام کی ضیاء باری نے سب سے پہلے منور کیا لیکن خدا کی قدرت کہ حضرت عبدالرحمٰن سبقت فی الاسلام سے سعادت اندوز نہ ہو سکے۔ اور صلح حدیبیہ تک کفر و شرک کی بھول بھلیوں میں بھٹکتے رہے۔ معلوم نہیں وہ کیا اسباب تھے کہ ان کے دل میں قریش کے آبائی مذہب کی محبت اِس بری طرح جاگزین ہو گئی تھی کہ انہیں اپنے جلیل القدر والدین کا تقدم فی الاسلام اور اخلاصِ عمل بھی متاثر نہ کر سکا یہاں تک غزوۂ بدر (۲ھ ہجری) میں وہ لشکرِ باطل میں شامل ہو کر حق سے لڑنے گئے۔ صدیق اکبرؓ نے انہیں لشکرِ قریش کی طرف سے مسلمانوں کو دعوتِ مبارزت دیتے دیکھا تو فرطِ غضب سے بے تاب ہو گئے اور پکار کر کہا۔ "او پلید میرے حقوق کیا ہوئے۔" وہ جواب کیا دیتے آئیں بائیں شائیں کر کے رہ گئے۔ مستدرک حاکم میں ہے کہ صدیق اکبرؓ نے خود ان کے مقابلے پر جانا چاہا لیکن رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے باپ کو بیٹے سے نبرد آزما ہونے کی اجازت نہ دی۔ کہا جاتا ہے کہ اسلام لانے کے بعد ایک مرتبہ حضرت عبدالرحمٰنؓ نے اپنے والدِ گرامیؓ سے کہا کہ غزوۂ بدر میں ایک موقع پر آپ میری تلوار کی زد پر آگئے تھے لیکن میں نے حقِ پدری کا لحاظ کر کے چھوڑ دیا، صدیقِ اکبرؓ نے فرمایا "بیٹے اگر اس دن تو میری تلوار کی زد پر آجاتا تو خدا کی قسم میں تجھے کبھی نہ چھوڑتا۔" یہ ایمان افروز واقعہ حافظ محمد اسلم جیراج پوری مرحوم نے اس طرح نظم کیا ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۔) مرثیہ کہہ سکتا تو اپنے بھائی زیدؓ بن خطاب کا مرثیہ کہتا۔" متمم نے عرض کیا۔" امیر المومنین اگر میرا بھائی زیدؓ کی طرح لڑ کر شہید ہو جاتا تو میں ہرگز اس پر مرثیہ خواں نہ ہوتا۔" حضرت عمرؓ فرمایا کرتے تھے کہ متمم نے جس طرح میری تعزیت کی، کسی نے نہیں کی۔

پسرِ حضرتِ صدیق وہ عبدالرحمٰنؓ — جو کہ تقویٰ میں تھے بےمثل شجاعت میں مثل
مصر اور شام کی جنگوں میں جو جو کام کیے — زینتِ صفحۂ تاریخ ہیں ان کے وہ عمل
ہاتھ میں تیغ تھی یا برق پڑے خرمنِ کفر — دیکھ کے دل جسے کفار کے جاتے تھے دہل
سطوتِ حق کا زمانہ پہ بٹھایا سکہ — چمنِ دہر سے باطل کو کیا مستاصل
بدر تک ان کو نہ اسلام پہ آیا تھا یقیں — تھے شریکِ صفِ اعدائے جنگ و جدل
بعد ازاں لائے جب اسلام وہ والا گوہر — نورِ توفیقِ الٰہی نے دکھائی مشعل
بزمِ اصحابِ رسولِ عربیؐ میں اک روز — غزوۂ بدر کا کچھ تذکرہ آیا جو نکل
بولے یہ حضرتِ صدیقؓ سے عبدالرحمٰنؓ — حملہ آور جو ہوئی بدر میں صفِ اوّل
ایک بار آپ وہاں آ گئے میری زد پر — سخت موقع تھا جو نیت میں کہیں آئے خلل
پاسِ ناموسِ حقوقِ پدری نے روکا — دوسری سمت کو رُخ اپنا لیا میں نے بدل
سُن کے یہ حضرتِ صدیقؓ نے ارشاد کیا — راہِ حق میں نہیں رشتہ کی رعایت کا محل
تو مری زد پہ جو آتا تو نہ بچ کر جاتا — یہ مری تیغ تھی تیرے لیے پیغامِ اجل

دشمنِ حق سے مسلماں کی قرابت کیسی
اس کا رشتہ ہے فقط حُبِّ خدا عزّ وجلّ

غزوۂ بدر کے بعد حضرت عبدالرحمٰنؓ غزوۂ اُحد میں بھی مشرکینِ مکہ کے ساتھ تھے۔ غرض سالہا سال تک ان کی زندگی کے یہی لیل و نہار رہے یہاں تک کہ صلح حدیبیہ (ذی قعدہ ۶ھ) کے موقع پر ان کے نہاں خانۂ دل سے کفر و شرک کا زنگ یکسر کافور ہو گیا اور وہ مشرف بہ اسلام ہو کر حق کے ایک جانباز سپاہی بن گئے۔

(۳)

اپنے فرزندِ اکبر کے قبولِ اسلام سے صدیقِ اکبرؓ کو کمال درجے کی مسرت ہوئی۔ انہوں نے حضرت عبدالرحمٰنؓ کو اپنے پاس مدینہ منورہ بلا لیا اور اپنا ذاتی کاروبار اور گھر کا سارا انتظام ان کے سپرد کر دیا۔ وہ یہ تمام امور بڑی خوش اسلوبی سے انجام دیتے تھے اور والدِ گرامی کی مرضی و منشاء کو ہر معاملے میں پوری طرح ملحوظ رکھتے تھے،.... صدیقِ اکبرؓ کو کبھی کبھی غصہ آجاتا تھا لیکن حضرت عبدالرحمٰنؓ بڑے تحمل اور بُردباری کے ساتھ والدِ گرامی کی جھڑکیاں سہتے تھے اور کبھی اُف تک نہ کرتے تھے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ ایک مرتبہ رات کو چند اصحابِ صُفّہؓ صدیقِ اکبر کے ہاں مہمان تھے۔ کھانے سے کچھ دیر پہلے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو بارگاہ رسالت میں کوئی ضروری کام پیش آگیا۔ گھر سے چلنے لگے تو حضرت عبدالرحمٰنؓ کو ہدایت فرمائی کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں جا رہا ہوں، تم میرے واپس آنے سے پہلے مہمانانِ عزیز کو کھانا کھلا دینا مبادا میری واپسی میں دیر ہو جائے اور انہیں تکلیف ہو۔

حضرت عبدالرحمٰنؓ نے والدِ گرامی کے حکم کے مطابق مہمانوں کے سامنے کھانا رکھا تو انہوں نے اس بنا پر اس کے کھانے میں عذر کیا کہ صاحبِ خانہ موجود نہیں ہیں۔ صدیق اکبرؓ بڑی دیر کے بعد واپس تشریف لائے تو معلوم ہوا کہ مہمان ابھی تک بھوکے بیٹھے ہیں۔ انہوں نے خیال کیا کہ عبدالرحمٰنؓ سے مہمانوں کو کھانا کھلانے میں کوتاہی ہوئی ہے۔ غضبناک ہو کر انہیں بُرا بھلا کہنے لگے اور قسم کھائی کہ اب یہ بھی کھانے میں شریک نہ ہوگا اور اسے بھوکا رہنا ہوگا، حضرت عبدالرحمٰنؓ والدِ گرامیؓ کے غصہ سے بہت ڈرتے تھے اس لئے ان کے سامنے سے ہٹ گئے تھے۔ جب معلوم ہوا کہ انہیں یونہی قصور وار ٹھہرایا جا رہا ہے تو سامنے آ کر نہایت ادب سے عرض کی۔ "اباجان میں نے آپ کے حکم کی تعمیل میں مہمانوں کے سامنے کھانا پیش کیا تھا لیکن میرے بے حد زور دینے کے باوجود انہوں نے آپ کی عدم موجودگی میں کھانے سے انکار کر دیا"

مہمانوں نے حضرت عبدالرحمٰنؓ کی تصدیق کی اور کہا "خدا کی قسم ان کا مطلق کوئی قصور نہیں اس لیے جب تک یہ کھانا نہیں کھائیں گے ہم بھی نہیں کھائیں گے"۔ اب حضرت صدیق اکبرؓ کا غصہ دور ہوا اور سب نے مل کر کھانا کھایا۔

حضرت عبدالرحمٰنؓ کا اپنا بیان ہے کہ اس روز کھانے میں اس قدر برکت ہوئی کہ ہم لوگوں نے خوب سیر ہو کر کھایا لیکن پھر بھی کافی بچ رہا چنانچہ میں اس میں سے کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھی لے کر حاضر ہوا۔ جسے آپؐ نے اور وہاں پر موجود بہت سے صحابہؓ نے بھی تناول فرمایا۔

رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور عظیم المرتبت والد کی سرپرستی اور فیض صحبت نے حضرت عبدالرحمٰنؓ کو ایک مثالی مسلمان بنا دیا اور وہ راست بازی، زہد و اتقا اور خلوص و ایثار جیسے اوصاف و محاسن کا پیکرِ جمیل بن گئے۔ اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ اگرچہ عمر میں ان سے چھوٹی تھیں لیکن دینی لحاظ سے ان کا مرتبہ کہیں بلند تھا چنانچہ دینی امور میں وہ ہمیشہ حضرت عبدالرحمٰنؓ کی رہنمائی کرتی رہتی تھیں۔ مسندِ احمد حنبل میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عبدالرحمٰنؓ نے اُمّ المؤمنینؓ کے سامنے جلدی جلدی وضو کیا، اُمّ المؤمنین کو شک گزرا کہ ان کے سارے اعضا نہیں بھیگے فوراً ٹوکا۔ "عبدالرحمٰن اچھی طرح وضو کرو، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ وضو میں جو عضو تر نہ ہوگا اس پر جہنم کی پھٹکار ہوگی"۔ چنانچہ اس کے بعد وہ وضو کرتے وقت ہمیشہ حضورؐ کا یہ ارشاد پیشِ نظر رکھتے تھے۔

(۴)

شجاعت و بسالت حضرت عبدالرحمٰنؓ کو اپنے جلیل القدر والد صدیق اکبرؓ سے ورثے میں ملی تھی، وہی صدیق اکبرؓ جنہیں اسد اللہ الغالب حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ان کی بے جگری اور دلاوری کی بنا پر "اشجع الناس" کا لقب دیا تھا۔ وہ تیر اندازی اور شمشیر زنی میں کمال درجے کی مہارت رکھتے تھے اور میدانِ رزم میں بپھرے ہوئے شیر کی طرح لڑتے تھے۔ حدیبیہ کے بعد وہ تمام غزواتِ نبوی (فتح، حنین، طائف اور تبوک) میں

مجاہدانہ شریک ہوئے اور ہر معرکے میں اپنی شجاعت اور استقامت کے جوہر دکھائے۔ ۱۱ھ میں رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے وصال فرمایا اور صدیق اکبرؓ سر براٰرائے خلافت ہوئے تو سارے عرب میں فتنۂ ارتداد کے شعلے بھڑک اٹھے، اس سلسلے کی سب سے خونریز جنگ مسیلمہ کذاب کے خلاف یمامہ میں لڑی گئی، حضرت عبدالرحمٰنؓ نے اس لڑائی میں حیرت انگیز شجاعت اور پامردی کا مظاہرہ کیا۔ دشمن کے سات زبردست جنگجو یکے بعد دیگرے ان کے تیروں سے جہنم واصل ہو گئے۔ اثنائے جنگ میں یمامہ کے قلعے کی دیوار میں ایک جگہ شگاف پڑ گیا تھا اور مسلمانوں کے لیے قلعہ میں گھسنے کا راستہ بن گیا تھا لیکن دشمن کا ایک سرگروہ جانباز محکم بن طفیل اپنے پیر جما کر اس شگاف میں کھڑا ہو گیا تھا اور کسی کو آگے نہیں بڑھنے دیتا تھا۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ نے تاک کر اس کے سینے میں ایسا تیر مارا کہ آناً فاناً ہلاک ہو گیا اور مسلمان ہلہ مار کر قلعے کے اندر داخل ہو گئے بالآخر حضرت عبدالرحمٰنؓ جیسے جانبازوں کی بدولت مسلمانوں کو فتح عظیم حاصل ہوئی۔

شام کی رومی سلطنت سے معرکہ آرائیوں کا سلسلہ شروع ہوا تو حضرت عبدالرحمٰنؓ شام جانے والے مجاہدین میں شامل ہو گئے اور کئی سال تک شام کی لڑائیوں میں بڑے جوش اور جذبہ کے ساتھ دادِ شجاعت دیتے رہے۔ انہوں نے ہر معرکے میں اپنی جرأت، بے جگری، بے خوفی اور بہادری کی دھاک بٹھا دی اور شجاعانِ عرب میں شمار کئے گئے۔ بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ وہ عرب کے ان چیدہ جنگجوؤں میں سے ایک تھے جنہیں ایک ہزار بہادروں کے برابر تسلیم کیا جاتا تھا۔

عہدِ فاروقی میں قنسرین کی خونیں جنگ میں حضرت عبدالرحمٰنؓ بھی شامل تھے۔ اس جنگ میں ایک موقع پر ایک خطرناک مہم کے لئے حضرت خالدؓ بن ولید نے دس آزمودہ کار شہسوار منتخب کئے تو ان میں سے ایک حضرت عبدالرحمٰنؓ تھے، اس مہم کی انجام دہی کے دوران میں ان شہسواروں کا دشمن کی ایک کثیر تعداد سے مقابلہ ہوا، حضرت عبدالرحمٰنؓ نے اس معرکے میں دشمن کے پانچ آدمی قتل کئے یہاں تک کہ غسانیوں کا بادشاہ جبلہ بن ایہم خود ان کے مقابلے کے لئے نکلا، جبلہ ایک نامی جنگجو تھا اور بالکل تازہ دم تھا، حضرت عبدالرحمٰنؓ پانچ آدمیوں سے لڑ کر تھک چکے تھے لیکن اس کے باوجود جبلہ کے مقابلے پر ڈٹ گئے۔ بڑی دیر تک دونوں میں نیزے اور تلوار کی لڑائی ہوتی رہی یہاں تک کہ دونوں شدید زخمی ہو گئے اور اپنے ہمراہیوں سے جا ملے۔

یرموک کی ہولناک جنگ کا شمار شام کی فیصلہ کن لڑائیوں میں ہوتا ہے۔ اس لڑائی میں حضرت عبدالرحمٰنؓ نے محیر العقول کارنامے انجام دئے۔ ایک موقع پر ساٹھ ہزار غسانی عربوں کے مقابلے کے لئے حضرت خالدؓ بن ولید نے صرف ساٹھ شہسوار منتخب کئے، حضرت عبدالرحمٰنؓ بھی ان ساٹھ شہسواروں میں شامل تھے، ان ساٹھ مجاہدوں نے گروہ بنا کر چھاپہ مار انداز سے لڑائی شروع کی اور ساٹھ ہزار کے ٹڈی دل کو ایسا زچ کیا کہ وہ شام تک ان ساٹھ سرفروشوں سے پناہ مانگ اٹھا، حضرت عبدالرحمٰنؓ، زبیرؓ بن العوام اور فضلؓ بن عباس تو دشمن کے ایک دستے کو مارتے رگیدتے اتنی دور نکل گئے کہ مسلمانوں کو ان کی شہادت کا خدشہ پیدا ہو گیا تاہم رات گئے وہ

بخریت اپنے لشکر میں واپس آ گئے۔

اسی جنگ میں ایک دوسرے موقع پر ایک مجاہد قیسؓ بن ہبیرہ کا مقابلہ ایک شہ زور رومی جنگجو سے ہو گیا، دونوں بڑی دیر تک ایک دوسرے سے لڑتے رہے معاً قیسؓ نے اپنی تلوار کا ایک بھرپور وار اپنے مدمقابل پر کیا جو اس کے خود پر پڑا اور ان کی تلوار دو ٹکڑے ہو گئی اب ان کے پاس ایک چھوٹے سے خنجر کے سوا کچھ نہ تھا اور ان کی زندگی سخت خطرے میں تھی۔ اس نازک لمحے میں حضرت عبدالرحمنؓ بجلی کی طرح اپنی صفوں سے نکلے اور قیسؓ کے پاس پہنچ کر انہیں ایک نئی تلوار تھما دی۔ رومی کی مدد کے لیے بھی اس کا ایک ساتھی پہنچ گیا، عبدالرحمنؓ اور قیسؓ نے آناً فاناً اپنے حریفوں کو جہنم رسید کر دیا۔ اس کے بعد عبدالرحمنؓ میدانِ جنگ میں کھڑے ہو کر رومیوں کو للکارنے لگے کہ کسی کو مجھ سے مبارزت کی ہمت ہے تو سامنے آئے جب کوئی ان کے سامنے نہ آیا تو وہ شیر کی طرح گرجتے ہوئے رومیوں کے دائیں بازو پر جا پڑے اور کئی رومیوں کو قتل کر کے اپنے لشکر میں واپس آئے اسی طرح کئی اور موقعوں پر انہوں نے بدیع المثال سرفروشی دکھائی اور اپنے آپ کو جنگِ یرموک کے ابطالِ خاص میں شمار ہونے کا مستحق ثابت کر دیا۔ اس کے بعد وہ بیت المقدس پر چڑھائی کرنے والے لشکر میں شامل ہوئے اور جب حضرت عمرؓ فاروق کی تشریف آوری کے بعد سرزمین بیت المقدس نے اپنی آغوش مجاہدینِ اسلام کے لئے وا کر دی تو وہ تسخیرِ حلب کے لئے جانے والی مہم میں شریک ہو گئے۔ حلب کی فتح کے لئے مسلمانوں کو بڑی جدوجہد کرنی پڑی کیونکہ اہلِ حلب قلعہ کے اندر محصور ہو کر عرصہ تک مسلمانوں کی مزاحمت کرتے رہے۔ اس دوران میں حضرت عبدالرحمنؓ نے کئی بار اپنے لشکر کی نگہبانی اور گشت کی خدمت انجام دی حلب فتح ہونے کے بعد وہ شام کے کئی اور معرکوں میں دادِ شجاعت دیتے رہے۔ ایک روایت کے مطابق انہوں نے مصر کی جنگوں میں بھی شرکت کی لیکن تاریخوں میں ان کے جہادِ مصر کی تفصیل نہیں ملتی۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خلافت کے آغاز میں جمل کی افسوسناک جنگ پیش آئی تو وہ اپنی ہمشیرہ حضرت عائشہ صدیقہؓ کے ساتھ تھے۔

(۵)

بعض روایتوں میں ہے کہ جب امیر معاویہؓ نے یزید کو ولی عہد نامزد کیا تو انہوں نے مروان بن الحکم والیٔ مدینہ کو خط لکھا کہ اہلِ کوفہ و شام یزید کی ولی عہدی پر رضامند ہیں۔ تم اہل مدینہ کو بھی اس کام پر آمادہ کرو، مروان نے یہ خط پہنچنے پر اہل مدینہ کے ایک اجتماع عام میں لوگوں کو یزید کی ولی عہدی تسلیم کرنے کی دعوت دی۔ اہلِ مدینہ نے مروان کی باتیں پسند نہ کیں، سب سے پہلے حضرت عبدالرحمنؓ اٹھے اور کڑک کر کہا۔ "تمہارا اور معاویہ کا یہ ارادہ ہے کہ امتِ محمدیہ میں رسمِ قیصری جاری کی جائے کہ ایک قیصر مر جائے تو اس کا بیٹا دوسرا قیصر بنے۔ خدا کی قسم اس طرح تو تم عامۃ المسلمین کو خلیفہ کے حقِ انتخاب سے محروم کر رہے ہو۔" اس واقعہ سے پہلے امیر معاویہؓ اور حضرت عبدالرحمنؓ کے باہمی تعلقات نہایت خوشگوار تھے۔ اس لئے مروان

ان کی بات سن کر سخت برہم ہوا اور ان کو گرفتار کرنا چاہا۔ وہ اپنی ہمشیرہ اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کے گھر میں داخل ہو گئے۔ مروان کو اندر گھسنے کی جرأت نہ ہوئی، دروازے کے باہر کھڑے ہو کر باواز بلند کہا "یہی وہ شخص ہے جس کے بارے میں قرآن کی یہ آیت نازل ہوئی وَالَّذِیْ قَالَ لِوَالِدَیْہِ اُفٍّ لَّکُمَآ (یعنی والدین کی اطاعت نہ کرنے پر خدا نے ان کی مذمت کی)۔ اُمّ المومنینؓ، مروان کی بات سن کر غضبناک ہو گئیں اور پردے کے پیچھے سے فرمایا: "ہم لوگوں کے بارے میں اللہ نے کوئی آیت نازل نہیں فرمائی بجز اس کے کہ میری برأت فرمائی۔ (صحیح بخاری تفسیر سورۂ احقاف)

علامہ ابن اثیر نے "اُسد الغابہ" میں لکھا ہے کہ اس موقع پر اُمّ المومنینؓ نے یہ الفاظ ارشاد فرمائے "خدا کی قسم۔ نہیں۔ یہ آیت عبدالرحمٰنؓ کے بارے میں نہیں ہے۔ اگر چاہو تو میں اس شخص کا نام بتا سکتی ہوں جس کی نسبت اس آیت میں اشارہ ہے۔" مروان سے کوئی جواب بن نہ پڑا اور چپ چاپ چلا گیا۔

حضرت عبدالرحمٰنؓ کا ساتھ حضرت حسینؓ بن علیؓ، عبداللہؓ بن عباسؓ، عبداللہؓ بن زبیرؓ اور کئی دوسرے بزرگوں نے بھی دیا۔ اس کے بعد امیر معاویہؓ خود مدینہ آئے اور مجمع عام میں بھی اور فرداً فرداً بھی ان اصحاب کو یزید کی بیعت کی دعوت دی لیکن وہ کسی صورت میں اس پر آمادہ نہ ہوئے۔

حافظ ابن عبدالبرؒ نے "الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب" میں لکھا ہے کہ امیر معاویہؓ نے حضرت عبدالرحمٰنؓ کی حمایت حاصل کرنے کے لئے انہیں ایک لاکھ درہم بھیجے لیکن حضرت عبدالرحمٰنؓ نے انہیں چھونا تک گوارا نہ کیا اور فرمایا "میں دین کو دنیا کے عوض نہیں بیچ سکتا۔"

اس واقعہ کے بعد حضرت عبدالرحمٰنؓ مدینہ منورہ کی سکونت ترک کر کے مکہ معظمہ سے دس میل کے فاصلے پر "حبشی یا حُبیشی" نام ایک پہاڑی مقام میں اقامت پذیر ہو گئے۔ وہیں ایک دن اچھے بھلے سوئے لیکن عالم خواب میں ہی پیغام اجل آ گیا۔ لوگوں نے مکہ معظمہ لا کر سپرد خاک کیا۔ صحیح بخاری کے مطابق یہ واقعہ ۵۸ھ میں پیش آیا لیکن بعض دوسری روایتوں میں ۵۳ھ یا بعض اور سنین بھی دئے گئے ہیں۔

اگر مروان والا واقعہ درست تسلیم کیا جائے تو پھر حضرت عبدالرحمٰنؓ کی وفات ۵۶ھ کے بعد ہی تسلیم کرنی پڑے گی کیونکہ امیر معاویہؓ نے یزید کو ۵۶ھ میں ولی عہد نامزد کیا تھا۔ یہاں اس بات کو بھی پیش نظر رکھنا ضروری ہے کہ خود حضرت عائشہ صدیقہؓ کی وفات رمضان ۵۸ھ ہجری میں ہوئی اگر انہوں نے موسم حج میں مکہ معظمہ جا کر بھائی کی قبر کی زیارت کی تو یہ حج یقیناً رمضان ۵۸ھ سے پہلے کا ہے اس لئے قیاس غالب یہی ہے کہ حضرت عبدالرحمٰنؓ نے ۵۶ھ اور ۵۸ھ کے درمیانی عرصے میں کسی وقت وفات پائی۔

اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کو بھائی کی ناگہانی وفات کی خبر ملی تو سخت غم زدہ ہوئیں، انہیں حضرت عبدالرحمٰنؓ سے بے حد محبت تھی، شبہ گزرا کہ کسی نے زہر دے کر مار ڈالا۔ مستدرک حاکم میں ہے کہ اس واقعہ کے بعد ایک دن ایک خاتون حضرت عائشہ صدیقہؓ کے سامنے نماز پڑھ رہی تھیں کہ سجدہ میں

یکایک جاں بحق ہوگئیں، یہ دیکھ کر انہیں یقین آگیا کہ حضرت عبدالرحمٰنؓ کی موت بھی طبعی تھی اور اس میں زہر خورانی کو دخل نہیں تھا۔ تاہم ان کے دل کا غبار اس وقت ہلکا ہوا جب حج کے موقع پر بھائی کی قبر پر جاکر خوب رولیں۔

حضرت عبدالرحمٰنؓ کی اولاد میں دو لڑکوں اور دو لڑکیوں کے نام ملتے ہیں۔ لڑکوں کے نام ابوعتیق محمدؓ اور عبداللہؒ تھے اور لڑکیوں کے حفصہؒ اور اسماءؒ یہ سب اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کی آغوشِ تربیت کے پروردہ تھے، اُمّ المومنین ان سے بے حد محبت کرتی تھیں اور دینی امور میں قدم قدم پر ان کی رہنمائی فرماتی تھیں۔ مؤطا امام مالکؒ میں ہے کہ ایک مرتبہ حفصہؒ بنت عبدالرحمٰنؓ نہایت باریک دوپٹہ اوڑھ کر پھوپھی کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ اُم المؤمنینؓ ان کا دوپٹہ دیکھ کر سخت ناراض ہوئیں اور فرمایا "حفصہ تمہیں علم نہیں، سورۂ نور میں اللہ نے کیا احکام نازل فرمائے ہیں؟" پھر انہوں نے وہ دوپٹہ پھاڑ ڈالا اور ایک گاڑھے کا دوپٹہ منگوا کر انہیں اوڑھایا۔

حضرت عبدالرحمٰنؓ کے بیٹے ابوعتیق محمدؓ بھی شرفِ صحابیت سے بہرہ ور ہوئے گویا حضرت عبدالرحمٰنؓ کے گھر میں چار نسلیں صحابی تھیں یعنی ان کے دادا ابوقحافہؓ، والد حضرت ابوبکر صدیقؓ، وہ خود اور ان کے فرزند ابوعتیق محمدؓ۔

ابوعتیق محمدؓ کے بیٹے عتیقؒ اور پوتے عبداللہؒ بن عتیقؒ نے بھی اُمّ المؤمنین کے آغوشِ تربیت میں پرورش پائی۔ اُمّ المؤمنینؓ کی وفات کے بعد ان کے جن اعزہ نے انہیں قبر میں اتارا ان میں حضرت عبدالرحمٰنؓ کے بیٹے عبداللہ اور بڑے پوتے عبداللہؒ بن عتیقؒ بن محمدؓ بھی شامل تھے۔

(۷)

حضرت عبدالرحمٰنؓ بن ابی بکرؓ کے صحیفۂ اخلاق میں شجاعت و بسالت، شوقِ جہاد اور حق گوئی و بیباکی سب سے نمایاں الواب ہیں۔ حضرت سعیدؒ بن مسیّب سے مروی ہے کہ حضرت عبدالرحمٰنؓ نے کبھی جھوٹ نہیں بولا۔

صحاح میں حضرت عبدالرحمٰنؓ سے کئی احادیث مروی ہیں لیکن یہ بات باعثِ حیرت ہے کہ محدّثین کرامؒ نے قلت یا کثرتِ روایت کی بناء پر صحابہ کرامؓ کے جو چار طبقے مقرر کئے ہیں ان میں سے کسی طبقے میں حضرت عبدالرحمٰنؓ کا نام شامل نہیں کیا۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم یہاں صحیح بخاری کی دو روایات کا خلاصہ (تبرکاً) بیان کردیں جو حضرت عبدالرحمٰنؓ بن ابوبکرؓ سے مروی ہیں۔

ایک روایت میں بیان کرتے ہیں کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ کے پیچھے سوار ہو کر مقام تنعیم سے ان کو عمرہ کرادوں۔ اس روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت عبدالرحمٰنؓ کو رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہم رکابی اور اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کی معیت میں عمرہ کا شرف

بھی حاصل ہوا تھا۔

دوسری روایت میں حضرت عبدالرحمٰنؓ نے حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک معجزہ کا ذکر کیا ہے جو خود ان کے مشاہدے میں آیا۔ فرماتے ہیں کہ ایک دن ہم کل ایک سو تیس آدمی حضورؐ کے ہم رکاب تھے۔ آپؐ نے فرمایا، تم میں سے کسی کے پاس کچھ کھانا ہے۔ اتفاق سے اس وقت صرف ایک شخص کے پاس تقریباً تین سیر گندم کا آٹا تھا، حضورؐ نے اس کو گوندھنے کا حکم دیا، جب آٹا گوندھ لیا گیا تو ایک بڑے ڈیل ڈول والا مشرک اپنی بکریاں ہانکتا وہاں آنکلا۔ آپؐ نے اس سے پوچھا فروخت کرنے کا ارادہ ہے یا ہدیہ دینے کا؟ اس نے کہا، فروخت کرنے کا۔ آپؐ نے ایک بکری خرید کر (ذبح کروائی اور) پکوائی اور کلیجی کو بھوننے کا حکم دیا۔ میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ ایک سو تیس آدمیوں میں سے کوئی ایک بھی ایسا نہ رہا جس کو حضورؐ نے کلیجی کا کوئی ٹکڑا نہ دیا ہو۔ جو کوئی وہاں موجود تھا اس کو تو (اسی وقت) دے دیا، جو موجود نہ تھا اس کا حصہ باقی رکھ چھوڑا۔ پھر آپؐ نے بکری کا سالن دو بڑے برتنوں میں ڈالا اور تمام لوگوں نے اس کو سیر ہو کر کھایا۔ پھر بھی دو پیالے بچ رہے جن کو ہم نے اونٹ پر رکھ لیا۔

سیّدنا حضرت عبدالرحمٰنؓ نے بلاشبہ خاصی تاخیر سے اسلام قبول کیا تھا۔ لیکن سعادت اندوزِ اسلام ہونے کے بعد انہوں نے اپنے اخلاصِ عمل سے گزشتہ دورِ حیات کی تلافی کر دی یہاں تک کہ بارگاہِ رسالتؐ میں تقرب حاصل کر لیا۔ یہی سبب تھا کہ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ ان سے بے پناہ محبت کرتی تھیں اور ان کو صرف برادرِ بزرگ کی حیثیت نہیں دیتی تھیں بلکہ حضورؐ کا ایک مخلص جاں نثار اور اسلام کا ایک سرفروش مجاہد سمجھ کر بھی ان کی بے حد تکریم کرتی تھیں۔

رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ

عذرا نسیم

صدیقِ اکبرؓ کی صاحبزادیاں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی نظر میں حضرت صدیق اکبرؓ کو جو مقام حاصل تھا وہ کسی وضاحت کا محتاج نہیں ہے۔ آپؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پرخلوص احباب اور رفقائے خاص میں سے تھے۔ آپ نے ایسے وقت میں حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت کا حق ادا کیا جب حضور علیہ السّلام کو نبوت کی بھاری ذمہ داری سونپی گئی جس کی انجام دہی کے لئے آپ کو ایک انتہائی صبر آزما اور جانگسل جدوجہد سے گزرنا تھا۔ ان مشکل اور نامساعد حالات میں جناب صدیق اکبرؓ ہی تھے جنہوں نے نہ صرف خدا کی وحدانیت اور رسالتِ محمدیؐ کو بلا چون وچراں تسلیم کیا بلکہ کسی موقعہ پر بھی آپؐ کی جانی ومالی معاونت سے گریز نہ کیا۔ اسی ضمن میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی بارہا جناب صدیق اکبرؓ کی تعریف وتوصیف کرتے ہوئے فرمایا کہ میں نے دنیا میں ہر شخص کے احسان کا بدلہ چکا دیا ہے سوائے حضرت ابوبکرؓ کے، ان کے احسانات کا بدلہ ان کو صرف اللہ تعالیٰ ہی ادا کر سکتا ہے۔ دورِ نبوی میں بارہا ایسے مواقع آئے جب عمر فاروقؓ جیسے جلیل القدر صحابی نے بھی ارشادِ رسول کی تعمیل اور حسن ایثار پر جناب صدیقؓ کو انتہائی رشک کی نگاہ سے دیکھا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی دور اندیشی اور علمی بصیرت کی نظیر، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی اور صحابی کے ہاں نہیں ملتی۔ بیشتر مواقع پر جناب صدیق اکبرؓ کی چشمِ بصیرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صرف ایک معمولی اشارے ہی سے معنویت کی اسقدر گہرائیوں تک پہنچ جاتی تھی جہاں صرف صدیق اکبرؓ ہی پہنچ سکتے تھے۔ لہٰذا اوقات تو ایسا ہوتا تھا کہ حضرت فاروقؓ جیسے بالغ النظر بھی صورتحال کے سارے اثرات وثمرات کو نہ سمجھ پاتے تھے۔ ایک مرتبہ ایک مجلس میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ نے اپنے ایک بندے کو اختیار دیا ہے کہ وہ دنیاوی آرام وآسائش کو حاصل کر لے یا اخروی نعمتیں قبول کر کے آخرت کو منتہائے نظر بنا لے۔ چنانچہ اس نے آخرت کی نعمتوں کو ہی ترجیح دی۔ یہ سنکر حضرت صدیق اکبرؓ ارشاد گرامی کے اسرار ورموز کی تہہ تک پہنچ گئے اور بے اختیار رو پڑے جبکہ مجلس میں موجود کوئی صحابی بھی ان کے رونے کی وجہ نہ سمجھ سکے۔ لیکن اس راز دار

رسالت کی چشمِ بصیرت دیکھ رہی تھی کہ وہ بندہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے۔ اور آخرت کی نعمتیں قبول کرنے کا مطلب یہ ہے کہ آپ کے دنیا سے رخصت ہونے کا وقت آگیا ہے۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ کی پاکبازی کا مطالعہ کرتے وقت خاندانِ صدیقی کی اہمیت کو فراموش نہیں کیا جاسکتا۔ کیونکہ ایک طرف تو یہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کا خاندان ہے اور دوسری طرف اس خاندان کی اہمیت یوں اور بھی دوچند ہو جاتی ہے کہ اس خاندان کو حضور نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا سسرال ہونے کا شرف حاصل ہے۔ تحقیق و تفتیش کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ آپؓ نے پانچ شادیاں کیں جن میں سے دو بیویاں مشہور رہیں۔ آپ کی تمام اولاد میں دو صاحبزادیاں ایسی ہیں جن کے نام صحابیات میں نجوم تاباں کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ایک صاحبزادی حضرت عائشہ صدیقہؓ ہیں اور جن کی والدہ کا نام ام رومان تھا اور دوسری صاحبزادی حضرت اسماءؓ ہیں۔ یہ حضرت ابوبکرؓ کی پہلی بیوی قتیلہ کی اولاد ہیں جنکو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے زمانۂ جاہلیت میں ہی طلاق دیدی تھی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی چھوٹی صاحبزادی حضرت عائشہؓ کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زوجہ مطہرہ ہونے کا اہم ترین اور اشرف ترین مقام حاصل ہے۔ خاندانِ صدیقی کی بجائے خود جو اہمیت ہے اس سے قطع نظر اس کی فضیلت کا ایک بڑا سبب یہ بھی ہے کہ اس خاندان کو نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلّم کا سسرال ہونے شرف حاصل ہے۔ اور سسرال بھی جس کی بیٹی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے گھر میں شمعِ خانہ بنکر آئی۔ اور اپنے خصائل حمیدہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوب ترین بیوی کا مقام پایا۔ یہ اعزاز حضرت عائشہؓ کے لئے سرمایہ افتخار تھا وہاں ان کے اہل خاندان کے لئے بھی کچھ کم باعث عز و فخر نہ تھا۔

حضرت صدیق اکبرؓ کے علاوہ آپؓ کے خاندان کی جس ہستی نے علوم نبوی کی نشر و اشاعت میں انتہائی نمایاں حصہ لیا وہ حضرت عائشہؓ ہی ہیں جو ایک طرف تو خلیفۂ اوّل حضرت ابوبکر صدیقؓ کی صاحبزادی ہیں اور دوسری طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی زوجہ مطہرہ ہونے کی حیثیت سے ام المومنین کا منصب جلیل رکھتی ہیں۔ حضرت عائشہؓ دور نبویؐ کی ان چند شخصیتوں میں سے ایک ہیں جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے اقوال و افعال کی نشر و اشاعت میں سب سے زیادہ حصہ لیا۔ اور احادیث کی ایک کثیر تعداد روایت کی۔ چنانچہ حضرت عائشہ صدیقہؓ سے تقریباً دو ہزار احادیث مروی ہیں۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ کی دوسری صاحبزادی حضرت اسماءؓ بنت ابوبکرؓ سے گو احادیث کی اتنی بڑی تعداد منقول نہیں ہے تاہم انہوں نے بھی پچاس ساٹھ کے لگ بھگ احادیث روایت کیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اقوال و افعال کو آئندہ آنے والی نسلوں تک پہنچانے میں حصہ لیا۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ

حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نبوت عطا ہوئے چار برس کا عرصہ گزرا تھا کہ حضرت عائشہؓ اس دنیا میں تشریف لائیں۔ آپ کا اسمِ گرامی عائشہ، کنیت ام عبداللہ اور لقب حمیرا اور صدیقہ تھا۔ چونکہ آپ کی اپنی کوئی اولاد نہیں تھی اس لئے اپنے بھانجے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی کنیت سے بلائی جاتی تھیں۔ آپ کے بال سرخ تھے اسی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو اکثر (سرخ بالوں والی) کہہ کر بلایا کرتے تھے۔ بعد میں یہی آپ کا لقب ہوگیا۔ پہلے آپ کی منگنی جبیر بن مطعم سے ہوئی تھی لیکن اس کو یہ خدشہ ہوا کہ آپؓ کے وجود سے اسلام کے آفتاب عالمتاب کی کرنیں اس کے باطل کدہ میں نہ پھیل جائیں۔ اس لئے اس نے از خود یہ منگنی توڑ دی۔

جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ ام المومنین حضرت خدیجہ کا انتقال ہوگیا تو آپ ایک مخلص اور رفیق اور غمگسار ساتھی کے بچھڑ جانے سے فطری طور پر افسردہ رہنے لگے۔ یہاں تک کہ ایک روز خولہ بنت حکیم آپؐ کی خدمت اقدس میں آئیں اور آپؐ سے عقدِ ثانی کی بابت دریافت کیا۔ آپؐ کے استفسار پر انہوں نے عرض کیا کہ آپؐ کے عزیز دوست حضرت ابوبکرؓ کی لڑکی عائشہ موجود ہے۔ اگر آپؐ اجازت دیں تو ان سے جاکر عرض کر دوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رضامندی ظاہر کی اور حضرت ابوبکر صدیقؓ سے تذکرہ کرنے کی اجازت دیدی۔ وہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے گھر آئیں اور یہ نوید مسرت اور پیغام تہنیت ساتھ لائیں حضرت ابوبکر صدیقؓ اور ان کی اہلیہ حضرت ام رومانؓ تو پہلے ہی خدا اور اس کے حبیب پاکؐ کی محبت کے جذبات سے سرشار تھے۔ ان کی زندگی کا تو نصب العین ہی یہ تھا کہ خدا اور اس کے رسولؐ کی خوشنودی حاصل کریں انہوں نے اس اعزاز کو اپنی خوش بختی تصور کرتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس پیشکش کو بلا کسی پس وپیش کے تسلیم کرلیا۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شوال کے مہینے میں جبکہ آپؐ کی نبوت کو دس برس گزر چکے تھے، مکہ مکرمہ ہی میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کے گھر تشریف لے گئے اور نہایت سادہ طریقے سے رسمِ عروسی انجام پائی، پانچ سو درہم مہر مقرر ہوا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام ازواجِ مطہرات میں صرف حضرت عائشہ صدیقہ ہی ہیں جو نکاح کے وقت کنواری تھیں۔ باقی تمام ازواج سے آپؐ نے بیوگی کی حالت میں عقد کیا۔ نکاح کے وقت حضرت عائشہ اس قدر کم سن تھیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رسمِ نکاح کی ادائیگی کے لئے ان کے گھر تشریف لئے گئے تو گھر سے باہر اپنی ہم جولیوں کے ساتھ کھیل رہی تھیں۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مع اپنے اصحاب کے مدینے کی طرف سفرِ ہجرت فرمایا تو ایک روز حضرت ابوبکر صدیقؓ خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! آپؐ اپنی بیوی عائشہ کو نہیں بلاتے ؟۔ آپؐ نے فوراً رخصت کا انتظام کیا اور شوال کے مہینے میں حضرت عائشہ صدیقہؓ

اپنے والدین کے گھر سے رخصت ہو کر حضور علیہ السّلام کے دولت خانے پر تشریف لے آئیں۔

ام المومنین حضرت عائشہؓ کو تمام امہات المومنین اور صحابیات میں جو اعلیٰ وارفع مقام حاصل ہے اسے احاطہ تحریر میں لانا ممکن نہیں۔ دنیائے اسلام کی تمام خواتین میں فضائل و مناقب کے لحاظ سے کوئی آپؓ کا ثانی نہیں ہے حتیٰ کہ بارہا آپ کی شان میں قرآنی آیات نازل ہوئیں اور نزول وحی کیوقت حضرت جبریل آپ کی خدمت میں سلام پیش کرتے تھے۔ مزید برآں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو لبشارت دی تھی کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ جنت میں بھی آپؐ کی بیوی ہونگی۔ یہ ایسے فضائل ہیں کہ جو حضرت عائشہ صدیقہؓ کے علاوہ کسی خاتون کو حاصل نہیں ہیں۔ اتنی کم عمری اور ناپختگی میں اس قدر بلند و بالا مقام یا ناخوش بختی کی علامت نہیں تو اور کیا ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ کو ام المومنین اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چہیتی بیوی ہونے کا جو امتیازی مقام حاصل ہے اور جن استثنائی خصوصیات کی حامل ہیں ان پر آپ خود بھی نازاں ہیں۔

آپؓ فخریہ فرماتی ہیں کہ دس خوبیاں مجھ میں ایسی ہیں کہ جن میں کوئی دوسری بیوی شریک نہیں۔ عرب کے بیشتر قبائل میں شوال کے مہینے میں شادی کرنا تحقیر و تقصیر کا باعث سمجھا جاتا تھا۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ اس بے جا توہم کی تردید کرتے ہوئے فرماتی ہیں کہ میرا نکاح بھی شوال میں ہوا تھا اور رخصتی بھی اسی مہینے میں ہوئی لیکن تمام بیویوں میں کوئی بھی ایسی نہیں ہے جو مجھ سے زیادہ گرانقدر مرتبہ رکھتی ہو۔

حضرت عائشہؓ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کے درخشاں لمحات میں علم و حکمت کی جو خلعت فاخرہ عطا ہوئی وہ علم نبوت کا ہی فیضان ہے۔ گو آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پاکیزہ صحبت میں نو برس کا مختصر سا عرصہ گزارا لیکن اس کے باوصف آپ کی ذات جسقدر اسلام کے حقائق سے واقف اور سرچشمہ علم و حکمت تھی، خواتین اسلام میں اس کی کوئی مثل ہے نہ نظیر۔ سخن فہم اس قدر تھیں کہ اپنے زمانے کے نادرۂ روزگار سخنور آپؓ کی خدمت میں آتے اور اپنا کلام سنا کر داد وصول کرتے تھے۔

اتنی کم عمری کے باوجود حضرت عائشہ صدیقہؓ علمی مسائل اور محققانہ مباحث میں خاص درک رکھتی تھیں۔ قدرت کی طرف سے آپ کو فلسفیانہ دماغ اور مجتہدانہ ذہن ودیعت کیا گیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ دقیق سے دقیق مسائل پل جھپکنے میں حل کر دیتیں۔ بڑے بڑے اہل علم اور اہل الرائے حضرات آپکی خدمت میں آتے اور مسائل دریافت کرتے۔ علماء کا کہنا ہے کہ دین کا ایک تہائی حصہ ہم تک حضرت عائشہؓ کی معرفت پہنچا۔

حضرت ابو موسیٰؓ فرماتے ہیں کہ جب ہمیں کوئی علمی مشکل درپیش ہوتی تھی تو ہم حضرت عائشہؓ کے علم سے استفادہ کرتے تھے۔ اس کے علاوہ زنانہ معاشرت کے اکثر مسائل آپ حل کرتی تھیں اور خواتین میں تبلیغ و تعلیم کا کام بھی جاری رکھتیں۔ اگر کسی کو خلاف اسلام یا خلاف شرع فعل کرتے دیکھتیں

تو فوراً ٹوک دیتیں۔ ایک مرتبہ آپ نے کسی بیمار بچے کے سرہانے ٹوٹکے کے طور پر استرا رکھا ہوا دیکھا تو فوراً منع کیا اور فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ٹوٹکے کو سخت منع فرماتے تھے۔ عرب میں دستور تھا کہ بیمار کے سرہانے اس یقین کے ساتھ استرا رکھا جاتا تھا کہ بیماری دور ہو جائے گی۔ اسی طرح ایک مرتبہ آپؓ نے ایک لڑکی کو مصنوعی بال لگانے سے منع کیا۔

حضرت عائشہ کا گھر صدقہ وخیرات اور بذل وعطا کا مرکز تھا۔ خدا کی راہ میں زیادہ سے زیادہ خرچ کرنے کی لگن آپ کو ہر وقت رہتی تھی۔ آپ کے بھانجے حضرت عبداللہ ابن زبیر فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہؓ سے زیادہ سخی کوئی نہیں دیکھا۔ آپ نے جسقدر غلام آزاد کئے ان کی تعداد ۶۷ کے قریب بنتی ہے۔ ایک مرتبہ حضرت عائشہ کی خدمت میں حضرت امیر معاویہؓ کی جانب سے ایک لاکھ درہم پیش کئے گئے۔ آپؓ نے شام ہونے تک سب صدقہ کر دیئے۔ اور شام کو صرف روٹی اور روغن زیتون سے روزہ افطار کیا۔ آپؓ کی خادمہ نے یہ منظر دیکھا تو بولی کہ اگر آپ افطار کے لئے گوشت منگا لیتیں تو بہتر ہوتا آپؓ نے فرمایا پہلے سے یاد دلاتی تو منگا لیتی۔ ایک اور موقعہ کا ذکر ہے کہ آپؓ روزے سے تھیں۔ گھر میں ایک روٹی کے علاوہ کچھ نہ تھا۔ ایک سائل نے در دولت پر دستک دی۔ آپؓ نے خادمہ سے فرمایا کہ یہ روٹی اس کے حوالے کردو اور خود پانی سے روزہ افطار کیا۔ ایک مرتبہ آپؓ نے ستر ہزار درہم صدقہ کئے اور حالت یہ تھی کہ اپنے پیرھن میں درجنوں پیوند تھے۔ اس راسخ عقیدہ اور تدین کے باوجود آخرت کا خوف ہر وقت دامنگیر رہتا تھا۔ روز حشر کا تصور کر کے اس قدر روتی تھیں کہ دوپٹہ آنسوؤں سے تر ہو جاتا تھا۔ اکثر فرماتی تھیں کہ کاش میں کوئی بے جان ہوتی اور آخرت کے حساب کتاب سے بچ جاتی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام امہات المومنین میں حضرت عائشہؓ سب سے زیادہ محبوب تھیں۔ ایک مرتبہ کسی نے آپؐ سے دریافت کیا کہ عورتوں میں کون آپ کو سب سے زیادہ عزیز ہے۔ آپؐ نے فرمایا" عائشہ"۔ ایک مرتبہ آپؐ نے فرمایا کہ عائشہ کو تمام عورتوں پر وہی افضلیت حاصل ہے جو ثرید کو تمام کھانوں پر۔ ایک سفر کے موقع پر تمام امہات المومنین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب تھیں۔ آپ حضرت عائشہؓ کے ناقہ پر سوار تھے اور ان سے ہم کلام تھے۔ ام المومنین حضرت حفصہ کو یہ منظر دیکھ کر بے انتہا رشک آیا۔ ایک منزل پر جب قافلے نے پڑاؤ ڈالا تو حضرت حفصہؓ نے حضرت عائشہؓ سے کہا کہ اپنے اونٹ ہم دونوں آپس میں تبدیل کر لیتے ہیں۔ حضرت عائشہؓ بہرحال کم عمر اور ناتجربہ کار تھیں ان کی اس پیشکش کی اصل وجہ نہ سمجھ سکیں اور اونٹ تبدیل کر لئے۔ جب روانگی کا وقت آیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اونٹ پر سوار ہوئے لیکن اس پر عائشہؓ کی بجائے حضرت حفصہؓ سوار تھیں۔ اس وقت عائشہ صدیقہؓ پر حقیقت کھل گئی اپنی سادگی پر بہت پچھتائیں اور منزل پر اتر کر رونے لگیں۔

حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیات مبارکہ کے آخری ایام میں دوران علالت تمام ازواج

سے اجازت لے کر حضرت عائشہؓ کے ہی حجرے میں قیام فرمانا پسند فرمایا اور یہ بات حضرت عائشہؓ کے خصائص لاتعداد میں سے ایک ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی مبارک کے آخری ایام حضرت عائشہؓ کے حجرے میں بسر کیے اور آخری سانس آپ کی آغوش میں لیے۔

آپؓ کے مزاج مبارک میں ایثار اور ہمدردی کا مادہ بدرجہ اتم موجود تھا۔ آپ کی خواہش تھی کہ اپنے ہی حجرہ میں رسول اللہؐ کے پہلو میں دفن ہو۔ لیکن جب خلیفۂ دوم حضرت عمر فاروقؓ شہید ہوئے اور ان کے صاحبزادے حضرت عبداللہؓ بن عمر حضرت عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے درخواست کہ اگر آپ اجازت دیں تو ان کو یہاں سپرد خاک کر دیا جائے۔

حضرت عمرؓ کی خواہش حجرۂ عائشہ میں دفن ہونے کی تھی۔ اور انہوں نے اپنی اس خواہش کا اظہار اپنی شہادت سے کچھ عرصہ پہلے کیا تھا۔ اور ساتھ ہی یہ وصیت بھی کر دی تھی کہ میری وفات کے بعد حضرت عائشہؓ سے اس کی اطلاع کئے بغیر کہ میری خواہش انکے حجرہ میں دفن ہونے کی تھی اجازت لیجائے اگر وہ اجازت دیں تو مجھ کو ان کے حجرہ میں دفن کیا جائے ورنہ نہیں، حضرت عائشہ صدیقہؓ نے حضرت عبداللہ ابن عمر کی بات کے جواب میں کہا کہ اگرچہ اس حجرہ میں ایک ہی شخص کے دفن ہونے کی جگہ باقی ہے اور وہ جگہ میں نے اپنے لئے مختص کر رکھی تھی لیکن تمہارے والد نے جو اسلام کی خدمت کی ہے اس کے پیش نظر میں اپنی جگہ ان کو دیتی ہوں چنانچہ حضرت عمر فاروقؓ کو حجرۂ عائشہ میں دفن کیا گیا۔

آپؓ کی دلیری اور بے خوفی کا عالم یہ ہے کہ رات کو تنہا قبرستان میں چلی جاتیں۔ اس کے علاوہ اکثر غزوات میں شریک ہوئی ہیں۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ جنگ احد میں میں نے دیکھا کہ حضرت عائشہؓ اور ام سلیمؓ نہایت مستعدی کے ساتھ پانی بھر بھر لا رہی ہیں اور زخمی مجاہدین کو پلا رہی ہیں۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مصاحبت میں نو برس رہیں۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا اور آپؓ بیوہ ہوئیں تو آپ کی عمر اس وقت ۱۸ برس تھی۔ اور آپ کی وفات کے طویل عرصے بعد تک زندہ رہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آپ سے احادیث کی کثیر تعداد مروی ہے۔ آپ نے چھیاسٹھ برس کی عمر میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی وفات حسرت آیات کو ۴۷ برس گزر چکے تھے، وفات پائی۔ نماز جنازہ حضرت ابوہریرہؓ نے پڑھائی آپ کے بھانجوں اور بھتیجوں نے لحد میں اتارا اور جنت البقیع میں عام مسلمانوں کے ساتھ دفن کی گئیں۔ آپؓ وفات کے موقعہ پر ام المومنین حضرت ام سلمہؓ یوں رطب اللسان ہوتی ہیں: "خدا رحمت کرے اس عورت پر جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو ابوبکرؓ کے بعد سب سے زیادہ عزیز تھی"

حضرت اسماءؓ بنت ابی بکرؓ

حضرت اسماء بنت ابوبکرؓ خلیفۂ اول حضرت ابوبکر صدیقؓ کی صاحبزادی اور حضرت عائشہ صدیقہؓ کی سوتیلی

بہن ہیں۔ آپ کی والدہ کا نام قتیلہ تھا۔ جن کو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے زمانہ جاہلیت میں ہی طلاق دیدی تھی۔ آپ ہجرت سے تقریباً ۲۷ برس قبل پیدا ہوئیں۔ آپ کی پیدائش کے وقت حضرت ابوبکر صدیقؓ کی عمر بیس سال کی تھی۔ چونکہ اسلام لانے والوں میں آپ کا سترہواں نمبر ہے۔ اس لئے آپ کا شمار سابقون الاولون میں ہوتا ہے۔ حضرت اسماءؓ کی شادی حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے پھوپھی زاد بھائی حضرت زبیر بن العوام سے ہوئی تھی۔ آپ کے پانچ صاحبزادے اور تین صاحبزادیاں ہیں۔ جب حضرت اسماءؓ کے والد ماجد حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے کفار کی چیرہ دستیوں سے تنگ آکر پیغمبر اسلام کے ساتھ مدینہ منورہ ہجرت کی تو حضرت زید کو اور اپنے صاحبزادے عبداللہ کو اپنے اہل وعیال لانے کے لئے مکہ بھیجا۔ چنانچہ حضرت اسماء بنت ابوبکرؓ نے ان ہی کے ساتھ مدینہ ہجرت کی۔ ہجرت کے دوران قبا کے مقام پر آپ کے صاحبزادے عبداللہ ابن زبیر پیدا ہوئے۔ ان کی پیدائش ہجرت کے بعد مسلمانوں میں سب سے پہلی پیدائش ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عشق کامل اور ہر کام میں آپؐ کا اقتدار حضرت اسماءؓ کی سرشت میں داخل تھا۔ جب آپ کے صاحبزادے عبداللہؓ ابن زبیر تولد ہوئے تو سب سے پہلے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں لائیں۔ آپ نے ایک کھجور منگا کر چبائی اور عبداللہؓ ابن زبیر کے منہ میں ڈالی۔ پھر ان کے لئے دعائے برکت فرمائی۔ حضرت اسماءؓ کی چھوٹی بہن حضرت عائشہؓ کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک جبہ تھا۔ آپ کی وفات کے بعد حضرت اسماء نے اس کو لے لیا اور تادم واپسیں اپنے پاس رکھا۔ جب کوئی بیمار ہو جاتا تو تریاق کے طور پر اس کو دھو کر اس کا پانی پلاتیں۔ حضرت اسماءؓ اپنی خالص نجی زندگی میں بھی مختلف النوع مسائل کی توجیہ اور ان کا حل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات میں تلاش کرتی تھیں۔

جب آپ ہجرت کر کے مدینہ آئیں تو آپ کی غیر مسلم والدہ نے آپ سے مالی امداد کی درخواست کی۔ آپ نے حضرت عائشہؓ کے ذریعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کرایا کہ غیر مسلم قرابت دار سے صلہ رحمی جائز ہے یا نہیں۔ آپؐ نے اجازت دے دی۔ تب آپ نے اپنی والدہ کی اعانت کی۔ اسی طرح ایک مرتبہ آپ کی والدہ نے کچھ تحائف و ہدایا بھیجے۔ لیکن آپ نے قبول کرنے میں تامل کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ نے دریافت کیا۔ آپؐ کی اجازت پر حضرت اسماءؓ نے قبول کئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے رفیق نبوت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ دوران ہجرت تین روز تک غار ثور میں قیام کیا تو حضرت اسماءؓ نے مستقل وہاں آپ کے خور ونوش کا انتظام کیا۔ آپ رات کی تاریکی میں گھر سے کچھ لے کر نکلتیں اور راہ حق کے ان مسافروں کی خدمت میں پیش کرآتیں۔ ایک مرتبہ اسی طرح خوراک لے کر جارہی تھیں کہ اس کے باندھنے کا مسئلہ پیش آیا۔ آپ نے فوراً اپنے کمربند کے دو ٹکڑے کئے اور ان سے کام چلایا۔ یہی وجہ ہے کہ تاریخ اسلام میں آپؓ کو ذات النطاقین کے نام سے یاد کیا جاتا ہے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کی تعمیل وتکمیل کا آپؓ بہت خیال رکھتی تھیں۔ شروع میں آپؓ

تنگدستی اور کم مائیگی کے سبب بہت ناپ تول کر خرچ کرتی تھیں۔ لیکن جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہوا تو خوب دل کھول کر خرچ کیا کرو تو نہایت فیاضی اور کشادہ دلی سے خرچ کرنے لگیں۔

حضرت اسمارؓ کی زندگی انتہائی سادہ اور متواضع تھی۔ جب ان کی شادی ہوئی تو حضرت زبیرؓ بے انتہا مفلس تھے اور گھر میں ایک گھوڑے کے علاوہ کچھ نہ تھا۔ اسمارؓ خود ہی جنگل میں جاکر اس کے لئے گھاس لاتیں گھر کا کام کاج اپنے ہاتھوں سے کرتیں۔ خود ہی پانی بھر کر لاتیں، مشک پھٹ جاتی تو اسے سی لیتیں۔ آٹا گوندھتیں اور کھانا وغیرہ پکاتیں۔ مختصر یہ کہ تمام گھریلو امور خود ہی سرانجام دیتی تھیں۔ حضرت اسمارؓ بیان کرتی ہیں کہ میں گھر کا تمام کام کاج اپنے ہاتھوں سے کرلیتی تھی لیکن روٹی پکانا نہ جانتی تھی چنانچہ آٹا گوندھ کر پڑوس کی انصار خواتین کے پاس لے جاتی تھی۔

وہ نہایت مخلص اور نیک خواتین تھیں میری روٹی پکا دیا کرتی تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت زبیر کو ایک قطعہ اراضی مرحمت فرمایا تھا حضرت اسمار وہاں جاکر کھجور کی گٹھلیاں لے کر آتیں اور ان کو کوٹ کر اس گھوڑے کو کھلاتیں۔ ایک مرتبہ ان کے والد محترم حضرت صدیق اکبرؓ نے گھوڑے کی سائیسی کے لئے ایک غلام بھیجدیا تب انہوں نے اس خدمت سے نجات پائی۔ عسرت و تنگدستی کا یہ عالم تھا کہ اکثر گھر میں آگ نہیں جلتی تھی۔ ایک مرتبہ حضرت اسمارؓ کے ایک یہودی پڑوسی کے ہاں بکری کا گوشت پکا۔ اس روز ان کے اپنے گھر کھانے کے لئے کچھ نہیں تھا اور بکری کے گوشت کے بھننے کی اشتہا انگیز خوشبو ان کی بھوک اور بڑھا رہی تھی۔ آخر کار بھوک سے مجبور ہو کر آپ اس کے گھر چلی گئیں۔ اس امید پر کہ شاید کھانا کھلا دے لیکن اس نے نہ کھلایا۔ اپنی طبیعت پر جبر کر کے گھر واپس آگئیں۔ تھوڑی دیر ہی گزری تھی کہ پڑوس کے گھر سے ایک پیالہ میں بکری کے گوشت کا سالن آگیا۔ تب آپ نے کھانا کھایا۔ یہ تو اس زمانے کا ذکر ہے جب آپ تنگدست تھیں اور گھر میں فقر و فاقہ کی کثرت تھی۔ لیکن بعد میں بھی جب وسیع و عریض علاقے مسلمانوں کے زیرِ نگیں آ گئے تھے فتوحات کی کثرت تھی اور تقریباً سب ہی مسلمانوں کی مالی حالت بہتر ہو گئی تھی، حضرت اسمارؓ نے اس وقت بھی سادگی، منکسر المزاجی اور خودداری کو ہاتھ سے نہ چھوڑا۔ اسی زمانے کا ذکر ہے کہ آپ کے صاحبزادے منذر عراق کی جنگ سے عظیم الشان فتح کے بعد وطن واپس لوٹے تو آپ کے لئے انتہائی نفیس پارچہ جات لائے لیکن آپ نے انہیں دیکھ کر ناگواری کا اظہار فرمایا۔ مگر جب ایک مرتبہ انہوں نے سستے اور موٹے قسم کے کپڑے لاکر دیئے تو آپؓ نے بکمال مسرت قبول کیے۔

شرم وحیا اور عفت و پاکیزگی آپؓ کا شعار تھا۔ اپنا ایک واقعہ بیان کرتے ہوئے فرماتی ہیں کہ ایک بار میں بڑی دور سے سر پر گٹھلیاں رکھ کر لارہی تھی۔ راستے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے اصحاب کیساتھ تشریف لیجا رہے تھے۔ مجھے آپؐ نے پیادہ پا جاتے دیکھا تو مجھ سے سواری پر سوار ہونے کے لئے کہا لیکن میں شرم کی وجہ سے مردوں کے ساتھ نہ بیٹھ سکی اور گھر واپس چلی آئی۔

حضرت اسماءؓ اپنے شوہر حضرت زبیرؓ کی خوشنودی اور رضامندی کا حد سے زیادہ خیال رکھتی تھیں اور ہر معاملے میں ان کی رائے کو مقدم سمجھتی تھیں۔ ایک مرتبہ حضرت زبیرؓ کی موجودگی میں ان کے گھر ایک سائل آیا اور ان کے مکان کی دیوار کے سائے میں سودا فروخت کرنے کی اجازت طلب کی۔ آپؓ خود تو اپنی فیاضی اور کشادہ دلی کے سبب اجازت دینا چاہتی تھیں لیکن زبیر کی رائے لینی ضروری تھی۔ چنانچہ آپؓ نے اس سے فرمایا کہ زبیر کی موجودگی میں آنا۔ سائل حضرت زبیرؓ کی موجودگی میں آیا۔ اور وہی سوال کیا۔ اس پر حضرت اسماءؓ نے اس کو کچھ سرزنش کی۔ ان کا مدعا یہ تھا کہ حضرت زبیر کا عندیہ معلوم کریں۔ حضرت زبیرؓ نے فرمایا کہ اگر یہ ہمارے مکان کی دیوار کے سائے میں سودا بیچنا چاہتا ہے تو اس میں ہمارا کیا نقصان ہے۔ اسماءؓ کی تو یہی مرضی تھی چنانچہ اس سائل کو اجازت دیدی۔

ان تمام اوصاف عالیہ کے علاوہ شجاعت و دلیری کا جذبہ اور صبر و استقامت آپ کی سرشت میں داخل تھی۔ آپ کے صاحبزادے عبداللہؓ ابن زبیر بہت جری اور بہادر تھے، شہادت سے ایک روز قبل آپؓ کی خدمت میں تشریف لائے۔ آپ نے ان کو پند و نصائح کرتے ہوئے فرمایا کہ موت کے خوف سے ایسا کوئی قدم اٹھانا جو دنیا اور آخرت میں تمہاری ذلت و رسوائی کا سبب ہو۔ خدا کی قسم عزت کے ساتھ مرنا اس سے بدرجہا بہتر ہے کہ ذلت کے ساتھ زندگی گزاری جائے۔ میں اس وقت تک مرنا پسند نہ کروں گی جب تک تم جام شہادت نہ نوش کر لو یا فتح وظفر حاصل نہ کر لو کہ مجھے مسرت اور طمانیت نصیب ہو۔ جب حضرت عبداللہؓ ابن زبیر میدان کارزار میں بے جگری سے لڑتے ہوئے شہید ہوئے تو ان کے حریف حجاج نے ان کی لاش کو سولی پر لٹکا دیا۔ اس موقع پر حضرت اسماءؓ نے اپنی پیرانہ سالی کے باوجود جس صبر و تحمل کا مظاہرہ کیا اس کی نظیر ملنی ناممکن ہے۔ آپ نے نہ صرف اپنے جواں سال صاحبزادے کی شہادت پر سجدۂ شکر ادا کیا بلکہ جب ان کے جسدِ خاکی کو تختۂ دار پر لٹکا دیا گیا تو حضرت اسماءؓ یہ دردناک منظر دیکھنے آئیں۔

ایک وہ زمانہ تھا جب مدینے میں چوری اور ڈکیتی کی وارداتیں زور پکڑ رہی تھیں۔ حضرت اسماءؓ کی بے خوفی کا یہ عالم تھا کہ رات کو تنہا سو جاتیں اور اپنے سرہانے ایک خنجر رکھ لیتیں تاکہ بوقت ضرورت اپنا دفاع کر سکیں۔ مشکلات اور پریشانیوں کا مقابلہ نہایت دلیری اور دانشمندی سے کرتی تھیں۔ اس وقت ہی کی مثال لیجئے کہ جب حضرت ابوبکر صدیقؓ جو عشق حقیقی کا صحیح نمونہ تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صرف ایک معمولی اشارے پر اپنا کل مال و متاع لے کر اسلام کی راہ میں ہجرت کے ارادے سے نکل کھڑے ہوئے۔ آپ کے اہل و عیال مکہ ہی میں تھے۔ مشکلات کے اس ہجوم میں جبکہ اہل مکہ کی روز افزوں دشمنی نے حق پرستوں کا جینا حرام کر رکھا تھا۔ اس پر بے سروسامانی کا یہ عالم تھا کہ اول تو حضرت ابوبکر صدیقؓ اپنی کل دولت اسلام اور ہادیٔ اسلام پر قربان کر چکے تھے اور جو کچھ روپیہ پیسہ باقی تھا وہ بھی اسلام کا یہ بطل جلیل اپنے محبوب پاکؐ کے ایک جنبش ابرو پہ نثار کرنے چلا تھا۔ ان حالات میں حضرت اسماءؓ کا صبر و ثبات اور اطمینان قابل صد آفرین تھا۔ آپؓ نہایت دل جمعی کے ساتھ

مکہ میں رہ رہی تھیں کہ ایک روز آپ کے دادا ابوقحافہ جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے، انہوں نے اپنے صاحبزادے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو اہل وعیال کے اس طرح بے آسرا چھوڑ جانے پر زجر و توبیخ کی۔ لیکن حضرت اسماءؓ نے اپنی مومنانہ فراست اور حسن تدبیر سے کام لیتے ہوئے ان کو یقین دلایا کہ آپ فکر نہ کریں۔ والد صاحب ہمارے گزارے کے لئے کافی رقم چھوڑ گئے ہیں۔ مزید ثبوت کے لئے آپ نے ایک جگہ کچھ پتھر جمع کر کے ان پر کپڑا ڈالا اور اپنے دادا کا ہاتھ جن کی آنکھیں قوت بصارت سے محروم تھیں، کپڑے پر رکھ دیا۔ اس سے ابوقحافہ کو یقین ہوگیا کہ یہی وہ رقم ہے جو ابوبکر اپنے اہل خاندان کے لئے چھوڑ گئے ہیں۔

حضرت اسماءؓ خدا کی راہ میں بے حساب خرچ کرتی تھیں۔ آپ کی بہن ام المومنین حضرت عائشہؓ نے وفات کے وقت زمین کا ایک قطعہ ترکہ میں چھوڑا۔ وہ آپ کے حصے میں آیا۔ آپؓ نے ایک لاکھ درہم میں بیچ کر یہ رقم اپنے اعزہ و اقارب میں تقسیم کر دی۔ ایک مرتبہ آپ نے ایک باندی فروخت کی۔ اس سے جو خطیر رقم حاصل ہوئی وہ سب صدقہ کر دی حتیٰ کہ حضرت زبیرؓ کے طلب کرنے پر ان کو بھی نہ دی۔ اس کے علاوہ صدقہ و خیرات میں انتہائی احتیاط اور چھان بین سے کام لیتیں تھیں۔ ایک مرتبہ خیال ہوا کہ میں خود تو تہی دست ہوں جو کچھ مال و دولت ہے وہ زبیرؓ کا ہے اور یہ معلوم نہیں ہے کہ شوہر کے مال میں سے صدقہ کرنا جائز ہے یا نہیں۔ اس خیال کے ذہن میں آتے ہی آپ نے فوراً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے دریافت کرایا کہ آیا عورت کو شوہر کے مال میں سے صدقہ وخیرات کرنا جائز ہے یا نہیں۔ آپؐ نے فرمایا کہ عورت کو چاہیئے کہ شوہر کے مال میں سے بھی جس قدر صدقہ وخیرات کر سکتی ہو اس سے گریز نہ کرے۔

یہ وہ سلیم الفطرت ہستیاں اور ارواح پاکیزہ تھیں جن کو تاریخ اسلام میں وہ منصب جلیل حاصل ہے جہاں تک رسائی ہمارے لئے ممکن نہیں۔ آج کے انحطاط پذیر معاشرہ میں گو ہم لذت کام و دہن کے رسیا ان استثنائی خصوصیات کے حامل افراد کے مقام تک پہنچنے کا تصور بھی نہیں کر سکتے تاہم اس میں شک نہیں کہ دینی امور میں ان عظیم المرتبت خواتین کے اسوۂ حسنہ کی پیروی اور عائلی زندگی میں ان کے اتباع کی مساعی جمیلہ ہی ہمارے لئے تزکیۂ نفس کا باعث ہوں گی۔

خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

دُنیا کے نامور صدیقی بزرگ

محمد دین کلیم

امیر المومنین سیدنا حضرت صدیق اکبر خلیفہ اوّل کا اسم گرامی قدر عبد اللہ تھا۔ کُنیت ابو بکر اور القاب پاک صدیق و عتیق ہیں۔ والد ماجد کا نام عثمان اور کنیت ابو قحافہ تھی۔ والدہ مکرمہ سلمٰی (اُم الخیر) تھیں آپ قریش کی ایک ممتاز شاخ تیم سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ اپنے والد کے اکلوتے فرزند ارجمند تھے دو ہمشیرگان ام فروۃ اور قریبہ تھیں۔ ام فروۃ کا دوسرا نکاح حضرت اشعث بن قیس سے ہوا۔ اور قُریبہ کی شادی حضرت قیس بن سعد بن عبادۃ الانصاری سے ہوئی تھی۔ جو بلند پایہ صحابی تھے۔ آپ کا شجرہ نسب چھٹی پُشت پر حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ مل جاتا ہے۔

آپ کی اولاد کی تفصیل اس طرح ہے۔

(۱) حضرت عبد الرحمٰن:

اُم رومان کے بطن سے تھے۔ اور آپ کے سب سے بڑے صاحبزادے تھے۔ حضرت عائشہ رض آپ کی سگی بہن تھی۔ ان کا وصال ۵۳ھ مطابق ۶۷۲ء میں ہوا۔

(۲) حضرت عبد اللہ:

یہ قتیلہ بنت عبد العزّٰی کے بطن سے پیدا ہوئے۔ اور حضرت اسمائ کے حقیقی بھائی تھے۔ ہجرت کے وقت غارِ ثور میں آپ دن بھر کی تمام خبریں آپ تک پہنچاتے تھے۔ غزوۃ طائف میں آپ حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب تھے۔ تیر کا زخم پاؤں میں لگا۔ جس سے جانبر نہ ہو سکے۔ ۱۱ھ مطابق ۶۳۲ء میں وفات پائی۔

(۳) حضرت محمد:

اولادِ ذکور میں یہ سب سے چھوٹے تھے۔ مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے۔ قاسم آپکے صاحبزادے

تھے۔ جو حضرت اسماءؓ کے بطن سے پیدا ہوئے تھے۔

(۴) حضرت اسماءؓ:

آپ حضرت صدیق اکبرؓ کی سب سے بڑی صاحبزادی تھیں۔ ان کا نکاح حضرت زبیرؓ بن عوام سے ہوا تھا۔ حضرت عبداللہ ابن زبیر آپ کے فرزند تھے۔

مکہ معظمہ میں ۷۳ھ مطابق ۶۹۲ء میں کم و بیش سو سال کی عمر میں انتقال کیا۔

(۵) حضرت عائشہ صدیقہ:

اُم رومان کے بطن سے تھیں۔ ان کو ام المومنین بننے کا شرف حاصل ہوا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی محبوب ترین بیوی تھیں۔ آپ حضرت عبدالرحمٰن کی حقیقی بہن تھیں۔

مدینہ طیبہ میں ۵۸ھ مطابق ۶۷۷ء میں وصال فرمایا، اور جنت البقیع میں دفن ہوئیں۔

(۶) حضرت اُم کلثوم:

حضرت حبیبہ بنت خارجہ کے بطن سے پیدا ہوئیں۔ پیدائش کے وقت آپ کے والد گرامی (حضرت صدیق اکبر) وصال فرما چکے تھے۔ اس لئے آپ کا شمار تابعین میں ہوتا ہے۔

لڑکوں میں سلسلۂ نسل حضرت عبدالرحمٰن اور محمد سے چلا۔ حضرت عبداللہ کا سلسلہ ختم ہو گیا۔

شیخ ابوالنجیب سہروردی ۵۶۳ھ

حضرت مولانا نورالدین محمد عبدالرحمان جامی نقشبندی اپنی تالیف "نفحات الانس" میں آپ کے سوانح بعنوان "شیخ ضیاءالدین ابوالنجیب عبدالقاہر سہروردی" لکھتے ہیں۔ کہ آپ کا نسب بارہ واسطوں سے حضرت ابوبکر صدیقؓ تک پہنچتا ہے۔ اور بیعت شیخ احمد غزالی برادر حجۃ الاسلام امام محمد غزالی سے ہے۔ آپ شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی کے عم محترم تھے۔ ولادت ۴۹۰ھ مطابق ۱۰۹۷ء بمقام سہرورد ہوئی۔ بعد میں بغداد تشریف لائے۔ تو یہاں کے علماء و فقہا نیز محدثین سے مروجہ علوم و فنون میں کمال حاصل کیا۔ پھر اصفہان کے فضلا سے بھی استفادہ کیا۔ تکمیل علوم درسیہ و دینیہ کے بعد بغداد چلے آئے اور یہاں دریائے دجلہ کے کنارے سلسلہ عالیہ سہروردیہ کی عظیم خانقاہ کی بنیاد رکھی۔ جہاں بلاد اسلامیہ سے لوگ جوق در جوق فیوض و برکات حاصل کرنے کے لئے آنے لگے۔ آپ طیلسان اوڑھتے۔ علما کا لباس زیب تن کرتے اور خچر پر سواری کرتے تھے۔ معتقدین کے ہجوم ان کے خچر کی رکاب تھامے رہتے اور ساتھ ساتھ چلتے تھے۔ بے شمار دنیا نے آپ سے راہِ ہدایت پائی۔

آپ نے بہت زیادہ مجاہدات و ریاضات کئے۔ عوام الناس۔ علماء کے علاوہ شاہانِ وقت بھی آپ کا بہت احترام کرتے تھے۔ ۵۴۵ھ مطابق ۱۱۵۳ء میں سلطان مسعود سلجوقی اور خلیفہ بغداد کی درخواست پر مدرسہ

نظامیہ کے صدر مقرر ہوئے۔ مگر دو سال بعد مستعفی ہو گئے۔ شیخ جمالی سیر العارفین میں لکھتے ہیں۔ کہ جب حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ بغداد تشریف لائے۔ تو انہوں نے آپؒ سے فیضان صحبت حاصل کیا۔ نیز آپ کو قطب ربانی غوث صمدانی سید عبدالقادر جیلانی کی صحبت مبارک کا بھی شرف حاصل ہوا۔ صاحب سفینۃ الاولیاء لکھتا ہے۔ کہ آپ نے حضرت شیخ سے ہی خرقۂ تبرک حاصل کیا تھا۔

خلفاء:

آپ کے خلفاء میں شیخ وجیہہ الدینؒ۔ عمار یاسرؒ۔ شیخ روزبہان کبیر مصریؒ۔ شیخ اسماعیل مصری۔ شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردیؒ۔ حافظ عبدالکریم بن محمد محدث خراسانیؒ۔ حافظ علی بن حسن بن عساکرؒ مصنف تاریخ دمشق شیخ نجم الدین کبریٰ۔ بہت معروف ہستیاں گزری ہیں۔

علامہ عبدالوہاب الشعرانی مصنف طبقات الکبریٰ لکھتے ہیں "کہ یہ مشہور آفاق تھے۔ اور ہر ملک سے لوگ ان کے پاس آتے تھے۔ نسب نامہ ان کا حضرت صدیق اکبرؓ تک منتہی ہوتا ہے۔"

تصنیفات:

آپؒ کی تصانیف بہت سی ہیں۔ جن میں آداب المریدین کو ایک خاص مقام حاصل ہے۔ مصنف کا طریقہ بیان یہ ہے۔ کہ پہلے کلام پاک سے استدلال کرتے ہیں۔ پھر احادیث پیش کرتے ہیں۔ اور آخر میں اساطین صوفیہ کے اقوال سے اسناد و استشہاد کرتے ہیں۔ اردو زبان میں اس کے کئی ایک تراجم شائع ہو چکے ہیں۔ کتاب میں صفات الٰہی۔ فقر۔ جنت و دوزخ۔ کرامات اولیاء۔ لباس۔ شطحیات۔ سماع۔ آداب سفر و ملاقات اور دیگر مضامین تصوف پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔

مولانا جامیؒ نے آپ کا وصال ۵۳۳ھ مطابق ۱۱۳۸ء میں تحریر کیا ہے۔ مگر عبدالوہاب الشعرانی مصنف طبقات کبریٰ اور صاحب سفینۃ الاولیا نے آپ کی تاریخ وفات ۵۶۳ھ مطابق ۱۱۶۷ء تحریر کی ہے۔ آپؒ کا مرقد منور اپنی تیار کردہ خانقاہ برلب دریائے دجلہ بغداد میں بنا۔

فخر مدبّر

اُن کا اصل نام محمد تھا اور لقب مبارک شاہ اور فخر مدبّر۔ تاریخ میں اُن کا نام اس طرح لکھا گیا ہے۔ شریف محمد بن منصور الملقب بہ مبارک شاہ فخر مدبّر۔ اُن کا باپ ابوالحسن منصور غزنی کے جید علماء میں شمار ہوتا تھا۔ اُن کا پردادا شریف ابوالفرج سلطان ابراہیم غزنوی کا معتمد خازن تھا۔ فخر مدبر عربی الاصل تھا۔ اُن کا شجرہ نسب حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جا ملتا ہے۔ وہ ابومسلم خراسانی کو بھی اپنے آباؤ اجداد میں شمار کرتے تھے۔

ابتدائی تعلیم غزنی میں قاضی القضاۃ عزالدین عمر۔ خواجہ امام طرائفی۔ قاضی محمود وغیرہم سے حاصل کی غزنی

میں پیدا ہوئے پھر اس کے اسلاف پہلے ملتان اور بعد میں لاہور آکر سکونت پذیر ہو گئے ۵۸۳ھ مطابق ۱۱۸۷ء کو سلطان شہاب الدین غوری نے لاہور فتح کیا اور وہ سلطان خسرو ملک غزنوی کو اپنے ہمراہ غزنی لے گیا۔ فخر مدبر کو بھی اس کے ساتھ لے جایا گیا اور وہ وہاں سے املاک و اوقافِ اسلاف کے کاغذات لے کر لاہور واپس آگئے۔

انہوں نے اپنی زندگی تصنیف و تالیف میں گزاری۔ اُن کی پہلی کتاب بحر الانساب ہے جو انہوں نے تکمیل کے بعد سلطان قطب الدین ایبک کو پیش کی جس نے اس کو پسند کیا اور ایک نسخہ شاہی کتب خانے میں رکھنے کا حکم دیا۔ اس کتاب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ صحابہ کرام۔ مہاجرین و انصار۔ عشرہ مبشرہ۔ ملوک عجم و شام و یمن کے نسب نامے دیئے گئے ہیں۔ آخر میں سامانی۔ غزنوی اور غوری بادشاہوں کے شجرے درج کئے ہیں۔

اُن کی دوسری کتاب آداب الحرب والشجاعت ہے جو انہوں نے سلطان شمس الدین التمش سے منسوب کی ہے۔ اس میں جنگ و جدل کے اصول و ضوابط اور کارنامے بیان کئے ہیں۔ اپنے بیان کی تائید میں "قرآن و احادیث سے استنباط کیا ہے۔ اس کتاب کے قلمی نسخے برٹش میوزیم لائبریری لندن رائل ایشیاٹک سوسائٹی بنگال اور انڈیا آفس لائبریری لندن میں موجود ہیں۔

فخر مدبر نے شمس الدین التمش کے عہد میں اغلباً ۱۲۳۶ء میں لاہور میں وفات پائی اور یہیں دفن ہوئے مگر اس کی قبر کا نشان معلوم نہیں ہو سکا۔

شیخ شہاب الدین سہروردی (ف ۶۳۲ھ)

مولانا عبدالرحمٰن جامی صاحب 'نفحات الانس'۔ امام یافعی کے حوالہ سے آپ کے القابات اس طرح لکھتے ہیں :" استاد زمانہ۔ فرید آوانہ۔ مطلع الانوار۔ منبع الاسرار۔ دلیل الطریقہ۔ ترجمان الحقیقت۔ استاد الشیوخ۔ الاکابر الجامع۔ بین علم الباطن والظاہر۔ قدوۃ العارفین۔ عمدۃ السالکین۔ العالم الربانی شہاب الدین ابوحفص عمر بن محمد البکری سہروردی قدس اللہ سرہٗ۔ آپ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی اولاد سے تھے۔ مشہور مؤرخ ابن خلکان آپ کا شجرہ نسب اس طرح لکھتا ہے۔" ابوحفص عمر بن محمد بن عبداللہ بن محمد عمویہ بن سعد بن حسین بن قاسم بن علقمہ بن نصر بن معاذ بن عبدالرحمٰن بن قاسم بن محمد بن ابو بکر الصدیق رضؓ

سولہ سال کی عمر میں ہی تمام علوم درسیہ و دینیہ میں کمال حاصل کر لیا تھا۔ ولادت قصبہ سُہرورد میں ۵۳۶ھ مطابق ۱۱۹۱ء میں ہوئی۔ جو کہ عراق کے پہاڑی علاقہ کے اس راستہ پر ہے۔ جو آذربائیجان کو جاتا ہے۔

آپ ہر سال حج الحرمین الشریفین کے لئے جایا کرتے تھے۔ مکہ معظمہ کے بعد مدینہ منورہ میں حضورِ قلب سے

حاضری دیتے تھے۔

غوث الاعظم حضرت سید عبد القادر جیلانیؒ نے فرمایا تھا "اے عُمر۔ آپ سرزمین عراق کے آخری مشہور انسان ہیں۔ اور حضور غوث الثقلین کے وصال کے بعد بغداد شریف میں آپ کی حکومت مسلمہ تھی۔ اپنے زمانہ کے شیخ الشیوخ اور قطب الاقطاب تھے۔ حضرت خواجہ فرید الدین گنج شکر بھی چندے آپ کی صحبت سے مستفیض ہوئے۔

زبردست مجتہد اور فقیہہ تھے۔ مسلکاً شافعی تھے۔

لکھا ہے۔ کہ آپ کی خدمت میں خرچ کا مال ہر روز دس بارہ ہزار روپے آتے۔ اور سب خانقاہ میں خرچ ہو جاتے۔ سینکڑوں غربا اور مساکین دونوں وقت پیٹ بھر کر اُٹھتے۔ نیز حاجتمند لوگ سبھی فیضیاب ہوتے۔ عادت مقدسہ تھی کہ جو روزانہ آتا شام کو اُس میں سے کچھ بھی باقی نہ رکھتے۔

صاحب نفحات الانس آپ کی وفات سنہ ۷۱۶ھ مطابق سنہ ۱۳۱۶ء تحریر کرتا ہے، جو درست نہیں ہے۔ آپ کا وصال سنہ ۶۳۲ھ مطابق سنہ ۱۲۳۴ء میں ہوا۔ اور اپنے پیر و مرشد کے جوار میں مدفون ہوئے۔ مرقدِ منور بغداد شریف میں مرجع عوام و خواص ہے۔

آپ کے خلفاء میں مندرجہ ذیل حضرات بہت معروف ہیں:۔

۱۔ حضرت بہاءُ الدین زکریا ملتانیؒ ۲۔ سید جلال الدین تبریزیؒ ۳۔ شیخ حمید الدین ناگوریؒ

۴۔ شیخ نور الدین مبارک غزنویؒ ۵۔ شمس العارفین شاہ ترکمان بیابانیؒ ۶۔ شیخ سعدی شیرازیؒ

۷۔ سید جلال الدین سرخ بخاریؒ۔

کم و بیش آپ کی اکیس تصانیف بتائی جاتی ہیں۔ جن میں سے چند ایک کے نام اس طرح ہیں۔

(۱) عوارف المعارف (۲) بہجۃ الاسرار (مناقب غوث اعظم)

(۳) رشف النصائح (۴) اعلام الھدیٰ فی عقیدۃ ارباب التقی

(۵) کتاب الاوراد (۶) تفسیر القرآن

(۷) جذب القلوب (۸) مقامات العارفین

مولانا جلال الدین رُومی (ف سنہ ۶۷۲ھ)

اسم مبارک محمد اور لقب جلال الدین ہے۔ اور مولانائے روم سے معروف ہیں۔ سلسلہ نسب سیدنا حضرت صدیق اکبر خلیفہ اوّل سے اس طرح ملتا ہے۔ محمد بن محمد بن حسین بن احمد بن قاسم بن مسیب بن عبد اللہ بن عبد الرحمانؓ بن ابی بکر الصدیقؓ۔ حسین بلخی جو ایک بہت بڑے صوفی اور صاحب حال بزرگ تھے۔ سلاطین وقت کی نگاہ میں ان کی بڑی قدر و منزلت تھی۔ اور اس وجہ سے محمد خوارزم شاہ نے اپنی دختر۔ نیک اختران کے حبالۂ عقد میں دے دی تھی۔ جن کے بطن سے محمد المعروف بہاء الدین

پیدا ہوئے۔ جو مولانا روم کے والد گرامی تھے، اور بلخ میں متوطن تھے۔ انہوں نے اپنے علم وفضل کی وجہ سے بے پناہ شہرت اور مقبولیت حاصل کی۔ خراسان کے تمام دُور دراز مقامات سے انہیں کے پاس فتاوٰی آتے تھے۔ علاوہ بریں درس و تدریس کے فرائض سے کبھی غافل نہیں تھے۔ امام فخر الدین رازی ان کے ہمعصر تھے۔ امام رازی فلسفہ یونان کے حامی تھے۔ اور حضرت بہاءالدین تصوّف کے پُرجوش مبلّغ تھے۔ ایکدفعہ امام رازی نے محمد خوارزم شاہ سے ان کی شکایت کی۔ جس بنا پر آپ نے بلخ چھوڑ دیا۔ اور ۶۱۰ھ مطابق ۱۲۱۳ء میں نیشا پور پہنچے۔ جہاں خواجہ فریدالدین عطّار (مؤلف منطق الطّیر) آپ کی زیارت کو آئے۔ اس وقت مولانا روم کی عمر چھ سال کی تھی۔ حضرت عطّار نے شیخ بہاءالدین سے کہا۔ کہ یہ بچہ جوہر قابل ہے۔ اور اپنی مثنوی "اسرار نامہ" مولانا کو پیش کی۔ پھر یہ باپ بیٹا نیشا پور سے بغداد۔ حجاز۔ شام۔ زنجان سے ہوتے ہوئے لارندہ پہنچے۔ یہاں حضرت بہاءالدین نے اپنے فرزند مولانا روم کی شادی کردی۔ اس وقت ان کی عمر ۱۸ برس تھی۔ یہاں ہی سلطان ولد ۶۲۳ھ مطابق ۱۲۲۶ء میں پیدا ہوئے۔ چند سال کے بعد قونیہ چلے گئے۔ جہاں شیخ بہاءالدین نے ۶۲۸ھ مطابق ۱۲۳۰ء میں وفات پائی۔

مولانا رُوم کی ولادت ۶۰۴ھ مطابق ۱۲۰۷ء میں بمقام بلخ ہوئی۔ ابتدائی تعلیم و تربیت اپنے والد گرامی سے حاصل کی۔ والد مکرم کے انتقال کے بعد شام۔ دمشق۔ حلب کے دینی مدارس سے مستفیض ہوئے اور تمام علوم وفنون میں یکتائے زمانہ بن گئے۔ مولانا جامی نفحات الانس' میں آپ کی بہت تعریف و توصیف بیان کرتے ہیں۔

آپ کے ہی زمانہ حیات میں منگولوں نے سینکڑوں بلکہ ہزاروں، قصبات اور شہروں کو غارت کر دیا۔ اور کم و بیش نوّے لاکھ آدمی قتل کر دیئے۔ یہ سیلاب ۶۱۵ھ مطابق ۱۲۱۸ء سے شروع ہُوا۔ اور ساتویں صدی ہجری کے آخر تک برابر بڑھتا گیا۔ بغداد کی تباہی و بربادی کے متعلق شیخ سعدی کا مرثیہ قیامت تک یادگار رہے گا۔

اِس دَورِ پُرفتن اور پُرآشوب میں دُنیائے اسلام کی درجِ ذیل معروف ہستیاں گزری ہیں:۔

شیخ شہاب الدین سہروردی۔ فخر الدین عراقی۔ شیخ فریدالدین عطار۔ امام فخر الدین رازی۔ شیخ سعدی۔ شیخ محی الدین ابن عربی۔ مولانا صدرالدین تونوی۔ محقق طوسی۔ یاقوت حموی۔ شاذلی ابن الاثیر مؤرخ ابن الفارض۔ مؤرخ بغداد ضیاء بن بیطار۔ ابن حاجب۔ عبداللطیف بغدادی۔

کم و بیش ان سب بزرگان سے آپ کی ملاقات اور صُحبت رہی۔

مولانا روم اور شاہ شمس تبریز کی ملاقات کے بارے میں بہت سی روایات وحکایات مختلف کتابوں میں موجود ہیں۔ جن میں سے ایک روایت یہ ہے۔ کہ شمس تبریز کے پیرومرشد باباکمال الدین مینوی نے ان کو حکم دیا۔ کہ رُوم (قونیہ) چلے جاؤ۔ وہاں ایک دل سوختہ ہے۔ اسے تسکین قلب سے

نوازو۔ چنانچہ وہ قونیہ تشریف لائے۔ اور آپ کو روحانیت سے نوازا۔ مولانا نے درس و تدریس کا سلسلہ ختم کر دیا۔ اور اپنے مرشد کے ساتھ صلاح الدین زرکوب کے حجرے میں ذکرو فکر میں مشغول رہے۔ ۶۴۵ھ میں شمس تبریز کا انتقال ہوگیا۔ تو مولانا کو بے حد صدمہ پہنچا۔ چنانچہ آپ کی تسکین کے لئے صلاح الدین زرکوب دکان لٹا کر آپ کے ساتھی بن گئے۔ ان کی وفات ۶۵۷ھ کے بعد ان کے ہمنوا مولانا حسام الدین چلپیؒ بنے۔ جو مولانا کی حیات تک ان کے ساتھ رہے۔

آپ کے دو فرزند تھے۔ علاءالدین محمد اور سلطان ولد۔ مولانا سلطان ولد مسندِ خلافت پر متمکن ہوئے تھے۔ سلطان ولد کی شادی شیخ صلاح الدین کی صاحبزادی سے ہوئی تھی۔

آپ کی وفات ۶ / جمادی الثانی ۶۷۲ھ مطابق ۱۸/ دسمبر ۱۲۷۳ء بمقام قونیہ بروز یکشنبہ غروب آفتاب کے وقت ہوئی۔ اور اپنے والد ماجد کی قبر کے پاس سپرد خاک ہوئے۔ آپ کا مرقد منور آج تک مرجع عوام و خواص ہے۔ مشہور مؤرخ ابن بطوطہ آپ کے مزار اقدس پر حاضر ہوا تھا۔

آپ کی تصانیف میں سے مثنوی اور فیہ مافیہ بہت مشہور ہیں۔

شیخ فخرالدین عراقی (ف ۶۸۸ھ)

ولادت: ہمدان کے نواح میں کمجان کے مقام پر پیدا ہوئے۔ صغیر سنی میں کلام پاک حفظ کرلیا۔ ہمدان کے لوگ آپ کی خوش گلوئی کی بہت تعریف کرتے تھے۔ سترہ سال کی عمر میں ہمدان کے مدرسہ سے منقولات و معقولات پر عبور حاصل کر گئے۔ ولادت ۶۰۰ھ میں ہوئی۔

بعض تذکروں میں آپ کو حضرت شیخ الشیوخ کا بھانجا بتایا جاتا ہے۔ اور انہیں کی خدمت میں رہ کر روحانی تعلیم حاصل کی۔ اور برسوں عبادت و ریاضت میں مصروف رہے۔ حضرت شہاب الدین سہروردی نے آپ کو عراقی کا تخلص عطا کیا تھا۔ نیز ہندوستان جانے کا حکم دیا۔ آپ بغداد سے ملتان حضرت بہاءالدین ذکریا ملتانی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے فیضان حاصل کیا۔

کہتے ہیں۔ کہ ہمدان سے قلندروں کی ایک جماعت کے ساتھ حضرت بہاءالدین ذکریا ملتانی کی خانقاہ میں قیام کیا۔ جب آپ کی نظر اس نوجوان پر پڑی۔ تو اپنے حضرتِ خاص شیخ عمادالدین سے فرمایا۔" اس جوان میں پوری استعداد ہے۔ اسے یہاں ہونا چاہیے۔"

قیام ملتان میں آپ حضرت صاحب کے محبوب خاص بن چکے تھے۔ ایک دفعہ حضرت شیخ ان کو خلوت میں لے گئے۔ جہاں وہ دس یوم چلہ میں بیٹھے۔ گیارہویں روز عجیب کیفیت ہوگئی۔ زار و قطار روتے تھے۔ اور یہ غزل پڑھتے تھے۔

نخستیں بادہ کاندر جام کردند | زچشم مست ساقی وام کردند
چو بے خود خواستند اہل طرب را | شراب بے خودی در کام کردند
برائے صید مرغ جان عاشق | ززلف فتنہ جویاں دام کردند
بہ عالم ہر کجا رنج و بلا بود | بہم بردند و عشقش نام کردند
چو خود کردند راز خویشتن فاش | عراقی را چرا بد نام کردند

مرشد نے اس کے بعد اپنا خرقہ آثار کر ان کو پہنا دیا۔ اور اس مجلس میں اپنی صاحبزادی کی شادی اُن سے کردی۔ شیخ عراقی اپنے مرشد اور خسر کی خدمت میں پچیس سال رہے۔ یہاں ہی ان کے فرزند شیخ کبیرالدین کی پیدائش ہوئی۔

حضرت ذکریا ملتانی کے وصال کے بعد مست و سرشار مکہ معظمہ پہنچے۔ پھر وجدانی کیفیت میں مدینہ منورہ پہنچے اور یہاں ایک رات میں پانچ قصیدے کہے۔ یہاں سے اقصائے روم کی سیاحت کے لئے نکلے۔ قونیہ میں حضرت شیخ محی الدین ابن عربی کے خلیفہ اور سجادہ نشین شیخ صدرالدین کی خدمت میں پہنچے۔ اور اُن سے حضرت ابن عربی کی کتاب فصوص الحکم کا مطالعہ کیا۔ شیخ صدرالدین مولانا روم کے اُستاد تھے۔

وفات ۶۸۸ھ مطابق ۱۲۸۹ء میں دمشق میں ہوئی۔ اور شیخ محی الدین ابن عربی کے مرقد کے عقب میں محلہ صالحیہ میں مدفون ہوئے۔ آپ کی تصنیفات میں لمعات کے علاوہ ایک دیوان اور ایک مثنوی بھی ہے۔ مولانا عبدالرحمٰن جامی نے 'نفحات الانس' میں آپ کی تعریف میں بہت کچھ لکھا ہے۔

شیخ عبداللہ شطاری مانڈوی

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی اپنی مایۂ ناز تصنیف اخبار الاخیار میں لکھتے ہیں۔ کہ آپ ۱۵۰۶ء میں پیدا ہوئے۔ سلسلۂ نسب شیخ الشیوخ حضرت شہاب الدین سہروردی تک منتہی ہوتا ہے۔ ظاہری و باطنی رعب و دبدبہ کے مالک تھے۔ صاحب طریقت و حقیقت تھے۔ اور سلسلہ شطاریہ میں تلقین کرتے تھے۔ مشہور ہے کہ آپ لوگوں کو نقارہ بجا کر بلایا کرتے تھے۔ کہ جو طلبگار ہے۔ وہ آجائے۔ تاکہ اسے اللہ تعالیٰ کی راہ سے روشناس کرایا جائے۔

رسالہ شطاریہ آپ کی مایۂ ناز تصنیف ہے۔ جس میں اس سلسلہ کے اذکار و اوراد اور مراقبات کی تفصیل دی گئی ہے۔ رسالہ کی ابتدا میں شیخ الشیوخ تک اپنا سلسلہ بھی درج فرمایا ہے۔ اور شیخ نجم الدین کبریٰ تک پانچ واسطوں سے آپ کا سلسلۂ ارادت بھی ظاہر کیا ہے۔

شطاری سلسلہ حضرت بایزید بسطامیؒ سے منسوب کیا جاتا ہے۔ یہ لوگ اپنے آپ کو شطاری اس لئے کہتے ہیں کہ سلوک و طریقت میں دوسرے سلاسل کے بزرگان سے زیادہ تیز اور سرگرم (شطار) ہوتے ہیں۔ ہندوستان میں سب سے پہلے اس سلسلے کا رواج آپ نے ہی کیا۔ جو اپنے پیر و مرشد کے ایما پر ایران سے ہندوستان آئے

تھے۔ یہاں آکر آپ نے دیگر بزرگان کے علاوہ شیخ حسام الدین مانکپوری سے بھی ملاقات کی۔ آپ نے کم و بیش جنوبی اور مشرقی ہندوستان کی سیر و سیاحت کی۔

وفات ۱۰۱۰ھ مطابق ۱۶۰۱ء عہد جلال الدین اکبر میں ہوئی۔ اور قلعہ مانڈو میں مرقد منور بنا۔ جو کسی زمانہ میں مالوہ کا دارالخلافہ تھا۔ شیخ محمد اکرام نے آپ کی وفات کی تاریخ ۱۵۷۲ء تحریر کی ہے (رودِ کوثر ص ۳۵)

آپ کے خلیفہ اعظم شیخ محمد علا المعروف شیخ محمد تامنس شطاری بڑے مشہور بزرگ گزرے ہیں۔ انکی تبلیغ کا مرکز ضلع مظفر پور (بہار) تھا۔

بلگرامی آپ کے مرقد کے متعلق لکھتا ہے۔ کہ "مرقد قاضی عبد المنتخب بالائے تل جائے معروف است۔ حریمی و مسجدی دارد بر پشت مسجد جامع و قبور دیگر، ہم از اقربا و فرزندانِ قاضی عبد المنتخب دران حریم واقع شدہ۔" (قاضی عبد المنتخب کا مقبرہ ایک ٹیلے پر معروف مقام ہے۔ ایک روضہ اور ایک مسجد یہاں موجود ہے۔ مسجد کی پشت پر دوسری قبریں ہیں جن میں قاضی عبد المنتخب کے اقربا اور بیٹوں کی ہیں)۔

آپ کی اولاد میں شیخ سعد و شیخ صفی بہت مشہور بزرگ گزرے ہیں۔

شیخ احمد بن شیخ حامد صدیقی

مناقب المحبوبین مصنفہ حاجی نجم الدین (مطبع محمد حسن رامپور ۱۲۸۹ھ) سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ آپ صدیقی بزرگان سے تھے۔ اور حضرت ابو بکر صدیقؓ کی اولاد امجاد سے تھے۔ ان کے آبا و اجداد فجند کے رہنے والے تھے۔ جو عہد شاہجہان میں واردِ ہند ہوئے۔ چونکہ یہ خاندان علم نجوم و ہیئت میں باکمال تھے۔ اسی وجہ سے شاہجہان نے لال قلعہ دہلی کی تعمیر کے لئے ان کو شہر فجند سے طلب کیا تھا۔ شیخ احمد بعد میں احمد معمار نادر العصر کے نام سے مشہور ہوئے۔ ان کے والد شیخ حامد صدیقی تھے۔ اور پوتے سلسلہ عالیہ چشتیہ کے نامور بزرگ حضرت کلیم اللہ شاہجہان آبادی ہوئے ہیں۔

احمد معمار:۔ عہد شاہجہانی کے نامور ماہرین فن میں سے تھے۔ اقلیدس۔ نجوم۔ ریاضی اور ہیئت میں مہارت تامہ رکھتے تھے۔ یونانی ریاضیات کی معروف کتاب مجسطی اور نصیر الدین طوسی کی تحریر اقلیدس کے عالم تھے۔

وفات ۱۰۵۹ھ میں ہوئی۔

لطف اللہ مہندس:۔ احمد معمار کا لائق فرزند تھا۔ علم ہندسہ کا ماہر تھا۔ مہندس خطاب شاہی تھا۔ شعر و شاعری کا بڑا ذوق رکھتا تھا۔ اس کی تصنیفات میں منتخب الحساب شرح خلاصۃ الحساب۔ صور صوفی۔ تذکرہ آسمان سخن۔ رسالہ خواص اعداد۔ دیوان مہندس۔ سحر حلال ہیں۔ دیوان مہندس ۹۶ صفحات پر مشتمل ہے۔ ایک قصیدہ میں شہزادہ دارا شکوہ کی تعریف کی ہے۔

اس کے دو بیٹے تھے۔ امام الدین الریاضی اور خیر اللہ۔ ان دونوں حضرات کی کئی ایک تصنیفات ہیں۔

امام الدین بہت مشہور ریاضی دان تھا۔

عطاء اللہ :۔ احمد معمار کا دوسرا فرزند تھا۔ اس کو نظم و نثر میں کمال حاصل تھا۔ رشیدی تخلص تھا۔ تصنیفات میں نظم و نثر کی کئی کتب ہیں۔ جن میں خزینۃ الاعداد۔ خلاصہ راز۔ مشہور ہیں۔ خلاصہ راز شہزادہ دارا شکوہ کے نام سے معنون ہے۔ اور خلاصہ راز کے قلمی نسخہ جات برٹش میوزیم میں محفوظ ہیں۔ اس نے علمِ حساب۔ علم مساعت اور الجبرا پر ایک منظوم رسالہ بھی لکھا تھا۔

نور اللہ :۔ احمد معمار کا تیسرا نامور بیٹا تھا۔ یہ حضرت شاہ کلیم اللہ شاہجہان آبادی کے والد مکرم تھے۔ جن کو برصغیر پاک و ہند کے چشتی بزرگان میں ایک منفرد مقام حاصل ہے۔ حضرت شاہ نظام الدین اورنگ آبادی

مُلّا جیون امیٹھوی

مولوی رحمان علی مصنف "تذکرہ علمائے ہند" آپ کا ذکر اس طرح کرتے ہیں۔ مُلّا جیون امیٹھوی کا نام شیخ احمد بن ابی سعید بن عبد الرزاق بن خاصہ صدیقی نسب۔ حنفی مذہب تھا۔ قوت حافظہ نہایت تیز تھی۔ ایک مرتبہ سُن کر قصیدہ یاد کر لیتے تھے۔ اور درس کُتب کی عبارت بغیر کتاب دیکھے زبانی سنا دیتے تھے۔ زاں بعد علمائے عصر سے تکمیل علوم و فنون کی۔ سات سال کی عمر میں قرآن مجید حفظ کیا تھا۔ پھر اطراف و اکناف کے عُلماء و فضلا سے تلمذ کیا۔ مولانا لُطف اللہ جہان آبادی سے بھی استفادہ کیا۔ سولہ سال کی عمر میں علوم دینیہ و فنون شرعیہ کی تحصیل و تکمیل سے فراغت حاصل کی۔

جب اورنگ زیب عالمگیر کے پیش ہوئے۔ تو بادشاہ آپ سے انتہائی عزت و تکریم سے پیش آیا۔ اور آپ کی شاگردی اختیار کر لی۔ اور تمام عمر آپ کا ادب ملحوظ رکھا۔ اور ان کے علم و فضل کی وجہ سے بادشاہ نے ان کو مؤلفین فتاویٰ عالمگیری میں شامل کر لیا تھا۔ اور بادشاہ کے پیش امام بھی تھے۔ اکیس سال کی عمر میں آپ نے تفسیر احمدی کو اُن احکام فقیہہ کی تشریح میں جو قرآن پاک سے مستنبط ہوتے تھے تصنیف کیا۔ یہ تفسیر کئی صدیاں گزرنے کے بعد اب بھی ایک خاص اہمیت کی حامل ہے۔

تمام عمر درس و تدریس اور تصنیف و تالیف میں گزاری۔ زیارت حرمین الشریفین سے بھی مشرف ہوئے۔ یکم ربیع الاول ۱۱۰۵ھ مطابق ۱۶۹۳ء میں نور الانوار (شرح منار) لکھنی شروع کی۔ اور ۷، جمادی الاول ۱۱۰۵ھ مطابق ۱۶۹۳ء میں مدینہ منورہ میں بغیر کسی کتاب کی مدد کے مکمل کر دی۔

حسان الہند مولانا غلام علی آزاد بلگرامی لکھتے ہیں۔ "از مشاہیر بزرگان ایتی من توابع لکھنؤ است۔ و نسبش بر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ منتہی می شود"۔

مصنف حدائق الحنفیہ لکھتے ہیں۔ کہ شیخ احمد المعروف بہ مُلّا جیون صدیقی امیٹھوی فقیہہ۔ محدث۔ اُصول جامع معقول و منقول۔ علامۂ وقت۔ اورنگ زیب کے اُستاد تھے۔ صاحب فتویٰ تھے۔ آپ کا نسب حضرت ابو بکر صدیقؓ خلیفہ اول کی طرف منتہی ہوتا ہے۔

وفات ۱۱۳۰ھ مطابق ۱۷۱۷ء عہد فرخ سیر دہلی میں پائی۔ اور میت امیٹھہ میں لے جا کر دفن کی گئی۔

شاہ کلیم اللہ شاہ جہان آبادی

والد کا نام شیخ نور اللہ تھا۔ مصنف تذکرہ علمائے ہند لکھتا ہے۔ کہ خلیفہ اول سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی اولاد سے تھے۔ ولادت باسعادت ۲۴ جمادی الثانی ۱۰۶۰ھ مطابق ۱۶۵۰ء عہد شاہ جہان تھی۔ مولانا فقیر محمد جہلمی اپنی تالیف حدائق الحنفیہ میں لکھتے ہیں۔ کہ آپ اعاظم علما و کبرائے مشائخ میں سے تھے۔ دہلی کے علما و فضلا سے علوم ظاہری و فنون رسمی حاصل کر کے فضیلت و کمالیت کی دستار باندھی۔ پھر حرمین الشریفین کی زیارت کو تشریف لے جا کر مدینہ منورہ میں حضرت شیخ یحیٰی مدنی کے مُرید ہوئے۔ اور مدت تک ان کی خدمت میں ظاہری و باطنی فیوض پاکر اور خرقۂ خلافت حاصل کر کے شاہجہان آباد میں آئے۔ اور درمیان قلعہ و جامع مسجد کے تدریس و تلقین خلائق میں مصروف ہوئے۔

مُفتی غلام سرور لاہوری اپنی تصنیف خزینۃ الاصفیا میں لکھتے ہیں۔ "شیخ کلیم اللہ جہاں آبادی قدس سرہٗ از اعاظم مشائخ و کبرائے اولیائے خاندان چشتیہ نظامیہ است۔ و خرقہ فقر و ارادت از شیخ یحیٰی مدنی دَرے۔"

علوم حقائق و معارف میں کئی کتب تصنیف کیں۔ کتاب سواء السبیل۔ کشکول مرقع۔ قران القران۔ عشرہ کاملہ۔ مکتوبات کلیمی۔ تسنیم۔ الہامات کلیمی۔ شرح القانون۔ رسالہ ردّ روافض۔ رسالہ علم منطق۔ مکتوبات کلیمی۔ بہت مشہور ہیں۔

حضرت شیخ نصیر الدین چراغ دہلی کے وصال کے بعد سلسلہ چشتیہ کا مرکزی نظام درہم برہم ہوگیا تھا۔ یہ آپ کا ہی کارنامہ ہے۔ کہ آپ نے ان کو ایک بار پھر مرکزی حیثیت دی۔"

ڈاکٹر شیخ محمد اکرام اپنی تالیف رود کوثر میں لکھتے ہیں۔ کہ اورنگ زیب عالمگیر کا بیٹا بہادر شاہ شیعہ عقائد سے تائب ہونے کے بعد آپ کا مرید ہوا تھا۔

آپ کی خانقاہ خانم بازار دہلی میں تھی۔ اور یہیں مسکن اور درس و تدریس کے علاوہ رُشد و ہدایت کے چشمے پھوٹتے تھے۔ مآثر الکرام میں میر غلام علی آزاد بلگرامی آپ کی وفات ۱۱۴۳ھ مطابق ۱۷۳۰ء عہد محمد شاہ رنگیلا تحریر کرتا ہے۔ مگر مصنف تذکرہ علمائے ہند رحمان علی ۲۴۔ ربیع الاول ۱۱۴۲ھ مطابق ۱۷۔ اکتوبر ۱۷۲۹ء تحریر کرتا ہے۔ مزار آپ کا دہلی میں زیارت گاہِ خلائق ہے۔

وصال کے وقت یہ بیت زبان پر تھا۔

غبار خاطر عشاق مدعا طلبی است "
بخلوتے کہ منم یاد دوست بے ادبیست

اولاد میں خواجہ محمد۔ حامد سعید۔ محمد فضل اللہ۔ محمد احسان اللہ اور خلفاء میں شاہ نظام الدین اورنگ آبادی۔ شاہ محمد ہاشم۔ شاہ ضیاء الدین اور شیخ بدیع الدین عُرف شیخ مداری ناگوری بہت مشہور ہیں۔

حضرت نظام الدین اورنگ آبادی

ولادت تاریخ مشائخ چشت کے مصنف جناب خلیق احمد نظامی بحوالہ خاتم سلیمانی ۱۰۷۵ھ مطابق ۱۶۶۴ء عہد اورنگ زیب عالمگیر تحریر کرتے ہیں۔ سلسلہ نسب شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی کے واسطہ سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک پہنچتا ہے۔ کئی مورّخ لکھتے ہیں کہ آپ کا اصل وطن غور تھا۔ ابتدائی تعلیم و تربیت وہیں حاصل کی۔ اور پھر دہلی چلے آئے۔ جو اس زمانہ میں ہندوستان کا علمی و روحانی مرکز تھا۔ شاہ کلیم کی خانقاہ میں پہنچے۔ اور بعد ازاں ان کے نامور شاگرد اور خلیفہ بنے۔ حضرت شاہ صاحب نے آپ کی روحانی تربیت میں نمایاں حصہ لیا۔ اور جب دیکھا۔ کہ انہوں نے علوم و فنون کے تمام مدارج طے کر لیے ہیں تو ان کو بیعت سے مشرف فرما کر دکن جانے کا حکم دیا۔ وہاں پہنچ کر آپ نے دکن کے لشکریوں میں تبلیغ و اصلاح کا کام کیا۔ جو اس قدر مقبول ہوا کہ فوجوں کے سپاہی اور سپہ سالار تک آپ کے گرویدہ ہو گئے۔

آپ حضرت شاہ کلیم اللہ شاہجہان آبادی کے عزیز ترین مرید اور خلیفہ مجاز تھے۔ جو آپ کے حکم سے ہدایت و تبلیغ کے لئے دکن چلے گئے اور وہاں سلسلہ عالیہ چشتیہ کی شاندار خانقاہ قائم کی۔ دکن میں آپ کا قیام مختلف مقامات پر رہا۔ آپ کا خیال تھا کہ برہان پور کو اپنا مستقر قرار دیا جائے۔ مگر قضائے الٰہی سے ایسا نہ ہو سکا۔ اور مستقلاً ٹھکانہ آپ کا اورنگ آباد بنا۔ اور نشر و اشاعت اسلام میں مصروفِ عمل ہو گئے۔ حضرت خواجہ محمد سلیمان تونسوی کے ملفوظات میں لکھا ہے۔ کہ حضرت نظام الدین کی خانقاہ کے دس دروازے تھے۔ ہر دروازے پر ایک کاتب بیٹھا رہتا تھا۔ جو حاجت مند آتا اُس کی حاجت کو لکھ کر دے دیتا۔ اور اس پر آپ کی مہر لگا دی جاتی۔ اور جس امیر سے کام ہوتا اس کے پاس بھیج دیتے۔

آپ کو اتباعِ سُنّت کا بڑا خیال تھا۔ مریدوں کی روحانی تربیت میں اپنے پیر و مرشد کی تعلیمات و ہدایات کا خیال رکھتے۔ اور اُن سے سرِ مُو بھی انحراف نہ کرتے۔ دن رات کا بیشتر حصہ عبادت۔ ریاضت اور درود و وظائف میں گزارتے۔ عوام الناس کے غموں کو اپنا غم سمجھتے تھے۔ ہر شخص خواہ وہ آشنا ہو یا بیگانہ اُس سے خلوص سے ملتے تھے۔ ہر آنے والے کو کچھ نہ کچھ ضرور کھلاتے۔ اگر کچھ نہ ہوتا تو عطر ہی عطا فرما دیتے۔ آپ اُمرا اور سلاطین سے حتی الامکان ملنے سے گریز کرتے تھے۔

تصنیفات میں نظام القلوب بہت مشہور ہے۔ نظام الملک آصف جاہ اول نے ایک کتاب "رشک گلستان ارم" آپ کے حالات میں لکھی تھی۔ آپ کے حالات و ملفوظات میں ایک دوسری کتاب خواجہ کامگار خاں نے احسن الشمائل کے نام سے منضبط کی تھی۔

صاحب خزینۃ الاصفیا کہتے ہیں۔ "شیخ نظام الدین ولی اورنگ آبادی قدس سرہٗ از عظمائے مشائخ متاخرین و کبرائے علمائے دین متین است و از مشائخ عالیہ چشتیہ کہ در آمان آخرین بودہ اند ہیچ کس را ایں چنیں فتوحات ظاہری و

باطنی بہ وقوع نیامدہ است کہ ویرا بود نسبت آبائی کرام دے بشیخ الشیوخ سہروردی منتہی میشود۔"

سلطنت حیدر آباد دکن کا بانی میر قمر الدین علی خاں جو عہد مغلیہ میں ایک صوبیدار تھا۔ نے جب حضرت شاہ کلیم اللہ شاہجہان آبادی سے دکن کی حکومت مانگی۔ تو آپ نے میر صاحب کو حضرت نظام الدین اورنگ آبادی کے حوالے کر دیا۔ جس پر اُس کی یہ خواہش پوری ہوئی۔ اور وہ پہلی بیوی سے پہلا نظام دکن بنا۔ دو صاحبزادے محمد اسماعیل اور فخر الدین تھے۔ اور دوسری سے غلام معین الدین۔ غلام بہاء الدین اور غلام کلیم اللہ تھے۔

خلفاء میں خواجہ فخر الدین دہلوی۔ خواجہ کامگار خاں۔ خواجہ نور الدین بہت معروف ہستیاں تھیں۔

وفات آپ کی ۱۱۴۲ھ مطابق ۱۷۲۹ء میں بعہد محمد شاہ رنگیلا بموجب صاحب مناقب المحبوبین بعمر ۸۲ سال ہوئی۔ مصنف انوار اصفیاء مرتبہ ادارہ تصنیف و تالیف شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور لکھتا ہے۔ کہ آپ کی اولاد میں سے شاہ نصیر الدین فخری۔ شاہ نظام الدین فخری اور حضرت شاہ کمال الدین فخری ہجرت کر کے پاکستان آ گئے۔

حضرت فخر الدین محبّ النبی چشتی دہلوی

حضرت نظام الدین اورنگ آبادی کے فرزند ارجمند تھے۔ ولادت ۱۱۲۶ھ مطابق ۱۷۱۴ء عہد فرخ سیر میں اورنگ آباد میں ہوئی۔ فخر الدین نام آپ کے دادا پیر حضرت شاہ کلیم اللہ شاہجہان آبادی نے تجویز کیا تھا۔ آپ باپ کی جانب سے صدیقی تھے۔ اور ماں حضرت سید محمد گیسو دراز بندہ نواز غریب نواز کی اولاد سے تھیں۔ آپ کا لقب محبّ النبی تھا۔ ابتدائی تعلیم و تربیت آپ نے اورنگ آباد میں اپنے والد کی خانقاہ سے حاصل کی خصوص الحکم شمس بازغہ۔ صدرا وغیرہ کتابیں میاں محمد جان سے پڑھیں۔ ہدایہ مولانا عبد الحکیم سے اور مسند حدیث حافظ اسعد الانصاری اعلیٰ ثم اورنگ آبادی سے حاصل کی۔ اس کے علاوہ شرح وقایہ۔ مشارق الانوار اور نفحات الانس وغیرہ اپنے والد سے پڑھیں۔ علم حدیث آپ نے حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی سے حاصل کیا تھا۔

بیعت اپنے والد سے کی۔ محب النبی کا لقب آپ کو سلطان الہند حضرت خواجہ معین الدین چشتی کی طرف سے عطا ہوا تھا۔ ۱۹ سال کی عمر میں آپ نے شاہی لشکر میں ملازمت اختیار کر لی تھی۔ دن کو نوکری کرتے اور رات کو عبادت۔ مگر جلد ہی نوکری ترک کر کے واپس اورنگ آباد آ گئے۔ اور مسندِ ہدایت کو زینت دی۔ آپ کئی دفعہ لاہور تشریف لائے۔ خلاصہ تواریخ مشائخ چشتیہ مؤلفہ مولا بخش چشتی میں لکھا ہے۔ کہ ایک دفعہ آپ پاک پٹن شریف جا رہے تھے۔ تو آپ براستہ لاہور گئے۔ قیام لاہور میں آپ نے یہاں آٹھ راتیں گزاریں اور مختلف مزارات پر حاضری دی۔ اور کئی ایک شیوخ سے ملے۔ بالخصوص لاہور میں سید محرم اللہ نقشبندی سے ملے۔ مرقدِ منور حضرت داتا صاحب پر معتکف رہے۔ مزار پُر انوار حضرت میاں میر پر تین یوم قیام فرما رہے۔ اس کے علاوہ اجمیر۔ دہلی۔ پاک پٹن۔ پانی پت۔ لاہور اور دیگر مقامات کے بے شمار چشتی بزرگان کے مزارات پر بھی حاضری تھی۔ اور فیوض و برکات حاصل کئے تھے۔

دہلی میں قیام آپ نے حضرت خواجہ اجمیری کے ایما پر کیا۔ پچیس سال کی عمر میں اورنگ آباد سے دہلی پا پیادہ آئے۔ اس قیام میں آپ نے سلسلہ عالیہ چشتیہ کے تمام بزرگان کے مزارات پر حاضری دی۔ اور پھر درس وتدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ دہلی میں ہی حضرت خواجہ نور محمد مہاروی نے آپ سے بیعت کی۔

مفتی غلام سرور لاہوری اپنی تالیف حدیقۃ الاولیا میں لکھتے ہیں "اعلم علما عظمائے مشائخ وکبرائے خلفائے شیخ نظام الدین اورنگ آبادی اپنے باپ کے نقش قدم پر تھے حضرت کی ذات عالم علوم شریعت و واقف رموز طریقت ومحرم اسرار حقیقت۔ جامع کمالات ظاہری و باطنی تھے۔ خداوند تعالےٰ نے خاندان چشت اہل بہشت میں ان کو زمانہ آخر کا قطب پیدا کیا تھا۔"

علامہ عبد الحئی بن فخر الدین الحسن اپنی تالیف نزہۃ الخواطر میں لکھتے ہیں "الشیخ العالم الزاہد المجاہد فخر الدین بن نظام الدین اورنگ آبادی الصدیقی الشہابی اورنگ آبادی ثم الدہلوی کان اصلہ "نگرام" قریۃ جامعۃ من اعمال "لکھنؤ"۔

دہلی میں آپ کا مدرسہ اجمیری دروازہ میں واقع مدرسہ امیر غازی الدین خاں فیروز جنگ میں تھا۔ امیر شریعت و طریقت وعارف باللہ تھے۔ آپ کے درس کی شہرت تمام ہندوستان میں تھی۔

آپ کے خلفا میں حضرت خواجہ نور محمد مہاروی۔ شاہ نیاز احمد بریلوی چشتی فخری نظامی۔ حضرت حاجی لعل محمد نواب نظام الملک غازی الدین خاں مصنف مناقب فخریہ بہت ممتاز گزرے ہیں۔ بہادر شاہ ظفر نے اپنے دیوان میں جگہ جگہ آپ سے عقیدت کا اظہار کیا ہے۔ تصنیفات میں رسالہ فخر الحسن۔ رسالہ مرجیہ۔ نظام العقائد مشہور ہیں۔

آپ نے وفات ۱۱۹۹ھ مطابق ۱۷۸۴ء میں بمقام دہلی پائی۔ اور حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے مرقد منور کے قرب وجوار میں دفن ہوئے۔

مصنف تفسیر عزیزی حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی نے مقدمہ میں آپ کی بہت تعریف کی ہے۔

مولانا غلام قطب الدین ۱۲۳۳ھ

آپ حضرت خواجہ فخر الدین فخر جہاں شاہ جہان آبادی کے فرزند تھے۔ جو اپنے والد مکرم کے وصال کے بعد اُن کے سجادہ نشین ہوئے۔ وہ اپنے تقدس اور زہد وورع کے اعتبار سے نامور بزرگ تھے۔ آپ کی ولادت دکن میں ہوئی تھی۔ آپ کے والد مکرم جب دہلی تشریف لائے تو ان کو اپنی ہمشیرہ کے سپرد کر دیا تھا۔

بادشاہ دہلی اکبر شاہ ثانی اور بہادر شاہ ظفر آپ کے مرید تھے۔ بہادر شاہ ظفر لکھتا ہے۔

مرید قطب دیں ہوں، خاکپائے فخر دیں ہوں میں
اگرچہ شاہ ہوں۔ ان کا غلام کمتریں ہوں میں
بہادر شاہ میرا نام ہے مشہور عالم میں
ولیکن اے ظفر ان کا گدائے رہ نشیں ہوں میں

شجرۃ الانوار کے حوالہ سے مصنف تاریخ مشائخ چشت لکھتا ہے۔

"حضرت ظل سبحانی محمد اکبر شاہ بادشاہ ...... باعتقاد تمام مرید آں فرزند رشید حضرت فخر صاحب گشتند و بعضے فرزندان و متعلقان خود را نیز مرید کنانیدند"

وفات آپ کی ۸ - محرم الحرام ۱۲۳۳ھ مطابق ۱۸۱۷ء ہوئی - اور حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے جوار میں مدفون ہوئے - آپ کے فرزند ارجمند میاں نصیر الدین المعروف کالے صاحب دہلی میں نہایت قابلِ احترام و تعظیم بزرگ تھے۔

مولوی رحمان علی صدیقی

اصلی نام محمد عبد الشکور بن حکیم شیر علی صدیقی ہے۔ ۱۲۴۴ھ مطابق ۱۸۲۸ء میں قصبہ نارہ عُرف احمد آباد ضلع الہ آباد میں پیدا ہوئے - ان کے والد ماجد اپنے زمانہ کے نامور طبیب تھے۔ تعلیم اپنے زمانہ کے مشہور عُلما شاہ سلامت اللہ کشفی بدایونی - قاری عبدالرحمٰن پانی پتی - سید حسین علی فتح پوری اور مولانا عبد اللہ فرید پوری سے حاصل کی - اس کے بعد ریاست ریواں میں اعلیٰ عہدوں پر فائز رہے - ۱۸۸۷ء میں خان بہادری کا خطاب ملا - ارادت حافظ حاجی محمد حسین محب اللہی الہ آبادی المتوفی ۱۹۰۵ء سے تھی - جنہوں نے ان کو چاروں خاندانوں میں اجازت بیعت و خلافت دی تھی - ان کی وجہ سے ریاست ریواں میں علوم دینیہ اور حفظ قرآن کی خوب اشاعت ہوئی - آپ کے کتب خانہ میں نادر و نایاب کُتب تھیں۔

تصنیفات میں "تذکرہ علمائے ہند" نے بقائے دوام حاصل کیا - نظم و نثر میں کئی ایک تالیفات ہیں - جن میں ریاض الامرا - کرسی نامہ قوم بگھیل - تاریخ التواریخ - آداب احمدی - طب رحمانی - عجالہ نافعہ - کفارۃ الذنوب تحفہ قبول در فضائل رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بہت مشہور ہیں - نیز کئی غیر مطبوعہ کتب بھی یادگار ہوئیں - وفات ۱۳۲۵ھ مطابق دسمبر ۱۹۰۷ء میں ہوئی - اور اپنی تعمیر کردہ مسجد کے احاطہ میں دفن ہوئے۔

مولانا احمد حسین خاں امروہوی

والد گرامی حافظ محمد عباس علی خاں تھے - پیدائش امروہہ میں ۱۲۸۹ھ مطابق ۱۸۷۲ء ہوئی - ابتدائی تعلیم و تربیت اپنے شہر سے ہی حاصل کی - حضرت مولانا لُطف اللہ علی گڑھی اور حضرت مولانا انوار اللہ حیدر آبادی سے بھی استفادہ کیا - تذکرہ علمائے اہل سنت کے مؤلف مولانا محمود احمد قادری ضلع مظفر پور بہار لکھتے ہیں - کہ آپ کو بیعت و خلافت اپنے والد سے تھی - ۱۳۳۱ھ مطابق ۱۹۱۲ء میں اعلیحضرت فاضل بریلوی کی خدمت اقدس میں پہنچے - اور اُن سے خلافت حاصل کی۔

آپ پچاس سال تک بہ سلسلہ ارشاد و ملازمت حیدر آباد دکن میں رہے۔

آپ نے بہت سی کتابیں بھی تالیف کیں۔

آپ کی صاحبزادی پاشا بیگم صاحبہ نہایت ذی علم خاتون ہیں۔ ان کی رہائش راولپنڈی اور لاہور میں رہتی ہے۔

وفات ۱۳۶۱ھ مطابق ۱۹۴۲ء میں پائی۔ حضرت مولانا شاہ مفتی محمد مظہر اللہ دہلوی نے نماز جنازہ پڑھائی۔

مولانا شاہ عبد العلیم صدیقی میرٹھی

پیدائش ۱۵ رمضان المبارک ۱۳۱۰ھ مطابق ۱۸۹۲ء میں محلہ مشائیخاں میرٹھ میں ہوئی۔ والد گرامی کا نام مولانا عبد الحلیم تھا۔ جب علوم دین کی تکمیل کر لی تو علوم جدیدہ کی طرف متوجہ ہوئے۔

بیعت ارشاد و خلافت و اجازت حضرت شاہ علی حسین اشرفی کچھوچھوی اور اعلیٰحضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں بریلوی سے تھی۔

تقریر میں اتنی مہارت تھی۔ کہ جہاں جاتے۔ لوگ والہانہ انداز میں جلسہ گاہ میں پہنچتے۔ آپ نے ہندوستان کے علاوہ باہر کے دور دراز ممالک میں اشاعت اسلام کے لئے بہترین کام کیا۔ جن ملکوں میں آپ نے تبلیغ اسلام کی۔ اُن کے نام یہ ہیں۔ امریکہ۔ انگلستان۔ جنوبی چین۔ جاپان۔ نائیجیریا۔ انڈونیشیا۔ لنکا۔ جنوبی افریقہ۔ ملایا۔ ہزارہا عیسائی آپ کے دستِ حق پرست پر ایمان لائے۔ ان ممالک میں آپ نے مساجد۔ مدارس اور تبلیغی ادارے قائم کیے۔ آپ کو انگریزی۔ عربی۔ فارسی۔ فرانسیسی۔ چینی۔ جاپانی۔ ملائی زبانوں پر عبور حاصل تھا۔ حاجیوں کو جو ٹیکس دینا ہوتا تھا۔ وہ آپ کی ہی کوشش سے عبد العزیز والئ سعودی عرب نے ختم کیا۔ پاکستان کے قیام کے بعد کراچی میں آپ کی اقتدا میں نماز عید ادا کی گئی۔ جس میں قائد اعظم محمد علی جناح بھی شریک تھے۔

تصنیفات میں ذکر محبوب۔ میلاد شریف۔ بہار شباب۔ ردّ قادیانی اور انگریزی کی کئی ایک کتابیں شامل ہیں۔ ۱۹۴۷ء میں آپ نے مدینہ منورہ میں برائے رہائش زمین خریدی اور وہیں مقیم ہو گئے۔ رُشد و ہدایت کے ساتھ مطب بھی کرتے تھے۔

وفات ۱۳۷۳ھ مطابق ۲۲ اگست ۱۹۵۳ء میں مدینہ منورہ میں پائی۔ شیخ المشائخ حضرت مولانا ضیاء الدین مدنی نے نماز جنازہ پڑھائی۔ اور جنت البقیع میں دفن ہوئے۔

ماخذ

(۱) مآثر الکرام میر غلام علی آزاد بلگرامی۔
(۲) تذکرہ علمائے ہند۔ رحمان علی۔
(۳) تذکرہ علمائے اہل سنت۔ محمود احمد قادری
(۴) لاہور کے اولیائے سہروردیہ۔ محمد دین کلیم
(۵) سفینۃ الاولیا۔ شہزادہ دارا شکوہ قادری۔
(۶) اخبار الاخیار۔ شیخ عبد الحق محدث دہلوی۔

(۷) مرکز علوم اسلامیہ لاہور اور ملا عبدالحکیم سیالکوٹی۔ محمد دین کلیم۔
(۸) حدائق الحنفیہ۔ مولوی فقیر محمد جہلمی۔
(۹) انوار الصوفیہ۔ غلام علی اینڈ سنز۔
(۱۰) رود کوثر۔ شیخ محمد اکرام۔
(۱۱) خزینۃ الاصفیا۔ مُفتی غلام سرور لاہوری۔
(۱۲) حدیقۃ الاولیا۔ مُفتی غلام سرور لاہوری۔
(۱۳) فقہ حنفی ہندوستان میں۔ مولوی محمد اسحاق بھٹی۔
(۱۴) انوار محی الدین۔ صاحبزادہ شبیر احمد قصوری۔
(۱۵) تاریخ مشائخ چشت۔ خلیق احمد نظامی۔
(۱۶) نُزہۃ الخواطر۔ علامہ عبدالحیٔ حسن۔
(۱۷) تصوّف اسلام۔ عبدالماجد دریا بادی۔
(۱۸) تذکرہ اولیائے کرام۔ صباح الدین عبدالرحمان۔
(۱۹) سوانح مولانا روم۔ شبلی نعمانی۔
(۲۰) نفحات الانس۔ عبدالرحمٰن جامیؔ۔
(۲۱) عوارف المعارف۔ شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی۔
(۲۲) آداب المریدین۔ شیخ ضیاء الدین ابوالنجیب عبدالقاہر سہروردی۔
(۲۳) طبقات الکبریٰ۔ علامہ عبدالوہاب الشعرانی نفیس اکیڈیمی کراچی ۱۹۶۵ء


ہر بار رُوح افزا کا انتخاب
اس کے اعلیٰ معیار اور آپ کے
اعلیٰ ذوق کی دلیل ہے
پاکستان اور دنیا بھر میں گرمی کی شدت، تپش اور لُو سے بچنے کے لئے رُوح افزا کے لاکھوں
گلاس روزانہ پیے جاتے ہیں۔ بے شک ذائقہ، خوشبو، رنگ اور تاثیر میں کوئی مشروب اس کا ثانی نہیں۔
تسکین بخش رُوح افزا جسم و جان کو ٹھنڈک پہنچاتا ہے۔ تپش اور لُو کے مضر اثرات سے محفوظ
رکھتا ہے۔ کھوئی ہوئی توانائی بحال کرتا ہے اور پیاس بجھاتا ہے۔
پاکستان کے مشروبات میں سرفہرست
رُوح افزا
مشروبِ مشرق
ہمدرد

سیدنا صدیق اکبرؓ اور مسئلہ فدک

پیر محمد کرم شاہ ایم اے

ہمارے بعض دوست بڑے طمطراق سے یہ کہتے رہتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت سیدۃ النساء فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالےٰ عنہا سے باغ فدک چھین لیا۔ ان پر ظلم کیا، ان کی دل آزاری کی۔ اور حضرت عمرؓ بھی اس کام میں آپ کے ہمنوا اور مؤید تھے وغیرہ وغیرہ، اس موقع پر جس طرح شائستگی اور شرافت کی تمام حدود کو وہ پھاند جاتے ہیں ان کے ذکر سے میں دانستہ احتراز کرتا ہوں۔

میرے پیش نظر مسئلہ کو الجھانا نہیں، سلجھانا ہے، میں شکوک و شبہات کو ہوا دے کر ماحول کو غبار آلود نہیں کرنا چاہتا بلکہ نگار حقیقت کے رخِ زیبا سے نقاب الٹنا چاہتا ہوں، حق و باطل میں امتیاز کرنا آپ کا کام ہے۔ سب سے پہلے میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ فدک کیا ہے۔ اور اس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ اس کے بعد قدم بہ قدم سوئے منزل بڑھتے چلے جائیں گے۔

اہل اسلام کو جو اموال و املاک کفار سے حاصل ہوتی ہیں۔ ان کی دو قسمیں ہیں (۱) غنیمت (۲) فئی۔ مال غنیمت اس کو کہتے ہیں جو لڑائی اور لشکر کشی کے بعد حاصل ہو۔ اور مال فئی اس کو کہتے ہیں جو لشکر کشی کے بغیر حاصل ہو۔ مال غنیمت اور مال فئی کی یہ تعریف متفقہ ہے، اس میں کسی کا اختلاف نہیں، دونوں قسم کے اموال کا شرعی حکم قرآن کریم میں وضاحت سے مذکور ہے، اس کے لئے ہمیں پریشان ہونے اور ورق گردانی کرنے کی چنداں ضرورت نہیں۔

دسویں پارے کی پہلی آیت میں اموال غنیمت کے احکام صراحۃً ذکر کر دیئے گئے ہیں۔ ارشادِ خداوندی ہے: وَاعْلَمُوْا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِنْ شَیْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا۔ الایہ (سورۃ الانفال ۴۱)

ترجمہ:- اور جان لو! کہ جو کوئی چیز تم غنیمت میں حاصل کرو، اللہ تعالےٰ کے لیے اس کا پانچواں حصہ، اللہ تعالےٰ۔ اور رسول کے لئے۔ رشتہ داروں اور یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کے لئے ہے گر تم ایمان رکھتے ہو اللہ تعالیٰ پر اور اس پر جسے ہم نے اتارا اپنے محبوب بندہ پر۔

اس آیت میں غور کرنے سے واضح ہو گیا کہ مال

غنیمت کے پانچ حصے کئے جائیں گے۔ چار حصے حسب الحکم مجاہدوں اور غازیوں میں تقسیم کئے جائیں گے اور پانچواں حصہ کے مصارف اس آیت میں کھول کر ذکر کر دیئے گئے ہیں۔

مال فئی کے احکام سورہ حشر کی آیت ۷ میں ذکر کئے گئے ہیں۔ ارشاد خداوندی ہے:

مَا اَفَاءَ اللهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِى الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسَاكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ كَىْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةً بَيْنَ الْاَغْنِيَاءِ مِنْكُمْ ط

اس سے واضح ہو گیا کہ جو اموال فئی ہوں۔ ان میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کا...... حصہ ہے، حضور کے رشتہ داروں کا، امت کے یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کا۔ اموال فئی میں ان تمام لوگوں کو حصہ دار بنانے کی حکمت ساتھ ہی بیان فرما دی تاکہ مال چند اغنیاء میں ہی گردش نہ کرتا رہے اور سمٹ کر چند افراد کے ہاتھوں میں جمع نہ ہو جائے۔ بلکہ اس کی گردش کا دائرہ زیادہ سے زیادہ وسیع ہو تاکہ دولت کی تقسیم سے ملت کے زیادہ سے زیادہ افراد مستفید ہوتے رہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ: كَىْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةً بَيْنَ الْاَغْنِيَاءِ۔ کے مختصر جملہ میں اسلامی نظام معیشت کی روح اور اس کا خلاصہ بیان کر دیا گیا ہے۔ سرمایہ دارانہ معیشت میں دولت سمٹ کر چند افراد کے پاس جمع ہو جاتی ہے۔ ملک کے مٹھی بھر لوگ از حد متمول ہو جاتے ہیں اور قوم کے باقی افراد عسرت و تنگ دستی کا شکار بن جاتے ہیں

اسلام نے سرمایہ داری کی پہلے ہی بیخ کنی کر دی اور اسلامی معاشرہ کا مزاج اس طرح تیار کیا کہ وہاں سرمایہ داری پنپ ہی نہ سکے۔ دولت کو چند ہاتھوں میں مجتمع ہونے سے روکنے کے لئے قبل از وقت احتیاطی تدابیر اختیار کیں اور حفاظتی بند باندھ دیئے، اس طرح نہ دولت سمٹے گی نہ قوم از حد امیر اور از حد غریب طبقوں میں بٹے گی۔ نہ ان میں حسد و بغض کی آگ سلگے گی اور نہ وہ وقت آئے گا کہ غربت کے ماروں کا پیمانۂ صبر چھلکنے لگے اور وہ بے اختیار و بے قابو ہو کر آمادۂ بغاوت ہو جائیں۔ اور اپنے ہاتھوں اپنی قوم کے خون کے دریا بہا دیں۔

غنیمت اور فئی کا مفہوم اور ان کے قرآنی احکام ذہن نشین کرنے کے بعد آگے چلئے۔

اہل سنت و جماعت کا نظریہ یہ ہے کہ کیونکہ اموال فئی کے حق دار بہت سے اقسام کے لوگ ہیں ان کو متعین کرنا ممکن نہیں۔ آج ایک لڑکا یتیم ہے کل وہ بالغ ہو کر خوشحال ہو جاتا ہے۔ آج ایک شخص مسکین ہے کل وہ دولت مند بن جاتا ہے جب تک پہلا یتیم تھا اور دوسرا مسکین تھا۔ وہ ان اموال میں حصہ دار تھے آج ان کی جگہ دوسرے لوگ جو یتیمی اور غربت سے متصف ہیں وہ حصہ دار بن جائیں گے، یہی حال ذوی القربیٰ کا ہے۔ یہی حکم ابن السبیل کا ہے جب صورت احوال ایسی ہو تو وہ اموال وقف کی حیثیت اختیار کر لیتے ہیں اور ان اموال و املاک کا نظم و نسق خود حاکم وقت یا اس کی طرف سے مقرر کردہ شخص کیا کرتا ہے۔

یہ مسلمہ امر ہے کہ فدک جنگ اور لشکر کشی سے نہیں بلکہ صلح سے مسلمانوں کے تصرف میں آیا تھا اور آیت میں بیان کردہ حکم کے مطابق یہ کسی ایک شخص یا ایک خاندان کی نجی ملکیت نہیں بلکہ اس میں مذکورہ بالا سارے اصناف حصہ دار ہیں ورنہ دولت سمٹ کر چند ہاتھوں میں آجائے گی۔ قرآن نے: کَیْ لَایَکُوْنَ دُوْلَةً بَیْنَ الْاَغْنِیَاءِ سے ارتکازِ زر سے بچنے کے لئے جو احکام نافذ کئے ہیں ان کی خلاف ورزی لازم آئے گی۔ رحمت دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب تک اس جہان فانی میں رونق افروز رہے حضور اپنی نگرانی میں اس علاقہ کی آمدنی کو حقداروں میں تقسیم فرماتے رہے اور حضور کی رحلت کے بعد جب حضرت صدیق اکبر مسند خلافت پر متمکن ہوئے تو ان باغات اور مزروعہ اراضی کی نگہداشت اور اس کی آمدنی کی تقسیم آپ کے سپرد ہوئی۔ آپ اپنے عہد خلافت میں حسب ارشاد خداوندی اور حسب سنت نبوی اس فریضہ کو سرانجام دیتے رہے اور یہ سلسلہ حضرت فاروق اعظم اور بعد میں آنے والے خلفا راشدین کے زمانوں میں بھی اسی طرح جاری رہا اور اس طرح اسلامی نظام معیشت کی برکتوں اور سعادتوں سے اسلامی معاشرہ سیراب اور بہرہ مند ہوتا رہا۔ حضرت صدیق اکبر اور حضرت فاروق اعظم کا یہ عمل حقیقت میں ارشاد خداوندی کی تعمیل تھی اور سنت نبوی کی صحیح معنوں میں اطاعت تھی اور ان حضرات پر کسی قسم کا الزام واتہام وارد نہ ہو سکتا تھا بلکہ وہ لائق صد تبریک وتحسین تھے کہ انہوں نے ہر قسم کے دباؤ کا مقابلہ کیا لیکن فرمان الٰہی اور سنت محمدی سے سرمو انحراف نہ کیا۔ ہاں اگر وہ ایسا نہ کرتے تو وہ قابل سرزنش ہوتے بلکہ اس وقت کا زندہ اور بیدار معاشرہ احکام الٰہی اور سنت نبوی کی اس خلاف ورزی کو ہرگز برداشت نہ کرتا لیکن ہمارے ہاں تو گنگا الٹی بہ رہی ہے۔ تنقید کے تیروں سے ان مردانِ پاک سرشت کو گھائل کیا جا رہا ہے جنھوں نے عہدِ وفا کو نبھایا۔ راہِ حق پر استقامت وثبات کے انمٹ اور درخشاں نقوش ثبت کئے۔

یہ تو ہوا اہل سنت کا موقف۔ نظری بھی اور عملی بھی۔

اب رہے معترضین تو ان کا عقیدہ شریفہ یہ ہے کہ فدک جو فئی ہے یہ حضور کی ذاتی ملکیت تھی۔ حضور کی رحلت کے بعد اس کی وارث صرف حضرت سیدہ تھیں اور شیخین نے ان کو فدک کی اراضی سے محروم کر کے حضور کی نور نظر اور لخت جگر پر بڑا ظلم کیا اور ان کی حق تلفی کی۔ اب خود انصاف فرمایئے اگر ایسا ہوتا تو آیت یوں ہوتی: مَا اَفَاءَ اللّٰہُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ مِنْ اَھْلِ الْقُرٰی فَھُوَ لِرَسُوْلِہٖ؛ کہ ان گاؤں والوں سے جو مال فئی حاصل ہوا اس کا مالک اس کا رسول ہے۔ بات ختم ہو جاتی اور کسی کو چوں وچرا کی مجال تک نہ رہتی لیکن قرآن کی آیت تو اس طرح وہاں نہیں وہاں تو وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسَاکِیْنِ وَابْنِ السَّبِیْلِ کی لمبی چوڑی عبارت بھی موجود ہے۔

یہ لوگ اپنے دل سے پوچھیں کہ یہ کلمات کیا قرآن کی آیت کا حصہ نہیں؟ اور کیا ان کلمات کا

واضح مدعا نہیں جس میں کسی تاویل کی گنجائش نہیں۔ یا یہ الفاظ صرف سنانے کے لئے اور لوگوں کو مرعوب کرنے کے لئے ہیں عمل سے ان کا کوئی سروکار نہیں؟

جب تک ہم قرآن کو اپنے خداوند کریم کا کلام مانتے ہیں ہم اس آیت کا انکار نہیں کر سکتے اور اگر انکار نہیں کر سکتے تو پھر اس داستان سرائی کے لئے وجہ جواز کیا ہے؟

یہ ایک سیدھی اور صاف بات ہے اس میں کوئی کجی نہیں۔ کوئی ذیغ نہیں۔ کوئی پیچ نہیں، یہ ایک روشن حقیقت ہے جو شک و شبہ سے بالاتر ہے پھر ہم آفتاب سے تابندہ تر حقیقت کا کیوں انکار کریں اور بے سروپا تاویلات اور من گھڑت مزعومات کی دلدل میں پھنس کر کیوں خود بھی قیامت کے روز شرمسار ہوں اور قرآن و اسلام کی تعلیمات کو زک پہنچا کر باطل کو بلا وجہ غرانے کا موقعہ دیں۔

لیکن جہاں بات کا بتنگڑ بنانا اور بال کی کھال اتارنا محبوب مشغلہ ہو وہاں حق کی سادگی اور پرکاری کو کون خاطر میں لاتا ہے اچھی بات کو سننا کون گوارا کرتا ہے! وہاں تو ایسی ایسی اینچ اور دوراز کار تاویلوں کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے جو ختم ہونے میں نہیں آتا۔ اپنی غلطی کا اعتراف تو بڑے دل گردے کا کام ہے جن کے پیش نظر صرف ملت کا شیرازہ منتشر کرنا ہو۔ جن کے پیش نظر اپنی لیڈری کو چمکانا ہو، جس لغزش کے پیچھے دیرینہ جذبۂ انتقام کی آگ سلگ رہی ہو وہاں عقل عیار ایسی ایسی اختراعیں کرتی ہے۔ حقائق اور حقوق کو پس پشت ڈال کر محض جذبات کو ابھارتی ہے اور اس کے لئے دروغ بافی میں کمال کا مظاہرہ کرتی ہے کہ اچھے بھلے سراب کو چشمۂ آب حیواں سمجھنے لگتے ہیں۔

اگر ایک لمحہ کے لئے یہ مان بھی لیا جائے (اگرچہ ایسا ماننا حکم خداوندی کی صریح نافرمانی ہے) کہ فدک حضور کی ملکیت تھا۔ اور وصال کے بعد ان املاک کی حیثیت ایسی تھی جو وارثوں میں بانٹ دی جاتی ہے تو پھر وراثت کا حق صرف حضرت سیدہ بتول سلام اللہ علی ابیہا و علیہا کو کیسے پہنچتا ہے اس میں تو سارے وارث حصہ دار ہوں گے حضرت عباس۔ امہات المومنین اور دیگر ورثا بھی شریک ہوں گے۔ صرف حضرت سیدہ کو وارث تسلیم کرنا اور باقی ورثا کو محروم کر دینا متعدد آیات قرآنی کی صریح خلاف ورزی ہے اور ہم سیدہؓ بتول کے بارے میں اس کا تصور تک نہیں کر سکتے۔

جب ان لوگوں کے یہاں بھی قدم نہیں جمتے اور مقصود بر آتا دکھائی نہیں دیتا تو پھر یہ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی حیات طیبہ میں ہی فدک کی وسیع و عریض املاک اپنی بیٹی کو ہبہ کر دی تھیں اور انھوں نے اسے قبول کر لیا تھا اس لئے فدک وغیرہ کی واحد حقدار حضرت سیدہ ہی تھیں۔ آپ غور فرمائیں کہ بارگاہ رسالت میں یہ کتنی بڑی گستاخی ہے۔ اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ معاذ اللہ۔ حضور نے باقی تمام ورثا کو محروم کرنے کے لئے فدک اپنی حیات طیبہ میں ہی حضرت سیدہ کو دے دیا اور دوسرے ورثا کو محروم کر دیا۔ اس گئے گزرے زمانے میں بھی اگر کوئی شخص ایسی بات

کرتا ہے کہ اپنے ایک وارث کے نام ساری جائداد کا انتقال کرا دیتا ہے اور باقی وارثوں کو محروم کر دیتا ہے تو اس کے اس عمل کو انتہائی مذموم اور صریح ظلم قرار دیا جاتا ہے اور اس کی اس بات سے سارے خاندان کا امن وسکون برباد ہو جاتا ہے، ان میں خونریزیوں اور مقدمہ بازیوں کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ ذرا سوچئے وہ نبیؐ برحق جو آیا ہی ظلم و زیادتی کو مٹانے کے لئے تھا، جو آیا ہی عدل و انصاف کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے تھا اس کی آمد کی برکت سے ٹوٹے ہوئے دل جڑ گئے، دریدہ قباؤں کے چاک رفو ہو گئے۔ خاندانی عداوتوں کے آتش کدے گلزار بن گئے۔ ایسے یمن و سعادت کے پیغامبر کے بارے میں ایسا تصور تک کرنا بھی انتہائی رذالت اور کمینگی ہے۔ اہل بیت کی عقیدت کا بہروپ دھار کر ناموس نبوت پر حملہ آور ہونا کہاں کی ایمانداری ہے؟ اگر نبی نے خود نعوذ باللہ اپنے خاندان کے افراد میں ظلم و عدوان کا آغاز کیا تو ظلم و ستم کی ستائی ہوئی مخلوق اپنے درد کا درماں کرنے اور اپنے زخموں پر مرہم لگوانے کہاں جائے؟

کئی دوسری باتیں بھی ہبہ کے دعویٰ کی تردید کرتی ہیں:

فدک کا علاقہ جو بطور فئی حضور کے تصرف میں آیا۔ کوئی معمولی سا علاقہ نہ تھا۔ یہ ایک وسیع وعریض خطہ ہے جس میں زرخیز میدان، شاداب باغات کا سلسلہ پھیلا ہوا تھا۔ بقول ملا باقر مجلسی اس کی سالانہ آمدنی چوبیس ہزار دینار تھی یعنی اس وقت کے حساب کے مطابق دو لاکھ چالیس ہزار روپیہ۔ اگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ خطہ حضرت سیدہ کو ہبہ کر دیا تھا تو پھر آپ مدینہ طیبہ کی متمول اور دولت مند خواتین میں سرفہرست ہوں گی حالانکہ عہد رسالت میں آپ کی عسرت اور تنگی گزران کے قصے زبان زد خاص و عام ہیں۔ آٹا خود اپنے دست مبارک سے پیستیں۔ گھر میں جھاڑو خود دیتیں، کھانا پکاتیں۔ حتیٰ کہ بسا اوقات پانی کا بھرا ہوا مشکیزہ اپنے کندھوں پہ اٹھا کر لایا کرتیں جس کی سالانہ آمدنی ڈھائی لاکھ روپیہ ہو۔ وہ تو دس بیس غلام اور کنیزیں خرید کر رکھ سکتا ہے۔ نیز یہ روایت بھی عند الفریقین مسلّم ہے کہ ایک دفعہ چند کنیزیں اور غلام بارگاہ رسالت میں لائے گئے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ایما پر حضرت سیدہ لونڈی مانگنے کے لئے حضور کی خدمت میں گئیں۔ حضور نے ارشاد فرمایا اے فاطمہ! اے میری لخت جگر! جب تک اہل صفہ کی ضرورتیں پوری نہ ہو جائیں میں تمہیں لونڈی کیسے دے سکتا ہوں۔ البتہ تمہیں لونڈی سے بھی بہتر یہ تحفہ پیش کرتا ہوں، جب سونے لگو تو ۳۳ مرتبہ سبحان اللہ، ۳۳ مرتبہ الحمد للہ اور ۳۴ بار اللہ اکبر کا ورد کر لیا کرو۔

اس کے علاوہ کئی بار ایسے مواقع آئے کہ سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کو خدمت دین کے لئے مال پیش کرنے کی دعوت دی اور ہر صحابی نے اپنی استطاعت سے بڑھ کر بطیب خاطر مالی قربانی پیش کی لیکن کسی روایت میں یہ موجود نہیں کہ حضرت سیدہؓ نے (ان کے قول کے مطابق)

جن کی سالانہ آمدنی اڑھائی لاکھ روپیہ تھی، انہوں نے بھی کبھی اس میں حصہ لیا ہو۔ غزوہ تبوک کا واقعہ تو بالاتفاق خیبر و فدک کی فتح کے بعد کا ہے، اس وقت تو یقیناً آپ اتنی بڑی جاگیر کی مالک تھیں۔ مسلمانوں کی مالی حالت بڑی مخدوش تھی۔ تبوک کی مہم اخراجات کا تقاضا کر رہی تھی۔ سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جہاد کی تیاری کے لئے مالی قربانی پیش کرنے کا جب اعلان کیا تو حضرت عثمان ہزاروں دینار لے کر آئے اور حضور کے قدموں میں آکر ڈھیر کر دیے۔ حضور انہیں اپنی جھولی میں ڈال کر مسجد کے صحن میں پھرتے تھے اور حضرت عثمان کو دعاؤں سے نوازتے تھے۔ حضرت عمر اپنا نصف مال لے کر حاضر ہوئے اور حضرت صدیق کی تو شان ہی نرالی تھی اپنا سارا اثاثہ اٹھایا اور اپنے آقا کی خدمت میں پیش کر دیا حتیٰ کہ اپنا لباس بھی اتارا اور بوریا کا لباس پہنا۔ ان حضرات کے علاوہ دیگر صحابہ نے بھی ایثار و خلوص کے خوب خوب مظاہرے کئے لیکن کیا کوئی ایسی روایت آپ ہمیں دکھا سکتے ہیں جس میں درج ہو کہ حضرت خاتون جنت رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بھی اس میں کوئی حصہ ڈالا ہو۔ ایسا بھی نہیں کہ صحابہ کرام کے چندوں کے بعد ضرورت نہ رہی ہو بلکہ قرآن تو صاف بتاتا ہے کہ بعض مجاہد میدان جنگ میں شرکت کے لئے حاضر ہوئے لیکن سواری کا انتظام نہ ہو سکا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا لَآ اَجِدُ مَآ اَحْمِلُكُمْ عَلَیْهِ میرے پاس تمہاری سواری کے لئے کوئی جانور نہیں ہے، ناچار انہیں واپس ہونا پڑا اس وقت۔ ان کے رنج و الم کی یہ حالت تھی کہ ان کی آنکھوں سے آنسوؤں کے دریا بہہ رہے تھے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: تَوَلَّوْا وَّاَعْیُنُهُمْ تَفِیْضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا کہ وہ لوٹے اس حالت میں کہ ان کی آنکھوں سے سیل اشک رواں تھا۔

اب دو ہی صورتیں ہیں یا تو حضرت سیدہ اتنی جاگیر کی مالک ہونے کے باوجود اللہ تعالیٰ کی راہ میں ایک پیسہ خرچ کرنے کی روادار نہ تھیں۔ اس بات کو کوئی ایماندار تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں جس گھرانے سے دنیا نے جود و کرم اور بخشش و عطا کا سبق سیکھا ہو وہاں بخل اور کنجوسی کا کیا گذر، دوسری صورت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا محبوب، اس کے اہل بیت اور اولاد کو دنیا کی لذتوں سے دور کا واسطہ بھی نہ تھا، وہاں تو آخر دم تک کئی کئی دن فاقہ سے گذرتے تھے۔ کئی کئی ماہ چولہے میں آگ نہیں جلتی تھی۔ ان روشن حقائق کے سامنے کیا اس کذب و افترا کا پردہ چاک نہیں ہو جاتا کہ حضور نے اپنی صاحبزادی کو تمام دوسرے حق داروں کو محروم کرتے ہوئے اتنی بڑی جاگیر ہبہ کر کے مالک بنا دیا۔ محبت کے بلند بانگ دعاوی کے شور و غل میں ناموس مصطفےٰ علیہ الطیب التحیۃ والثنا اور عظمت اہل بیت رضوان اللہ علیہم پر اس بیدردی اور بے خوفی سے شبخون ہمارے ان دوستوں کو ہی زیب دیتا ہے۔

اب آیئے ان روایات کی طرف جن کا سہارا لے کر گلشن اسلام کے ان سدا بہار اشجار ثمر بار پر یورش کی جاتی ہے، کہتے ہیں کہ حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے بعد حضرت سیدۂ صدیق اکبر

کے پاس گئیں اور میراث کا مطالبہ کیا اور یہاں تک کہا: "یا ابن ابی قحافہ اترث اباک ولا ارث ابی" اے ابو قحافہ کے بیٹے! آپ تو اپنے باپ کے وارث بنیں اور میں اپنے باپ کے ورثہ سے محروم رہوں۔ یہ بات قرین قیاس نہیں کہ حضور کی جدائی کا زخم ابھی تازہ ہو اور آپ نے حصول میراث کے لئے تگ و دو شروع کر دی ہو۔ نیز آپ کی شان سے بعید ہے کہ آپ خود بنفس نفیس عدالت صدیقی میں تشریف لے گئی ہوں اور دعویٰ دائر کیا ہو جس طرح عام طور پر بعض کم علم خیال کرتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ نے کسی آدمی کے ذریعہ اپنے اس مطالبہ کو خلیفہ برحق کے گوش گذار کیا۔ امام بخاری کی روایت میں اس کی تصریح موجود ہے:

عن عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ان فاطمہ رضی اللہ عنہا ارسلت الی ابی بکر تسألہ میراثھا من النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مما افاء اللہ علیہ۔

ترجمہ:۔ یعنی حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ حضرت سیدہ فاطمہ نے حضرت ابوبکر کے پاس آدمی بھیجا اور حضور کی میراث کا مطالبہ کیا۔

اس تصریح کے بعد بعض دوسرے مقامات پر جہاں مطالبہ کرنے کی نسبت خود حضرت سیدہ کی طرف کی گئی ہے وہ مجاز ہوگا۔

جب حضرت سیدہ کا پیغام حضرت صدیق اکبر کو پہنچا تو آپ نے جواب دیا، وہ بھی امام بخاری کے الفاظ میں سن لیجئے:

فقال ابوبکر ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قال لا نورث ما ترکنا فھو صدقہ انما یاکل آل محمد من ھذا المال . . . . وانی واللہ لا اغیر شیئاً من صدقات النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم التی کانت علیھا فی عھد النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ولا عملن فیھا لما عمل فیھا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فتشھد علیٰ ثم قال انا قد عرفنا یا ابابکر فضیلتک و ذکر قرابتھم من رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وحقھم و تکلم ابوبکر فقال والذی نفسی بیدہ لقرابۃ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم احب الی ان اصل من قرابتی۔

(بخاری شریف جلد اول صفحہ ۵۲۶)

ترجمہ:۔ حضرت سیدہ کے جواب میں حضرت ابوبکر نے عرض کیا اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہماری مالی وراثت نہیں ہوتی، جو مال ہم چھوڑ جاتے ہیں وہ صدقہ ہوتا ہے اور آل محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس مال سے کھا سکتی ہے (ابوبکر نے کہا) بخدا میں حضور کے صدقات میں کوئی تبدیلی نہیں کروں گا جس طرح وہ عہد نبوت میں تھے

ویسے ہی رہیں گے اور میں ان میں ایسا ہی کروں گا جس طرح ان میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کیا کرتے تھے، سیدنا علی نے ان اسباب کی تصدیق کی اور فرمایا اے ابوبکر! ہم آپ کی فضیلت و بزرگی کو جانتے ہیں پھر آپ نے اس رشتہ داری کا ذکر کیا جو انہیں حضور کے ساتھ تھی۔ اور ان کے حق کا ذکر کیا۔ حضرت صدیق اکبر نے یہ سن کر فرمایا کہ اس ذات پاک کی قسم! جس کے دست قدرت میں میری جان ہے کہ اپنے رشتہ داروں کے ساتھ صلۂ رحمی سے کہیں یہ زیادہ محبوب ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک کروں۔

آپ خود سوچئے کہ اس جواب میں کوئی قابل اعتراض بات ہے، بے ادبی کا ادنیٰ شائبہ بھی اس میں پایا جاتا ہے۔ کیا اس سے اہل بیت کی حق تلفی کی نیت کا گمان ہو سکتا ہے؟ ہرگز نہیں بلکہ آپ نے حضرت بتول جنت کی خدمت میں یہ عرض کی کہ اللہ تعالیٰ کے پیارے رسول، آپ کے ابا جان اور میرے آقا و مولیٰ کا ارشاد گرامی یہ ہے اور مجھ میں یہ تاب نہیں کہ میں ارشادات نبوی سے سرمو انحراف کر سکوں۔ آپ خود ہی انصاف فرمایئے کہ اس جواب میں کون سا جملہ یا لفظ قابل اعتراض ہے!

بعض لوگ فرط جوش اور شدت غضب میں یہ کہہ دیتے ہیں کہ یہ حدیث حضرت صدیق کی خود ساختہ ہے۔ انہوں نے فقط حضرت سیدہ کا حق غصب کرنے کے لئے یہ حدیث گھڑی ہے حیرت ہے کہ ایسے بے سروپا کلمات زبان سے نکالتے ہوئے انہیں غضب خدا کا خوف یا جگ ہنسائی کی فکر نہیں ہوتی، یہ حدیث صرف حضرت صدیق سے ہی مروی نہیں۔ صرف کتب اہل سنت میں ہی مرقوم نہیں۔ بلکہ صحابہ کی کثیر تعداد سے مروی ہے اور معترضین حضرات کی معتبر کتب حدیث میں بھی ائمہ اہل بیت سے مرقوم ہے۔ ملاحظہ فرمایئے۔ اصول کافی ص۱۸ اس پر حضرت امام جعفر صادق حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی روایت کرتے ہیں:

قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان العلماء ورثۃ الانبیاء ان الانبیاء لم یورثوا دینارا ولا درھما ولکن اورثوا العلم فمن اخذ منہ اخذ بحظ وافر۔

(اصول کافی)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ علماء انبیاء کے وارث ہیں بےشک انبیاء دینار و درہم کا وارث نہیں بناتے بلکہ وہ علم ورثہ میں دیتے ہیں جس نے ان کے علم سے حصہ لیا اسے بڑا وافر حصہ ملا۔

دوسری روایت ملاحظہ فرمایئے

حضرت سیدنا علی مرتضیٰ شیر خدا اپنے فرزند

ارجمند حضرت محمد بن حنفیہ کو ازراہ وصیت فرماتے ہیں :

و تفقه فی الدین فان الفقهاء ورثة الانبیاء - ان الانبیاء لم یورّثوا دینارا ولا درهما ولکنهم ورثوا العلم و من اخذ منه اخذ بحظ وافر - من لا یحضره الفقیه جلد دوم ص۳۴۶ -

اے میرے فرزند! دین میں فہم حاصل کرو، کیونکہ فقہا ہی انبیاء کے وارث ہیں ۔ بے شک انبیاء دینار و درہم کا وارث نہیں بناتے بلکہ وہ علم ورثہ میں دیتے ہیں اور جس نے علم نبوت سے کچھ حاصل کیا اسی کو حظ وافر نصیب ہوا۔

تیسری روایت ملاحظہ ہو:

یہ حضرت امام جعفر صادق کا اپنا ارشاد ہے، اس سے حدیث نبوی کی تصدیق اور وصیت مرتضوی کی تصویب ہوتی ہے ۔

حضرت امام نے فرمایا:

ان العلماء ورثة الانبیاء و ذالك ان الانبیاء لم یورّثوا درهما ولا دینارا ولکنهم اورثوا احادیث من احادیثهم فمن اخذ بشیئ منها فقد اخذ حظاً وافراً

(اصول کافی ص۱۷)

بے شک علماء ہی انبیا کے وارث ہیں کیونکہ انبیاء درہم و دینار ورثہ میں نہیں چھوڑتے بلکہ وہ احادیث (احکام شریعت اور اسرار کتاب) ہی اپنی وراثت میں چھوڑ جاتے ہیں پس جس شخص نے اس بحر علم سے کچھ حاصل کیا اس کو حظ وافر نصیب ہوا۔

اہل سنت کی کتب میں یہ ارشاد نبوی کثیر التعداد صحابہ سے مروی ہے ۔ بعض کے اسمائے گرامی ذہن نشین کر لیجئے ۔ حضرت حذیفہ بن یمان ۔ زبیر بن عوام، عباس، علی، عمر، عثمان، عبدالرحمٰن بن عوف، سعد بن ابی وقاص، ابودرداء اور ازواج مطہرات رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین ۔ جب یہ بات نہیں بنتی تو کہتے ہیں کہ یہ حدیث آیات قرآنی کے خلاف ہے کیونکہ قرآن میں :یوصیکم اللہ فی اولادکم تمہاری اولاد کے بارے میں اللہ تعالیٰ تمہیں وصیت کرتا ہے اور کم میں نبی اور امتی دونوں داخل ہیں اور حدیث صرف وہ معتبر ہوتی ہے جو قرآن کے مطابق ہو ۔ بجا فرمایا آپ نے ! مخالف قرآن حدیث معتبر نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا رسول قرآن کی تصدیق کے لئے تشریف لاتا ہے اس کی تردید اور تکذیب کے لئے نہیں ۔ اس لئے جو حدیث قرآن کی کسی آیت کے معارض ہوگی وہ اللہ تعالیٰ کے نبی کا ارشاد نہیں ہو سکتی !

لیکن میرے محترم! کبھی آپ نے قرآن کی تفسیر اور قرآن کی تردید میں جو فرق ہے اس پر بھی غور کیا اگر بیٹا باپ کو قتل کر دے تو اگرچہ وہ اس کا بیٹا ہے لیکن کیا اس آیت کی رو سے آپ اس کو وارث بنائیں گے ۔ اسی طرح خدانخواستہ اگر کسی مسلمان کا بیٹا

مرتد ہو جائے تو اس کا بیٹا ہونے میں تو شک نہیں لیکن کیا وہ مرتد بیٹا اپنے مسلمان باپ کا وارث ہوگا؟ ہرگز نہیں۔ کیا وہ احادیث جن میں قاتل اور مرتد کے وارث نہ ہونے کا حکم مذکور ہے کیا آپ اس لئے انہیں مسترد کر دیں گے کہ وہ قرآن کی اس آیت کے منافی ہیں؟ ہرگز نہیں بلکہ ان احادیث کے متعلق یہ کہا جائے کہ ان احادیث نے اس بات کی تفسیر کر دی کہ کون سا بیٹا اپنے باپ کا وارث ہو سکتا ہے اور کون سا نہیں۔ یہ احادیث آیت قرانی کے مفسر ہیں مغیر یا ناسخ نہیں۔ اسی طرح ایک اور آیت میں غور کریں۔ ارشاد الٰہی ہے: احل اللہ البیع وحرم الربٰو اکہ اللہ تعالیٰ نے بیع (خرید و فروخت) کو حلال کر دیا لیکن سود کو حرام۔ اگر اس آیت کو سند بناتے ہوئے کوئی شخص شراب، سؤر اور مردار کی خرید و فروخت اور کاروبار شروع کر دیتا ہے کیا آپ اس کے استدلال کو صحیح مانیں گے اور وہ احادیث جن میں ان حرام چیزوں کے کاروبار سے روکا گیا ہے انہیں قرآن کی ناسخ اور مخالف گردان کو مسترد کر دیں گے؟ ہرگز نہیں بلکہ آپ یہ فرمائیں گے کہ بیع حلال ہے لیکن ان احادیث نے تفسیر کر دی کہ کن اشیا کی بیع حلال ہے اور کن کی حرام ہے۔ اسی طرح ان احادیث میں جو معترضین حضرات کی کتب میں بھی بروایت ائمہ معصومین منقول ہیں اس آیت کی مفسر ہیں نہ ناسخ۔

نیز جہاں خطاب ہو وہاں ہر جگہ حضور اور امت دونوں مراد نہیں ہوا کرتے بلکہ بعض مقامات پر صرف امت کو خطاب ہوتا ہے۔ مثلاً اسی آیت سے چند سطر پہلے ارشاد ہے: وان خفتم ان لا تقسطوا فی الیتامی فانکحوا ما طاب لکم من النساء مثنی و ثلث و رباع۔

اس آیت میں مخاطبین کو چار تک شادیاں کرنے کی اجازت ہے لیکن ان میں حضور داخل نہیں کیونکہ حضور کو نو تک شادیاں کرنے کی اجازت ہے۔

یہاں معترضین حضرات فرماتے ہیں کہ انبیاء کے اموال میں اگر احکام وراثت جاری نہیں ہوتے تو پھر ورث سلیمان داؤد کا کیا مطلب ہوگا کہ سلیمان علیہ السلام داؤد علیہ السلام کے وارث بنے؟ نیز حضرت ذکریا علیہ السلام کیوں یہ دعائیں مانگتے رہے: ھب لی من لدنک ولیا یرثنی ویرث من آل یعقوب۔ الٰہی مجھے ایک فرزند عطا فرما جو میرا بھی وارث ہو اور آل یعقوب کا بھی وارث ہو۔ اس کے متعلق گزارش ہے کہ پہلی آیت میں جس وراثت کا ذکر ہے وہ داؤد علیہ السلام کے اموال کی وراثت نہیں بلکہ کتاب و شریعت کی وراثت ہے کیونکہ اگر مال کی وراثت کا ذکر ہوتا تو آپ کے دوسرے اٹھارہ بھائی بھی آپ کے ساتھ برابر کے حصہ دار ہوتے۔ صرف ایک بیٹے کو اپنی جائیداد کا دے دینا اور باقی بھائیوں کو سرے سے محروم کر دینا شان نبوت کے سراسر خلاف ہے۔ اسی طرح حضرت ذکریا علیہ السلام ایسے بیٹے کے لئے دامن طلب پھیلا کر دعا مانگا کرتے تھے جو ان کی نبوت کی ذمہ داریوں اور علوم و حکمت کا وارث ہو۔ ورنہ ان کے پاس ایسے خزانے کہاں تھے جن کے لئے وہ اتنے بے چین رہتے ہوں اور یعقوب علیہ السلام کو گزرے تو صدیاں

بیعت چکی تھیں اور ان کے بارہ فرزند تھے۔ ہر ایک فرزند کی کثیر اولاد تھی اور ان صدیوں میں ان کی تعداد لاکھوں تک پہنچ چکی ہوگی۔ اگر کوئی بہت بڑا خزانہ حضرت یعقوب نے چھوڑا ہوگا تو وہ تقسیم در تقسیم سے ناپید ہو چکا ہوگا۔ تو آل یعقوب کی وراثت جس کے لئے آپ التجا کر رہے ہیں وہی نبوت کے فرائض ہیں اور علوم و حکمت کے جواہر آبدار ہیں جن کے ضائع ہونے کا آپ کو اندیشہ رہا کرتا تھا اور جو ان کے نزدیک دنیا کے تمام خزانوں سے زیادہ بیش بہا تھے۔

آخر میں یہ فقیر بخاری شریف کی ایک حدیث کا ذکر کرنا ضروری سمجھتا ہے اسے بکثرت اچھالا جاتا جاتا ہے اور سادہ لوح لوگوں کو یہ بات ذہن نشین کرائی جاتی ہے کہ حضرت سیدہ حضرت صدیق اکبر پر ناراض ہو گئیں اور عمر بھر کے لئے ان سے قطع تعلق کر لیا۔

بخاری شریف میں پانچ مرتبہ فدک کا تذکرہ ہے۔ بخاری صـ ۵۲۶ جلد اول کی حدیث کے الفاظ بھی آپ پڑھ چکے ہیں ورق الٹ کر ایک بار پھر یاد تازہ کر لیجئے اس میں حضرت سیدہ کی ناراضگی کا کوئی ذکر نہیں بلکہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ صدیق اکبرؓ کے موقف کی تصدیق کرتے ہیں، ان کی فضیلت کا اعتراف کرتے ہیں اور صدیقؓ اکبر آخر یہ کہتے ہیں کہ مجھے اس ذات پاک کی قسم جس کے دست قدرت میں میری جان ہے حضور کے رشتہ دار مجھے اپنے رشتہ داروں سے کہیں زیادہ عزیز ہیں۔ اسی طرح صـ ۵۷۵ جلد دوم پر حدیث مذکور ہے جس میں صراحت سے ذکر ہے کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ان املاک کو حضرت علی اور حضرت عباس کے تصرف میں اس شرط پر دیا تھا کہ وہ ان سے حاصل ہونے والی آمدن کو اسی طرح خرچ کریں جس طرح حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور ابوبکر صدیق خرچ کیا کرتے تھے۔ بعد میں یہ ساری املاک حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے قبضے میں آئیں پھر آپ کی شہادت کے بعد حضرت امام حسن، آپ کے بعد حضرت امام حسین کے قبضہ میں رہیں اور یہ حضرات اپنے اپنے اوقات میں اس آمدنی کو سنت نبوی کے مطابق صرف کرتے رہے۔ حضرت سیدنا امام حسین کی شہادت کے بعد آپ کے صاحبزادے حضرت علی بن زین العابدین اور حضرت امام حسن کے صاحبزادے حسن دونوں ان کا باری باری انتظام کرتے رہے۔ پھر زید بن حسن کو یہ خدمت تفویض کی گئی۔ بخاری شریف کے الفاظ ہیں: فكانت هذه الصدقة بيد علي منعها عليٌّ عباس فغلبه عليها ثم كان بيد حسن بن علي ثم بيد حسين بن علي ثم بيد علي بن حسين وحسن بن حسن كليهما كانا يتداولانها ثم بيد زيد بن حسن۔

اس حدیث میں بھی کہیں حضرت سیدہ کی ناراضگی کا ذکر نہیں بلکہ یہاں سے تو پتہ چلتا ہے کہ حضرت سیدنا عمر نے ان علاقوں کا انتظام حضرت علی مرتضےٰ کے سپرد کر دیا تھا اور یہ سلسلہ چلتا رہا، اور مذکورہ بالا حضرات اس کی آمدن کو سنت نبوی کے مطابق صرف کرتے رہے۔ انہوں نے بھی

اس مرتبہ کی حیثیت میں کوئی تبدیلی نہیں کی۔ اگر یہ ورثہ ہوتی تو حضرت سیدہ کے سارے وارثوں میں ان کے حصص کے مطابق تقسیم ہو جاتی حالانکہ ایسا نہیں ہوا۔ ان حضرات کے مسلسل عمل نے حضرت صدیق اکبر اور حضرت فاروق اعظم کے اس فیصلہ پر مہر تصدیق ثبت کر دی اور دل میں اگر خوف خدا موجود ہے تو انہیں قطعاً ان حضرات پر زبانِ طعن دراز کرنے کا حق نہیں پہنچتا۔

ایک لطیفہ سماعت فرمائیے۔۔۔ خلیفہ عباسی سفاح جب پہلا خطبہ دینے کے لئے کھڑا ہوا تو ایک آدمی جس نے اپنے گلے میں قرآن مجید حمائل کر رکھا تھا اٹھا اور کہنے لگا: انا شدك الله الا حكمت بيني و بين خصمي بهذا المصحف اے خلیفہ! میں تمہیں اللہ تعالیٰ کا واسطہ دے کر التجا کرتا ہوں کہ میرے درمیان اور میرے دشمن کے درمیان اس قرآن کی رو سے فیصلہ کرو! خلیفہ نے پوچھا تمہارا دشمن کون ہے؟ کہنے لگا "ابو بکر فی منعہ فدک" ابو بکر میرا دشمن ہے جس نے فدک اہل بیت کو نہیں دیا۔ سفاح نے پوچھا، اظلمك؟ کیا ابو بکر نے تجھ پر ظلم کیا ہے؟ اس نے کہا ہاں۔ اس طرح پھر عثمان کے بارے میں گفتگو ہوئی اور اس نے کہا کہ عثمان نے بھی مجھ پر ظلم کیا، خلیفہ نے پوچھا کہ کیا علی نے بھی تم پر ظلم کیا۔ اب اس پر سکتہ طاری ہو گیا اور اس سے کوئی جواب نہ بن آیا۔ عملی طور پر حضرت علی مرتضٰے اور ائمہ اہل بیت نے بھی وہی کچھ کیا جو حضرت صدیق اور حضرت فاروق نے کیا تھا نہ اس زمین کی حیثیت میں تبدیلی کی نہ اس زمین سے حاصل ہونے والی آمدنی میں کسی قسم کا ردّ و بدل کیا۔ نہ کسی لئے از راہ وراثت مالکانہ حقوق تسلیم کئے تو پھر بے انصافی کی حد ہے کہ آپ ان حضرات کو تو کچھ نہ کہیں اور اپنا سارا غصہ حضور کے پیارے اور محبوب اور وفاشعار ساتھیوں پر نکالیں جن کا جرم یہ ہے کہ انہوں نے سنت نبوی سے انحراف نہ کیا۔ سچ تو یہ ہے کہ ان کا یہ جرم نہیں ورنہ اس جرم میں تو کئی اور حضرات بھی شریک ہیں اور ان سے یہ لوگ اپنی محبت و عقیدت کا دم بھرتے ہیں۔ ابو بکر اور عمر کا اصلی قصور یہ ہے جسے وہ کسی قیمت پر معاف نہیں کر سکتے کہ انہوں نے مشرق و مغرب میں اسلام کا نام بلند کر دیا۔ آتشکدے سرد کر دیئے۔ صلیبوں کو سرنگوں کر دیا۔ شام کے لالہ زاروں اور ایران کے مرغزاروں سے لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی دلنواز صدائیں بلند ہونے لگیں۔

اسی طرح بخاری شریف کے دوسرے مقامات پر بھی جو احادیث ہیں ان میں کہیں حضرت سیدہؓ کے غصے اور ناراضگی کا ذکر تک نہیں کیا۔ البتہ ایک حدیث جو ص ۴۳۵ پر مذکور ہے وہ غور طلب ہے۔

عروہ بن زبیر کہتے ہیں کہ حضرت عائشہ صدیقہ نے انہیں بتایا کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے حضور کی وفات کے ابو بکر صدیق سے میراث کا مطالبہ کیا۔ حضرت صدیق اکبر نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حدیث پیش کی: لا نورث ما ترکنا صدقۃ الخ اور پھر معذرت خواہی کرتے ہوئے گزارش کی: لست تارکا شیئا کان رسول اللہ صلی اللہ

تعالیٰ علیہ وسلم یعمل بہ الا انی عملت بہ فانی اخشی ان ترکت شیئاً من امرہ ان ازیغ ۔

یعنی میں کسی ایسی چیز کو ترک نہیں کر سکتا، جس پر حضور کا عمل تھا مگر میں اس پر عمل کروں گا۔ کیونکہ مجھے یہ خوف ہے کہ اگر میں نے حضور کے کسی کام کو چھوڑا تو مجھ میں کجی پیدا ہو جائے گی ۔

کتنی صاف بات ہے اور کس حسین انداز سے اپنی معذوری کا اظہار کیا ہے۔ آپ کی ساری زندگی اتباع سنت کا زندہ ثبوت ہے ۔

اس حدیث میں یہ الفاظ ہیں :

فغضبت بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فھجرت ابابکر ولم تزل مھاجرتہ حتی توفیت ۔

کہ حضرت سیدہ ابوبکر صدیق کی اس بات پر ناراض ہو گئیں اور صدیق اکبر سے قطع تعلق کر لیا۔

ان الفاظ میں غور طلب چند امور ہیں کیا یہ حضرت سیدہ کا قول ہے کہ میں ابوبکر پر ناراض ہوں ہرگز نہیں اور نہ ہی یہ حضرت عائشہ کا قول ہے بلکہ ان کے بعد کے راویوں میں سے کسی راوی نے اپنے خیال کے مطابق یہ قیاس آرائی کی لیکن یہ قیاس آرائی شان بتول کے سراسر خلاف ہے کیونکہ یہ تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ کہ آپ کے سامنے رسول کریم کا قول پیش کیا جائے اور آپ اسے بخوشی قبول نہ کریں بلکہ الٹا ناراضگی کا اظہار کریں۔ آپ ذرا قرآن کریم کی اس آیت پر غور کریں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: فلا و ربک لا یومنون حتی یحکموک فیما شجر بینھم ثم لا یجدوا فی انفسھم حرجاً مما قضیت ویسلموا تسلیما ۔

اے میرے محبوب! تیرے رب کی قسم وہ لوگ مسلمان ہو ہی نہیں سکتے۔ یہاں تک کہ وہ اپنے متنازعہ امور میں آپ کو حکم تسلیم کریں اور جو آپ فیصلہ فرما دیں اس کے بارے میں ان کے دل میں ناگواری کا کوئی اثر نہ ہو اور وہ آپ کے فیصلہ کے سامنے سر تسلیم خم کر دیں ۔

جب ایک عام انسان پر لازم ہے کہ وہ حضور کے فیصلہ کے سامنے بلا چوں و چرا سر انداز ہو جائے اور اس کے بارے میں کسی قسم کا ملال دل میں نہ لائے تو حضرت خاتون جنت کے متعلق یہ کہنا کہ آپ ارشاد نبوی سن کر ایسی خشمناک ہو گئیں کہ قطع تعلق کر لیا ہرگز قابل تسلیم نہیں۔ راوی کا یہ بیان ہے اور نیک سے نیک آدمی بھی غلط فہمی کا شکار ہو سکتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب طور سے واپس آئے اور اپنی قوم کو بچھڑے کی پرستش کرتے ہوئے دیکھا تو غصہ سے بے قابو ہو گئے اور یہ خیال کیا کہ شائد اس میں حضرت ہارون کی غفلت کا دخل ہے حالانکہ ایسا ہرگز نہیں تھا تو اس طرح کی غلط فہمیاں جب اکابر کو ہو جاتی ہیں تو راوی حدیث بیشک عادل اور ثقہ کیوں نہ ہو اس قسم کی غلط فہمی کا شکار ہو جائے تو قطعاً بعید از فہم نہیں لیکن اگر ان الفاظ کو حقیقت پر محمول کیا جائے۔ تب بھی ایسی روایات بکثرت موجود ہیں جن سے حضرت سیدہ کی خوشنودی کا ثبوت ملتا ہے۔ صرف ایک حوالہ پر ہی

اکتفا کرتا ہوں۔
علامہ کمال الدین میثم البحرانی نہج البلاغۃ کی شرح جلد خامس میں اس واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ حضرت سیدہ کی گفتگو سن کر صدیق اکبر نے کہا:

"یاخیرۃ النساء وابنۃ خیر الآباء واللہ ماعدوت رای رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولاعملت الا بامرہ"

اے خواتین عالم کی سردار! اے تمام باپوں کے تاجدار کی لخت جگر، خدا کی قسم! میں نے حضور کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رائے سے ذرا تجاوز نہیں کیا۔ میں نے وہی کچھ کیا جس کا حضور نے حکم دیا اس کے بعد آپ نے عرض کیا:

کان رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم یاخذ من فدک قوتکم لیقسم الباقی ویحمل منہ فی سبیل اللہ و لک علی اللہ ان اصنع بھا۔ کما کان یصنع فرضیت بذالک واخذت العھد علیہ بہ۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام فدک سے آپ کی ضروریات زندگی (خوراک) لیا کرتے تھے اور باقی کو مستحقین میں تقسیم کر دیا کرتے تھے اور مجاہدین کو سواریاں اسی سے مہیا فرماتے۔ اور میں اللہ تعالیٰ کو گواہ بنا کر اس بات کا وعدہ کرتا ہوں کہ میں بھی وہی کچھ کروں گا جس طرح حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کیا کرتے تھے۔ یہ سن کر آپ راضی ہو گئیں اور اس بات پر عمل پیرا رہنے کا پختہ وعدہ کر لیا۔"

اس کے بعد علامہ کمال الدین لکھتے ہیں جس سے امام بخاری کی روایت کی بھی تصدیق ہوتی ہے:

وکان یاخذ غلتھا فیدفع الیھم منھا ما یکفیھم ثم فعلت الخلفا بعد کذلک۔

یعنی حضرت ابو بکر صدیق کا یہ معمول تھا کہ فدک وغیرہ کا غلہ لیتے اور اہل بیت کے افراد میں حسب ضرورت تقسیم کرتے۔ آپ کے بعد آنے والے خلفاء بھی اسی طرح کرتے رہے۔
(شرح نہج البلاغۃ جلد ۵ ص۱۰۷)

جب ان حقائق کا آپ نے مطالعہ فرما لیا تو حضرت صدیق اکبر پر لگائے جانے والے الزام کی مکمل طور پر بیخ کنی ہو گئی اور اسی طرح حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی ذات اقدس واطہر پر جو بہتان تراشی کی جاتی تھی اس کا بھی نام و نشان باقی نہ رہا۔

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین و علی الہ الطاھرین و ازواجہ الطاھرات امھات المومنین وعلی سائر الصحابہ والتابعین۔ اجمعین۔

سید محمد ہاشم فاضل شمسی

خلافتِ بلافصل

یہ ایک حقیقت ہے سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ رب العزت کے آخری نبی ہیں۔ ان کے بعد کوئی نبی مبعوث نہیں ہونگے۔ نبوت کے تمام اغراض و مقاصد سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے بہ تمام و کمال اختتام کو پہنچ گئے اکمال دین اتمام نعمت استحکام ہدایت کے بعد رسالت کا کوئی پہلو باقی نہیں رہا جس کی توضیح و تبلیغ کے لیئے اللہ رب العزت کوئی اور نبی و رسول خلق کی ہدایت و تعلیم کے لیئے بھیجے بے ضرورت و بے مقصد کام فعل عبث ہوتا ہے اور اللہ رب العزت فعل عبث سے پاک و منزہ ہے۔ بلکہ فعل عبث خلافِ حکمت ہے اور اللہ جل و علیٰ حکیم ہے۔ لہذا انکی طرف فعل عبث کی نسبت محال ہے۔

ہاں یہ صحیح ہے اسلام آخری دین ہے۔ قرآن آخری کتاب وحی و کتاب الہی ہے۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی و رسول ہیں۔ اللہ کا آخری پیغام پہنچا کہ فطرتِ الہی کے مطابق رفیق اعلیٰ کی طرف مراجعت فرمائی جب کہ دنیا قائم ہے۔ انسان زمین پہ آباد ہیں اور اللہ رب العزت ہی جانتا ہے کہ دنیا کب تک قائم رہے گی اور انسان اس کرۂ ارض پر آباد رہیں گے اور جب تک وہ زندہ اور باقی ہیں ان کو اللہ کے دین کی ضرورت ہے اور وہدایات الہیہ کے محتاج ہیں ان کے درمیان اللہ کی حجت کا قیام و وجود ضروری ہے تاکہ جس مقصد کے لیئے نوعِ انسان کی تخلیق ہوئی ہے پوری ہو۔ انسان دنیا میں اللہ کی معرفت اعبادت اور اطاعت کے لیئے پیدا کیا گیا ہے وہ اللہ کی بندگی کرے اور کائنات پہ خلیفۂ خدا نبکہ حاکم ہو۔ شیطان اس کو راہ سے بے راہ نہ کرے۔ اللہ رب العزت نے شیطان کو قیامت تک مہلت حیات و قدرت اغواء دے رکھی ہے۔ لہذا اس تیرگی عالم میں حجت اللہ کا سورج ہمیشہ روشن رہنا چاہیئے۔ یہ تقاضائے عدل بھی ہے اور تقاضائے رحمت بھی ہے۔ اللہ رب العزت کی رحمت و رافت اور عدل و انصاف سے بعید ہے کہ وہ انسان کے سب سے

بڑے دشمن ابلیس کو تو اس کی تمام قوائے ضلال و اضلال اور استعداد غوایت و اغوا کے ساتھ زندہ رکھے اور انسانوں کی ہدایت اور اہتداد کے لیئے خلق کے درمیان نہ نور ہدایت ہو اور نہ اسکی حُجّت۔

بلکہ عدل و رحمت کا تقاضا تو یہ ہے کہ اللہ کی حُجّت اور اسکی ہدایت کا نور ہمیشہ لوگوں کے درمیان موجود رہے اور اس نور و حُجّت تک ہر انسان کی رسائی آسان سے آسان تر ہو، شیطان سے زیادہ اللہ کا نور و حُجّت انسانوں کے نزدیک ہو۔ انسان جب چاہے اور جہاں چاہے اللہ کے نور و حُجّت سے ہدایت حاصل کر سکے۔ اللہ کی حجت کو ہر شک و شبہ سے پاک اور اس کے نور کو ہر گرد و غبار سے محفوظ رہنا چاہیئے کر سکے۔ اللہ کی حُجّت ہرگز کوئی ایسی شے نہیں ہو سکتی جو نگاہ خلق سے غائب اور رسائی عالم سے دور ہو نہ اللہ کی طرف سے کوئی ایسا نور ہدایت تسلیم کیا جا سکتا ہے جو خود تیرگی غیبت میں گم ہو ایسی کسی حُجّت کا تصور ہی غلط ہے۔ چہ جائیکہ ایسی حجت موہومہ کا کوئی صاحب عقل اقرار کرے کیونکہ جس حُجّت سے کوئی فائدہ نہ ہو اور جس روشنی سے تاریکی دور نہ ہو سکے وہ حُجّت حُجّت نہیں ہے اور وہ روشنی روشنی نہیں ہے بلکہ ایسے غائب حُجّت اور تاریک نور کا اقرار اللہ رب العزت پر فعل عبث کا الزام لگانا ہے جو کفر ہے اور شیطان کو فعال و کارفرما تسلیم کرتے ہوئے حجت الہٰی اور نور ہدایت کی غیبت و گم شدگی کا دعویٰ اللہ رب العزت کی صفات عدل و رحمت کا قولاً و عملاً انکار ہے اور یہ بھی کفر ہے۔

لہٰذا سیدنا و مولٰنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر خاتمۂ رسالت کے بعد قیامت تک اللہ کی حجت اور اللہ کا نور ہمیشہ اسی طرح غالب اور تابندہ رہنا چاہیئے جیسا کہ آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سامنے تھا اور الحمد اللہ آج تک اسی شان و شوکت اور عزت و اقتدار کے ساتھ ہے اور اللہ کی وہ حجت اور اس کا نور قرآن مجید ہے جو لا ریب فیہ یعنی ہر شک و شبہ سے پاک کتاب ھدی و نور ہے۔ اللہ رب العزت کی اپنی حفاظت میں مومنوں کے سینوں میں دنیا کی ہر انسانی آبادی میں موجود ہے۔

لہٰذا حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد قرآن کے سوا نہ کسی حجّت کی ضرورت ہے نہ کسی اور نور کی حاجت ہے نہ نبیوں کی طرح اللہ رب العزت کی طرف سے کسی نامزد امام و معصوم خلیفہ کی حاجت ہے۔ سیدنا و مولٰنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اگر آپ کے جانشین امام و خلیفہ کی تعیین اللہ رب العزت کی طرف سے ہونی ضروری ہوتی تو اسلام اپنے اصُول کے لحاظ سے بیخ و بنیاد سے اکھڑ کر وفات نبوی کے ساتھ ختم ہو جاتا۔

اللہ رب العزت کی طرف سے امام و خلیفہ کی نامزدگی کے نتیجے میں مندرجہ ذیل خرابیاں اور اسلام کے بنیادی عقائد میں فسادات پیدا ہو جاتے۔

اوّل خلفائے رسول و جانشینان مصطفیٰ کی قیامت تک کے لیئے مکمل فہرست نوع انسانی بالخصوص امت مرحومہ کو ملنی چاہیے تھی۔ یہ فہرست خواہ قرآن مجید کی کسی سورہ کی شکل میں ہوتی یا قرآن کی طرح فرمان رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام میں اوقات نماز اور تعداد رکعات کی طرح متواتر سند کے ساتھ مروی ہوتی

ایسی فہرست سے امت کو اللہ کی حجت اور ہدایت کے نور کا شک و شبہ سے پاک علم تو ضرور ہوتا مگر دوسری طرف دنیا کی عمر اور وقوع قیامت کا بھی علم حاصل ہو جاتا اور ایمان بالغیب جو ایمان مقبول کی اساس اور قیامت کی ناگہانی آمد کا قرآنی اعلان ہے سراسر غلط ہو جاتا۔

یا پھر اللہ کے نامزد امام کو نگاہ عالم سے چھپا کر تعیین امام کی غرض و غائت پر پانی پھر دیا جاتا۔ حجت الٰہیہ اور نور ہدایت سے دنیا محروم ہو کر مکمل طور پر شیطان کے تسلط میں چلی جاتی۔ جو چراغ روشنی نہ دے اور جو حجت دین کی حفاظت نہ کر سکے اور دین کو غالب نہ کر سکے وہ بت پرستوں کے تراشے ہوئے خلاؤں سے زیادہ کسی اہمیت کے لائق نہیں قرار دی جا سکتی

پوشیدہ حجت اور غائب امام کا مفہوم تو یہی ہو سکتا ہے کہ اللہ رب العزت اپنے عدل میں ظالم۔ اپنے ارادے میں عاجز اور اپنی مصلحت میں ناکام رہا اور اگر حجت مزعومہ اور امامت موہومہ اللہ کے حکم سے غائب نہیں ہوئے بلکہ اللہ رب العزت نے ان کو اقتدار کامل عطا کیا آسمان و زمین شمس و قمر آب و ہوا درند و چرند۔ بحر و بر آندھی اور طوفان دشت و جبل ساری کائنات ان کے تابع فرمان کر دیئے گئے ہیں اور خود ان کی اپنی موت ان کے اختیار میں ہے۔ ذوالفقار جیسی خدائی تلوار ان کے قبضے میں ہے کہ بلا ارادہ تلوار کا پھل ستر گز آگے تک دشمن کا سر اڑا دیتا ہے اور اگر حجت خدا امام مخصوص ارادہ کریں تو آسمان و زمین اور ساری کائنات کو ذوالفقار کا ایک وار دو نیم کر دے پھر بھی حجت خدا خلق پر ظاہر ہو کر ان کی ہدایت کا فریضہ انجام نہیں دیتے۔ ریزہ دلی و پست ہمتی ان کی فطرت ہے اور خلق سے فرار ان کا خاصہ ہے تو ایسے نامزد امام و خلیفہ کا تصور صرف ان امام ہی کے منصب کو برباد نہیں کرتا بلکہ ایسے کو امام و حجت مقرر کرنے والے خدا کے متعلق طرح طرح کے خیالات کو جنم دیتا ہے۔ ایسے نامزد امام کا عقیدہ رکھنے والوں کی عقل کو موضوع بحث بناتا ہے۔

امام کا تعین

حقیقت یہ ہے کہ قرآن نے دین کی تکمیل کا اعلان کر دیا۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تا قیامت تمام مسلمانوں سے اپنی ذات پر نبوت کے اختتام کا عہد لے لیا۔ لا نبی بعدی (میرے بعد کوئی نبی نہیں) لو کان موسیٰ حیا ما وسعہ الا اتباعی (اگر آج موسیٰ لوگوں کے درمیان موجود ہوتے تو ان کو بھی میری اتباع کے سوا چارہ کار نہ تھا)

اگر رب العزت کی طرف سے سیدنا و مولٰنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد امام ہی کے لقب سے سہی منصوص و نامزد شخص کی گنجائش تسلیم کی جائے تو لامحالہ اس کا اقرار ایمان کا ایک اہم رکن ہوگا شک و انکار کفر ہوگا۔ پورے قرآن کو ماننے اور اس پر عمل کرنے کے باوجود اللہ کے نامزد و منصوص امام کا منکر کافر ہوگا اس کا ٹھکانا جہنم ہوگا قرآن کی اطاعت و اتباع موجب نجات نہیں ہوگی۔ یہ سب خرابیاں دین کے کامل ہونے اور قرآن کے یقین دلانے کے بعد ہونگی۔ جس کا لازمی نتیجہ قرآن

کے بار بار اعلان کی تغلیط و تکذیب اور اکمال دین کی نفی ہے۔

مسئلہ خلافت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے بعد کسی فرمان کے ذریعے خلیفہ کا تعین نہیں کیا بلکہ اپنی رضا اور خواہش کا اظہار اشاروں میں فرمایا وہ بھی متصلاً اپنے بعد کے خلفاء کے لیے نہ کہ قیامت تک یا مستقبل بعید تک کے خلفاء کے لیے۔ ہاں عملاً خلافت کی ذمہ داریاں سیدنا صدیق اکبر ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سپرد کیں۔

قرآن مجید نے قیامت تک کے لیے اصول بتا دیے جن کی روشنی میں اُمت اپنے اپنے دور میں خلیفہ امام اور امیر مقرر کرے گی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متصل بعد مدت خلافت تیس سال مقرر کی گئی اور اس تیس سال کی مدت کے لیے خلافت کے متعلق قرآن کی ہدایت اور اپنی رضا دلپسند کے مطابق اشارے کر دیے گئے قرآن مجید کا اعلان ہے:

وعد اللہ الذین اٰمنوا منکم وعملوا الصّٰلحٰت لیستخلفنھم فی الارض واللہ نے وعدہ کیا تم سے جو ایمان لائے اور عمل صالح کیا بالیقین ضرور زمین میں ان کو خلیفہ بنائے گا، اس آیت کے نزول کے وقت جو صحابہ کرام تھے اللہ رب العزت کے اس وعدہ خلافت کے سب کے سب مخاطب تھے اور وہ تمام صحابہ خلافت کے مقام عزت پر فائز تھے۔ سیدنا ابوبکر صدیق بھی دوسرے مخاطب وقت صحابہ میں شامل ہیں۔ سیدنا ابوبکر اپنے حق میں موعودہ خلافت کے ساتھ ساتھ دوسرے موعودہ خلفاء کے نمائندہ اور نائب تھے۔ اس موعودہ خلافت کا سلسلہ خلافت مرتضوی تک رہا۔ آیت استخلاف کے نزول کے وقت مہاجرین وانصار کے علاوہ عجمی حبشی رومی یعنی قریشی وغیر قریشی ہر نسل، خاندان اور وطن سے تعلق رکھنے والے صحابہ آستانۂ رسالت سے وابستہ تھے اور ان میں سے ہر ایک آیت مذکورہ کی روشنی میں خلافت کے اہل تھے مگر ارشاد نبوی الائمۃ من قریش (امام قریش میں سے ہوں) بعض اہم مصلحتوں کی وجہ سے خلافت وامامت کو قبائل قریش میں محدود کر دیا۔ غیر عرب تو غیر عرب تھے انصار بھی اپنی فضیلت و شرافت کے باوجود خلافت کے منصب سے علیحدہ کر دیے گئے، کیونکہ اہل عرب قریش کی بزرگی کے قائل اور کعبہ مکرمہ کے ساتھ اعتقادی وابستگی انہیں اسلام کے پہلے سے قائم تھی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد اُمت کی اجتماعیت میں فساد وخلل کا اندیشہ تھا۔ تمام قبائل عرب کا غیر قریشی کی امامت پر متفق ہونا آسان نہ تھا۔

لہٰذا حضور علیہ السلام کی وفات کے بعد خلافت کے مسئلے کو اس انداز میں حل کرنا ضروری تھا کہ ایک طرف اُمت اختلاف و نزاع سے محفوظ رہے اور دوسری طرف قریش کو جو ہزاروں سال سے عربوں پر اپنی برتری کا احساس تھا مجروح نہ ہو اور تفویض و نامزدگی کی خرابیوں کا بھی فساد پیدا نہ ہو۔ اللہ رب العزت نے قرآن مجید میں تفویض منصب اور قیام امارت کے جو اصول مقرر کیے ہیں وہ بھی مکمل طور پر

رب العزت نے سموئیل نبی کے ذریعہ بنی اسرائیل کا بادشاہ و حاکم بنایا اور بنی اسرائیل ان کی حکومت پر اس لیئے معترض ہوئے کہ طالوت اسرائیلی تو ہیں مگر اسرائیل کے اس خاندان سے تعلق نہیں رکھتے ہیں جن میں اب تک اللہ رب العزت نے نبوت و باد شاہت کا سلسلہ قائم کیا تھا نیز وہ مالدار بھی نہیں ہیں اور پیشہ کے اعتبار سے بھی ان کا پیشہ معزز نہیں ہے۔ جوتیاں گانٹھتے ہیں اللہ رب العزت نے بنی اسرائیل کے اعتراض کو یہ کہہ کر رد کر دیا کہ طالوت اپنے زمانہ میں تمام بنی اسرائیل میں علم و شجاعت میں سب سے بہتر ہیں۔

موسیٰ علیہ السلام جب شعیب علیہ السلام کے یہاں اجرت پر مقرر ہوئے تو ان میں ملازمت کے لیئے اہلیت کی دونوں شرطیں پائی جاتی ہیں یعنی وہ قوی بھی ہیں امانت دار بھی ہیں۔ اسی طرح یوسف علیہ السلام نے جب زمین کے محاصل کی ذمہ داری چاہی تو اس منصب کی دونوں اہم شرطیں ان میں موجود تھیں۔ حفیظ یعنی پوری حفاظت کرنے والے ہیں اور علیم یعنی فرائض مفوضہ کو بطریق احسن ادا کرنے کی صلاحیت اور سمجھ رکھتے ہیں۔

سیدنا صدیق اکبر کے علم کا معیار تو اس حدیث سے ظاہر ہے حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ ما صُبّ الی الا صببت علی قلب ابی بکر (اللہ رب العزت کی طرف سے جو علوم و معارف کے دھارے میرے دل میں ڈالے گئے۔ میں نے اپنے دل سے گذار کر ابو بکر کے دل میں ڈال دیا)۔

اس حدیث کو اگر انا مدینۃ العلم و علی بابھا (میں علم کا شہر ہوں اور علی اس کا دروازہ) سے مقابلہ کیا جائے تو دونوں کے مفہوم و معیار میں بڑا فرق ہے۔ شہر کا دروازہ ہونا جدا حقیقت ہے حضرت ابو بکر علم والے اور سیدنا علی اس کے محافظ ثابت ہوتے ہیں۔ محدثین کے نزدیک مدینۃ العلم والی حدیث مجروح ہے اور بعضوں نے تو اسے موضوع قرار دیا ہے مگر صوفیوں کے نزدیک یہ روایت مقبول ہے۔ سلاسل طریقت یا تو براہ راست سیدنا علی سے جاری ہیں یا اگر ان سے مبالغت کی صورت میں جاری نہیں ہیں پھر بھی ان سے سیراب و فیضیاب ضرور ہیں۔

قرآنی اشارات

اسلام کے بنیادی اصول کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلافت کے لئے قرآن مجید نے کسی کو نامزد اور متعین نہیں کیا مگر واضح اشارات دے دیئے تاکہ سلسلہ نبوت کے اختتام کے بعد امت انتشار و افتراق میں مبتلا نہ ہو ہاں جو لوگ قرآن سے ایمان اٹھالیں تو ایسے لوگ توفیق خیر سے محروم ہیں۔ اللہ رب العزت ان کی ہدایت نہیں چاہتا تو ہدایت ان کو کیونکر ملے گی۔ اللہ کی مشیت کے خلاف تو نبی بھی کوئی کام نہیں کرتے۔ نبی اس کو ہدایت دیتے ہیں۔ اللہ جن کی ہدایت کے خلاف نہ ہو اور خیر کی توفیق ان کو عطا کرے۔

قرآن مجید کا ارشاد ہے۔ ولا یاتل اولو الفضل منکم والسعۃ (پارہ ۱۸ سورہ نور)

وسعت دکھائیں یا کمی نہ کریں تم میں فضل اور سعۃ والے) تمام مفسرین اس پر متفق ہیں کہ یہ آیت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان میں نازل ہوئی ۔ انہی کو رب العزت نے صاحب فضیلت اور صاحب سعۃ کہا ہے ۔ شیعہ مفسرین بھی یہی کہتے ہیں ۔ تفسیر مجمع البیان میں شیخ ابوعلی الفضل بن الحسن الطبرسی (۵۴۸ھ تا ۵۵۲ھ) بھی یہی لکھا ہے ۔ آئیے ذرا اس آیت مبارکہ میں غور وتدبر کریں ۔ جناب طالوت کو بنی اسرائیل کا بادشاہ بنائے جانے پر جب یہودیوں نے اعتراض کیا حسب ارشاد قرآنی رب العزت نے یہودیوں کے جواب میں جناب طالوت کے استحقاق بادشاہت کی دلیل میں فرمایا وزادہ بسطۃ فی العلم والجسم (اللہ نے ان کو علم اور جسم میں فضیلت و وسعت زیادہ دی ہے)

بسطۃ ، سعۃ کے قریب المعنیٰ بلکہ ہم معنیٰ ہے قرآن مجید میں بساطت وتوسع ایک دوسرے کی جگہ آئے ہیں جناب طالوت کی بساطت و وسعت علم وجسم میں محدود ہے جب کہ سیدنا صدیق اکبر کی فضیلت وسعۃ کسی قید کے بغیر ہے یعنی مطلق ہے ۔ جو تمام شعبوں اور جہتوں کو محیط ہے ۔ نبیوں میں سیدنا داؤد علیہ السلام ہیں جن کو اللہ رب العزت نے خلیفہ بھی کہا اور ان کے حق میں غیر مقید فضل وفضیلت کا اعلان کیا ولقد اٰتینا داؤد منا فضلا (اور بے شک ہم نے داؤد کو اپنی طرف سے فضل عطا کیا) سیدنا صدیق اکبر نبی تو نہیں ہو سکتے کیونکہ نبوت حضور علیہ السلام پر ختم ہو چکی مگر جناب داؤد علیہ السلام کی طرح خلیفہ ہو سکتے ہیں اسی فضل کا اعلان جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں ہوا تو اس کی اہمیت عظیم کی تاکید وصفت سے بڑھائی گئی ۔ وکان فضل اللہ علیک عظیما ورنہ سیدنا داؤد کے حق میں مطلق فضل ہے ۔ سیدنا صدیق اکبر کے حق میں مطلق فضل وسعۃ ہے جب کہ جناب طالوت کی بادشاہت کی دلیل مقید بساطت وسعۃ ہے ۔

آیت لا یاتل میں منکم کہہ کر نزول آیت کے وقت سیدنا صدیق اکبر کے معاصر مومنین یعنی تمام صحابہ کو اللہ رب العزت نے مخاطب کیا اور ان میں صدیق اکبر کو سب کے مقابلے میں صاحب فضل وصاحب سعۃ قرار دیا ۔ لہٰذا صدیق اکبر کی موجودگی میں امارت وامامت کے منصب کے لئے کسی اور کی گنجائش نہیں رہتی ۔

دوسری آیت

سورہ توبہ کی آیت ثانی اثنین اذھما فی الغار الایۃ خلافت صدیقی کی وہ دستاویز ہے جو اللہ رب العزت نے اپنے آخری رسول پر اتاری ۔ سیدنا علی المرتضیٰ نے اس پر اپنی گواہی بنائی (وثیقۂ خلافت میں تفصیل درج ہے)

خلافت بلا فصل کی تیسری دلیل

انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی طرح حضور سید عالم احمد مجتبیٰ محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی میدان جہاد میں اپنی فوج کے سپہ سالار مسجد میں امام صلوٰۃ اور انتظامیہ کے امیر تھے ۔ اپنی وفات شریفہ سے پہلے یہ ساری ذمہ داریاں

صدیق اکبر کے سپرد کر دیں جب کہ تمام دوسرے اکابر صحابہ اور ہونے والے خلفائے راشدین حاضر بارگاہ تھے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام جس آخری غزوہ میں بنفس نفیس شریک ہوئے اور مجاہدین کی میدان جنگ میں قیادت فرمائی وہ غزوہ تبوک ہے۔ اس غزوہ میں سیدنا علی المرتضیٰ کو اپنے ساتھ نہیں لے گئے بلکہ مدینہ میں روک دیا حالانکہ سیدنا علی المرتضیٰ تبوک جانے کے خواہشمند تھے یہ بھی نبی علیہ السلام کے علم غیب کی دلیل ہے کہ آئندہ جھوٹی روایت گھڑ کر کوئی فتنہ نہ پیدا کیا جائے۔ بہر حال غزوۂ تبوک میں سیدنا صدیق اکبر حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے اور سرور کونین نے اپنی رایت مبارکہ سیدنا صدیق اکبر کو عطا فرما کر لشکر اسلام کا علمبردار بنایا۔ اس کے بعد سرکار دو عالم پھر کسی غزوۂ میں شریک نہیں ہوئے اور وفات پائی۔ یہ ایک دلیل خلافت ہے۔

۸ھ میں حج فرض ہوا ۹ھ میں حضور اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنا نائب و جانشین بنا کر سیدنا صدیق اکبر کو امیر حج بنا کر بھیجا۔ حج کعبہ مسلمانان عالم کا مرکزی سالانہ اجتماع ہے، صدیق اکبر کا امیر ہونا تمام مسلمانوں کا امیر ہونا تھا۔ ۱۰ھ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام خود امیر حج تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُمت کو آخری وصیت و ہدایت دی اور ۸۳ دنوں کے بعد رفیق اعلیٰ سے جا ملے۔

اپنی بیماری کے دنوں میں اپنی نگاہوں کے سامنے مسجد نبوی میں صدیق اکبر سے پنجگانہ نماز اور جمعہ کی امامت کرائی اور تمام صحابہ حسب فرمان رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام صدیق اکبر کے مقتدی رہے۔ جب کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی دی ہوئی شریعت کی رو سے تمام اسلامی فرقوں کا اس پر اتفاق ہے کہ نمازوں کا امام سب سے زیادہ علم والا سب سے زیادہ قرآن جاننے والا سب سے زیادہ تقویٰ والا اور سب سے زیادہ فضیلت والا ہونا چاہئے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بیماری کے وقت تمام اکابر صحابہ موجود تھے ہر ایک کا مقام فضل و فضیلت آپ کو معلوم تھا۔ اللہ نے بھی ابوبکرؓ ہی کو سب کے مقابلے میں اولوالفضل کہا تھا۔ حضور علیہ السلام نے بھی صدیق اکبر کو تمام صحابہ پر فضیلت بخشی۔

مذکورہ بالا باتوں کے علاوہ صحابہ کرام نے سیدنا صدیق اکبر کو اپنا امام، امیر اور خلیفہ قبول کیا وہ حضرات ایک دوسرے کے فضل و بزرگی کو زیادہ بہتر جانتے اور سمجھتے تھے اور سچ تو یہ ہے کہ جو توقعات سیدنا صدیق اکبر کی ذات سے صحابہ کو تھی جو کچھ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے علم میں تھا اور جو کچھ منصب خلافت کے متعلق اللہ کا وعدہ اور ذمہ داریاں قرآن مجید میں ہیں سیدنا صدیق اکبر ان پر پورے اُترے۔

آپ رضی اللہ عنہ جھوٹے دعویداران نبوت، مانعین زکوٰۃ اور مرتدین کا استیصال کر کے رومی اور ایرانی شہنشاہوں کی سرحدوں کے اندر داخل ہو گئے، مندرجہ ذیل روایتیں خلافت صدیقی کے

کارناموں کا آئینہ اور مبشرات ہیں۔ دوسرے لفظوں میں حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نبی و رسول کی حیثیت سے معلم کتاب و حکمت تھے اور اس کی روشنی میں دین کی تعمیر و فرائض نبوت کی تکمیل سیدنا صدیق اکبر کے ہاتھوں ہوئی اور جزیرۃ العرب میں نئے سرے سے اسلام قائم اور شائع ہوا۔ ہجرت میں سیدنا صدیق اکبر کو ساتھ لے جانا اور بارگاہ احدیت سے ثانی اثنین کا خطاب ملنے کا یہی راز تھا جیساکہ سیدنا موسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام بندۂ خدا سے ملنے گئے تو اپنے ساتھ یوشع علیہ السلام کو لے گئے جن کی قیادت میں اللہ رب العزت نے بنی اسرائیل کو وادی تیہہ سے نکال کر ارض موعودہ پر تسلط و استیلاء عطا فرمایا۔ آیت اولیٰ: وعد اللہ الذین اٰمنو منکم وعملوا الصلحت لیستخلفنھم فی الارض کما استخلف الذین من قبلھم ولیمکنن لھم دینھم الذی ارتضی لھم ولیبدلنھم من بعد خوفھم امنا یعبدوننی لایشرکون بی شیئا ومن کفر بعد ذالک فاولئک ھم الفسقون (سورۂ نور پارہ ۱۸ رکوع ۱۳)

(اللہ نے وعدہ دیا ان کو جو تم میں سے ایمان لائے اور اچھے کام کئے کہ ضرور انہیں زمین میں خلافت دے گا جیسی ان سے پہلوں (داؤد، سلیمان، یوشع علیہ السلام) کو دی اور ضرور ان کے لیے جما دے گا ان کا وہ دین جو اُن کے لیے پسند فرمایا ہے اور ضرور ان کے اگلے خوف کو امن سے بدل دے گا۔ میری عبادت کریں میرا شریک کسی کو نہ ٹھہرائیں اور جو اس کے بعد (خلافت کا منکر و ناشکرا ہو تو وہ لوگ بے حکم (صراط مستقیم سے باہر) ہیں

آیت ثانیہ: الذین ان مکنّٰھم فی الارض اقاموا الصلوٰۃ واٰتوا الزکوٰۃ وامروا بالمعروف ونھوا عن المنکر۔ (سورہ حج پارہ ۱۷ رکوع ۱۰) (وہ لوگ کہ اگر ہم انہیں زمین میں اقتدار دیں تو نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں اور بھلائی کا حکم کریں اور برائی سے روکیں)

حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد جب تک فتنہ ارتداد ختم نہیں ہوا صرف تین مقامات میں نماز جمعہ ادا ہوتی رہی اور مدینہ طیبہ میں زکوٰۃ کی آمد بند ہو گئی، معروف کا رواج ختم ہو گیا، منکر نے زور پکڑا مگر صدیق اکبر کی خلافت کی برکت اور وعدہ الٰہی کے نتیجے میں ڈھائی سال کی مختصر مدت میں پورا جزیرۃ العرب اسلام کا گہوارہ اور مہد سعادت بنا اور آج تک الحمدللہ اسلام کا مرکز بنا ہوا ہے۔

اس مقالہ میں قرآن مجید، واقعات اور عقل کی بنیاد پر مسائل بیان کئے گئے ہیں۔ حدیثوں سے استدلال نہیں کیا اگرچہ خلافت صدیق کے برحق ہونے پر اکابر صحابہ اور اکابر اہل بیت سے بہت ساری صحیح حدیثیں مروی ہیں۔ لیکن حدیثوں سے انکار آج کل فیشن ہو گیا ہے جب کہ قرآن میں عقل اور واقعات سے انکار کی کوئی گنجائش نہیں ہے اور نہ کسی میں اس کی ہمت ہے۔ واقعات سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ عقل کی مخالفت نہیں کی جا سکتی اور قرآن کو جھٹلایا نہیں جا سکتا۔

تحریر: پیر محمد کرم شاہ ایم۔ اے (الازہر)

صدیق اکبرؓ پر اعتراضات کا علمی جائزہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذات گرامی ہادی برحق صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رسالت اور اسلام کی حقانیت کی روشن دلیل ہے جس سے کوئی سلیم الطبع انسان انکار نہیں کر سکتا۔ ان کی کتاب زیست کا ہر صفحہ یقین، خلوص، عشق اور ایثار کے تابندہ نقوش سے جگمگا رہا ہے کاروانِ ملت اگر آپ کے نقوشِ پا کو اپنا خضرِ راہ بنالے تو آج بھی وہ سدرہ کی بلندیوں پر اپنا آشیاں بنا سکتا ہے لیکن بدقسمتی سے ایسے لوگوں کی بھی کمی نہیں جو دانستہ یا نادانستہ اس فرزند جلیل پر الزامات اور اعتراضات کی بوچھاڑ کرتے ہوئے نہیں تھکتے اس لیے یہ ضروری ہے کہ حق کی جستجو کرنے والوں کے سامنے حقیقتِ حال بے کم و کاست پیش کر دی جائے تاکہ تشکیک و شبہات کا غبار چھٹ جائے اور حقیقت اپنے رخِ زیبا کے ساتھ آشکارا ہو جائے۔ کسی کو نفس و شیطان کی چیرہ دستیوں سے نجات دلانا اور کمندِ ہوا و ہوس سے رہائی دلانا اللہ تعالیٰ کا کام ہے۔ دین اسلام کا ایک ادنیٰ خادم ہونے کی حیثیت سے ہم پر فرض عائد ہوتا ہے کہ پوری دیانت داری، دلسوزی اور کمال خلوص سے ان غلط فہمیوں کو دور کرنے کی کوشش کریں تاکہ امتِ محمدیہ علی صاحبہا اجل الثناء واطیب التحیہ کا کوئی فرد شیطان کے گمراہ کن پروپیگنڈا سے متاثر ہو کر نعمتِ ایمان سے محروم نہ ہو جائے۔ ہم رحمتِ پروردگار سے امیدوار ہیں کہ وہ حق کی تلاش کرنے والوں کی دستگیری فرمائے گا۔ اور منزلِ مراد تک پہنچائے گا۔ وما ذالک علی اللہ بعزیز

یہاں چند ایسے اعتراضات ذکر کیے جاتے ہیں جو بعض حلقوں کی طرف سے بڑی شد و مد اور جوش و خروش سے پیش کیے جاتے ہیں۔ جب حقیقتِ حال آپ کے سامنے پیش کی جائے گی تو آپ کو ان اعتراضات کی لغویت کا یقین آ جائے گا۔ وما توفیقی الا باللہ العلی العظیم۔

۱۔ حضرت خالد حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کے جرنیل تھے انہوں نے مالک بن نویرہ کو قتل کر دیا حالانکہ وہ مسلمان تھا اور اس کی بیوی ام تمیم کو اپنے گھر ڈال لیا جو شرعاً جائز نہیں بحیثیت خلیفہ حضرت

ابوبکر پر لازم تھا کہ آپ قتلِ بے گناہ کے قصاص میں حضرت خالد کو قتل کرتے اور جرم زنا کی سزا میں آپ کو سنگسار کرتے آپ نے حضرت خالد کو کوئی سزا نہیں دی اس طرح شریعت اسلامیہ کی حدود کو توڑا ہے۔

جواب :- جب تک صورتحال کا تفصیلی تذکرہ آپ کے سامنے نہ کیا جائے یہ غلط فہمی دور نہیں ہو سکتی۔ مالک بن نویرہ قبیلہ بنی تمیم کا سردار تھا وجیہہ، خوبصورت، سخی اور شجاعت میں اپنا جواب نہیں رکھتا تھا۔ اپنے قبیلہ کے ساتھ بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر مشرف با سلام ہوا۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے از راہِ نوازش اسے اپنے قبیلہ کی زکوٰۃ اور صدقات جمع کرنے کا منصب تفویض فرمایا اور حضور کے وصال تک یہ اپنے فرائض انجام دیتا رہا۔ سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد ارتداد کا جو جھگڑا چلا اس میں یہ بھی اپنی شمع ایمان کو بچا نہ سکا۔ دوسرے کئی لوگوں کی طرح اس نے بھی زکوٰۃ ادا کرنے سے انکار کر دیا۔ زکوٰۃ اور صدقات کی مد میں جو روپیہ یا غلہ اس کے پاس جمع تھا اس نے اسے اپنی قوم میں تقسیم کر دیا۔ جب حضورؐ کی وفات کی خبر اس کے پاس پہنچی تو اس نے خوشی اور مسرت کا جشن منایا۔ اس کے گھر کی عورتوں نے مہندی لگائی ڈھول بجائے اور خوب فرحت و شادمانی کا اظہار کیا۔

حضرت صدیق اکبرؓ نے طلیحہ جس نے نبوت کا جھوٹا دعویٰ کیا تھا کے مقابلے کے لیے حضرت خالد کو روانہ کیا۔ حضرت خالد جب اس کے علاقہ میں پہنچے تو طلیحہ نے راہِ فرار اختیار کی اور اس کا قبیلہ تتر بتر ہو گیا۔ اس مہم سے فارغ ہونے کے بعد آپ نے مالک بن نویرہ کی گوشمالی کا قصد کیا جو بطاح کے علاقہ میں انکار زکوٰۃ کی خطرناک مہم کا سرغنہ بنا ہوا تھا۔ آپ کی آمد کی خبر سن کر اس کے حواس باختہ ہو گئے۔ اس کے کئی ساتھی تائب ہو کر از سرِ نو مسلمان ہو گئے لیکن یہ شش و پنج میں ہی مبتلا رہا اور آخر وقت تک کوئی فیصلہ نہ کر سکا کہ وہ انکار زکوٰۃ کے مؤقف پر ڈٹا رہے یا اپنے دوسرے رفقاء کی طرح توبہ کر کے از سرِ نو مسلمان ہو جائے۔

حضرت خالد قبیلہ اسد و غطفان اور ان کے حلیفوں سے نپٹنے کے بعد جب بطاح کے علاقہ میں پہنچے تو مالک بن نویرہ نے اپنے قبیلہ کو منتشر ہونے کا حکم دے دیا اور انہیں مسلمانوں سے جنگ کرنے سے منع کر دیا۔ جب خالد بطاح میں پہنچے تو وہاں کوئی بھی نہ تھا۔ آپ نے اپنے لشکر کو کئی حصوں میں تقسیم کر کے علاقہ میں پھیل جانے کا حکم دیا اور انہیں ہدایت کی کہ جو شخص تمہیں ملے اسے اسلام قبول کرنے کی دعوت دو اگر وہ یہ دعوت قبول کرے تو اس سے تعرض نہ کرنا اور اگر وہ انکار کر دے تو وہ مرتد ہے اور واجب القتل حضرت صدیق اکبرؓ نے بھی اسلامی لشکروں کو ملک کے مختلف اطراف میں روانہ کرنے سے پہلے یہ وصیت کی تھی کہ وہ جہاں جائیں اذان دیں۔ اگر وہاں کے رہنے والے بھی اذان دیں تو ان پر حملہ نہ

کریں اور اگر ان کی بستی سے اذان کی آواز بلند نہ ہو تو ان پر حملہ کرنے کی اجازت ہے جب وہ اسلام کی دعوت کو قبول کر لیں تو پھر ان سے زکوٰۃ کے بارے میں دریافت کریں۔ اگر وہ زکوٰۃ دینے پر بھی آمادہ ہو جائیں تو انہیں کچھ نہ کہا جائے۔ اور اگر وہ زکوٰۃ دینے سے انکار کریں تو پھر ان کو تہ تیغ کر دیں۔

لشکرِ اسلام کا ایک دستہ مالک بن نویرہ کو اس کے چند ساتھیوں کے ساتھ گرفتار کر کے حضرت خالد کے پاس لے آیا۔ آپ نے اس دستہ سے پوچھا کہ کیا مالک نے اسلام قبول کیا ہے یا نہیں تو حضرت ابو قتادہ انصاری نے جو اس دستہ میں شریک تھے کہا کہ بیشک اس نے اسلام قبول کیا۔ لیکن اس دستہ میں شامل دوسرے لوگوں نے اس کے مسلمان ہونے کی تردید کی اور بتایا کہ وہ حسبِ سابق اپنے ارتداد پر قائم ہے۔ اس اختلاف کے باعث حضرت خالد نے خود مالک بن نویرہ سے طویل گفتگو کی تاکہ اس کے عقیدہ پر انہیں آگاہی حاصل ہو اس گفتگو کی تفصیل دیگر مؤرخین کے علاوہ علامہ ابن خلکان نے وفیات الاعیان میں تحریر کی ہے۔

جب مسلمان لشکر مالک بن نویرہ کو گرفتار کر کے حضرت خالد کی خدمت میں لے آیا تو آپ کی اس سے طویل گفتگو ہوئی۔ مالک نے حضرت خالد کے استفسار کے جواب میں کہا:

انی آتی بالصلوٰۃ دون الزکوٰۃ

میں نماز تو ادا کرتا ہوں لیکن زکوٰۃ کی فرضیت کا قائل نہیں ہوں۔

حضرت خالد نے کہا:

اما علمت ان الصلوٰۃ والزکوٰۃ معًا لا تقبل واحدۃ دون اخرٰی

کیا تم نہیں جانتے کہ نماز اور زکوٰۃ کی فرضیت یکساں ہے اور ایک کے بغیر دوسری قبول نہیں ہوتی۔ مالک نے بڑی بے پرواہی سے جواب دیا:

قد کان صاحبک یقول ذالک

ہاں تمہارا صاحب یونہی کہا کرتا تھا۔

حضرت خالد اس کے گستاخانہ لہجہ اور اندازِ گفتگو کو سن کر برافروختہ ہو گئے فرمایا۔ کیا حضورؐ تمہارے صاحب نہیں ہیں؟ اگر تم زکوٰۃ دینے سے انکار کرو گے تو تمہارا سر قلم کر دوں گا۔

پھر اس کے منہ سے نکلا:

او بذلك امرك صاحبك

کیا تمہارے صاحب نے تمہیں یہی حکم دیا ہے۔

خالد نے غصہ سے کہا:

وھٰذہ بعد تلک واللّٰہ لاقتلنک

پہلی گستاخی کے بعد دوبارہ پھر گستاخی کر رہے ہو بخدا میں تم کو ضرور قتل کروں گا۔

اس گفتگو سے یہ بات روزِ روشن کی طرح واضح ہو گئی کہ مالک بن نویرہ اگرچہ نماز کا قائل تھا لیکن زکوٰۃ کا منکر تھا۔ پھر نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ادب اور احترام سے اس کا دل خالی تھا۔ اسی لیے بار بار صاحبک کا لفظ اس کی زبان سے نکل جاتا تھا۔ آپ خود ہی انصاف کریں کہ جو شخص مسلمان ہونے کے بعد مرتد ہو جائے۔ جو

شخص ارکان دین میں سے زکوٰۃ جیسے اہم رکن کا انکار کردے جو شخص بارگاہ رسالت میں گستاخانہ لہجہ اختیار کرے اس کا اسلام سے کیا تعلق باقی رہتا ہے یقیناً وہ شخص واجب القتل تھا۔ اور حضرت خالد نے شریعت اسلامیہ کے ضابطے کے مطابق اس کو تہ تیغ کیا۔

کیوں کہ وہ نماز کی فرضیت کا قائل تھا حضرت ابو قتادہ نے اس کی اذان ضرور سنی ہوگی لیکن اس وقت جو فتنہ اٹھ کھڑا ہوا تھا وہ نماز کی فرضیت کے بارے میں نہ تھا بلکہ زکوٰۃ کی فرضیت کے بارے میں تھا اور امت کا اس پر اجماع ہے کہ جو شخص دین کے فرائض میں سے کسی ایک فرض کا بھی انکار کرے تو وہ دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔

علامہ ابن خلدون نے اس واقعہ کی تفصیل یوں لکھی ہے:

کہ حضرت خالد کے پہنچنے سے پہلے مالک نے اپنے لشکر کو منتشر کر دیا۔ حضرت خالد نے انہیں تلاش کرنے کے لیے اپنی فوج کے دستے روانہ کئے ایک دستہ مالک بن نویرہ کو اس کے چند ساتھیوں کے ساتھ گرفتار کر کے لے آیا۔ اس کے بارے میں اس دستہ میں اختلاف رونما ہوا ابو قتادہ کہتے ہیں کہ انہوں نے اذان بھی دی اور نماز بھی پڑھی۔ دوسرے مجاہدین اس بات کو تسلیم نہ کرتے تھے۔ حضرت خالد نے ان لوگوں کو نظر بند کر دیا تاکہ ان کے بارے میں کوئی حتمی فیصلہ کرنے سے پہلے پوری تحقیق کر لی جائے اور حضرت ضرار بن ازور کو ان کی حفاظت پر مقرر کیا۔ موسم سخت سرد تھا رات کو بارش برسنے لگی حضرت خالد کو ان نظر بندوں کا خیال آیا تو پریشان ہو گئے مبادا سردی اور بارش کی وجہ سے انہیں تکلیف پہنچ رہی ہو۔ آپ نے ایک آدمی دوڑایا جس نے یہ پیغام پہنچایا۔

اَدفئوا اسراکم

اس کا لفظی ترجمہ تو یہ ہے کہ اس کڑاکے کی سردی میں ان نظر بندوں کو گرم رکھو تاکہ ٹھنڈ انہیں گزند نہ پہنچائے لیکن بنی کنانہ کی لغت میں یہ جملہ بطور کنایہ قتل کرنے کے لیے استعمال ہوتا تھا۔ ضرار جن کے سپرد ان اسیروں کی نگہداشت تھی بنی کنانہ کے قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے انہوں نے یہی سمجھا کہ قائد لشکر نے ان قیدیوں کو تہ تیغ کرنے کا حکم دیا ہے۔ چنانچہ انہوں نے ان سب کا کام تمام کر دیا۔ جب شور و غل بلند ہوا تو حضرت خالد نے اس کی وجہ پوچھی حقیقت حال سن کر آپ بڑے متاسف ہوئے لیکن اب کیا ہو سکتا تھا۔ اس واقعہ کے بارے میں ایک تیسری روایت ہے جسے علامہ یاقوت نے اپنی کتاب معجم البلدان میں "بُطاح" کے عنوان کے نیچے درج کیا ہے۔

لکھتے ہیں بطاح بنی اسد قبیلہ کے علاقہ میں ایک چشمہ کا نام ہے وہاں مسلمان اور مرتدین کے درمیان جنگ ہوئی۔ مسلمانوں کے سپہ سالار حضرت خالد بن ولید تھے اور ضرار بن ازور اسلامی مقدمۃ الجیش کے سالار تھے۔ مالک بن نویرہ اپنے لشکر کے ساتھ ان کے مقابلہ کے لیے نکلا بطاح کے میدان میں دونوں لشکروں کے درمیان جنگ ہوئی ضرار نے کھلی جنگ میں مالک کو قتل کیا۔ ان

روایات میں جو تاریخی اہمیت کی حامل ہیں۔ اس بات کا کوئی ثبوت نہیں کہ حضرت خالد نے قتل عمد کا ارتکاب کیا اور مالک بن نویرہ کو مسلمان سمجھتے ہوئے تہ تیغ کیا تاکہ ان سے قصاص لیا جائے۔

صاحب اغانی نے اس واقعہ کو جس افسانوی رنگ میں پیش کیا ہے وہ ادب کی کتابوں میں تو گوارا کیا جا سکتا ہے لیکن مورخ کی نظروں میں اس کی قطعاً کوئی تاریخی اہمیت نہیں تاکہ اس پر استدلال کی عمارت تعمیر کر کے حسب منشاء نتائج اخذ کیے جائیں۔ لیکن یہ بات وہیں ختم نہیں ہوتی ابو قتادہ غصہ سے بھرے ہوئے حضرت صدیق اکبر کے پاس آئے اور زور شور سے حضرت خالد کی شکایت کی۔ انہوں نے فاروق اعظم کو بھی اپنا ہمنوا بنا لیا۔ چنانچہ حضرت خالد کو دربار خلافت میں طلب کیا گیا اور آپ سے اس بارے میں بازپرس کی گئی۔ آپ نے جب خلیفۃ الرسول کی بارگاہ میں حقیقت حال پیش کی تو حضرت ابوبکر مطمئن ہو گئے اور انہیں اپنی فوج کی قیادت کرنے کے لیے محاذ جنگ پر واپس بھیج دیا۔

حضرت فاروق نے جب آپ کو بار بار مجبور کیا کہ خالد سے قصاص لیا جائے تو آپ نے فرمایا:

"ھَبْہُ" یاعمر تاول فاخطاء

فارفع لسانک عن خالد

اے عمر چھوڑو بھی زیادہ سے زیادہ اس نے تاویل کی ہے اور اس میں اس سے خطا ہوئی جب حضرت عمر پھر بھی نہ مانے تو آپ نے دوٹوک الفاظ میں کہا:

ہیا عمر ما کنت لا شیم سیفا سلہ اللہ علی الکافرین۔

نہیں اے عمر ہرگز نہیں میں اس تلوار کو نیام میں ڈالنے کے لیے تیار نہیں جسے اللہ تعالیٰ نے کفار پر بے نیام کیا ہے۔

اہل نظر جب حضرت خالد کے بارے میں حضرت صدیق اکبر کے فیصلہ کو دیکھتے ہیں تو ان کی حیرت کی حد نہیں رہتی کہ آپ نے وہی فیصلہ کیا جو آپ کے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیات طیبہ میں جب ان ہی خالد سے اسی قسم کا واقعہ سرزد ہوا تھا۔ اس واقعہ کا اجمالی ذکر فائدہ سے خالی نہ ہوگا۔

بنی جذیمہ کی طرف حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک سریہ بھیجا تھا جس کے قائد حضرت خالد تھے وہ لوگ اس سے پہلے مسلمان تو ہو چکے تھے لیکن اسلامی قواعد اور اصطلاحات سے روشناس نہ تھے جب مجاہدین نے ان پر حملہ کیا تو وہ زور زور سے یہ کہنے لگے "صبانا صبانا" اس کا لفظی معنی تو یہ ہے کہ ہم بے دین ہو گئے ہم بے دین ہو گئے۔ لیکن ان الفاظ سے ان کا مقصد یہ تھا کہ ہم نے اپنا آبائی دین چھوڑ دیا ہے اور نیا دین اسلام قبول کر لیا ہے۔ صحابہ کرام ان کے اس مفہوم کو نہ سمجھ سکے اور ان میں سے بیشتر کو تہ تیغ کر دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جب یہ واقعہ پیش کیا گیا تو حضور بہت برافروختہ ہوئے اور بڑے افسوس کے ساتھ یہ الفاظ کہے۔

اللھم انی ابرئ الیک مما صنع خالد

"اے اللہ خالد نے جو کچھ کیا ہے میں اس سے تیری جناب میں برآت کا اظہار کرتا ہوں۔"

حضور نے ان مقتولین کی دیت بیت المال سے ادا کر دی لیکن نہ حضور نے حضرت خالد کو ان کے قصاص میں قتل کیا اور نہ ان کو ان کے منصب سے معزول کیا۔ جو فیصلہ حضور نے خالد کے بارے میں کیا تھا۔ حضور کے جانشین صدیق اکبر نے بعینہٖ وہی فیصلہ فرمایا۔ اب کسی کو کیا حق پہنچتا ہے کہ بارگاہِ صدیقی میں زبان طعن دراز کر سکے۔

اس کے علاوہ عہد نبوت میں متعدد واقعات رونما پذیر ہوئے اور حضور نے کسی سے قصاص نہیں لیا۔

ایک جنگ میں حضرت اسامہ نے ایک ایسے شخص کو قتل کر دیا جس نے لا الٰہ الا اللہ پڑھا تھا۔ حضور کو پتہ چلا تو حضور نے فرمایا:

یا اسامہ اقتلتہ بعد ان قال لا الٰہ الا اللہ

اے اسامہ تو نے اس کے بعد اس شخص کو قتل کیا جب اس نے لا الٰہ الا اللہ کا اقرار کر لیا۔

یہ جملہ حضور نے تین مرتبہ دہرایا۔ اسامہ کے اس فعل پر اپنی ناراضگی کا اظہار کیا لیکن حضرت اسامہ سے نہ قصاص لیا اور نہ ان کو دیت ادا کرنے کا حکم دیا اور نہ یہ فرمایا کہ تم کفارہ ادا کرو۔

حالتِ جنگ میں اس قسم کے واقعات فوری طور پر رونما پذیر ہوتے رہتے ہیں کہ جن کے بارے میں فیصلہ درست نہیں ہوتا۔ لیکن اس میں کسی قسم کی بدنیتی کا شائبہ نہیں ہوتا۔ اگر ایسے واقعات پر قائدِ لشکر سے قصاص کا مطالبہ شروع کر دیا جائے تو پھر جنگ ہو چکی۔

ہم ان لوگوں سے بڑے ادب کے ساتھ یہ پوچھنے کا حق رکھتے ہیں جو حضرت صدیقؓ پر اعتراض کرتے ہوئے نہیں تھکتے کہ اگر ان سے کوئی شخص یہ پوچھے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے باوجود خلیفہ بااختیار ہونے کے حضرت عثمان کے قاتلوں سے کیوں قصاص نہیں لیا تو اس کا وہ کیا جواب دیں گے جو ان کا جواب ہوگا۔ وہی جواب حضرت صدیق اکبرؓ کی طرف سے قبول فرمالیں۔

اسی سلسلہ میں دوسرا اعتراض مالک بن نویرہ کی زوجہ ام تمیم کے بارے میں کیا جاتا ہے کہ حضرت خالد نے مالک کے قتل کے بعد فوراً اسے اپنی زوجہ بنا لیا حالانکہ انقضائے عدت سے پہلے اس کے ساتھ نکاح جائز نہیں تھا۔

اس کے بارے میں عرض ہے کہ عدت وفات کا گذارنا اس وقت ضروری ہوتا ہے جب خاوند مسلمان ہو ایک کافر اور مرتد کے قتل کے بعد اس کی بیوی پر عدت گذارنا ضروری نہیں البتہ استبراء رحم ضروری ہے تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ وہ حاملہ نہیں اور وہ ایک حیض سے بھی ہو سکتا ہے اور اس قسم کی روایات کتاب معتبرہ میں موجود ہیں کہ آپ نے تین حیض گذارنے کے بعد اس کو نکاح کا پیغام بھیجا جو اس نے قبول کر لیا۔

علامہ ابن خلکان لکھتے ہیں:

وقیل انھا اعتدت ثلاث حیض ثم خطبھا علی نفسہ فاجابتہ (وفیات الاعیان)

کرام یتیم نے تین حیض گزار کر اپنی عدت پوری کی اور پھر حضرت خالد نے اسے نکاح کا پیغام بھیجا جو اس نے قبول کر لیا۔

اسی طرح علامہ ابن کثیر نے تصریح کی ہے۔

فلما حلت جنی بہا

جب وہ شرعاً حلال ہو گئی تو آپ نے اس کو اپنی زوجیت میں لیا۔

۲۔ دوسرا اعتراض۔

حضرت صدیقِ اکبرؓ پر معترضین کی طرف سے یہ الزام بھی عائد کیا جاتا ہے کہ شہداء جنگ موتہ کا انتقام لینے کے لیے سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لشکر ترتیب دیا۔ اس میں مہاجرین و انصار کے جلیل القدر بزرگ شامل تھے۔ حضرت ابو بکر اور حضرت عمر کا نام بھی ان مجاہدین میں تھا لیکن حضرت ابو بکرؓ نہ خود گئے اور نہ حضرت عمرؓ کو بھیجا حالانکہ حضورؐ نے یہ تاکیدی حکم فرمایا تھا "جھزوا جیش اسامۃ لعن اللہ تعالیٰ من تخلف عنھا"

"اسامہ کے لشکر کی تیاری کرو خدا اس شخص پر لعنت کرے جو اس کے پیچھے رہ جائے"

وہ کہتے ہیں کہ اس فرمانِ نبوی کے بعد حضرتِ ابو بکرؓ کی سیرت کے بارے میں ساری خوش فہمیاں ختم ہو جاتی ہیں۔

جواب :۔ معترضین نے اپنے دل کا غبار نکالنے کے لیے یہ اعتراض تو جڑ دیا لیکن ان حالات کا تفصیلی جائزہ لینے کی زحمت گوارا نہ کی جو اس وقت رونما ہوئے ورنہ وہ غلط فہمی کی اس دلدل میں پھنس کر نہ رہ جاتے۔ حقیقت حال پیشِ خدمت ہے مطالعہ فرمایئے اور اپنے قلبِ سلیم سے فیصلہ طلب کیجئے۔ ساری غلط فہمیاں دور ہو جائیں گی۔ انشاء اللہ تعالیٰ

۲۶ صفر بروز دوشنبہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک لشکر کو تیار کیا زید بن حارثہ شہیدِ موتہ کے نوخیز فرزند حضرت اسامہ کو اس کا سپہ سالار مقرر کیا۔ ۲۸ صفر کو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طبیعت ناساز ہو گئی اس کے باوجود حضور نے دوسرے روز اپنے دست مبارک سے پرچم باندھا اور اسامہ کو حکم دیا:

"اغز بسم اللہ و فی سبیل اللہ وقاتل من کفر باللہ"

اللہ کا نام لے کر اللہ کے راستہ میں جہاد کے لیے روانہ ہو جاؤ جو شخص اللہ تعالیٰ کا منکر ہو اس کے ساتھ جنگ کرو۔

حضرت اسامہ یہ پرچم لیے ہوئے مقام جرف پر آ کر رُکے اور مجاہدین کا انتظار کرنے لگے بدھ کے روز مرض نے شدت اختیار کر لی۔ پنجشنبہ کی رات کو فخرِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکر کو حکم دیا کہ وہ نمازوں میں لوگوں کی امامت کا فریضہ انجام دیں جس کی تفصیل آپ پہلے پڑھ چکے ہیں۔ گویا ابتداء میں حضور نے آپ کو اسامہ کے لشکر کا سپاہی مقرر کیا لیکن پھر حضور نے ہی اپنی علالت کی وجہ سے حضرت صدیق کو اپنی مسجد کا امام مقرر فرمایا اور سب لوگوں کو حکم دیا کہ وہ حضرت صدیق کی اقتداء میں نماز

ادا کریں۔ ڈیوٹی میں تبدیلی حضرت صدیق نے اپنی مرضی سے نہیں کی بلکہ حضرت رسالتمآب علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمائی۔ آپ کا تخلف حضور کے حکم سے تھا نہ کہ اپنی مرضی سے اور جو کام صدیق اکبر نے اپنے مرشد برحق کے ارشاد کے مطابق سرانجام دیا اس پر کسی کو اعتراض کرنے کا کیا حق ہے۔

حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وصال کے بعد امت مسلمہ نے بالاتفاق آپ کو خلیفۃ الرسول کے منصب کے لیے چن لیا اب صرف اسامہ کے لشکر کی تیاری ہی آپ کا فرض نہیں رہا تھا بلکہ مملکتِ اسلامیہ کو داخلی اور بیرونی ہر قسم کے خطرات سے محفوظ کرنا آپ کی منصبی ذمہ داری ہو گئی تھی۔ آپ جانتے ہیں کہ حضور کے وصال کے سانحہ کے بعد یکایک ارتداد و بغاوت کی آندھیاں چلنے لگیں۔ وہی قبائل جو کل تک اپنے آپ کو مسلمان کہتے تھے اب اسلام کی بنیادی تعلیمات کا انکار کرنے لگ گئے۔ ان حالات کے پیش نظر اکابر صحابہ نے یہ مشورہ دیا کہ اسامہ کے لشکر کی روانگی کو کچھ وقت کے لیے ملتوی کر دیا جائے ایسا نہ ہو کہ دار السلطنت کو خالی دیکھ کر دشمن یلغار کر دے۔ بیشک مصلحت کا تقاضا تو یہی تھا۔ بظاہر حالات بھی اس تجویز کی تائید کر رہے تھے لیکن حضرت صدیق کا ایمان اور یقین اس مشورہ کو قبول کرنے کے لیے تیار نہ ہوا۔ آپ نے فرمایا جس لشکر کا پرچم رحمت عالم نے اپنے دست مبارک سے باندھا ہے۔ ابو بکر کی مجال نہیں کہ اس کو کھول سکے۔ حالات کتنے ہی ابتر اور سنگین کیوں نہ ہوں یہ لشکر نبی اکرم کی مقرر کردہ مہم کو سر کرنے کے لیے ضرور جائے گا۔ پھر پورے ساز و سامان کے ساتھ حضرت صدیق نے جیش اسامہ کو الوداع کہی اور چند ہفتوں کے بعد فتح و نصرت کے پھریرے لہراتا ہوا یہ لشکر بخیر و عافیت مدینہ منورہ واپس آ گیا۔

ان حالات میں اس لشکر کو روانہ کرنا اس کے لیے ہر قسم کا اسلحہ اور ساز و سامان مہیا کرنا تمام مصلحتوں اور خطرات کو پس پشت ڈالتے ہوئے اتنی بعید مسافت پر اس کو بھیجنا حضرت صدیق کا وہ کارنامہ ہے جس پر اسلام اور ایمان کو ناز ہے۔

گر نبیند بروز شپرہ چشم
چشمۂ آفتاب را چہ گناہ

نیز یہ جملہ "جھزوا الخ" جو ان لوگوں نے حضور کی طرف منسوب کیا ہے اہلسنت کی کسی معتبر کتاب میں موجود نہیں یہ ان لوگوں کی خانہ زاد اختراع ہے جو آفتاب صدیقیت کی تاب نہیں لا سکتے۔

تیسرا اعتراض۔

معترضین کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکر نے خود اعتراف کیا:

"ان لی شیطانا یعتر یینی فان استقمت فاعینونی وان زغنت فقوّمونی"

یعنی ایک شیطان ہے جو مجھ پر اثر انداز ہونے کی کوشش کرتا رہتا ہے اگر میں سیدھے راستے پر چلوں تو میری امداد کرو اور اگر کجی اختیار کروں تو

مجھے درُست کرو۔

معترضین کہتے ہیں کہ آپ شیطان کے زیرِ اثر ہیں۔ وہ جب چاہے آپ کو راہ راست سے بہکا سکتا ہے۔ ایسا شخص تو امامت و خلافت کے منصب کا ہرگز سزاوار نہیں۔

جواب:۔　　اس کے متعلق پہلی گذارش تو یہ ہے کہ اہلسنت کی کسی معتبر کتاب میں یہ قول موجود نہیں بلکہ ان حضرات کا طبع زاد ہے جو صحابہ کرام کی شان کی تنقیص میں ہر لمحہ جدت طرازیاں کرتے رہتے ہیں اس لئے اس کے جواب کی ذمہ داری ہم پر عائد ہی نہیں ہوتی اور اگر ایک لمحہ کے لیے یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ یہ آپ کا ہی قول ہے تو اس میں قباحت کونسی ہے اللہ کے بندے ہر وقت اپنے نفس کی وسوسہ اندازیوں سے چوکنے رہتے ہیں۔ شیطان کی دسیسہ کاریوں سے بچنے کے لیے مصروفِ عمل رہتے ہیں کیا آپ نے حضرت یوسف علیہ السلام کا یہ قول نہیں پڑھا جسے زبان قدرت نے قرآن مجید میں نقل فرمایا ہے:

وما ابرئ نفسی ان النفس لامارۃ بالسوء الا ما رحم ربی۔

آپ نبی ہیں صدیق ہیں گلشنِ خلیل کے گل سرسبد ہیں لیکن بایں ہمہ فرماتے ہیں کہ میں اپنے نفس کی برأت کا دعویٰ نہیں کرتا۔ بیشک نفس کا کام ہی یہ ہے کہ وہ برائی کا بکثرت حکم دیتا ہے مگر جس پر اللہ تعالیٰ رحم فرمائے وہ اس کی زد سے محفوظ رہتا ہے۔

یہ عجز و نیاز کا مقام ہے جتنا کسی کا مرتبہ بلند و بالا ہوتا ہے۔ اتنا ہی اس میں سرافگندگی اور اعتراف عبدیت کا جذبہ شدید ہوتا ہے۔ یہ اس کے کمال کی دلیل ہے نہ کہ وجہ نقص و عیب، امام الاتقیاء سید الاولیاء حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشادِ گرامی ہے۔

لا تکفوا عن مقالۃ بحق او مشورۃ بعدل فانی لست بفوق ان اخطی ولا آمن ذلک من فعلی　　(نہج البلاغہ)

یعنی حق بات کہنے سے اور عدل کا مشورہ دینے سے باز نہ رہا کرو کیوں کہ میں اپنے آپ کو خطا سے بلند خیال نہیں کرتا۔ اور نہ مجھے یہ یقین ہے کہ میرا ہر فعل درست ہے۔ سیدنا علی مرتضیٰ کا یہ ارشاد آپ کی رفعت شان کی دلیل ہے اس لیے یہ معنی اخذ کرنا کہ آپ خطا کار تھے یا آپ کے افعال قابل اعتماد نہ تھے پھر اس سے یہ نتیجہ نکالنا کہ آپ منصب امامت کے اہل نہ تھے حد درجہ کی نادانی اور ابلہی ہے۔

حضرت امام زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ جن کی زندگی کا ہر ہر لمحہ ذکرِ الٰہی اور اطاعت الٰہی میں بسر ہوا جن کے دامن عصمت پر خطا اور غفلت کا کوئی داغ موجود نہیں بارگاہ الٰہی میں دست دعا پھیلاتے ہیں اور یوں عجز و نیاز کا اظہار کرتے ہیں۔

قد ملک الشیطٰن عنانی فی سوء الظن وضعف الیقین وانی اشکو سوء مجاورتہ والطاعۃ نفسی لہ واستعصمک من ملکتہ واتضرع الیک

فی صرف کیدہ عنی۔

(ص۱۱۶ صحیفہ کاملہ سجادیہ مطبوعہ تہران)

اس عربی عبارت کا فارسی ترجمہ بھی اسی کتاب کے ص۱۱۷ پر موجود ہے وہ بھی پیش خدمت ہے تاکہ کسی قسم کا اشتباہ نہ رہے مترجم ہیں آقائی حاج مرزا ابوالحسن شعرانی۔

"شیطان عنان مرا گرفتہ سوئے ضعف یقین و بدگمانی مے کشاند اکنوں از بد صحبتی او نسبت بمن و خوش طاعتی خودم نسبت باو شکایت دارم واز چیرہ گشتن او پناہ بتو مے برم و بلا بہ وزاری از تو مے خواہم کید او را از من دفع کنی

ترجمہ: (الٰہی) شیطان میری باگ کو پکڑ کر مجھے ضعف یقین اور (تیری رحمت سے) بدگمانی کی طرف کھینچ رہا ہے اور اب اپنے بارے میں اس کی ہمسائیگی کی برائی اور اس کی اطاعت کیشی سے میں تیری جناب میں شکوہ سنج ہوں اس کے غالب آنے سے میں تیری پناہ ڈھونڈتا ہوں بڑی عاجزی اور زاری سے درخواست کرتا ہوں کہ اس کے مکروفریب کو مجھ سے دور کر دے۔

بارگاہِ رب العزت میں امام معصوم کی یہ درخواست عجز و نیاز کا ایک لاجواب مرقع ہے۔ جو صرف آپ کے مقام رفیع اور ذات ستودہ صفات کے شایان شان ہے اگر کوئی بد دماغ اس عبارت کو پڑھ کر آپ کی علو مرتبت کا انکار کرتا ہے یا اس اعتراف کے پیش نظر آپ کو منصب امامت کا اہل نہیں گردانتا تو یہ اس کی بدبختی اور حرماں نصیبی کی انتہا ہے اسی ارشاد پر آپ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف منسوب اس قول کو محمول کر لیجئے۔

اگر آپ اس خود ساختہ روایت کا سہارا لیکر بارگاہ صدیقی میں زبان طعن دراز کرنے پر مصر ہوں گے تو بات یہاں پر ختم نہیں ہو جائے گی بلکہ ان اولالعزم ہستیوں کے بارے میں آپ گستاخ لوگوں کو زبان درازی کا زریں موقع فراہم کر دیں گے۔

چوتھا اعتراض:۔

یہ صاحبان جولانی طبع کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکر نے فرمایا:

اقیلونی فلست بخیرکم وعلیٌّ فیکم۔

مجھے بیعت خلافت سے سبکدوش کر دو میں تم میں سے بہتر نہیں ہوں جب کہ علی تم میں موجود ہیں۔

یہ جملہ نقل کرنے کے بعد معترضین کہتے ہیں کہ اگر آپ خلیفہ برحق تھے تو آپ کا مستعفی ہونا معصیت تھا اور اگر آپ خلیفہ برحق نہیں تھے بلکہ جبراً مسند خلافت پر متمکن ہو گئے تھے تو پھر آپ کے بارے میں کچھ کہنا تحصیل حاصل ہے۔

جواباً گذارش ہے کہ یہ عبارت بھی اہلسنت کی کتب احادیث میں سے کسی معتبر کتاب میں موجود نہیں اور نہ اس کی سند کا سراغ لگ سکتا ہے۔ یہ عبارت اپنی اس ترتیب کے ساتھ بھی یاران ستم کیش کی طبع فتنہ زا کا اختراع ہے۔

پانچواں اعتراض :

اس اعتراض کو بھی بڑے زور شور سے اچھالا جاتا ہے اور اس سے شانِ صدیق اکبر کی تنقیص ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی جاتی ہے۔ اسے بھی سماعت فرمائیے پھر حقیقتِ حال پیش خدمت کی جائے گی آپ بآسانی کسی نتیجہ پر پہنچ جائیں گے۔

وہ کہتے ہیں کہ ۹ھ میں حجاج کا جو قافلہ مدینہ طیبہ سے روانہ ہوا اس کے امیر حضرت ابوبکر صدیق مقرر ہوئے۔ نیز آپ کو یہ حکم دیا گیا کہ وہاں جا کر حج کے موقعہ پر سورت برأت کا اعلان کر دیں اس قافلہ کے روانہ ہونے کے بعد حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو پیچھے روانہ کیا تاکہ وہ مکہ جا کر سورۃ برأت کا اعلان کریں معلوم ہوا کہ حضرت ابوبکر کو حضورؐ نے اس منصب کے اہل نہ سمجھا اور معزول کر دیا۔ اور وہ قافلہ حجاج کے امیر بھی نہیں بن سکتے تو ساری امتِ مسلمہ کے امیر کیوں کر بن سکتے ہیں۔

یہ تو ہوئی ان کی بات۔ اب حقیقت حال پر غور فرمائیں۔

۶ھ کو صلح حدیبیہ کا واقعہ پیش آیا۔ شرائط صلح میں سے ایک شرط یہ تھی کہ اس دفعہ مسلمان واپس چلے جائیں اور آئندہ سال وہ حج ادا کرنے کے لیے آ سکتے ہیں۔ چنانچہ ۹ھ میں حجاج کرام کا ایک قافلہ تیار ہوا۔ اہم مصروفیات کے باعث سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خود تشریف نہ لے جا سکے اور اپنی جگہ حضرت ابوبکر صدیق کو امیر قافلہ متعین فرما دیا۔

ایک روایت کے مطابق سورہ برأت نازل ہو چکی تھی۔ حضور نے حضرت ابوبکرؓ کو حکم دیا کہ حج کے موقعہ پر جب جزیرۂ عرب کے اطراف واکناف سے حج کرنے کے لیے لوگ جمع ہو جائیں وہاں سورہ برأت کا اعلان کر دیں۔ وہ قافلہ حضرت صدیقِ اکبر کی قیادت میں مکہ مکرمہ کی طرف روانہ ہوا بعد میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت علی کو حکم دیا کہ وہ جائیں اور عرفات کے میدان میں حضورؐ کی طرف سے سورہ برأت کا اعلان کریں۔ حضرت صدیقِ اکبر مکہ کی طرف رواں دواں تھے۔ اچانک حضور نبی کریم کی اونٹنی قصویٰ کی آواز آپ کے کانوں میں گونجی فوراً رک گئے اور بڑی بے چینی سے انتظار کرنے لگے۔ خیال ہوا کہ سرکار بنفسِ نفیس حج کے لیے تشریف لا رہے ہیں لیکن ناقہ سوار پہنچا تو معلوم ہوا کہ اونٹنی پر سیدنا علی کرم اللہ وجہہ سوار ہیں۔ صدیق اکبر نے پہلا سوال یہ کیا ا انت امیر او مامور کیا آپ قافلہ حجاج کے امیر بن کر تشریف لائے ہیں یا مامور بن کر یعنی دوسرے عام حاجیوں کی طرح قافلہ میں شرکت کے لیے پہنچے ہیں۔ آپ نے جواب دیا۔

" بل مامور "

کہ امیر قافلہ بدستور آپ ہی ہیں میں مامور بن کر آیا ہوں۔ چنانچہ اس سفر میں سیدنا علی ابوبکر صدیق کی امامت میں نمازیں ادا کرتے رہے آپ کی قیادت میں تمام ارکان حج ادا کرتے رہے یوم ترویہ یعنی

آٹھ ذی الحجہ سے ایک دن پہلے حضرت صدیق نے بحیثیت امیر الحج تمام لوگوں کو جمع کیا۔ خطبہ ارشاد فرمایا اور اس میں حج کے اسلامی طریقہ سے انہیں روشناس کیا۔ حضرت علی فقط اس مقصد کے لیے بھیجے گئے تھے کہ کفار و مشرکین کے ساتھ جو معاہدہ ہوا تھا اس کے کالعدم ہونے کا اعلان کریں اور لوگوں کو یہ بتائیں کہ اس سال کے بعد کسی کافر کو بیت اللہ شریف کا حج کرنے کی اجازت نہیں ہوگی۔ عہد جاہلیت کے رواج کے مطابق کوئی شخص ننگا ہو کر طواف نہ کر سکے گا۔ اعتراض تو تب درست ہوتا اگر حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت صدیق اکبرؓ کو قافلہ حجاج کی امارت سے معزول کر دیا ہوتا۔ اور ان کے بجائے حضرت علی مرتضےٰ امیر مقرر کیے جاتے۔ جب ایسا نہیں ہوا اور حضرت صدیق اکبرؓ بدستور امیر الحج کے فرائض انجام دیتے رہے تو پھر محل اعتراض کیا ہے۔ رہی یہ بات کہ حضور نے سورہ برأت کے اعلان کے لیے حضرت علی کو کیوں بھیجا۔ اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ یہ سورت حضرت ابی بکر کی روانگی کے بعد نازل ہوئی۔ تفسیر بیضاوی مدارک، نیشاپوری جذب القلوب اور دیگر مستند کتب میں اسی روایت کو ترجیح دی گئی ہے اور علماء حدیث کے نزدیک بھی یہی روایت قابل ترجیح ہے۔ لیکن دوسری روایت سے پتہ چلتا ہے کہ یہ سورت پہلے نازل ہو چکی تھی اور حضرت ابی بکر صدیق کو اس کے اعلان کا بھی حکم دیا گیا تھا۔ اس صورت میں حضرت علی کو بھیجنے کی وجہ یہ ہے کہ عرب میں یہ دستور تھا کہ جب معاہدہ کو کالعدم قرار دینا مقصود ہوتا تو اس کا اعلان معاہدہ کرنے والا خود کرتا یا اس کا کوئی قریبی رشتہ دار۔ کیوں کہ سورۃ برأت کا اعلان عرب کے غیر مسلم باشندوں کے سامنے کیا جانا تھا جو اسلامی قواعد و ضوابط سے ناواقف تھے۔ اس لیے ان کے مروجہ طریقہ کو پیش نظر رکھتے ہوئے حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کو روانہ فرمایا تاکہ وہ کفار اور مشرکین کے مجمع میں سابقہ معاہدوں کے کالعدم ہونے کا اعلان فرما دیں۔

چھٹا اعتراض۔

صحابہ کرام خصوصاً خلفاء راشدین کے بے رحم نقاد بڑی سنگدلانہ جسارت سے یہ پروپیگنڈہ کرتے ہوئے نہیں تھکتے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نماز جنازہ میں حضرت ابوبکر اور حضرت فاروق شامل نہیں ہوئے یہ حصول اقتدار کی جنگ میں یوں مصروف ہو گئے کہ سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تجہیز و تکفین کے فرائض کی ادائیگی کا انہیں خیال ہی نہ رہا۔

کہنے کو انسان جو جی چاہے کہتا رہے اور لکھنے کو جو جی میں آئے لکھتا رہے۔ آزادی کا زمانہ ہے کوئی کسی سے یہ پوچھنے کا حق نہیں رکھتا کہ میاں حق و صداقت کا منہ کیوں چڑا رہے ہو اس سعی لاطائل سے باز آجاؤ لیکن کسی کے کہنے یا کسی کے لکھنے سے حقیقت تو نہیں بدل جایا کرتی۔ تاریخ کے ان مٹ واقعات تو مسخ نہیں کیے جا سکتے۔

سب سے پہلی بات یہ ہے کہ سرورِ کائنات کی نماز جنازہ اس طرح نہیں پڑھی گئی جس طرح عام لوگوں کی پڑھی جاتی ہے کہ لوگ صفیں باندھ کر کھڑے ہو جاتے ہیں۔ امام آگے بڑھتا ہے بلند آواز سے متعدد بار تکبیریں کہتا ہے۔ سلام پھیرتا ہے اور اس طرح نماز جنازہ اختتام پذیر ہو جاتی ہے بلکہ اہلِ سنت اور اہلِ تشیع سب متفق ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نماز جنازہ ایک مخصوص طریقہ سے پڑھی گئی۔ حضور کو غسل دینے کے بعد کفن پہنایا گیا اور لحد مبارک کے کنارے پر چارپائی رکھ دی گئی۔ دس دس آدمی اندر داخل ہوتے صف باندھ کر کھڑے ہوتے پہلے حضور پر درود وسلام بھیجتے پھر حضور کی رسالت کی گواہی دیتے اور باہر نکل آتے یہ سلسلہ سوموار کی سہ پہر سے شروع ہوا بقیہ دن آئندہ رات اور منگل کا دن اسی طرح لوگ گروہ در گروہ اپنے آقا کی خدمت میں حاضر ہوتے رہے اور ہدیہ صلوٰۃ وسلام پیش کرتے رہے۔ پہلے حضور کے خاندان نے یہ شرف حاصل کیا پھر مہاجرین و انصار صف در صف حاضر ہوتے رہے جب سارے مرد نماز جنازہ پڑھ چکے پھر عورتوں کی باری آئی ان کے بعد بچوں نے یہ شرف حاصل کیا یہاں تک کہ کوئی غلام اور لونڈی بھی ایسی نہ رہی جس نے حاضری نہ دی ہو۔ اور حضرت ابوبکر اور عمر کے متعلق تو صراحتاً مذکور ہے کہ آپ جب حجرہ شریفہ میں داخل ہوئے تو ان کے ہمراہ مہاجر اور انصار بھی تھے۔ اور انہوں نے عرض کی: "السلام علیک ایھا النبی ورحمۃ وبرکاتہ" پھر حضور کی نبوت اور رسالت کی گواہی دی۔

نمازِ جنازہ کی یہ کیفیت کتب اہلِ سنت میں مذکور ہے اب شیعہ حضرات کی معتبر کتب کے حوالے ملاحظہ فرمائیے تاکہ یہ غلط فہمی آپ کے ذہن سے نکل جائے۔

اصول کافی جو ان حضرات کی حدیث کی معتبر ترین کتاب ہے اسمیں حضرت امام محمد باقر سے نقل کرتے ہیں:

عن ابی مریم الانصاری عن ابی جعفر علیہ السلام قال قلت لہ کیف کانت الصلوٰۃ علی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم قال لما غسلہ امیر المومنین علیہ السلام وکفنہ سجاہ ثم ادخل علیہ عشرۃ فداروا حولہ ثم وقف امیر المومنین فی وسطہم وقال ان اللہ وملائکتہ یصلون علی النبی یا ایھا الذین آمنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیما فیقول القوم کما یقول حتی صلی علیہ اھل المدینۃ واھل العوالی۔ (اصول کافی جلد دوم صفحہ ۴۶۱ کتاب الحجۃ)

ابومریم انصاری نے امام محمد باقر سے پوچھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نماز جنازہ کی کیفیت بتائیے آپ نے فرمایا جب امیر المومنین نے حضور کو غسل دیا اور کفن پہنایا تو اوپر چادر ڈال دی پھر حجرہ میں دس آدمی داخل کیے جو حضور کے

اردگرد دائرہ بنا کر کھڑے ہو گئے امیر المومنین درمیان میں کھڑے ہو گئے اور یہ آیت تلاوت کی ان اللہ وملائکتہ الآیہ یہ لوگ آپ کی زبان سے جو نکلتا اس کو دہراتے رہے یہاں تک کہ تمام اہل مدینہ اور اردگرد کی بستیوں میں رہنے والوں نے نماز جنازہ ادا کی۔

اسی کتاب کی دوسری حدیث جس کے راوی امام جعفر صادق ہیں اس میں سیدنا علی کا یہ ارشاد منقول ہے۔

یا یہا الناس ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم امام حیا وھیتا وقال انی ادفن فی البقعة التی اقبض فیہا ثم قام علی الباب فصلی علیہ امر الناس عشرة عشرة یصلون علیہ ثم یخرجون۔

حضرت علی نے فرمایا اے لوگو! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی زندگی میں بھی اور وفات کے بعد بھی سب کے امام ہیں۔ حضور نے فرمایا۔ مجھے اس جگہ دفن کیا جائے گا۔ جہاں میری روح قبض ہو گی۔ پھر علی مرتضیٰ حجرہ کے دروازہ پر کھڑے ہوئے نماز جنازہ پڑھی پھر لوگوں کو حکم دیا کہ دس دس داخل ہو کر نماز جنازہ پڑھتے رہیں اور نکلتے رہیں۔

اسی کتاب میں ایک اور حدیث اسی جگہ پر مذکور ہے۔

عن ابی جعفر علیہ السلام قال لما قبض النبی صلی اللہ علیہ وسلم صلت علیہ الملائکة والمہاجرون والانصار فوجا فوجا۔

یعنی امام محمد باقر فرماتے ہیں کہ حضور کے وصال کے بعد پہلے فرشتوں نے پھر تمام مہاجرین اور تمام انصار نے فوج در فوج گروہ در گروہ حجرہ شریفہ میں داخل ہو کر نماز جنازہ ادا کی۔

اسی کتاب کے مترجم آیۃ اللہ الحاج الشیخ محمد باقر الکمرئی فارسی ترجمہ کے بعد لکھتے ہیں کہ طبرسی نے اپنی مشہور کتاب الاحتجاج میں لکھا ہے۔

سپس دہ دہ از مہاجرین وانصار را وارد کرد برا و نماز خواندند ورفتند تا ہمہ براو نماز خواندند۔

یعنی پہلے حضرت علی نے اہل بیت کے ساتھ نمازِ جنازہ ادا کی اس کے بعد دس دس مہاجرین اور انصار کو اندر داخل کرتے اور وہ نماز جنازہ ادا کرتے اور چلے جاتے یہاں تک کہ تمام مہاجرین اور انصار نے نماز جنازہ کا شرف حاصل کیا۔

جب دو روز تک اور بعض روایات کے مطابق تین روز تک رات دن نماز جنازہ کا سلسلہ جاری رہا اور ان کی اپنی تصریحات کے مطابق مہاجرین اور انصار میں سے کوئی بھی ایسا نہ رہا جس نے نمازِ جنازہ کی سعادت حاصل نہ کی ہو تو پھر یہ پروپیگنڈا کرنا کہ حضرت صدیق اکبر اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے نماز جنازہ نہیں پڑھی عقل وانصاف کے سراسر خلاف ہے

لاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

کتابیات

نمبر شمار	نام کتاب	مصنف	ناشر	سنِ طباعت	صفحات

اُردو

نمبر شمار	نام کتاب	مصنف	ناشر	سنِ طباعت	صفحات
۱۔	الشیخان	طٰہٰ حسین مصری	دارالمعارف مصر	—	۳۰۴

تجدد پسندانہ رنگ میں شیخینؓ کا تذکرہ ہے۔ اس کتاب کا اُردو ترجمہ شاہ حسن عطار نے "حضرت ابوبکر صدیق اور فاروق اعظم" کے نام سے کیا ہے۔ اس کے صفحہ ۵ سے ۱۲۰ تک صدیقِ اکبرؓ کا تذکرہ ہے۔

نمبر شمار	نام کتاب	مصنف	ناشر	سنِ طباعت	صفحات
۲۔	ماہنامہ ضیائے حرم لاہور	پیر محمد کرم شاہ ایم اے (الازہر) سجادہ نشین بھیرہ	دفتر ضیائے حرم لاہور	جولائی ۱۹۷۵ء	112

ماہنامہ "ضیائے حرم" کی اشاعت بسیاد سیدنا صدیق اکبرؓ میں تقریباً ۶۵ صفحات پر مشتمل لوازمہ صدیقِ اکبرؓ کے بارے میں ہے۔

نمبر شمار	نام کتاب	مصنف	ناشر	سنِ طباعت	صفحات
۳۔	ماہنامہ فیض الاسلام راولپنڈی	راجہ غلام قادر غبار	انجمن فیض الاسلام راولپنڈی	اپریل مئی ۱۹۶۹ء	۳۵۶

"فیض الاسلام" کا صدیق اکبر نمبر مارچ اپریل ۱۹۶۲ء میں شائع ہوا۔ جسے دوبارہ اپریل مئی ۶۹ء میں کتابی صورت میں شائع کیا گیا۔

نمبر شمار	نام کتاب	مصنف	ناشر	سنِ طباعت	صفحات
۴۔	ہفت روزہ "دعوت" لاہور	سید نذیر احمد بخاری	—	۲۱-۲۸ دسمبر ۱۹۶۲ء	۳۰

ہفت روزہ "دعوت" پاکستان کا غالباً پہلا رسالہ ہے جس نے 'صدیق اکبرؓ نمبر' شائع کیا۔

نمبر شمار	نام کتاب	مصنف	ناشر	سنِ طباعت	صفحات
۵۔	نبیؐ اور یارانِ نبیؐ کے آخری لمحات	ابوالکلام آزاد	ظفر اینڈ سنز لاہور	—	۱۶۰

صدیق اکبرؓ کی رحلت کی تفصیل صفحات ۲۷ تا ۳۴ ہے

۶۔ مہاجرینؓ و انصارؓ سید نصیر احمد جامعی احسن برادرز لاہور مارچ ۱۹۶۳ء ۳۱۲
حاجی معین الدین ندوی کی تصنیف مہاجرین حصہ اول و دوم اور سعید انصاری کی "سیر الانصار" اول و دوم کی مدد سے مرتب کی گئی۔ اس تصنیف کے صفحات ۹ تا ۱۷ پر حضرت صدیق اکبرؓ کا تذکرہ ہے۔

۷۔ ملت اسلامیہ کی مختصر تاریخ ثروت صولت اسلامک پبلیکیشنز۔ لاہور مارچ ۱۹۷۰ء ۲۶۷
تین حصوں میں اس مختصر تاریخ کا حصہ اوّل حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر سقوط بغداد تک کے حالات پر مشتمل ہے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے حالات صفحات ۴۵ تا ۵۰ پر دیئے گئے ہیں۔

۸۔ مشاہیر اسلام ڈاکٹر امیر حسن صدیقی جمعیت الفلاح کراچی نومبر ۱۹۶۴ء ۱۷۳
ڈاکٹر امیر حسن صدیقی کی انگریزی تالیف کا ترجمہ انیس احمد نے کیا ہے۔ اس میں تیرہ مشہور مسلمان حکمرانوں بشمول حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدینؓ کا تذکرہ ہے۔ صدیق اکبرؓ کی شخصیت اور کارناموں پر صفحات ۲۱ تا ۳۳ پر تبصرہ کیا گیا ہے۔

۹۔ مخزن اخلاق رحمت اللہ سُبحانی کتابستان پبلشنگ لاہور ۱۹۵۹ء ۶۵۶
اخلاقی تربیت کے لئے مشاہیر کے اقوال، اشعار، حکایات وغیرہ کا ذخیرہ ہے۔ اس کے صفحات ۵۸ تا ۶۷ پر حضرت ابوبکرؓ کے بعض حالات زندگی، اوصاف اور اقوال دیئے گئے ہیں۔

۱۰۔ محسنِ اعظمؐ و محسنین فقیر سید وحید الدین لائن آرٹ پریس لاہور ۱۹۶۳ء ۱۷۶
حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدینؓ کی سیرت پر مشتمل اس خوبصورت کتاب میں صدیق اکبرؓ کے حالات صفحات ۱۰۶ تا ۱۲۴ پر بیان کئے گئے ہیں۔

۱۱۔ قاموس المشاہیر (اوّل) نظامی بدایونی نظامی پریس بدایوں ۱۹۲۴ء ۳۲۳
دو جلدوں میں مشاہیر کا مختصر تذکرہ ہے۔ اس کی جلد اول کے صفحات ۳۹ تا ۴۰ پر صدیق اکبرؓ کے مختصر حالات بیان کئے گئے ہیں۔

۱۲۔ رُحَمَاءُ بَینَھُم (اوّل) مولانا محمد نافع دار التصنیف جامعہ محمدی جھنگ ستمبر ۱۹۷۵ء ۴۶۴
حضرت علیؓ کی حق تلفیوں کی جھوٹی داستانوں سے مسلمانوں میں نفاق پیدا کرنے کی مکروہ کوششوں کو ناکام بنانے کے لئے مصنف نے تین حصوں میں یہ کتاب لکھی ہے۔ جس کے صرف پہلے دو حصے شائع ہوئے ہیں حصہ اوّل میں مصنف نے ثابت کیا ہے کہ خاندانِ علیؓ ہمیشہ حضرت ابوبکر صدیق کا حامی، خیر خواہ اور معاون رہا اور صدیق اکبرؓ نے بھی آل رسول سے ہمیشہ حُسن سلوک کیا۔

۱۳۔ حکایات خلفائے راشدین سید نظر زیدی احسن برادرز لاہور اپریل ۱۹۶۴ء ۱۶۸
صدیق اکبرؓ کے اخلاق و کردار کے بارے میں واقعات صفحات ۹ تا ۵۱ پر درج کئے گئے ہیں۔

۱۴- تاریخ طبری — علامہ ابی جعفر جریر الطبری — نفیس اکیڈمی کراچی — جون ۱۹۶۷ء — ۵۳۶

نو جلدوں میں مفصل تاریخ اسلام ہے۔ اس کے حصہ دوم میں خلافت راشدہ کا تذکرہ ہے۔ اس کی دوسری جلد میں صدیق اکبرؓ اور آپ کے دور کے حالات کا تذکرہ صفحات ۲۷ تا ۲۷۸ پر کیا گیا ہے۔ اس جلد کا ترجمہ سید محمد ابراہیم اور سید رشید احمد ارشد نے کیا ہے۔

۱۵- تاریخ اسلام — سید امیر علی — آئینہ ادب لاہور — ۱۹۷۰ء — ۳۰۶

باری علیگ کے قلم سے جسٹس امیر علی کی تصنیف (A SHORT HISTORY OF SARA-CENS) کا اردو ترجمہ ہے۔ اس کے صفحات ۳۹ تا ۴۸ پر صدیق اکبرؓ کا تذکرہ ہے۔

۱۶- تاریخ اسلام — شاہ معین الدین ندوی — سعید کمپنی کراچی — جون ۱۹۷۴ء — ۳۹۵

تین جلدوں میں اس تاریخ اسلام کی پہلی جلد عہد رسالتؐ و خلافت راشدہ کے اختتام تک اسلام کی مذہبی، سیاسی، تمدنی اور علمی تاریخ ہے۔ اس کے صفحات ۱۲۸ تا ۱۵۷ پر صدیق اکبرؓ کا تذکرہ ہے۔

۱۷- تاریخ ابن خلدون (اوّل) — علامہ عبدالرحمٰن بن خلدون — نفیس اکیڈمی کراچی — جون ۱۹۶۶ء — ۵۶۰

علامہ ابن خلدون کی مشہور تاریخ کا ترجمہ حکیم احمد حسین الہ آبادی نے سات جلدوں میں کیا ہے۔ اس کی جلد اوّل کے صفحات ۲۳۵ تا ۲۸۱ پر صدیق اکبرؓ کے حالات بیان کئے گئے ہیں۔

۱۸- تاریخ اسلام — اکبر شاہ خان نجیب آبادی — نفیس اکیڈمی کراچی — جولائی ۱۹۷۰ — ۵۹۲

تین حصوں میں تاریخ اسلام کا پہلا حصہ عہد رسالت وخلافت راشدہ پر مشتمل ہے۔ اس کے صفحات ۲۶۸ تا ۳۳۵ پر صدیق اکبرؓ کا مفصل تذکرہ مندرج ہے۔ اس تذکرہ کے ابتداء میں مسئلہ خلافت پر بھی بحث کی گئی ہے۔

۱۹- بدر البدور المعروف بہ اصحاب بدر — قاضی محمد سلیمان منصور پوری — مکتبہ نذیریہ لاہور — ۱۹۶۹ء — ۱۴۴

مکتبہ نذیریہ کا سلسلہ تبلیغ نمبر ۸ جس میں مشہور مؤرخ مولانا قاضی محمد سلیمان منصور پوری نے ۳۱۳ اصحابؓ بدر کے حالات رقم کئے ہیں۔ صدیق اکبرؓ کے حالات صفحات ۲۵ تا ۲۸ پر مندرج ہیں۔

۲۰- اردو دائرہ معارف اسلامیہ — دانش گاہ پنجاب لاہور — — — ۱۹۶۴ء — 1-12

اس دائرہ معارف اسلامیہ کے صفحات ۷۵۰ تا ۷۵۹ پر صدیق اکبرؓ پر مقالہ دیا گیا ہے۔ جو منٹگمری واٹ اور عبدالمنان عمر نے تحریر کیا ہے۔ مقالہ کے اختتام پر ماخذ کی تفصیل بھی درج ہے۔

۲۱- اردو انسائیکلوپیڈیا — فیروز سنز — فیروز سنز لاہور — ۱۹۶۸ء — —

صفحہ ۵۳ پر حضرت ابوبکرؓ کا تذکرہ ہے۔

۲۲- فضائل الشیخین باحادیث رسول الثقلین — مولانا محمد یوسف سنت پوری — خالد گھر جاکھی گوجرانوالہ — — — ۲۸۰

صدیق اکبرؓ کے فضائل ۱۷ تا ۲۲۴ پر درج کئے گئے ہیں۔

۲۳- فضائل ابی بکر الصدیق	محمد بن علی العشاری	ملتان	۱۹۳۹ء	—
۲۴- صدیقِ کامل	عباس محمود العقاد	ایم ثناء اللہ لاہور	مارچ ۱۹۵۷ء	۳۰۲

عباس محمود العقاد کی تصنیف عبقریۃ الصدیق کا اُردو ترجمہ ہے۔ یہ ترجمہ منہاج الدین اصلاحی نے کیا ہے۔

۲۵- سیرۃ الصدیق	عبدالرحیم داناپوری	کلکتہ	۱۳۱۳ھ	
۲۶- حضرت ابوبکرؓ	علی حیدر	مطبع اصلاح کھجوا	۱۳۷۸ھ	
۲۷- پیارے ساتھی	مائل خیرآبادی	ادارۂ بتول لاہور	—	۴۰
۲۸- جانباز ساتھی (۲ حصے)	"	"	—	۶۴
۲۹- جانباز دوست	چودھری بشیر احمد	مکتبہ اشاعت ادب لاہور	—	۴۰
۳۰- صدیق اکبرؓ	ادارہ	بساطِ ادب لاہور	—	۶۴
۳۱- صدیق اکبرؓ	امین ہاشمی	بک ویز لاہور	—	۴۸
۳۲- صدیق اکبرؓ	نصیر الدین	نذیر سنز لاہور	—	۸۰
۳۳- صدیق اکبرؓ	ساحل بلگرامی	اُردو اکیڈیمی سندھ	—	۲۴
۳۴- ابوبکر صدیق	مائل خیرآبادی	ادارہ بتول لاہور	—	۴۸
۳۵- ابوبکر صدیق	محمد صدیق	ناشران قرآن لمیٹڈ لاہور	—	۶۴
۳۶- جامع القرآن	عبدالرحمٰن شوق	ملک دین محمد لاہور	—	۴۸
۳۷- سیرۃ الصدیق	چراغ حسن حسرت	تاج کمپنی کراچی	—	۵۶
۳۸- صدیقِ اکبر	ادارہ	ویسٹ پاک لاہور	—	۶۸
۳۹- صدیق الرسول	عبدالرحمٰن شوق	ملک دین محمد لاہور	—	۶۴
۴۰- ابوبکر صدیقؓ	شبیر بیگ بریلوی	سلطان حسین	—	۳۲
۴۱- ابوبکر صدیقؓ	ادارہ	شیخ غلام علی	—	۳۲
۴۲- ابوبکر صدیقؓ	"	فیروز سنز لمیٹڈ	—	۹۶
۴۳- ابوبکر صدیقؓ	درد کاکوروی	آئینہ ادب	—	۸۸
۴۴- ابوبکر صدیقؓ	چراغ حسن حسرت	تاج کمپنی	—	۹۶
۴۵- سیرت صدیق اکبرؓ	علامہ محمد رضا	تاج کمپنی کراچی	—	۱۶۲

علامہ محمد رضا سابق مدیر مکتبہ جامعہ فواد قاہرہ کی اس تصنیف کو مولوی محمد عادل قدوسی نے اُردو کا جامہ پہنایا ہے۔

۴۶۔ افضلیت صدیقِ اکبرؓ　مفتی محمد غلام سرور قادری　مکتبہ فریدیہ ساہیوال　۱۹۷۷ء　۱۹۰

۴۷۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ　پروفیسر ملک محمد عنایت اللہ　مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی　—　۴۰

۴۸۔ مناقب صدیق اکبرؓ　حافظ محمد فاروق خان سعیدی　ادارہ تبلیغ اہلسنت ملتان پاکستان　—　۸۰

اردو کے مختلف نامور شعراء نے صدیق اکبرؓ کو جو منظوم خراجِ عقیدت پیش کیا ہے اس کو اس کتاب میں جمع کر دیا گیا ہے۔

۴۹۔ الصدیق العتیق　تاج محمد مظہر صدیقی قادری　مجلس قادریہ رحمانیہ پشاور　—　۳۶

۵۰۔ سیرۃ الصدیق　حبیب الرحمٰن خان شیروانی　گوشۂ ادب لاہور　—　۱۷۶

۵۱۔ العتیق　عبدالحفیظ عتیقی　آگرہ　جون ۱۹۳۵ء　۲۹۶

۵۲۔ صدیق اکبرؓ　خواجہ عباد اللہ اختر　شیخ الٰہی بخش محمد جلال الدین لاہور　۱۹۲۰ء　۲۱۷

شروع میں خلافت پر مفصل بحث کی گئی ہے۔

۵۳۔ خلیفہ بلافصل سیدنا حضرت ابوبکر صدیقؓ　محمد عظیم الدین　تنظیم تحفظ حقوق اہلسنت بلتستان کراچی　—　۱۵

۵۴۔ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا　عبدالجلیل قریشی　فیروز سنز لاہور　۱۹۷۲ء　۲۰۶

۵۵۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت فاروق اعظمؓ　ڈاکٹر طٰہٰ حسین　نفیس اکیڈیمی کراچی　—　—

شاہ حسن عطار کے قلم سے ڈاکٹر طٰہٰ حسین کی کتاب الشیخان کا اردو ترجمہ ہے۔ صفحات ۱۵ - ۱۱۲ میں صدیق اکبرؓ کے حالات کا تذکرہ ہے۔

۵۶۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے سرکاری خطوط　خورشید احمد فارق　ندوۃ المصنفین، دہلی　دسمبر ۱۹۶۰ء　۲۰۰

صدیق اکبرؓ کے ستر خطوط کا عربی متن اور اردو ترجمہ ہے۔

۵۷۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ　محمد بشیر لاہوری　شیخ غلام حسین تاجر کتب لاہور　—　۲۰۸

۵۸۔ صدیق اکبرؓ　سعید احمد اکبر آبادی　ندوۃ المصنفین دہلی　نومبر ۱۹۵۷ء　۴۸۰

۵۹۔ سیرِ صدیقؓ　علامہ سیوطیؒ　الماس پریس دہلی　۱۳۴۲ھ　۱۷۶

علامہ سیوطیؒ کی تاریخ الخلفاء کے متعلقہ حصے کا اردو ترجمہ عطاء الرحمٰن صدیقی کے قلم سے ہے۔

۶۰۔ ثانی اثنین　عبدالحلیم شرر　لکھنؤ　۱۹۲۵ء　۵۸

۶۱۔ حیات صدیقؓ و خالدؓ　علامہ رفیق بک　کارخانۂ وطن لاہور　۱۹۰۷ء　۱۲۸

مصری عالم رفیق بک اعظم کے مصنفہ تاریخی سلسلہ سیرۃ الخلفاء الراشدین و مشاہیر اسلام کے پہلے حصے کا اردو ترجمہ ہے جس کے ابتدائی ۱۱۱ صفحات صدیق اکبرؓ کے لئے وقف ہیں۔ ان میں آپؓ کے تیرہ خطبات بھی ہیں۔

۶۲۔ جہاد صدیقؓ　ریٹائرڈ جنرل محمد اکبر خان　فیروز سنز لاہور　—　۱۸۴

حدیثِ دفاع، ہمارا دفاع اور اسلحۂ جنگ وغیرہ کے مشہور مصنف جنرل اکبر خان نے صدیق اکبرؓ کی جنگی صلاحیتوں کے علاوہ اسلامی حکومت اور خلافت کی حقیقت پر بھی بحث کی ہے۔

۶۳۔ ابوبکر صدیق اکبرؓ محمد حسین ہیکل مکتبۂ جدید لاہور ۱۹۵۷ء ۶۷۴
محمد حسین ہیکل کی معرکہ آرا تصنیف "الصدیق ابوبکرؓ" کا اردو ترجمہ ہے۔ جو شیخ محمد احمد پانی پتی نے کیا ہے۔

عربی

۶۴۔ مجموعۃ الوثائق السیاسیۃ الدکتور محمد حمید اللہ الحیدر آبادی مطبعۃ لجنۃ التالیف والترجمۃ والنشر القاہرہ ۱۹۶۱ء ۱۰۱
مشہور مسلم محقق ڈاکٹر محمد حمید اللہ کا مقالہ برائے ڈاکٹریٹ ہے جو فرانسیسی میں لکھا گیا تھا۔ حضرت ابوبکرؓ کے عہد کے وثیقہ جات.....

۶۵۔ تاریخ الاسلامی والحضارۃ الاسلامیۃ الدکتور احمد شلبی مکتبۃ النہضۃ المصریۃ قاہرہ ۱۹۵۹ء ۴۰۰
اس کے صفحہ سے تک حضرت ابوبکرؓ کا ذکر کیا گیا ہے۔

۶۶۔ کتاب العبر علامہ عبد الرحمٰن بن خلدون مطبعۃ النہضۃ مصر — ۵۵۲
علامہ ابن خلدون کی مشہور تصنیف کتاب العبر و دیوان المبتداء والخبر فی ایام العرب والعجم والبربر ومن عاصرھم من دول السلطان الاکبر کی دوسری جلد کے صفحہ ۲۷۰ سے ۳۰۷ تک صدیق اکبر کا تذکرہ ہے۔

۶۷۔ البدایہ والنہایہ ابو الفداء اسمٰعیل ابن عمر بن کثیر الدمشقی مطبعۃ السعادۃ مصر — ۳۶۰
یہ کتاب تاریخِ اسلام کے معتبر ترین مآخذ میں شمار ہوتی ہے۔ اس کے مصنف علامہ ابن کثیر دمشقی متوفی ۷۷۴ھ شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ کے ارشد تلامذہ میں سے ہیں۔ اس کتاب کی چھٹی جلد کے صفحہ ۳۰۱ سے آخر کتاب تک صدیق اکبرؓ کے حالات کا ذکر کیا گیا ہے۔ کتاب ٹائپ میں ہے۔

۶۸۔ تاریخ الامم والملوک ابو جعفر محمد بن جریر الطبری مطبعہ حسینیہ مصریہ —
تاریخ اسلام کے قدیم مآخذ میں سے ہے جو تاریخ طبری کے نام سے مشہور ہے۔ اس میں بعض روائتیں سقیم بھی آگئی ہیں۔ جلد سوم کے ص ۱۹۹ سے آخر تک اور جلد چہارم کی ابتداء سے صفحہ ۵۰ تک صدیق اکبرؓ کے حالات ہیں۔ قدیم مصری ٹائپ میں ہے۔

۶۹۔ الطبقات الکبریٰ محمد ابن سعد بریل لیڈن ۱۳۲۱ھ —
مصنف نے نو ۹ جلدوں میں صحابہ کرامؓ کا تذکرہ لکھا ہے۔ اس کی تیسری جلد کے صفحات ۱۱۹ تا ۱۵۲ میں صدیق اکبرؓ کا تذکرہ ہے۔ یہ کتاب سوانح صدیقی کے اولین و مستند ترین مآخذ میں سے ہے پرانی قسم کے ٹائپ میں چھپی ہے۔

۷۰۔ واقعہ مالک بن نویرہ :۔ ابو ریاش احمد بن ابی ہاشم القیسی (متوفی ۳۳۹ھ) نے خالدؓ بن ولید اور مالک بن نویرہ کے واقعہ پر ایک مستقل رسالہ لکھا تھا (خزانۃ الادب ج ۲، ص: ۲۳۶) خطیب بغدادی نے بھی اس سے ایک طویل اقتباس دیا ہے۔ یاقوت نے معجم الادباء کی دوسری جلد میں اس کا تذکرہ کیا ہے۔

۷۱۔ اشہر مشاہیر الاسلام فی الحرب والسیاسۃ رفیق بک العظم قاہرہ ۱۳۲۷ھ —
یہ کتاب دو جلدوں میں ہے۔ جلد اول میں صدیق اکبرؓ اور فاروق اعظمؓ کا تذکرہ ہے۔

۷۲۔ الاصابہ فی تمییز الصحابہ حافظ ابن حجر عسقلانی دار نہضۃ مصر۔ قاہرہ — ۷۷۰
حافظ ابن حجر نے آٹھ جلدوں میں صحابہ کرام کے حالات لکھے ہیں۔ اس کی چوتھی جلد کے صفحہ ۱۶۹ سے ۱۷۵ تک صدیق اکبرؓ کا ذکر ہے۔ مختصر مگر مستند معلومات کا ذخیرہ ہے۔ نمبر شمار میں یہاں صدیق اکبرؓ کا نمبر (۴۸۲۰) ہے۔ یہ کتاب عمدہ ٹائپ میں ہے۔

۷۳۔ کتاب الردہ :۔ ابن خلکان نے ابو زید وثیمہ بن موسیٰ ابن الفرات الوشاء (متوفی ۲۳۲ھ) کی اس تصنیف کا طویل اقتباس مالک بن نویرہ کے واقعہ کے ذیل میں نقل کیا ہے (ج ۵، ص: ۶۴) یہی اقتباس ابن شاکر کی "فوات الوفیات" میں بعینہٖ منقول ہے (ج ۲، ص: ۶۲۵) حافظ ابن حجر نے "الاصابہ" میں اس کتاب کے متعدد حوالے دئیے۔ ان اقتباسات کو ایک جرمن مستشرق نے کتاب کی صورت میں مرتب کیا ہے۔

۷۴۔ کتاب الردہ : اس عنوان سے ایک کتاب ابو الحسن علی بن محمد المدائنی (متوفی ۲۱۵ھ) نے لکھی (الفہرست ص: ۱۴۸)

۷۵۔ کتاب حجۃ ابی بکر الصدیق :۔ ایک کتاب ابو الحسن علی بن محمد المدائنی (متوفی ۲۱۵ھ) نے لکھی۔

۷۶۔ کتاب الردہ :۔ ابن الندیم نے الفہرست (ص: ۱۵۹) میں لکھا ہے کہ ابو اسحٰق بن عیسی العطار نے یہ کتاب لکھی۔ ابو اسحٰق، اسحٰق بن بشر کا شاگرد اور اس کی کتابوں کا راوی تھا (تاریخ بغداد جلد ۶، ص: ۲۶۲)

۷۷۔ کتاب الردہ :۔ ابن ندیم نے الفہرست (ص ۱۴۴) میں ابو عبداللہ محمد بن عمر الواقدی (متوفی ۲۰۷ھ) کی اس تصنیف کا ذکر کیا ہے۔

۷۸۔ کتاب السقیفہ و بیعت ابی بکر :۔ ابن ندیم نے الفہرست (ص: ۱۴۴) میں ابو عبداللہ محمد بن عمر الواقدی (متوفی ۲۰۷ھ) کی اس تصنیف کا ذکر کیا ہے۔

۷۹۔ کتاب سیرۃ ابی بکر وفاتہ :۔ ابن ندیم نے الفہرست (ص: ۱۴۴) میں ابو عبداللہ محمد بن عمر الواقدی (متوفی ۲۰۷ھ) کی اس تصنیف کا ذکر کیا ہے۔

۸۰۔ کتاب الردہ :۔ ابن ندیم نے اسحٰق بن بشر (متوفی ۲۰۶ھ) کی اس تصنیف کا ذکر کیا ہے (الفہرست

ص : ۱۳۷) اسحٰق نے کتاب المبتدا بھی لکھی تھی۔ (تاریخ بغداد ج ۶، ص : ۳۲۶، میزان الاعتدال ج ۱، ص : ۸۶)

۸۱- کتاب الردہ :- ابن ندیم نے ابو مخنف لوط بن یحییٰ (متوفی ۱۷۰ھ) کی تصنیف کتاب الردہ کا ذکر کیا ہے (الفہرست : ص : ۱۳۶)

۸۲- کتاب الردہ :- ابن ندیم نے لکھا ہے کہ اس نام سے سیف بن عمر الاسدی التمیمی (متوفی بعہد ہارون الرشید) نے کتاب لکھی تھی (الفہرست، ص : ۱۳۷)

وہ کتابیں جن کا تذکرہ ابن ندیم، ابن خلکان اور ابن حجر نے کیا ہے۔

۸۳- ابوبکر صدیقؓ :- حافظ ابن حجر نے اصابہ (جلد ۲، ص : ۳۳۳) میں لکھا ہے کہ ابن عساکر نے اس نام سے ایک ضخیم کتاب تصنیف کی تھی۔

۸۴- عہدِ صدیقی :- حافظ عماد الدین ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ میں جہاں عہدِ صدیقی کے واقعات لکھے ہیں وہاں اس موضوع پر خود اپنی ایک مستقل کتاب کا بھی ذکر کیا ہے۔

۸۵- عصر خلفائے الراشدین	الدکتور عبدالحمید	دارالمعارف بمصر قاہرہ	۱۹۶۵ء	—

حضرت ابوبکر صدیقؓ کے حالات ص : تک دئے گئے ہیں۔

۸۶- ابوبکر صدیقؓ	عبدالوہاب نجار			
۸۷- الصدیق ابوبکرؓ	محمد حسین ہیکل	شرکتہ ساہمۃ مصریہ	۱۹۵۸ء	۴۳۱
۸۸- عبقریۃ الصدیق	عباس محمود العقاد	مصر	—	—
۸۹- طبقات کبیر	مترجم عبداللہ العمادی	جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن	۱۹۴۴ء	۲۵۸

محمد بن سعد الواقدی کے قلم سے عربی میں آٹھ جلدوں میں صحابہ کرامؓ کا تذکرہ ہے۔ صدیق اکبرؓ کے حالات جزءِ خامس (حصہ اولیٰ) کے صفحات ۳ تا ۵۴ پر درج کئے گئے ہیں۔

۹۰- اشعار ابی بکر الصدیقؓ	دکتور امین اللہ وثیر	مکتبہ الرشیدیہ بلاہور	۱۳۹۴ھ	۳۰

فارسی

۹۱- دائرۃ المعارف عمومی تالیف سعید یان صفحہ ۳۶۵

۹۲- تاریخ تمدن اسلام	"	جرجی زیدان جلد اول	صفحہ ۵۱
۹۳- میہن ما	"	مطیع الدولہ حجازی	صفحہ ۳۶
۹۴- خلفای راشدین	"	عباس خلیل	
۹۵- ادیان بزرگ جہان	"	ھاشم رضی	صفحہ ۶۵۷

۹۶- قصص الانبیاء تالیف ابواسحٰق نیشاپوری باھتمام حبیب یغمائی صفحہ ۴۵۵

۹۷- کتاب الفتوح:۔ ابو محمد احمد بن اعثم الکوفی کی اس تصنیف کا ابتدائی حصہ ارتداد عرب کی تاریخ پر مفصل بحث پر مشتمل ہے۔ اس کتاب کا فارسی ترجمہ اصل عربی کی نسبت زیادہ مشہور ہے۔ مؤلف نے واقدی اور دیگر متقدمین کی روایات کو اس کتاب میں جمع کر دیا ہے۔

انگریزی

۹۸- ABU BAKR عطا محی الدین — — —

۹۹- ABU BAKR ناز فیروز سنز لاہور — ۱۱۷

۱۰۰- LIFE OF ABU BAKR FIRST CALIPH OF ISLAM ڈاکٹر سید معین الحق اشرف پبلشرز لاہور ۱۹۷۳ء ۱۸۴

حبیب الرحمٰن خان شیروانی کی کتاب سیرۃ الصدیق کا انگریزی ترجمہ ہے

۱۰۱ ABU BAKR خورشید احمد انور ینگ پیپلز پبلشنگ بیورو لاہور ۱۹۶۸ء ۵۶

۱۰۲ ABU BAKR فضل احمد شیخ اشرف لاہور ۱۹۷۰ء ۱۰۰

۱۰۳ HISTORY OF THE ARABIANS ایبے دی مارینی — اٹھارہویں صدی —

اس میں مصنف نے بڑی تحقیق سے صدیق اکبرؓ کا ذکر خاص طور پر کیا ہے (بحوالہ ابوبکر صدیق اکبرؓ از ہیکل)

ESSAI SUR L'HISTORIC DES ARBES کوسین دی پرسیوال فرانسیسی انیسویں صدی —

اس میں بھی حضرت ابوبکرؓ کا ذکر تفصیل سے کیا گیا ہے۔ (بحوالہ ابوبکر صدیق اکبر از ہیکل)

۱۰۴- ABU BAKR AS-SIDDIQ عبدالرحمٰن شاد قاضی پبلیکیشنز نومبر ۱۹۷۷ء ۸۳

۱۰۵- EARLY CALIPHATE مولانا محمد علی احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور ۱۹۵۱ء ۳۲۵

MONTHLY ZIA-E-HARAM LAHORE
VOL. 9 | JUNE 1979 | NO. 8,9

سرورق مطبوعہ شار آرٹ پریس لاہور